معارف القرآن
تالیف
شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
جلد ششم مشتمل بر تفسیر پارہ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳
بترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما
شائع کردہ
مکتبۃ المعارف
دار العلوم الحسینیہ شہداد پور
سندھ، پاکستان
باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ درین زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینہ حقائق ومعارف
خزینۂ اسرار ولطائف کشاف مشکلات قرآنیہ ووضاف مخدرات فرقانیہ

مُسمّٰی بہ

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد ششم مشتمل بر تفسیر پارہ (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳ نصف)

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور
سندھ، پاکستان

باجازت:- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن ؒ

قرآن پاک معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب جو کہ دار العلوم الحسینیہ (رجسٹرڈ) شہداد پور والے حضرات نے خود دوبارہ لکھوایا ہے اور چھاپا ہے۔

ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو چھپوائیں اور فروخت کریں۔

27/1/99

عکس اجازت نامہ از حافظ محمد سعد صدیقی صاحب
نبیرۂ مصنف معارف القرآن ؒ

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۶
نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
مکمل سیٹ :- ۸ جلد
صفحات جلد ۶ ۵۲۹
کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور
کتابت ترجمہ وتفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ
تعداد طبع اول :- ۱۴۱۹ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)
تعداد طبع دوم :- ۱۴۲۲ھ
پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور سندھ پاکستان
فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس۔ المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ
نزد لسبیلہ چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰
لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۴۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
شہداد پور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط وکتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست معارف القرآن جلد ششم

مشتمل بر پارہ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ واں نصف

بقیہ سورۂ نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ، احزاب
سبا، فاطر، یٰسین، صافات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۹	مخالفین پردہ کے خیالات جن کو وہ اپنے دلائل کہتے ہیں۔ اور ان کے جوابات	۲۶۰
۱۳۰	پہلی بات کا جواب	//
۱۳۱	دوسری بات کا جواب	//
۱۳۲	تیسری بات کا جواب	۲۶۱
۱۳۳	چوتھی بات کا جواب	//
۱۳۴	آیت تطہیر پر عمدہ بحث	//
۱۳۵	آیت تطہیر کے بارے میں شیعوں کا خیال اور پہلی بات کا جواب	۲۶۲
۱۳۶	حدیث نساءؑ ایک شبہ اور اس کا ازالہ	//
۱۳۷	فائدہ (حضرت خدیجہؓ کی چار بیٹیاں تھیں)	۲۶۷
۱۳۸	خلاصۂ کلام	۲۶۸
۱۳۹	شیعوں کی دوسری بات کا جواب ۱	۲۶۹
۱۴۰	جواب ۲	۲۷۰
۱۴۱	تبشیر عام بر امتثال احکام اسلام	۲۷۲
۱۴۲	نکتہ	۲۷۴
۱۴۳	بیان حرمت اعراض و عدول از فیصلہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم الخ	۲۷۶
۱۴۴	نکتہ ۱ (آیت میں نفی خوف کی وضاحت)	۲۸۳
۱۴۵	نکتہ ۲	//
۱۴۶	نکتہ ۳	۲۸۴
۱۴۷	نکتہ ۴	۲۸۵
۱۴۸	نکتہ ۵	//
۱۴۹	ابطال تقیہ	//
۱۵۰	طاعنین کے طعن کا جواب	۲۸۷
۱۵۱	اسامی صحابہ کرامؓ جن سے حدیث ختم نبوت مروی ہے	۲۸۹
۱۵۲	لطائف و معارف	۲۹۰
۱۵۳	ذکر اختلاف قرارت در آیت ختم نبوت	۲۹۱
۱۵۴	لفظ خاتم کی تشریح	۲۹۲

تفسیر سورۂ سبا ۳۴۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۲	نکتہ	۳۶۸
۲۰۳	اثبات رسالت محمدیہ وعموم بعثت واثبات قیامت	۳۷۱
۲۰۴	عیش پرستوں کے ایک شبہ کا جواب	۳۷۵
۲۰۵	خاتمۂ سورت بر کلمۂ حکمت وموعظت	۳۸۰
۲۰۶	تتمۂ تہدید منکرین ومکذبین	۳۸۱
۲۰۷	اختتام سورۂ سبا	۳۸۲
	تفسیر سورۂ فاطر	۳۸۳
۲۰۸	خلاصۂ سورت	〃
۲۰۹	تحمید خداوند حمید ومجید برائے اثبات توحید وتذکیر نعم وتحذیر از نقم	۳۸۶
۲۱۰	نکتہ	۳۸۹
۲۱۱	لطائف ومعارف	〃
۲۱۲	ذکر اقوال مختلفہ دربارۂ حقیقت ملائکہ علیہم السلام	۳۹۱
۲۱۳	منکرین ملائکہ کی تردید آیات قرآنیہ سے	۳۹۲
۲۱۴	اس بارے میں احادیث صحیحہ وصریحہ	۳۹۴
۲۱۵	وجود ملائکہ پر فلاسفۂ حال کے شبہات اور ان کے جوابات	۳۹۵
۲۱۶	پہلا شبہ اور اس کے تین جواب	〃
۲۱۷	دوسرا شبہ مع جواب	۳۹۶
۲۱۸	تیسرا شبہ مع جواب	〃
۲۱۹	ذکر دلائل توحید مع دیگر مضامین مناسبۂ مقام مثل ترغیب خشیت وفکر آخرت الخ	۳۹۸
۲۲۰	نکتہ	۳۹۹
۲۲۱	ذکر دلیل آخر بر توحید وامکان حشر ونشر واثبات قضاء وقدر	۴۰۱
۲۲۲	ذکر دلیل	۴۰۱

کتابت : ع م شہدادپور

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ

بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین ؟ اور اتار دیا تم کو

مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ

آسمان سے پانی ؟ پھر اگائے ہم نے اس سے باغ رونق کے۔

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ

تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت۔ اب کوئی اور حاکم ہے

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ

اللہ کے ساتھ ؟ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے رہیں۔ بھلا کس نے بنایا زمین کو

قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ

ٹھہراؤ اور بنائیں اسکے بیچ ندیاں اور رکھے اس میں بوجھ اور

جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ

رکھا دو دریا میں اوٹ۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ کیساتھ ؟

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ

کوئی نہیں ان بہتوں کو سمجھ نہیں۔ بھلا کون پہنچتا ہے پھنسے کی

إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ

پکار کو ؟ جب اسکو پکارتا ہے، اور اٹھا دیتا ہے برائی۔ اور کرتا ہے تمکو نائب

الْأَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

زمین پر۔ اب کوئی حاکم ہے اللہ کیساتھ ؟ تم سوچ کم کرتے ہو۔

أَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ

بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے ؟ اور کون

يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ

چلاتا ہے باویں خوشخبری لاتیاں اس کی مہر سے آگے ؟ اب کوئی حاکم

اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا

ہے اللہ کے ساتھ؟ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جو شریک بناتے ہیں۔ بھلا کون سرے سے

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

بناتا ہے؟ پھر اسکو دہراتا ہے ؟ اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے

وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

اور زمین سے ؟ اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ ؟ تو کہہ لاؤ اپنی سند

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي

اگر تم سچے ہو ۔ تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

آسمان اور زمین میں چھپی چیز کی ، مگر اللہ ۔ اور انکو خبر نہیں

اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫

کب جلائے جائیں گے ؟ بلکہ ہار گری انکی دریافت آخرت میں

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ع

بلکہ ان کو دھوکا ہے اس میں ۔ بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

ذکر انواع واقسام دلائل توحید مع توبیخ و تہدید

قال اللہ تعالیٰ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .. الیٰ .. بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں مشرکین اور منکرین نبوت کے انجام بد کا ذکر فرمایا جو خدا کی قدرت اور اس کے قہری

نشانی تھی اب پھر مشرکین کی توبیخ و تہدید کے لیے اپنے آثار قدرت اور دلائل الوہیت و وحدانیت ذکر کرتے ہیں کہ شاید یہ بدنصیب شرک سے باز آجائیں انکو چاہیئے کہ خدا کے قہر کی نشانیوں میں بھی غور کریں اور اسکی قدرت کی نشانیوں میں بھی غور کریں جو سب کی سب اسکی توحید اور اسکی عظمت وجلال پر دلالت کرتی ہیں اور سمجھیں اور جانیں کہ خدا کے سوا سب عاجز اور ذلیل ہیں لہٰذا شرک سے توبہ کریں اور یقین کریں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو۔ اور واحد قہار کے قہر سے بچنے کی فکر کریں گزشتہ آیت میں مجملاً یہ فرمایا آللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ۔ بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ بت بہتر ہیں جنکو مشرکین اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اس سے مقصود مشرکین کو سرزنش کرنا اور الزام دینا تھا کہ بت جو اپنے عابدوں کو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ان سے کوئی بلا ٹال سکتے ہیں وہ بہتر ہیں یا اللہ واحد قہار بہتر ہے اس کو کیوں نہیں پوجتے تاکہ اس کے قہر اور عذاب سے محفوظ رہیں۔ اب اس تمہید کے بعد اللہ کی وحدانیت کے چند دلائل بیان کرتے ہیں اور اجمال کے بعد قدرے کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ مشرکین ان میں غور کریں اور بتلائیں کہ کون بہتر ہے۔

نوع اوّل متعلق بہ آسمان وزمین

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ... بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ۔

کیا یہ عاجز اور ان کے تراشیدہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی سے خوشنما اور بارونق باغ اگائے تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم درختوں کو اگا ہی سکو۔ تمہاری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ زمین میں بیج ڈالو۔ باقی درختوں کے اگانے اور انکی نشو ونما پر تم کو ذرہ برابر بھی قدرت نہیں اور درختوں اور پھولوں اور پھلوں میں جو عجیب عجیب صنعتیں ہیں انکا تو تم تصور بھی نہیں کر سکتے آسمان اور زمین کے اختلاط سے یہ نعمتیں میسر آتی ہیں اور آسمان سے پانی برسنے میں اور زمین سے نباتات کے اگنے میں ذرہ برابر کسی کو دخل نہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ جس کی شان یہ ہے کوئی اور معبود ہے جو الوہیت میں اسکا شریک ہے جو ان چیزوں کے پیدا کرنے میں اسکا معین اور مددگار ہو۔ کوئی نہیں۔ پر مشرکین راہ حق سے عدول کرتے ہیں اور بلا دلیل خدا کا شریک اور اسکا برابر ٹھہراتے ہیں۔

غرض یہ کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنا اور پھر آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے قسم قسم کی نباتات کا اگانا یہ سب اسکی قدرت کے دلائل ہیں جن میں کوئی اسکا شریک نہیں

اوتار ہندوستان کے مشرکین یعنی ہندو اوتاروں کے قائل ہیں۔ اوتار اسکو کہتے ہیں کہ جس میں خدا حلول کر جائے جیسے "رام" اور کنہیا کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ اوتار تھے۔

اہل اسلام اس سے بری اور بیزار ہیں مسلمانوں کے نزدیک خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کرے یا کسی چیز کا جز ہو جائے۔ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ۔

نوع دوم متعلق بہ کائنات زمین

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا ... الی ... بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

بھلا بتلاؤ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے جس نے زمین کو آدمیوں اور چوپایوں کے لیے قرارگاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کیں اور اس نے زمین کو ٹھہرانے کے لیے پہاڑ بنائے یعنی اس نے اپنی قدرت سے زمین کو جائے قرار بنایا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے اور جمی ہوئی ہے کہ نہ جھکتی ہے اور نہ ہلتی ہے اگر وہ ہلتی اور کانپتی رہتی تو کوئی ذی حیات اس پر زندگی نہ بسر کر سکتا اور نہ اس کی عیش خوشگوار ہوتی۔ اللہ نے اس کو اپنے فضل اور رحمت سے ایسا جما ہوا فرش بنا دیا کہ ہلتا نہیں۔ اور اس نے دو دریاؤں کے درمیان ایک پردہ بنا دیا یعنی ایک حد فاصل بنا دی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہیں پاتا حالانکہ ایک کا پانی کھاری ہے اور ایک کا میٹھا ہے مگر قدرت الٰہی نے ان کے درمیان ایسا پردہ حائل کر دیا کہ دونوں مخلوط نہیں ہوتے اس کی تحقیق اور تفصیل سورۂ فرقان کی اس آیت وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے

بھلا خدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے جس میں یہ قدرت ہو ہرگز نہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ کچھ جانتے اور بوجھتے نہیں اس لیے شرک میں مبتلا ہیں۔

نوع سوم متعلق بہ احتیاج انسان سوئے خداوند جہاں

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ... الی ..... قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔

بھلا بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے کہ جو مصیبت زدہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے بیماری اور تنگی کے دور کرنے پر سوائے خدا کے کوئی قادر نہیں۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور بر و بحر کے عجائب قدرت سے استدلال کیا اب اس آیت میں انسان کی ذاتی حاجت سے اپنی الوہیت پر استدلال کرتے ہیں کہ مصیبت اور بیقراری کی حالت میں انسان کا خدا کو پکارنا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی معرفت انسان کی طبیعت میں راسخ ہے مصیبت میں صرف خدا ہی کو پکارتا ہے کسی بت کو نہیں پکارتا اور مضطر اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو ایسی شدت اور مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہے اور نہ اس پر صبر کر سکتا ہے۔ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کا مصداق ہے پس خدائے برحق وہ ہے۔ کہ جب اسباب ظاہری تم کو جواب دے دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز ہو جاتے ہو اور اس وقت تم اپنی سختیوں میں اس

کو پکارتے ہو اور وہ تمہاری پریشانی دور کرتا ہے وہی تمہارا خدا ہے اور وہی خدا تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے کہ ان کو موت دیتا ہے اور انکے بعد زمین کو تمہارے تصرف میں لاتا ہے اسی طرح ایک قوم کے بعد دوسری قوم اور ایک قرن کے بعد دوسرا قرن پیدا کرتا رہتا ہے جیسی اسکی حکمت اور مشیت ہوتی ہے اسی کے موافق پیدا کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ جس کی شان یہ ہے اور کوئی معبود ہے مگر تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو کہ ایسے دلائل حقہ اور واضحہ پر بھی دھیان نہیں کرتے ۔

نوع چہارم متعلق بہ حاجات مخصوصہ در اوقات مخصوصہ

قال اللہ تعالیٰ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ.. الی .. تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ـ

بھلا بتاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لیے ستارے پیدا کیے تاکہ اندھیروں میں انکے ذریعہ راستہ معلوم کر سکو کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ اور ان ستاروں کا پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کون ہے یہ تو ظاہری ستارے ہیں اور معنوی ستارے صحابہ کرامؓ ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے تمام صحابہ نجوم ہدایت ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے ۔

پس خدائے برحق تو وہ ہے جس کی شان یہ بیان ہوئی اور اسکی ایک شان یہ ہے کہ وہ اپنی باران رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے کہ وہ ہوائیں تمکو باران رحمت کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔ باران رحمت کے نزول سے پہلے ہواؤں کا چلانا سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے۔ ہرگز نہیں۔ اللہ بلند اور برتر ہے کہ کوئی اسکا شریک ہو۔ ایک عاجز محض قادر برتر کا کہاں شریک ہو سکتا ہے ۔

نوع پنجم متعلق بہ مبدا، و معاد و حشر و نشر اجساد

قال اللہ تعالیٰ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ .... الی .... بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۔

بھلا بتلاؤ کہ یہ بت بہتر ہیں یا وہ ذات بہتر ہے کہ جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے جو تمہیں بھی مسلّم ہے پھر وہی اپنی قدرت سے موت کے بعد قیامت کے دن انکو دوبارہ پیدا کریگا۔ پس خدا وہ ہے کہ جو وجود اور عدم کا مالک ہو اور جو لوگ قیامت کے منکر ہیں وہ بلا دلیل کفر کرتے ہیں کیونکہ جب پہلی مرتبہ کی پیدائش تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے تو دوبارہ پیدائش کو کیوں محال اور ناممکن بتلاتے ہو اور اس خدا کی شان یہ ہے کہ وہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے۔ آسمان سے بقدر معلوم پانی نازل کرتا ہے اور زمین سے قسم قسم کے نباتات اگاتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے جو ان کاموں میں اسکا شریک ہے ۔

اے نبی آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے شرک پر کوئی دلیل لاؤ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔ یہ تو اللہ کے کمال قدرت کا بیان تھا اب آگے اس کے کمال علم کو بیان کرتے ہیں۔ اے نبی آپ ان مشرکین سے جو بطور استہزاء اور تمسخر آپ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی ان سے کہہ دیجئے کہ آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزوں کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا جس طرح آسمان و زمین کے ہزارہا بلکہ لکھوکھہا چیزیں تم سے پوشیدہ ہیں اسی طرح قیامت کو بھی سمجھو کہ وہ بھی ہم سے پوشیدہ ہے اور اسی وجہ سے لوگوں کو اسکی خبر نہیں کہ مردے قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے مشرکین قیامت کے منکر تھے اور اس کو محال بتاتے تھے ان آیتوں میں اسکا جواب دے دیا گیا کہ خدا وہ ہے جو ہمارے مبدار اور معاد یعنی وجود اور عدم اور موت اور حیات اور سامان حیات یعنی رزق کا پیدا کرنے والا ہے پس جو خدا پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے پس یہ لوگ کیوں آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ آخرت کے بارہ میں فقط لاعلم اور بے خبر نہیں بلکہ ان کا علم آخرت کے بارہ میں غائب اور گم ہو چکا ہے ان لوگوں کو تو نفس آخرت کی بھی خبر نہیں کہ وہ کیا چیز ہے گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ ان لوگوں کو آخرت کا وقت معلوم نہیں اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ ان کو نفس آخرت کا بھی علم نہیں کہ وہ کیا چیز ہے بلکہ آخرت کے بارہ میں شک اور تردّد میں پڑے ہوتے ہیں بلکہ عظیم حیرت اور اضطراب میں ہیں انکی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کدھر جائیں کما قال تعالیٰ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ بلکہ آخرت سے اندھے ہیں۔ دل کی بینائی جاتی رہی کوئی دلیل اور کوئی حق بات انکو نظر نہیں آتی۔ مطلب یہ ہے کہ فقط شک اور تردّد میں نہیں بلکہ اندھے بن گئے ہیں اور حق سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ دنیاوی لذات و شہوات میں غرق ہیں حیوان ہو گئے ہیں سوائے شکم اور شرمگاہ کے اور کسی طرف توجہ نہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ لکھتے ہیں یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں۔ (موضح القرآن)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ

اور بولے وہ جو منکر ہیں، کیا جب ہم ہو گئے مٹی اور ہمارے باپ دادے

اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ

کیا ہم کو زمین سے نکالنا ہے۔ وعدہ مل چکا ہے اس کا ہم کو اور

اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

ہمارے باپ دادوں کو آگے سے۔ اور کچھ نہیں یہ نقلیں ہیں اگلوں کی۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا آخر

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا

گناہ گاروں کا - اور غم نہ کھا ان پر اور نہ

تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى

رہ خفگی میں انکے داؤ بنانے سے - اور کہتے ہیں کب ہے

هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى

یہ وعدہ ؟ اگر تم سچے ہو- تو کہہ شاید تمہاری

اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

پیٹھ پر پہنچی ہو بعضی چیز ، جس کی شتابی کرتے ہو-

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر ، پر ان میں بہت

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ

شکر نہیں کرتے - اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ

صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ

رہا ہے ان کے سینوں میں - اور جو کھولتے ہیں- اور کوئی چیز نہیں جو غائب

فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ

ہو آسمان و زمین میں ، مگر ہے

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

کھلی کتاب میں -

اثبات قیامت

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا .. الیٰ .. اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ

(ربط) گزشتہ آیات میں مبدا اور معاد کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ کفار لعنت یعنی دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں شک میں پڑے ہوئے ہیں اب ان آیات میں معاد کے متعلق ان کے شک اور شبہ کو نقل کر کے اسکا جواب دیتے ہیں۔ کفار قیامت کے قائل نہ تھے اور بطور مضحکہ یہ کہا کرتے تھے کہ بھلا آدمی مر کر بھی زندہ ہوتا ہے یہ سب محض اگلے لوگوں کے افسانے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھ لو! منکرین قیامت کا کیا انجام ہوا اور کیسے تباہ اور برباد ہوئے اور زمین انکے ناپاک وجود سے پاک کر دی گئی انکی تباہی اور بربادی کے نشان موجود ہیں جو راستہ میں تمکو دکھائی دیتے ہیں۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ۔ میں ان کافروں کا ذکر تھا کہ جو آخرت سے اندھے بن گئے اور حیوانات کی طرح انکو سوائے کھانے اور پینے اور سونے کے کسی طرف توجہ نہیں رہی اب آگے ان اندھوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو آخرت کے بارہ میں شک اور تردد میں نہیں بلکہ سختی سے آخرت کے منکر ہیں اور حیوان سے بڑھ کر حیوان بن گئے۔ اس لیے آئندہ آیت میں انکا قول حیوانی نقل کر کے جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ کافر یعنی منکرین قیامت چشم بصیرت کے اندھا ہو جانے کے سبب سے یہ کہتے ہیں کہ جب ہم اور ہمارے آباء و اجداد بالکل خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جائیں گے البتہ تحقیق یہ حشر و نشر کا وعدہ ہم کو بھی دیا گیا اور ہم سے پہلے ہمارے آباو اجداد کو بھی دیا گیا لیکن آج تک تو یہ وعدہ پورا نہیں ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں صرف اگلے لوگوں کے گھڑے ہوئے افسانے ہیں یعنی حشر و نشر کی کوئی اصلیت نہیں۔ یوں ہی لوگوں نے افسانے بنائے ہیں۔ اے نبی آپ ان مکذبین اور منکرین سے کہہ دیجئے کہ تم ملک کی سیر کرو پھر دیکھو کہ ان مجرمین اور منکرین آخرت کا انجام کیا ہوا کہ اس تکذیب اور انکار کے سبب کیسے تباہ اور برباد ہوئے۔ حضرت آدمؑ سے لیکر اب تک جن امتوں نے آخرت کو نہیں مانا وہ سب عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے اور اے نبی آپ اپنی امت کے مشرکوں کی تکذیب اور انکار کی وجہ سے اور انکے مکر و فریب کی وجہ سے تنگدل اور غمگین نہ ہو جیئے وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں تیرا نگہبان ہوں اور تیری حفاظت کا کفیل ہوں

(نظم)

غم مخور زآنکہ غمخوارت منم ⁂ در ہمہ بر ہا نگہدارت منم

از تو گر اغیار بردارند روی ⁂ ایں جہان و آں جہاں یارت منم

اور کہتے ہیں یہ کافر کہ وہ وعدۂ عذاب کہاں ہے اور کب ہو گا اے مسلمانو اگر تم سچے ہو اور عذاب سے ڈراتے ہو تو بتلاؤ کہ وہ عذاب کہاں ہے اگر تم سچے ہو تو اس وعدہ کو پورا کر کے دکھلاؤ اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ شاید وہ عذاب جس کی تم جلدی مچا رہے ہو اس میں کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے ہی پیچھے آ جائے۔ اشارہ بدر کے دن کے عذاب کی طرف ہے یا قحط اور گرانی کی مصیبت کی طرف ہے یا عذاب قبر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی جلدی آنے والا ہے اور اب تک جو عذاب میں دیر ہو رہی ہے سو اسکی وجہ یہ ہے کہ تیرا پروردگار لوگوں پر فضل کرنے والا ہے کہ فوراً سزا نہیں دیتا ولیکن لوگوں میں بہتیرے ایسے ہیں کہ

جو شکر نہیں کرتے اور تاخیر عذاب جو کہ ایک نعمت ہے اسکا حق نہیں پہچانتے اور بے شک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس عداوت کو جس کو وہ اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہیں اور خوب جانتا ہے اس تکذیب اور انکار کو جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں عذاب میں تاخیر بے خبری کی وجہ سے نہیں اللہ انکے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے بلکہ حکمت اور مصلحت کی بنا پر ہے اور وہ حلیم و کریم ہے وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا وہ اپنے دشمنوں کو مہلت دیتا ہے اور آسمان و زمین کی کوئی چھپی بات ایسی نہیں کہ جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی نہ ہو اور ان پر جو عذاب بالفعل انکی نظروں سے پوشیدہ ہے وہ بھی لوح محفوظ میں مقدر اور مقرر ہے وہ اپنے وقت پر آئیگا۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ

یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو اکثر چیز،

الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ

جس میں وہ پھوٹ رہے ہیں۔ اور یہ سوجھ ہے اور مہر ہے

لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ ۚ

ایمان والوں کو۔ تیرا رب ان میں فیصلہ کرے اپنی حکومت سے

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۖ إِنَّكَ

اور وہی ہے زبردست سب جانتا۔ سو تو بھروسا کر اللہ پر۔ بیشک

عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ﴿٧٩﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا

تو ہے صحیح کھلی راہ پر۔ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں

تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَ

سنا سکتا بہروں کو پکار جب پھریں پیٹھ دے کر۔ اور

مَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ

نہ تو دکھا سکے اندھوں کو، جب راہ سے بچلیں۔ تو تو سناتا ہے

إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

اس کو، جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر، سو وہ حکمبردار ہیں۔

اثبات رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ .. الیٰ .. فَهُمْ مُسْلِمُونَ۔

(ربط) مبدار اور معاد کے بیان کے بعد رسالت محمدیہ کا اثبات فرماتے ہیں جن کی سب سے بڑی دلیل یہ قرآن حکیم ہے یعنی یہ قرآن حکم اور حاکم بن کر آیا ہے جو اہل کتاب کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے اور انکے شکوک وشبہات کا ازالہ کرتا ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارہ میں جو اہل کتاب کا اختلاف ہے اسکا فیصلہ کرتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے خدا اور خدا کے بیٹے نہ تھے جیساکہ نصاریٰ کہتے ہیں اور نہ معاذ اللہ ساحر اور کاہن اور ولد الحرام تھے جیساکہ یہود بے بہبود کہتے ہیں۔

نیز حضرت مریم صدیقہؑ کے بارہ میں یہود ونصاریٰ کا جو اختلاف تھا قرآن کریم نے اسکا بھی فیصلہ کر دیا اور بتمام وکمال حضرت مریمؑ کی عصمت اور نزاہت کو تفصیل کے ساتھ بتلا دیا۔ اور حضرت سلیمانؑ پر جو سحر کا اتہام تھا۔ قرآن نے اس کا بھی ازالہ کر دیا اور رجم اور حرمت لحم وغیرہ کے اختلاف کا بھی فیصلہ کر دیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا اب اسکے بعد صدق رسالت اور دلیل نبوت کو بیان فرماتے ہیں۔ البتہ یہ قرآن پاک جو خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اس کے منجانب اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن پاک بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں کھولتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں کئی فرقے تھے ہر فرقہ کا دین دوسرے فرقہ کے دین سے مختلف تھا مثلاً توحید اور تثلیث میں اور حضرت عیسٰیؑ اور حضرت عزیرؑ کی الوہیت اور ابنیت میں اور جنت وجہنم کے جسمانی اور روحانی ہونے میں جو اختلاف تھا قرآن نے حق اور باطل کو واضح کر دیا اور بتلا دیا کہ یہ بات حق اور صحیح ہے اور ایک دلیل یہ ہے کہ یہ قرآن بلاشبہ ہدایت ہے جس سے حق کا راستہ معلوم ہوتا ہے اور ایمانداروں کے لیے سراسر رحمت اور موجب خیر وبرکت ہے کہ اس پر ایمان لاکر عذاب سے نجات ملتی ہے اے نبی آپؐ ان معاندین کی مخالفت اور عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں۔ تحقیق تیرا پروردگار انکے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا اور وہی ہے زبردست اور جاننے والا۔ اسکے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ پس آپ اللہ پر بھروسہ رکھیے اور انکی عداوت اور مخالفت کی پروا نہ کیجئے بیشک آپ صریح اور واضح حق پر ہیں اور یہ صریح باطل پر ہیں پس آپؐ انکی مخالفت اور عداوت کی پروا نہ کیجئے اللہ آپ کا مددگار ہے اور انکی ہدایت اور اصلاح کی امید دل سے نکال دیجئے۔ یہ لوگ مردہ دل ہیں۔ اے نبی آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے مردوں کو سنانا آپکی قدرت میں نہیں اور اگر بالفرض یہ لوگ مردہ بھی نہ ہوں تو بہرے تو ضرور ہیں اور آپ بہروں کو بھی اپنی پکار نہیں سنا سکتے۔ خاص کر جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں۔ بہرا سنتا تو نہیں

پر اشارہ سے سمجھ سکتا ہے مگر جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اشارہ سے بھی نہیں سمجھ سکتا۔
مطلب یہ ہے کہ اول تو ان کے دلوں کے کان بہرے ہیں اس لیے انکو سنانا مشکل ہے اور جب بہرا پکارنے والے کی طرف سے منہ بھی پھیر لے اور بجائے منہ کے اسکی طرف پشت کر دے تو پھر اسکو سنانا بہت مشکل ہے اس لیے کہ جب وہ اشارہ اور کنایہ کو بھی نہ دیکھیگا تو کس طرح سمجھے گا اور اگر بالفرض بہ پشت بھی نہ پھیریں تو تب بھی انکا سمجھانا ممکن نہیں اس لیے کہ یہ اندھے ہو چکے ہیں اور آپ میں یہ قدرت نہیں کہ آپ اندھوں کو راستہ دکھا دیں کہ وہ اپنی گمراہی سے باز آجائیں۔ کفر سے آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ بینائی تو ایمان سے آتی ہے۔ لہذا آپ صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں پھر وہ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے ہیں اور ایمان اور اسلام لانے کی برکت سے وہ زندہ اور بینا اور شنوا ہو گئے ہیں۔
خلاصہ کلام یہ کہ آپ جو لیکر آئے ہیں وہ بلاشبہ صریح حق ہے لیکن اسکے قبول کے لیے کچھ شرائط ہیں محض حق کا واضح اور روشن ہونا کافی نہیں جب تک قبول کرنے والے میں شرائط قبول نہ پائے جائیں مثلاً یہ کہ وہ زندہ ہو مردہ نہ ہو۔ بینا ہو اور نابینا نہ ہو۔ شنوا ہو بہرا نہ ہو۔ ایمان لانے سے آدمی زندہ ہو جاتا ہے اور اسکی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں۔

فائدہ دربارۂ سماع موتی

اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا کہ مردے نہیں سنتے اس لیے کہ آیت میں موتیٰ سے کفار مراد ہیں ان کے دل مردہ ہو چکے ہیں مگر کفار کو موتیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا جب ہی درست ہو سکتا ہے کہ جب مردے نہ سنتے ہوں لیکن احادیث صحیحہ سے مردوں کا سننا اور قبر پر حاضر ہونے والے کے سلام کو سننا ثابت ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ یہ آیت احادیث کے معارض نہیں اس لیے کہ آیت میں سماع موتیٰ کی نفی نہیں بلکہ اسماعِ موتیٰ کی نفی کی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ کفار بمنزلہ مردوں کے ہیں اور عالم اسباب میں مردوں کو سنانا بشری قدرت سے باہر ہے باقی حق تعالےٰ اگر اپنی قدرت سے کسی مردہ کو سنانا چاہیں تو یہ ممکن ہے جیسے۔ وَمَا اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ کے معنی یہ ہیں کہ ہدایت بمعنی توفیق نبی کی قدرت اور اختیار میں نہیں جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ نبی کا کام حق کا بتلا دینا اور اسکا سنا دینا ہے باقی حق کا دل میں اتار دینا یہ اللہ کا کام ہے اسی طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی یہ کافر دل کے مردہ ہیں۔ انکو حق بات سنانا آپکی قدرت میں نہیں ہے نیز احادیث میں زیارت قبور کی تاکید اور مردوں کو بصیغۂ خطاب "السلام علیکم" سلام کرنے کا حکم آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مردے بحکم خداوندی سنتے ہیں اور قبر پر حاضر ہونے والے کو اگر زندگی میں پہچانتے تھے تو مرنے کے بعد بھی پہچانتے ہیں

وَاِذَا	وَقَعَ الْقَوْلُ	عَلَيْهِمْ	اَخْرَجْنَا لَهُمْ
اور جب	پڑ چکے گی	ان پر بات	نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک

دَآبَّةً	مِّنَ	الْاَرْضِ	تُكَلِّمُهُمْ	اَنَّ النَّاسَ
جانور	زمین	سے ،	ان سے باتیں کریگا	اس واسطے کہ لوگ

كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ

ہماری نشانیاں یقین نہیں کرتے تھے۔ اور جس دن گھیر لاویں گے

مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا

ہم ہر فرقے میں سے ایک ڈل، جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ

پھر انکی مثل بنے گی۔ یہاں تک کہ جب آ پہنچے فرمایا

اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا

کیوں تم نے جھٹلائیں میری باتیں؟ اور آ نہ چکی تھیں تمہاری سمجھ میں یا

ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا

کیا کیا کرتے تھے۔ اور پڑ چکی ان پر بات اس واسطے

ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا

کہ انہوں نے شرارت کی، سو وہ کچھ نہیں بولتے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی

الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

رات اس میں چین پکڑیں اور دن بنایا دیکھنے کا، البتہ اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾

نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین کرتے ہیں۔

ذکر بعض اشراط ساعت یعنی علامات قیامت

قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ ۔۔ الیٰ ۔۔ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں دلائل قاہرہ سے اپنے کمال قدرت اور کمال علم کو بیان کر کے امکان حشر اور امکان قیامت

کو ثابت کیا پھر اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو بطور تفریع ذکر کیا۔ اب ان آیات میں مقدمات قیامت یعنی قیامت کی بعض علامتوں کو ذکر کرتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دابہّ (جانور) زمین سے نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا قیامت کی نشانی ہوگی اور قیامت کی علامتوں کا بتلانا سوائے نبی کے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ قیامت کی علامتوں کا علم صرف نبی ہی کے بتلانے سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب یہ منکرین قیامت عناد اور سرکشی میں اس حد تک پہنچ جائیں گے کہ کسی عالم اور واعظ کی نصیحت اور موعظت ان کے حق میں کارگر نہ ہوگی اور اللہ کا حکم ناطق ان پر آپڑے گا یعنی ان پر حجت پوری ہو جائے گی اور ہر طرح غضب الٰہی کے مستحق ہو جائیں گے تو اس وقت انکی فضیحت کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے انسان کی طرح کلام کرے گا اس لیے کہ وہ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔ جو بات پیغمبروں کے اور پیغمبروں کے وارثوں کے کہنے سے نہیں مانی تھی اب وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑے گی۔ مگر اس وقت کا ماننا کچھ نفع نہیں دیگا ماننے کا وقت گزر گیا۔

"دابۃ الارض" سے ایک جانور مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد قیامت کے قریب مکہ مکرمہ کی سرزمین سے نکلے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے لیے پتھر سے ایک اونٹنی نکالی تھی اسی طرح قیامت کے قریب اللہ تعالیٰ مکہ کی زمین سے ایک دابۃ (جانور) نکالے گا اور اس کے پاس ایک مہر ہوگی جس سے مؤمن اور کافر کی پیشانی پر داغ اور نشان لگائے گا۔ مؤمن کی پیشانی پر سفید نشان لگائیگا اور کافر کی پیشانی پر سیاہ داغ لگائیگا اس نشان کے بعد مؤمن اور کافر ظاہری طور پر پہچانا جائیگا کہ یہ مؤمن ہے اور یہ کافر ہے

دابۃ الارض کا قیامت کے قریب زمین سے نکلنا قرآن کریم کی اس آیت سے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔ رہا یہ امر کہ اسکی شکل کیسی ہوگی اور کہاں سے نکلے گا اور اس وقت کیا واقعات پیش آئیں گے سو اس بارہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ اخبار آحاد کے درجہ میں ہیں اور خروج دابۃ الارض کے متعلق جو احادیث آئی ہیں انکی قدرے تفصیل تفسیر قرطبی ص ۲۳۴ ج ۱۳ اور تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۴ ج ۳۔ اور شرح عقیدہ سفارینیہ ص ۱۳۷ ج ۲۔ تا ص ۱۴۲ میں مذکور ہیں۔

احادیث میں جن مشہور و معروف علامات قیامت کا ذکر ہے ان میں سے ایک علامت خروج دابۃ الارض بھی ہے اور دابۃ الارض کا خروج اس وقت ہوگا کہ جب آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے گا۔ اور اس کے بعد لگاتار یکے بعد دیگرے قیامت کی نشانیاں ظاہر ہونگی۔ سماوی آیات کے لحاظ سے قیامت کی پہلی نشانی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور آیات ارضیہ کے اعتبار سے پہلی نشانی دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی قریبی نشانی کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں مجمل طریقہ سے روز حشر کے کچھ احوال و اہوال کا ذکر فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ ہم جمع کریں گے ہر امت میں سے ایک جماعت اور ایک جتھہ کو ایسے لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اس روز ہر جماعت اور ہر جتھہ الگ الگ ہوگا۔ ہر گناہ کرنے والوں کی جماعتیں اور جتھے الگ الگ ہونگے پھر وہ جتھے روکے جاویں گے یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت کے آنے تک الگ جگہ کھڑا کیا جائیگا تاکہ سب جماعتیں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور کوئی رہ نہ جائے یہاں تک کہ جب سب میدان حشر میں پہنچ جائیں

گے تو حساب و کتاب شروع ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم ہی نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم نے میری آیتوں کو اچھی طرح سمجھا بوجھا ہی نہ تھا بغیر سوچے سمجھے ہی جھٹلانا شروع کر دیا آخر بتلاؤ تو سہی کہ تم کرتے کیا تھے۔ بے سوچے سمجھے اعمال کفریہ میں مبتلا تھے یعنی سوائے تکذیب کے تمہارا کام ہی کیا تھا اور انکے ظلم کی وجہ سے ان پر عذاب کا حکم واقع ہو جائیگا اور وہ بول بھی نہیں سکیں گے جرم ثابت ہو جائیگا اور دم مارنے کی مجال نہ ہوگی کیا نہیں دیکھا ہے حشر سے انکار کرنے والوں نے کہ ہم نے رات کو بنایا تاکہ سو کر اس میں آرام کریں اور دن کو بنایا روشن تاکہ دیکھ بھال کر اپنے کاروبار کریں مطلب یہ ہے کہ رات کا سونا موت کا نمونہ ہے اور صبح کی بیداری دوبارہ زندگی کا نمونہ ہے روزانہ حشر و نشر کا نمونہ دیکھتے ہیں اور پھر بھی حشر کا انکار کرتے ہیں۔

پس جو خدا روشنی کے بعد اندھیرا اور اندھیرے کے بعد روشنی لانے پر قادر ہے وہ بلاشبہ مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے بیشک لیل و نہار کی اس طرح آمد و رفت میں حشر و نشر کی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لاتے ہیں رات کا سونا ایک قسم کی موت ہے سونے کے بعد انسان کو اس جہان کی کچھ خبر نہیں رہتی ہیں خدا تعالیٰ جس وقت چاہتا ہے تم کو سلا دیتا ہے اور جب چاہتا ہے تو تمکو جگا دیتا ہے اسی طرح وہ جب چاہے گا تو تمکو موت کے بعد اٹھا دے گا لہذا تم اس دنیوی زندگی کو بمنزلہ خواب کے سمجھو اور قبر سے اٹھنے کو بیداری سمجھو کہ سب چیزیں تمہاری آنکھوں کے سامنے روشن ہو جائیں گی۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ

اور جس دن پھونکا جاوے نرسنگا تو گھبرا جاوے جو کوئی ہیں

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

آسمان و زمین میں مگر جس

مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى

کو اللہ چاہے اور سب چلے آویں اسکے آگے عاجزی سے۔ اور تو دیکھتا

الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ

ہے پہاڑ جانتا ہے وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے چلے بدلی۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ

کاریگری اللہ کی جس نے سادھی ہے ہر چیز اس کو خبر ہے

بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ

جو تم کرتے ہو۔ جو کوئی لایا بھلائی تو اس کو ملتا ہے اس سے بہتر

مِّنۡهَا ۚ وَهُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ يَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ ﴿۸۹﴾ وَ

اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن چین ہے۔ اور

مَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فِي النَّارِ ؕ

جو کوئی لایا برائی سو اوندھے ڈالے ہیں انکے منہ آگ میں۔

هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۰﴾

وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ کرتے تھے۔

بیان حالِ قیامت و جزاءِ آخرت

قال اللہ تعالیٰ وَيَوۡمَ يُنۡفَخُ فِي الصُّوۡرِ . . الی . . . اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں اوّل قیامت کا امکان ثابت کیا پھر روزِ قیامت کے کچھ مبادی اور چند علامتوں کا ذکر کیا اب ان آیات میں روزِ قیامت کا حال اور حشر کی کچھ مجمل کیفیت بیان کرتے ہیں کہ خروج دابۃ الارض اور طلوع الشمس من المغرب کے بعد قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ صور پھونکا جائیگا جس سے تمام کائنات درہم برہم ہو جائے گی اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

اور چونکہ روزِ قیامت روزِ جزا ہے اس لیے اخیر میں قانونِ جزا بیان کیا۔ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا الیٰ آخر الآیات چنانچہ فرماتے ہیں اور ذکر کیجئے آپ ان سے اس دن کا جس میں قیامت کا آغاز اس طرح ہوگا کہ اوّل صور پھونکا جائیگا پس اسکی ہیبت اور ہول سے سب گھبرا جائیں گے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے یہ دنیا کی عمر کا آخری دن ہوگا جس کا آغاز نفخ صور سے ہوگا جس کی شدت اور ہول سے آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے گھبرا جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا وہ اس گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ سے جبریلؑ اور میکائیلؑ اور اسرافیلؑ اور عزرائیلؑ اور ارواحِ انبیاءؑ اور ارواحِ شہداءؒ مراد ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس استثناء سے عام مؤمنین صالح مراد ہیں جیسا کہ آئندہ آیت میں ہے۔ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا وَهُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ يَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۴۱ ج ۱۳۔ مگر کچھ عرصہ بعد جبریلؑ و میکائیلؑ اور اسرافیلؑ و عزرائیلؑ اور حاملانِ عرش بھی بدون اثر نفخۂ صور وفات پا جائیں گے۔ کمافی الدر المنثور فی تفسیر سورۃ الزمر اس سے مراد نفخۂ اولیٰ ہے جس کا اثر آسمان و زمین کی تمام مخلوق کو پہنچے گا جو زندہ ہیں

وہ گھبرا کے مر جائیں گے اور جو مر چکے ہیں انکی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ البتہ جبریلؑ اور میکائیلؑ اور اسرافیلؑ اور عزرائیلؑ اور حاملان عرش اس سے محفوظ رہیں گے مگر بعد میں وہ بھی بحکم خداوندی وفات پا جائیں گے اور بجز واحد قہار کے کوئی باقی نہ رہے گا پھر نفخۂ ثانیہ پر سب زندہ ہو جائیں گے۔

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ لکھتے ہیں۔ ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مر جائیگی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے۔ پھر پھنکے گا تو بے ہوش ہو جائیں گے اور پھر پھنکے گا تو ہوشیار ہوں گے۔ صور پھکنا کئی بار ہے (موضح القرآن)

اور جمہور علماء کا قول ہے کہ نفخ صرف دو ہیں یعنی صور صرف دو مرتبہ پھنکے گا اور باقی سب احوال واہوال انہی دو نفخوں میں درج ہیں۔ پہلی بار جب صور پھونکا جائیگا تو ابتداء میں آہستہ ہوگا اس لیے اسکو نفخۂ فزع کہا جائیگا پھر یہ جب نفخہ دراز ہوگا تو ایسا سخت ہو جائیگا کہ صعقہ ہو جائیگا یعنی زندوں کے لیے موت ہوگا اور مُردوں کے ارواح کے لیے بے ہوشی ہوگا تو اس اعتبار سے اسکو نفخۂ صعق کہا جائیگا اس نفخۂ صعق سے تمام مخلوق مُردہ ہو جائے گی پھر چالیس[1] سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائیگا جس سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ (تفسیر قرطبی) پہلے نفخہ کے بعد جب لوگ مردہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک خفیف بارش نازل کریں گے جو اوس کے مشابہ ہوگی۔ جس سے اجسام میں اگنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس بارش کے بعد جب دوسری بار صور پھونکا جائیگا تو مردے زندہ ہو جائیں گے اور ایک ایک کرکے سب عاجز اور مطیع ہو کر خدا کے سامنے حاضر ہو جائیں گے اور یہ حاضری حساب وکتاب کے لیے ہوگی۔ قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہونگے اور سروں سے خاک جھاڑتے ہوئے حساب وکتاب کے لیے میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے اور پستی اور عاجزی کے ساتھ اللہ کی عظمت وکبریائی کے سامنے حاضر ہونگے۔ انسان ضعیف البنیان کی حقیقت تو کیا ہے۔ اس عظمت اور کبریائی کے سامنے تو پہاڑ بھی اڑتے ہوئے نظر آئیں گے جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو اے مخاطب تو اس دن پہاڑوں کو اپنی آنکھ سے دیکھے گا۔ ظاہر نظر میں تو انکو جامد یعنی ایک جگہ ٹھہرا ہوا خیال کرے گا حالانکہ وہ بادلوں کی طرح رواں ہونگے اور اے مخاطب تو اس پر تعجب نہ کر بلکہ خدا کی صنعت پر نظر[2] کر اور اس کی کاریگری کو دیکھ جس نے ہر چیز کو مضبوط اور مستحکم بنایا ہے پس جو خدا پہاڑوں کے مضبوط بنانے پر قادر ہے وہ ان کے اکھیڑنے پر بھی قادر ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال سے پورا باخبر ہے ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دی جائے گی یہ تو یوم حساب کا کچھ حال تھا اب آگے جزا وسزا کا قانون اور ضابطہ بیان کرتے ہیں جو شخص اس دن نیکی لے کر آئے گا یعنی ایمان

---

[1] قد روی ابن المبارک عن الحسن قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین النفختین اربعون سنۃ الاولیٰ یمیت اللہ بہا کل حی والاخریٰ یحیی اللہ بہا کل میت (تفسیر قرطبی ص ۲۴۰ ج ۱۳)

[2] فیہ اشارۃ الی ان صنع اللہ منصوب علی الاغراء بمعنی انظر واصنع اللہ۔ (روح المعانی)

اور عمل صالح لیکر آئے گا تو اسکی نیکی سے بہتر اجر ملے گا اور ایسے ہی لوگ اس دن گھبراہٹ سے مامون اور محفوظ ہونگے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ آیت میں نفخۂ فزع سے جو استثناء کیا گیا تھا وہ عام مؤمنین صالحین کو شامل ہے جیسا کہ دوسری جگہ ہے لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ ۔ اور عجب نہیں کہ یہ مطلب ہو کہ نفخ صور کا فزع صرف کافروں کو ہوگا ۔ اہل ایمان اس سے محفوظ اور مامون رہیں گے اور اس روز جو لوگ بدی یعنی کفر اور شرک کو لیکر آویں گے تو وہ منہ کے بل آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا کہ تم نہیں سزا دیئے جارہے ہو مگر ان اعمال کی جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے اور اس کے بعد انکو جہنم میں ڈال دیا جائیگا تاکہ انکو معلوم ہو کہ اس جرم کی سزا میں ہم کو جہنم میں ڈالا جارہا ہے ۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ
مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی

الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّ اُمِرْتُ اَنْ
جس نے اسکو رکھا ادب کا اور اسی کی ہے ہر چیز ۔ اور حکم ہے کہ رہوں

اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا
حکم برداروں میں ۔ اور یہ کہ سنا دوں

الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ
قرآن ۔ پھر جو کوئی راہ پر آیا سو راہ پر آوے گا اپنے بھلے کو ۔

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾
اور جو کوئی بہکا رہا تو کہدے میں یہی ہوں ڈر سنانے والا ۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ط
اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو آگے دکھاویگا تم کو اپنے نمونے تو انکو پہچان لوگے

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع
اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے ، جو کرتے ہو ۔

خاتمۂ سورت بر حکم عبادت و تلاوت قرآن

قال اللہ تعالیٰ　اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ ..الیٰ.. وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔

(ربط) جب اللہ تعالیٰ مبدا اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کرچکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔

۱ - ایک تو خدا کی عبادت - یعنی توحید خالص -

۲ - دوم دین اسلام پر استقامت -

۳ - سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوتِ اسلام کا اولین ذریعہ ہے۔

اور بتلادیا کہ راہ راست پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے۔ اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تاکہ آخرت میں کام آویں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں مبدا اور معاد کو اور ایمان اور ہدایت کو بیان کیا اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ آپ تبلیغ رسالت کرچکے اور حق دعوت ادا کرچکے۔ منکرین پر حجت پوری ہوگئی۔ لہذا آپ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھیں اور ان مخالفین کی پروا نہ کریں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان لوگوں سے یہ کہہ دیجئے کہ بس مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں شہر مکہ کے پروردگار کی عبادت اور بندگی میں لگا رہوں جس پروردگار نے اسکو حرم محترم ٹھہرایا ہے کہ اس نے اس شہر میں قتل و قتال کو اور شکار کرنے کو اور اسکے گھاس کاٹنے کو اور بغیر احرام کے اس میں داخل ہونے کو ممنوع قرار دیا ہے اور اسکی تحریم خدا کی طرف سے ہے بتوں کی طرف سے نہیں ہے اور ہر شئے اسی پروردگار کی ملک ہے اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ کے فرمانبرداروں میں سے رہوں یعنی توحید اور اخلاص اور عبودیت پر قائم اور ثابت قدم رہوں اور مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں یعنی خود بھی پڑھتا رہوں اور تم کو بھی پڑھ کر سناتا رہوں اس آیت میں "تلاوت قرآن" کے حکم سے تلاوت قرآن پر مواظبت اور مداومت مراد ہے خواہ وہ "تلاوت" بطریق عبادت ہو یا بطریق دعوت ہو یعنی مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں برابر قرآن کی تلاوت میں لگا رہوں اور مسلسل تم کو اللہ کا پیغام اور اسکے احکام پہنچاتا رہوں سو جو کوئی میری ہدایت سے راہِ ہدایت پر آجاوے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے راہِ ہدایت پر آتا ہے اس کا نفع اسی کی ذات کو ہے اس نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا اور جو شخص راہِ ہدایت بتلانے کے بعد بھی گمراہ رہا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں اور بس - یعنی میرا کام تو صرف پہنچا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے میرا یہ کام نہیں کہ تم سے زبردستی منواؤں اور آپ کہہ دیجئے کہ شکر ہے خدا تعالیٰ کا جس نے مجھ کو منصبِ رسالت پر فائز کیا اور اپنے پیغام پہنچانے کی توفیق دی - اب نتیجہ اور انجام سب اسکے ہاتھ میں ہے سو وہ عنقریب تم کو اپنی قدرت کی اور میری نبوت کی نشانیاں دکھلائے گا جن کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ پھر تم ان کو پہچان لوگے جن کا تم اب انکار کر رہے ہو اللہ تعالیٰ مخلوق کو عذاب نہیں دیتا جب تک ان پر حجت پوری نہ کردے اس لیے وہ وقتاً فوقتاً تم کو اپنی قدرت

کی نشانیاں اور آخرت کی نشانیاں دکھلائے گا۔ آخرت کی آخری نشانیوں میں سے زمین سے دابۃ الارض کا خروج ہے مگر نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لانا چنداں مفید نہیں اب اگر ایمان لے آؤ تو نفع دے گا۔ اور اے نبی تیرا پروردگار بنی آدم کے اعمال سے غافل نہیں وہ ان کے اعمال سے خبردار ہے۔ اعمال کے مطابق انکو سزا دیگا لہذا لوگوں کو چاہیئے کہ آخرت پر ایمان لائیں اور اسکی تیاری کریں۔

ع - برلحتے نرسید آنکہ زحمتے نکشید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ قصص

اس سورت کا نام سورۂ قصص ہے اس میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے مختلف قصے مذکور ہیں۔ مزید برآں اس سورت میں قارون کا قصہ بھی مذکور ہے۔ قصص مصدر ہے جس کے معنی اخبار یعنی خبر دینے کے ہیں اس سورت میں اللہ تعالے نے خبر دی کہ موسیٰ علیہ السلام کس طرح اعداء اسلام کے ملک اور وطن سے نکل کر ایسی جگہ پہنچے (مدین) جہاں اللہ کے نبی اور اس نبی کے اصحاب آباد تھے اللہ نے دشمنوں سے نجات دی اور عزت و راحت کا سامان کیا اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں خدا کی طرف سے نبوت و رسالت کا خلعت ملا لہذا سمجھ لو کہ جو شخص دشمنانِ خدا کے درمیان سے نکل کر بھاگتا ہے تو وہ اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں کا محل بنتا ہے۔

یہ سورت مکی ہے مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ بوقت ہجرت نازل ہوئی اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

(ربط) گزشتہ سورت یعنی سورۂ نمل کا افتتاح حقانیت قرآن کے بیان سے ہوا۔ کما قال تعالیٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ۔ اور پھر اسکا اختتام تلاوت قرآن کے حکم پر ہوا۔ وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ۔ اس مناسبت سے اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن کے بیان سے فرماتے ہیں۔ یعنی طٰسٓمّٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ سے فرمایا اور پہلی سورت کی طرح اس سورت کے شروع میں بھی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ اولاً اجمالاً ذکر کیا اور ثانیاً اسکو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جس سے مقصود رسالت محمدیہ کا اثبات اور منکرین نبوت اور اہل نخوت و رعونت کی تہدید ہے دور تک اسی طرح سلسلۂ کلام چلا گیا اور جس طرح سورۂ نمل میں انبیاء کرام کے قصوں کے بعد دلائل توحید کا ذکر فرمایا اور پھر اثبات معاد اور تذکیر آخرت پر سورت مذکورہ کو ختم فرمایا اسی طرح اس سورت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مفصل قصہ کے بعد اول دلائل توحید کا ذکر فرمایا اور پھر تذکیر آخرت اور توحید الوہیت پر سورت کو ختم فرمایا نیز گزشتہ سورت میں بلقیس ملکہ سبا کا قصہ ذکر فرمایا اور اس سورت میں تفصیل کے ساتھ فرعون کا قصہ ذکر فرمایا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ملکۂ سبا ایک عورت تھی اور اس کا ملک ملک مصر سے بہت زیادہ وسیع تھا۔ مگر وہ تو سلیمان علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آئی اور فرعون مرد تھا اور ایک

صوبہ کا حکمران تھا مگر باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات قاہرہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لایا معلوم ہوا کہ ہدایت اور ضلالت منجانب اللہ ہے یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ فرعون حکومت کے نشہ میں تھا اور قارون دولت کے نشہ میں تھا اس لیے اس سورت کے اول میں فرعون کا قصہ اور اس سورت کے آخر میں قارون کا قصہ ذکر کیا تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔

آیاتھا ۸۸ ۲۸ سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ۴۹ رکوعاتھا ۹

سورۂ قصص مکی ہے اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی۔ ہم سناتے ہیں تجھ کو

مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③

کچھ احوال موسیٰ اور فرعون کا تحقیق ایک لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں۔

آغاز سورت بحقانیت قرآن و ذکر اجمالی قصہ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام و فرعون برائے تہدید اہل نخوت و رعونت و منکرین نبوت و رسالت

قال اللہ تعالیٰ طٰسٓمّٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۔۔ الیٰ ۔۔ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(ربط) گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن سے فرمایا جو رسالت محمدیہ کی سب سے واضح اور روشن دلیل ہے اور فرعون کا قصہ ذکر کیا جس سے اہل نخوت و رعونت کی تہدید مقصود ہے کہ متکبرین کو چاہیئے کہ فرعون کے قصہ سے عبرت پکڑیں کہ جس نے بنی اسرائیل کو ضعیف اور کمزور سمجھ کر ظلم و ستم میں کسر نہ اٹھا رکھی اور اپنی وقتی طاقت کے غرور میں خدا کے حکم اور اسکی تاخیر اور مہلت سے غافل رہا اسکا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے اسی طرح قریش مکہ کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو ضعیف اور کمزور سمجھ کر خدا کی گرفت سے بے خوف نہ ہوجائیں۔ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے

کہ انہی کمزور مسلمانوں کو ایسی قوت اور طاقت عطار کرے کہ انہی کو تم پر حکمران کر دے اللہ کی قضاء و قدر کی کسی کو خبر نہیں۔

نیز گزشتہ سورت کے آخر میں مضطر کے متعلق یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور مظلوم کو ظالم پر حکمران بناتا ہے اس سورت میں بھی بنی اسرائیل کے اضطرار اور بے چینی کو دور کرنے کا ذکر فرماتے ہیں۔ طٰسٓمّٓ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں یہ آیتیں ہیں اس کتاب کی ہیں جو واضح اور جلی ہے اور حقائق و معارف کی ظاہر کرنے والی ہے اے نبی ہم آپکے سامنے موسیٰ اور فرعون کا کچھ حال ذکر کرتے ہیں۔ جو ٹھیک ٹھیک اور واقع کے مطابق ہے ان لوگوں کی بصیرت اور ہدایت کے لیے جو حق کے ماننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ طالبانِ حق کی ہدایت اور عبرت کے لیے اس قصہ کو بیان کرتے ہیں تاکہ ان واقعات کو سُن کر عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں اور اپنی اصلاح اور تربیت کا ذریعہ بنائیں۔ قرآن کریم میں جابجا جو قصے بیان کیے جاتے ہیں انکو محض قصہ اور افسانہ نہ سمجھیں۔ بلکہ انکو ہدایت نامہ اور نصیحت نامہ سمجھیں۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا

فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھے تھے وہاں کے لوگ

شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ

کئی جتھے کمزور کر رکھا ایک فرقے کو ان میں ذبح کرتا ان کے بیٹے

وَ یَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ④

اور جیتی رکھتا انکی عورتیں۔ وہ تھا خرابی ڈالنے والا۔

وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی

اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان پر جو کمزور پڑے تھے

الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ⑤

ملک میں، اور کر دیں انکو سردار اور کر دیں انکو قائم مقام۔

وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ

اور جما دیں انکو ملک میں اور دکھا دیں فرعون اور

هَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾

ہامان کو اور انکے لشکروں کو، ان کے ہاتھ سے جس چیز کا خطرہ رکھتے تھے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اسکو دودھ پلا۔ پھر جب تجھ کو ڈر

عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ

ہوا اسکا تو ڈال دے اسکو پانی میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا۔

اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾

ہم پھر پہنچا دیں گے اسکو تیری طرف۔ اور کریں گے اسکو رسولوں سے۔

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ

پھر اٹھا لیا اسکو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو انکا دشمن اور

حَزَنًا ۗ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا

کڑھانیوالا۔ بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر جو تھے

خٰطِئِيْنَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ

والے تھے۔ اور بولی فرعون کی عورت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

لِّىْ وَلَكَ ۗ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ

مجھ کو اور تجھ کو۔ اسکو نہ مارو۔ شاید ہمارے کام آوے یا ہم

نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ

اس کو کرلیں بیٹا اور ان کو خبر نہیں۔ اور صبح کو موسیٰ

اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۗ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِىْ بِهٖ لَوْلَآ

کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا۔ نزدیک ہوئی کہ ظاہر کردے بیقراری کو، اگر نہ

اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾

ہم نے گرہ کردی ہوتی اسکے دل پر، اس واسطے کہ رہے ایمان والوں میں۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ

اور کہہ دیا اسکی بہن کو، اسکے پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اسکو اجنبی ہوکر

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ

اور انکو خبر نہ ہوئی۔ اور روک رکھی تھیں ہم نے اس سے دائیاں

مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ

پہلے سے، پھر بولی میں بتاؤں تم کو، ایک گھر والے

يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ

وہ اسکو پال دیں تم کو اور وہ اسکے بھلا چاہنے والے ہیں۔ پھر پہنچایا اس کو

اِلٰۤى اُمِّهٖ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ

اسکی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اسکی آنکھ اور غم نہ کھاوے اور جانے کہ

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے۔

تفصیل قصۂ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام با فرعون

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ.. الیٰ.. وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا نہایت اجمال کے ساتھ تذکرہ فرمایا اب آئندہ رکوعات میں اس کی تفصیل فرماتے ہیں اور یہ قصہ اگرچہ سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں بھی گزر چکا ہے لیکن جس قدر تفصیل یہاں بیان کی گئی ہے وہ گزشتہ سورتوں میں نہیں گویا کہ سورۂ شعراء اور سورۂ نمل میں جو ایجاز اور اختصار تھا اس سورت میں اسکی شرح اور تفصیل

ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق فرعون اللہ کی زمین میں تکبر اور تجبر اور طغیان اور سرکشی پر اتر آیا زمین کے باشندہ میں تو یہ قدرت نہیں کہ وہ بلندی میں ہوا کا مقابلہ کر سکے۔ چہ جائیکہ آسمان کی بلندی پر پہنچ سکے اسکی سرکشی نے تو حد ہی کر دی۔ زمین پر بیٹھ کر زمین والوں سے کہتا ہے۔ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی میں تم سب کا رب اعلیٰ ہوں زمین پر رہنے والا تو اپنا بھی رب نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ زمین کے ایک خطہ کے باشندوں کا رب بن سکے۔ کسی نے سچ کہا الجنون فنون جنون کی بہت سی قسمیں ہیں۔

غرض یہ کہ فرعون نے بڑا تکبر کیا اور وہی اسکے لیے کمر توڑ دیا۔ دیکھ لو اور سوچ لو کہ حق سے تکبر کا کیا انجام ہوتا ہے اور اہل مصر کو اس نے گروہ گروہ کر دیا قبطیوں کو معزز بنایا اور بنی اسرائیل کو انکا خادم بنایا۔ وہاں کے باشندوں میں سے ایک گروہ کو یعنی بنی اسرائیل کو کمزور جانتا تھا اور ان سے بیگار لیتا تھا بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور انکی عورتوں یعنی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تاکہ ان سے خدمت لے نیز ان سے اسکو کوئی اندیشہ بھی نہ تھا۔

تحقیق یہ بدبخت بڑے ہی مفسدوں میں سے تھا۔ غرور کے نشہ میں جو دل میں آتا بے سوچے سمجھے کر گزرتا جھجکتا نہ تھا زجاج کہتے ہیں تعجب ہے فرعون کی حماقت پر۔ کیونکہ جس کاہن نے اسکو یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کے ایک مولود کے ہاتھ پر اسکا ملک جاتا رہے گا اگر وہ کاہن فرعون کے نزدیک سچا تھا تو یہ قتل اور یہ بے رحمی اور ایذا رسانی اسکو نفع نہ دے گی۔ اور اگر جھوٹا تھا تو یہ قتل اور ظلم بے معنی اور بیکار تھا۔

شیخ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام مع سارہؑ کے ابتداء ہجرت میں ملک مصر میں داخل ہوئے تو شاہِ مصر نے حضرت سارہؑ کو بدی کے خیال سے گرفتار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسکو مرگی میں مبتلا کر دیا اور اس کے ہاتھ اور پاؤں بیکار ہو گئے اس نے اپنے اس خیالِ بد سے توبہ کی اور حضرت سارہؑ سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت سارہؑ کی دعا کی برکت سے اس سے یہ کیفیت دور ہوئی تو اس نے آپکی خدمت کے لیے آپکو ہاجرہؑ دیکر رخصت کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ہاجرہؑ بعض ملوک قبط کی لونڈی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہاجرہؑ فرعون مصر کی بیٹی تھیں بطور اعزاز و اکرام انکو ہدیۃً دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہؑ کو بشارت دی کہ تیری اولاد میں سے ایک شخص ہوگا کہ جس کے ذریعہ مصر کی بادشاہت ختم ہوگی اور مصر کا بادشاہ ہلاک ہوگا۔ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیمؑ کی اس پیشگوئی کا ذکر کیا کرتے تھے۔ شدہ شدہ یہ خبر فرعون کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ یہ خبر سن کر فرعون ڈر گیا اور بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا حکم جاری کیا۔ احمق کو یہ خبر نہ تھی کہ حذر (احتیاط اور تدبیر) قضاء و قدر سے نہیں بچا سکتی جس سے اسکو ڈر تھا خدا تعالیٰ نے اسکی پرورش خود اس کے ہاتھ سے اسی کے گھر میں کرا دی۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۷۹ ج ۳)

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود ٭ قصۂ فرعون زیں افسانہ بود

غرض یہ کہ فرعون اسی فکر میں تھا کہ بنی اسرائیل کو فنا کر دے یہاں تک کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہے اور ہمارا ارادہ اور مشیت یہ تھی کہ ہم ان لوگوں پر اپنا فضل و کرم کریں کہ جو زمین مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور ان کو پیشوائے دین بنائیں اور دنیا میں ملک اور سلطنت کا وارث بنائیں اور زمین میں انکو تمکین اور دست رسی بخشیں یعنی اپنی قدرت اور اختیار سے ملک مصر میں تصرف کریں اور حکم جاری کریں اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے لشکروں

کو انہی کمزوروں سے وہ چیز دکھلا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے اور بچ رہے تھے اور جس سے بچنے کے لیے بنی اسرائیل کی نرینہ اولاد کو ذبح کر رہے تھے مگر قضاء وقدر کے سامنے اسکی یہ تدبیر کام نہ آئی۔ چنانچہ وہ مولود مسعود پیدا ہوا اور جس کے ڈر سے فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرا رہا تھا۔ خدا نے اسی بچہ کی تربیت اور سامان راحت کا انتظام فرعون ہی کے گھر میں کر دیا چنانچہ فرماتے ہیں اور انہی دنوں جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو انکی والدہ پر خوف طاری ہوا کہ اب یہ بچہ مجھ سے لیکر ذبح کر دیا جائیگا تو اس وقت ہم نے انکی والدہ کو الہام[1] کیا کہ جب تک اخفا ممکن ہو تو تم بے خوف وخطر اس بچہ کو دودھ پلاتی رہو تاکہ وہ تیرے مبارک دودھ سے ایسا مانوس ہو جائے کہ پھر کسی اور کا دودھ قبول ہی نہ کرے پھر جب تم کو اس کے متعلق کوئی اندیشہ لاحق ہو تو اسکو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور نہ اسکے ڈوبنے کا اور نہ اسکے ضائع ہونے کا خوف کرو اور نہ اسکی جدائی سے حزیں اور غمگین ہو تو یقین رکھو کہ ہم بلاشبہ اس کو تمہاری طرف واپس کر دیں گے اور اسی پر بس نہ کریں گے بلکہ آئندہ چل کر اسکو اپنے پیغمبروں میں سے بنائیں گے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ انکی والدہ نے انکو ایک صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اس دریا کی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی۔ صندوق بہتا بہتا اسی جگہ جا پہنچا جہاں فرعون کی بیوی آسیہؑ اور دیگر اہل خانہ کھڑے تھے۔ پس فرعون کے اہل خانہ نے اس صندوق کو اٹھا لیا اور کھولا۔ اس مولود مسعود کو جب دیکھا تو اسکے بے مثال حسن وجمال کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔ وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ یعنی جو شخص موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا وہ بے اختیار آپؑ سے محبت اور پیار کرنے لگتا اس لیے اسکے قتل سے باز رہے اور پالنے کی غرض سے اسکو اٹھا لیا تاکہ آئندہ چل کر فرعونیوں کے لیے دشمن ثابت ہو اور ان کے رنج وغم کا سامان ہو اس طرح خدا تعالیٰ نے فرعون کا دشمن خود اسی کے گھر میں پرورش کے لیے پہنچا دیا۔ بے شک فرعون اور اسکا وزیر ہامان اور ان کے لاؤ لشکر سب کے سب خطا کار تھے۔ انکو خبر نہ تھی کہ اس کے ہاتھ سے ہماری تباہی مقدر ہو چکی ہے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ یہ مجرمین اپنی سزا کو پہنچیں۔ گھر والے چاہتے تھے کہ اس بچہ کو قتل کر دیں بایں خیال کہ یہ بچہ کہیں اسرائیلی نہ ہو اور کسی نے اسکی جان بچانے کے لیے اسکو دریا میں ڈال دیا ہو لیکن فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحمؒ نے فرعون سے کہا اس بچہ کے قتل کے درپے نہ ہو دیکھو کیسا پیارا بچہ ہے خیر اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف کے مارے اپنے بچہ کو ڈالا ہے تو اگر یہ لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ میرا گمان ہے کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس پر تو نظر ٹھہر[2] جاتی ہے اس بچہ کو مت قتل کرو معلوم نہیں کہ کس سرزمین سے آیا ہے اور کس طرح سے آیا ہے۔ مجھے اس سے ضرر کا اندیشہ نہیں۔ شاید یہ ہمارے کام آوے اور ہم اس سے خیر کو پہنچیں کیونکہ مجھے اس میں خیر اور نفع کے آثار معلوم ہوتے ہیں یا ہم اسکو اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ یہ اس لیے کہا کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ فرعون بولا لَكِ لَا لِیْ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا نہ کہ میری تقدیر ازلی نے یہ الفاظ اسکی زبان سے جبراً نکلوائے اگر آسیہؑ کی طرح فرعون بھی لِی کہہ دیتا تو اس کو بھی ہدایت میں سے حصہ مل جاتا۔ بہر حال فرعون نے اور اہل خانہ نے اس بات کو مان لیا اور بچہ کو پالنے کے لیے اٹھا لیا

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰی میں وحی سے وحی الہام مراد ہے کہ جو اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے اس قسم کی وحی مراد نہیں جو انبیاء کرام کو ہوتی ہے۔ [2] اشارہ اس طرف ہے کہ قرۃ۔ قرار سے مشتق ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

اور انکو خبر نہ تھی کہ آئندہ چل کر کیا ہونے والا ہے اور ادھر یہ قصہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل صبر سے خالی ہوگیا اور قریب تھا کہ بے قراری کی وجہ سے بچہ کا حال ظاہر کردیں اور بے تابی کی وجہ سے راز فاش کردیں اگر ہم نے انکے دل کو صبر کی رسی سے نہ باندھ دیا ہوتا تو راز کے فاش ہونے میں کچھ دیر نہ رہی تھی اور ہم نے اس کے دل پر صبر اور ہمت کی گرہ اس لیے لگائی کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے کہ اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوکر رہے گا اور اس کو وعدۂ الٰہی کا عین الیقین حاصل ہوجائے۔

فرعون کی محل سرائے میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو تمام شہر میں اسکی شہرت ہوگئی کہ صندوق میں سے ایک لڑکا برآمد ہوا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جن کا نام "یوحانذ" تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن یعنی اپنی بیٹی سے کہا جنکا نام مریم یا کلثوم تھا۔ کہ جا اپنے بھائی کو تلاش کر اور اسکی کھوج لگا دریا کے کنارے کنارے بھائی کے ساتھ چلی جا اور دیکھ کہ کیا پیش آتا ہے چنانچہ وہ نکل کھڑی ہوئیں اور دور سے دیکھتی چلیں اور فرعون کے دروازہ تک پہنچیں۔ پس اس نے بچہ کو دور سے دیکھا کہ وہ زندہ اور صحیح سالم ہے دور سے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کو اس طرح سے دیکھا کہ گویا اسکو کچھ غرض نہیں اور وہ لوگ جانتے نہ تھے کہ یہ دیکھنے والی اسکی بہن ہے اور کس تاک میں ہے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام اس طرح فرعون کے گھر میں پہنچے اور قتل سے بچ گئے اور ملکہ آسیہؓ نے پیار سے اسکو گود میں اٹھا لیا اور ان کے لیے اناؤں کی تلاش شروع ہوئی۔ اور جب انائیں انکے واسطے آئیں تو ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اناؤں کا دودھ ان پر حرام کردیا یعنی دودھ پینے سے روک دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی انا کا دودھ نہ پی سکیں۔ یہ دیکھ کر ملکہ آسیہؓ اور سارے گھر والے پریشان ہوگئے اور شہر میں اناؤں کی تلاش شروع ہوئی۔ جو عورت بھی آتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کا دودھ قبول نہ کرتے تکوینی اور تقدیری طور پر سب اناؤں کا دودھ ان پر حرام ہوچکا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن دور سے کھڑی یہ ماجرا دیکھتی رہیں کچھ دیر کے بعد بولیں کیا میں تم کو ایسے گھر والوں کا پتہ نہ دوں جو تمہارے لیے اسکی پرورش کی کفالت کریں یعنی اسکی رضاعت اور تربیت کے ضامن ہوں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں یعنی اس پر مشفق اور مہربان بھی ہوں۔ یہاں خود اسکی جستجو تھی فوراً جاکر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلا لائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے انکی گود میں پہنچتے ہی دودھ پینا شروع کردیا۔ فرعون یا ملکہ آسیہؓ بولی کہ تو کون عورت ہے کہ اس بچہ نے سوائے تیرے پستان کے کسی کو منہ نہ لگایا۔ فرعون کے گھر والوں کو شبہ ہوا کہ یہ عورت کہیں اسکی ماں نہ ہو۔ عورت نے جواب دیا کہ میں ایک پاکیزہ عورت ہوں مجھ میں سے ایک خوشبو آتی ہے اور دودھ نہایت لطیف اور شیریں ہے جو بچہ بھی میرے پاس آتا ہے وہ میرا دودھ بہت خوشی سے پی لیتا ہے پس وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور ان سے یہ درخواست کی کہ یہیں رہا کریں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے عذر کردیا کہ میرا گھر ہے اور میرا شوہر ہے اور بچے ہیں اس لیے میں دن رات یہاں نہیں رہ سکتی لیکن اگر آپ پسند کریں تو اپنے گھر رکھ کر اسکو دودھ پلا سکتی ہوں۔ فرعون کے گھر والوں نے اسکو منظور کرلیا اور ایک دینار یومیہ اجرت مقرر ہوگئی۔ اور بچہ کو لیکر گھر واپس آگئیں۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۸۱ ج ۳)

حق تعالیٰ فرماتے ہیں پس اس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو انکی ماں کی طرف واپس کردیا تاکہ انکی آنکھ ٹھنڈی ہو اور بیٹے کی جدائی کا غم نہ رہے اور تاکہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اللہ نے جو بچہ کی واپسی کا وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوگیا۔ ولیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ اللہ کا وعدہ کس طرح پورا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اور دین و دنیا ہر دو اعتبار

سے انکی والدہ کو بلکہ سارے گھرانے کو فکر معاش سے بے فکر کر دیا۔ گھر بیٹھے مال و زر بھی پہنچ رہا ہے اور دو وقت الوانِ نعمت کا خوان کلاں بھی پہنچ رہا ہے خدا اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں سے یہ فائدہ پہنچاتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ

اور جب پہنچا اپنے زور پر، اور سنبھلا۔ دیا ہم نے اس کو حکم اور سمجھ

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ

اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو۔ اور آیا شہر کے اندر

عَلٰي حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ

جس وقت بے خبر ہوئے تھے۔ وہاں کے لوگ، پھر پائے اس میں دو مرد

يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ

لڑتے۔ یہ اسکے رفیقوں میں اور یہ اسکے دشمنوں میں۔ پھر

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَي الَّذِيْ مِنْ

فریاد کی اس پاس اس نے جو تھا اسکے رفیقوں میں، اسکی جو تھا اسکے دشمنوں

عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا

میں، پھر مکا مارا اسکو موسیٰ نے پھر اسکو تمام کیا۔ بولا، یہ ہوا

مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

شیطان کے کام سے۔ بیشک وہ دشمن ہے بہکانے والا صریح۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ

بولا اے رب! میں نے برا کیا اپنی جان کا۔ سو بخش مجھ کو، پھر اس کو

لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ

بخش دیا۔ بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔ بولا اے رب! جیسا تونے

أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿١٧﴾ فَأَصْبَحَ

فضل کیا مجھ پر ۔ پھر میں کبھی نہ ہونگا مددگار گناہ گاروں کا ۔ پھر صبح

فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ

کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا راہ دیکھتا تبھی جس نے کل مدد مانگی تھی اُس

بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ط قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ

سے فریاد کرتا ہے اسکو ۔ کہا موسیٰ نے بے شک تو

لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَن يَبْطِشَ

بے راہ ہے صریح ۔ پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اُس پر

بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا لا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَن

جو دشمن تھا ان دونوں کا ۔ بول اٹھا اے موسیٰ کیا چاہتا ہے کہ

تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ صلے إِن تُرِيدُ إِلَّا

خون کرے میرا؟ جیسے خون کرچکا ہے ایک جی کا کل کو ۔ تو یہی چاہتا ہے کہ

أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن

زبردستی کرتا پھرے ملک میں ، اور نہیں چاہتا ہے کہ

تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٩﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ

ہووے ملاپ کر دینے والا ۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے

أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ز قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ

ایک مرد دوڑتا ۔ کہا اے موسیٰ دربار والے

يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ

مشورہ کرتے ہیں تجھ پر ، کہ تجھ کو مار ڈالیں سو نکل جا ، میں تیرا بھلا چاہنے

النّٰصِحِيْنَ ﴿٢٠﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ

والا ہوں - پھر نکلا وہاں سے ڈرتا راہ دیکھتا - بولا اے رب

نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢١﴾ ع

خلاص کر مجھ کو اس قوم بے انصاف سے -

موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانۂ شباب کا واقعہ

قال اللہ تعالیٰ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى ... الیٰ ... رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ؁

(ربط) گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور انکی غیبی حفاظت اور دشمن کے گھر میں انکی تربیت کا ذکر فرمایا اب انکے زمانۂ شباب کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام پرورش پاکر اپنی پوری جوانی اور کمال قوت کو پہنچے اور قوت عقلیہ کے لحاظ سے بھی کمال اور اعتدال کو پہنچ گئے تو ہم نے انکو خاص حکمت اور خاص علم وفہم عطا کیا اور آئندہ چل کر ان کے لیے نبوت ورسالت کو مقدر کیا اور اسکو بعید نہ سمجھو ہم اپنے نیکو کاروں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کی اور اپنے بچے کو سمندر میں ڈال دیا اور اللہ عزوجل کے وعدہ کو دل سے سچا جانا تو بچہ واپس مل گیا اور بچہ کو علم وحکمت عطا کر دیا گیا۔ نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلا ملا کرتا ہے اور اسی زمانۂ شباب کا ایک واقعہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شہر مصر کے اندر داخل ہوئے لوگوں کی غفلت اور بے خبری کے وقت میں شہر میں داخل ہوئے یعنی دوپہر کے وقت جو قیلولہ اور آرام کا وقت ہے یا رات کے وقت جو سونے کا وقت ہے یا مغرب و عشاء کے درمیان۔ تو شہر کے اندر دو شخصوں کو لڑتا ہوا پایا ایک تو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ سے تھا یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں کے گروہ سے تھا یعنی قبطیوں میں سے تھا۔ پس اس شخص نے جو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ سے تھا اس شخص کے مقابلہ میں فریاد کی جو ان کے دشمنوں میں سے تھا کہ مجھ سے اس فرعونی کا ظلم دفع کریں اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی مدد کریں غرض یہ کہ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر مدد اور اعانت چاہی کہ اس ظالم قبطی کے پنجۂ ظلم سے مجھ کو چھڑائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی سے کہا کہ اس کو چھوڑ دو اس نے نہ مانا پس موسیٰ علیہ السلام نے ظالم کو مظلوم سے دفع کرنے کے لیے اس ظالم کو ایک مکا مارا پس اس کے مکے نے اس ظالم کا کام تمام کر دیا موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قبطی کے قتل کا نہ تھا صرف قبطی کے ظلم کو دفع کرنا تھا اور مظلوم[1] کی اعانت اور امداد تمام ملتوں میں اور تمام حکومتوں میں عقلاً وشرعاً لازم ہے موسیٰ علیہ السلام نے بغرض تادیب وتنبیہ اس ظالم کے ایک گھونسا مارا۔ قضاء وقدر سے اتفاق ایسا ہوا کہ اسی گھونسے میں اس کی موت تھی گھونسا لگتے ہی اس

---

[1] قال القرطبی کان ھٰذا قبل النبوۃ ص ۲۵۸ ج ۱۳ - [2] تفسیر قرطبی ص ۲۶۰ ج ۱۳ -

کا وقت پورا ہوگیا موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ وہ ایک گھونسا لگنے سے یکایک مرگیا تو نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو شیطان کے کام سے معلوم ہوتا ہے بیشک شیطان کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے شیطان ہر وقت اس تاک میں رہتا ہے کہ انسان کسی غلطی میں مبتلا ہو جائے چونکہ انبیاء کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ابتداء سن شعور سے لیکر اخیر تک خلاف اولیٰ اور ترک افضل پر بھی استغفار کرتے ہیں جو انکے کمال تقویٰ اور کمال ورع کی دلیل ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس معمولی غفلت اور غیر اختیاری فعل پر بھی استغفار کی اور کہا اے پروردگار بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ بغیر تیرے حکم نازل ہوئے میں نے ایک قبطی کو مار ڈالا پس تو مجھے بخش دے مجھے اس بات کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ایک مکا مارنے سے وہ مر جائے گا۔ امید ہے کہ آپ میری اس بھول چوک کو معاف فرمادیں گے جس طرح آدم علیہ السلام نے اپنی بھول چوک پر رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کہا تھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ کہا۔

پس اللہ نے انکی بھول چوک کو بخش دیا۔ بیشک وہی ہے بڑا بخشنے والا مہربان۔ موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ کے متعلق تو توبہ اور استغفار کی اور آئندہ کے متعلق یہ کہا اے پروردگار میں بحق انعام تجھ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی مجرموں کا مددگار اور پشت پناہ نہ بنوں گا۔ یعنی آئندہ کسی کی ایسی مدد نہ کرونگا کہ جو گناہ کا سبب بن جائے جیسا کہ اس وقت سبطی کی مدد کرنے سے قبطی قتل ہوگیا آئندہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرونگا جو مجرمین کی اعانت اور امداد کا سبب بن جائے موسیٰ علیہ السلام اگرچہ اس وقت نبی اور رسول نہ تھے مگر اعلیٰ درجہ کے ولی تو ضرور تھے انبیاء کرامؑ اگرچہ نبوت سے پہلے نبی نہیں ہوتے مگر اعلیٰ درجہ کے ولی اور متقی ہوتے ہیں اپنے ذرہ ذرہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں۔ ادنیٰ سے سہو و نسیان اور معمولی سے معمولی لغزش پر توبہ اور استغفار کرتے ہیں اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کا مقصود اپنے آدمی کو ظالم کے پنجے سے چھڑانا تھا۔ ظالم کا شر دفع کرنے کے لیے مکا مارا۔ اتفاقاً اسکا دم نکل گیا ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ مارنے کا بالکل نہ تھا۔ شاید مکا مارنے سے کسی غفلت یا عجلت کا کوئی شائبہ آگیا۔ اس لیے هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔ فرمایا۔ حضرات انبیاء کرام کا طریقہ یہ ہے کہ ادنیٰ سے سہو و غفلت کو شیطان کی آمیزش خیال کرتے ہیں اور بصد گریہ و زاری اور بصد شرمساری خدا تعالیٰ سے اپنی غفلت کی معافی مانگنے لگتے ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا۔ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ۔ مگر اس کے ساتھ انشاء اللہ نہیں کہا لہذا اگلے روز پھر ایسے ہی معاملہ میں مبتلا ہوگئے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کے قتل کی وجہ سے رات شہر میں گزاری تاکہ کسی کو اطلاع نہ ہو رات بھر یہی اندیشہ رہا۔ صبح کو اٹھے اور شہر میں داخل ہوتے درآنحالیکہ خوفزدہ تھے اور منتظر تھے کہ دیکھئے کل جو معاملہ پیش آیا تھا اسکا کیا ہوتا ہے آیا وہ دب گیا یا اس کی خبر منتشر ہوگئی پس ناگاہ اسی شخص کو پایا کہ جس نے کل آپ سے مدد چاہی تھی کہ آج پھر وہی شخص دوسرے قبطی کے مقابلہ میں فریاد کر رہا ہے اور آپکو مدد کے لیے پکار رہا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تحقیق تو کھلا گمراہ ہے روز کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ قصد کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن ہے۔ مراد فرعونی ہے جو اسرائیلی اور موسیٰ علیہ السلام دونوں کا مخالف تھا موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ تاکہ قبطی کو ماریں اور اسرائیلی کو اس کے پنجۂ ظلم سے نکالیں چونکہ موسیٰ علیہ السلام قبطی پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے اسرائیلی پر غصہ ہو چکے تھے اور اسرائیلی آپ

کی زبان سے یہ سن چکا تھا اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ - اس لیے اسرائیلی نے یہ گمان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام مجھے مارنا چاہتے ہیں اور میرے مارنے کے لیے یہ ہاتھ اٹھایا ہے اس لیے ان سے اپنی جان بچانے کے لیے گھبرا کر یہ کہا۔ اے موسیٰ کیا آج تو مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے جیسا کہ کل گذشتہ تو ایک جان مار چکا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ تیرا ارادہ یہ ہے کہ تو زمین میں زور آور بنکر رہے اور یہ نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ اسرائیلی کی زبان سے اس لفظ کا نکلنا تھا کہ سارے شہر میں مشہور ہو گیا اور کل کا خون جو چھپا ہوا تھا وہ آشکارا ہو گیا۔ اس خون کی خبر فرعون کو بھی پہنچ گئی۔ فوراً مشورے شروع ہو گئے کہ اس شخص کو گرفتار کر کے لایا جائے اور قتل کر دیا جائے۔

اور اس مجمع میں ایک شخص موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ اور محب بھی تھا وہ شہر کے اس کنارہ سے جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا گلیوں سے ہو کر دوڑتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے موسیٰ اہل دربار آپکے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپکو قتل کر دیں پس میں آپکو مخلصانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ یہاں سے فوراً نکل جائیے بلاشبہ میں آپکے خیر خواہوں میں سے ہوں پس موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر فوراً وہاں سے نکل گئے در آنحالیکہ وہ خوف زدہ اور دہشت زدہ تھے۔ اور اس انتظار اور خیال میں تھے کہ شاید پیچھے پیچھے انکے تعاقب میں کوئی آ رہا ہو۔ راستہ بھی معلوم نہ تھا۔ پریشان تھے کہ کدھر جائیں اس لیے دعا کی اے میرے پروردگار مجھ کو ظالموں کے گروہ سے نجات دے اور امن کی جگہ پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول کی کہ ان کی دعا کے مطابق انکو مدین کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا جہاں پہنچ کر انکو امن اور اطمینان نصیب ہوا اور ظالموں سے نجات ملی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ نے انکو سیدھی سڑک پر ڈالدیا۔ کہا جاتا ہے کہ فرعون نے انکے تعاقب کے لیے کچھ سوار بھی روانہ کیے لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى
اور جب منہ دھرا مدین کی سیدھ پر - بولا امید ہے

رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا
کہ میرا رب لے جاوے مجھ کو سیدھی راہ پر - اور جب

وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ
پہنچا مدین کے پانی پر پائے وہاں جمع ہو رہے

النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ
لوگ پانی پلاتے - اور پائیں ان کے سوا دو عورتیں

تَذُوۡدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطۡبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسۡقِىۡ حَتّٰى

روکے کھڑیں۔ بولا تم کو کیا کام ہے؟ بولیاں ہم نہیں پلاتے پانی جب تک

يُصۡدِرَ الرِّعَآءُ ۚ وَاَبُوۡنَا شَيۡخٌ كَبِيۡرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا

پھیر لے جاویں چرواہے اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا۔ پھر اس نے پلا

ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ

دیئے انکے جانور پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف۔ بولا اے رب! تو جو اتارے میری

اِلَىَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتۡهُ اِحۡدٰٮهُمَا تَمۡشِىۡ

طرف اچھی چیز، میں اسکا محتاج ہوں۔ پھر آئی اس پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی

عَلَى اسۡتِحۡيَآءٍ ۚ قَالَتۡ اِنَّ اَبِىۡ يَدۡعُوۡكَ لِيَجۡزِيَكَ

شرم سے۔ بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں

اَجۡرَ مَا سَقَيۡتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيۡهِ

دے حق اسکا کہ تو نے پلا دیئے ہمارے جانور۔ پھر جب پہنچا اس پاس اور بیان کیا

الۡقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفۡ ۖ نَجَوۡتَ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۵﴾

اس سے احوال۔ کہا مت ڈر۔ بچ آیا تو اس قوم بے انصاف سے۔

قَالَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا يٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۖ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ

بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ! اسکو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر

اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّىۡۤ اُرِيۡدُ اَنۡ

جو تو رکھا چاہتا ہے۔ وہ جو زور آور ہو امانت دار۔ کہا میں چاہتا ہوں کہ

اُنۡكِحَكَ اِحۡدَى ابۡنَتَىَّ هٰتَيۡنِ عَلٰٓى اَنۡ تَاۡجُرَنِىۡ

بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی، ان دونوں میں سے اس پر کہ تو میری نوکری کرے

ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ

آٹھ برس پھر اگر تو پوری کرے دس، تو تیری طرف سے۔ اور

مَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں۔ تو آگے پاوے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِیْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا

نیک بختوں سے۔ بولا یہ ہو چکا میرے تیرے بیچ۔ جونسی مدت

الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰی

ان دونوں میں پوری کر دوں۔ سو زیادتی نہ ہو مجھ پر۔ اور اللہ پر بھروسا

مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

اسکا ہے جو ہم کہتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ ... الی ... وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ایک خیر خواہ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ فوراً مصر سے نکل جایئے موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی اور ظالموں سے نجات کا ایک ذریعہ بنایا چنانچہ وہ مصر سے نکل کھڑے ہوئے راہ سے واقف نہ تھے توکلاً علی اللہ ایک سمت پر چل پڑے اور جب بالقاء غیبی شہر مدین کی طرف متوجہ ہوئے اور قضا و قدر نے دجہ (منہ) کو مدین کی طرف کر دیا اور "مدین" ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیمؑ کے نام پر رکھا گیا تو جب ادھر متوجہ ہوئے تو کہنے لگے مجھے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو سیدھے راستہ پر لے جائے گا اللہ نے انکی امید کو پورا کیا اور دنیا اور آخرت کے اعتبار سے انکو سیدھا راستہ دکھایا اور اس پر چلایا اور منزل مقصود تک پہنچایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ایسی تھی جیسا[۱]

[۱] دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۶۹ ج ۶

کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے شہر سے چلتے وقت کہا تھا۔ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے روانہ ہوئے منہ مدین کی طرف تھا اور دل خداوند ذوالمنن کی طرف تھا اور جب چلتے چلتے شہر مدین کے پانی پر پہنچے یعنی اس کنویں پر پہنچے جو شہر کے کنارہ پر تھا تو اس کنویں پر ایک مجمع اور ہجوم دیکھا کہ لوگ وہاں جمع ہیں اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان لوگوں سے علیحدہ ایک طرف دو عورتیں پائیں کہ جو اپنی بکریوں کو ہانکتی اور روکتی تھیں کہ انکی بکریاں دوسروں کی بکریوں میں نہ مل جائیں یہ دونوں شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں تھیں مگر چونکہ بالغہ تھیں اس لیے انکو عورتیں کہا۔ حیا اور شرم کی وجہ سے ایک طرف کھڑی تھیں ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ مردوں کی مزاحمت کر سکیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو ان کے حال پر رحم آیا تو کہا کہ تم دونوں کا کیا حال ہے ان دونوں نے جواب دیا ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلائیں گے جب تک یہ چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلاکر نہ لے جائیں ہم کو اس ہجوم کی مزاحمت پسند نہیں اور ہم بحالت مجبوری یہاں آئی ہیں سوائے باپ کے ہمارا کوئی سہارا نہیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتا اس لیے مجبوراً ہم کو گھر سے نکل کر یہاں آنا پڑا اور ہم دو ضعیف عورتیں ہیں مردوں کی مزاحمت پر قادر نہیں اس لیے انکے واپس ہونے کے بعد ہم اپنی بکریوں کو پانی پلا سکیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب انکی یہ بات سنی تو انکے حال پر رحم آیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے پانی کھینچ کر انکی بکریوں کو پلا دیا تاکہ لاچار کی اعانت اور امداد کا اجر اور ثواب انکو ملے پھر وہاں سے مڑکر کسی سایہ کی جگہ کیطرف متوجہ ہوئے اور وہاں جاکر بیٹھ گئے اور لڑکیوں کی طرف کوئی التفات نہ کیا بس ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو گئے اور یہ دعا کی۔ اے میرے پروردگار میں آپکی نازل فرمودہ خیر و برکت اور رزق و نعمت کا محتاج ہوں۔ میں فقیر مطلق ہوں اور آپ کریم مطلق ہیں۔ آپکے سامنے ہوں خزانۂ غیب سے جو مل جائے اسکا امیدوار اور منتظر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کے لیے سامان کیا۔

دونوں لڑکیوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ ایک جوان ہے اور ایسا توانا ہے کہ جس چٹان کو دس آدمی اٹھاتے ہیں اس نے اسکو تن تنہا ہٹا دیا اور اسکی امانت اور دیانت اور عفت اور پاکدامنی کا یہ حال ہے کہ اس نے ہماری مدد تو کر دی مگر ہماری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا بڑا ہی نیک بخت اور عفیف ہے اور اسکی عبودیت کا یہ حال ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعا اور التجا میں غرق ہے اس شخص کا حال اور قال اس کے باطن کی ترجمانی کر رہا ہے آخر وہ دونوں پیغمبر کی صاحبزادیاں تھیں اس قسم کی کیفیتوں اور حالتوں سے بے خبر نہ ہوں گی۔ دونوں لڑکیاں گھر واپس آگئیں باپ نے دریافت کیا کہ آج خلاف معمول کیسے جلد واپس آگئیں انہوں نے سارا ماجرا سنایا اور بتلایا کہ ایک نووارد مسافر آیا ہے اور بڑا نیک اور قوی معلوم ہوتا ہے اس نے ہماری مدد کی اور اے باپ آپکو اپنی خدمت کے لیے اور گھر کے کاروبار کے لیے ایک آدمی درکار ہے اس شخص کو ملازم رکھ لیجیے یہ سن کر شعیب علیہ السلام کو اسکی سچائی میں کوئی تردد نہ ہوا اور شعیب علیہ السلام نے ایک لڑکی سے کہا کہ اچھا اسکو بلا لاؤ اور میرے پاس لیکر آؤ پس ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہایت حیا اور شرم سے چلتی ہوئی آئی اس طرح سے آنا صاحبزادی کے کمال ایمان کی دلیل تھی۔ کیونکہ حیا ایمان کا عظیم اور درمیانی شعبہ ہے جس پر تمام اخلاق فاضلہ کا مدار ہے اور آکر یہ کہا کہ میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے تاکہ تجھ کو اس چیز کا صلہ اور بدلہ دے کہ جو تونے ہمارے لیے پانی کھینچا اور ہماری بکریوں کو پلایا۔ لڑکیوں نے یہ بات اپنے خیال سے کہی کہ باپ کا ارادہ اجرت اور معاوضہ

دینے کا ہے۔ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔ ہمارے باپ کی عادت اور سرشت ہے۔ غالباً انہوں نے اسی احسان کے مکافات کے لیے بلایا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام نے مزدوری حاصل کرنے کے لیے پانی نہیں پلایا تھا اور عجب نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو دل سے یہ بات ناگوار گزری ہو کہ میں نے یہ کام محض اللہ کے لیے کیا تھا نہ کہ مزدوری کے لیے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوڑھے بزرگ کی دعوت کو موجب خیر و برکت سمجھ کر قبول کیا کہ ایک بوڑھا اور ناتواں شخص مجھے بلا رہا ہے اس لیے وہ اٹھے اور کہا کہ اچھا چلتا ہوں تم زبان سے مجھے راستہ بتاتی جاؤ۔ جب وہاں پہنچے تو شعیب علیہ السلام کھانا کھا رہے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آؤ کھانا کھاؤ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ کی پناہ۔ شعیب علیہ السلام نے کہا کیا تو بھوکا نہیں۔ کہا ہاں بھوکا ہوں لیکن اس بات سے ڈرتا ہوں کہ جانوروں کے پانی پلانے کا عوض لوں۔ میں اس خاندان کا ہوں کہ جو آخرت کے عمل کو روئے زمین کے برابر سونے کے عوض میں بھی نہیں بیچتے۔ شعیب علیہ السلام نے کہا لا واللہ خدا کی قسم یہ مطلب ہرگز نہیں ولیکن میرے آباؤ اجداد کی عادت مہمانی ہے اس لیے ہم ہر مہمان کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۲۷۱ ج ۱۳) یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام بیٹھ گئے اور کھانا کھایا۔ پھر اپنا سارا قصہ بیان کیا اس طرح سمجھو کہ موسیٰ علیہ السلام کا دعوت قبول کرنا حکم خداوندی اور سنت انبیاء کے اتباع میں تھا کہ ایک بزرگ کی دعوت قبول کرنا انبیاء کی سنت ہے نہ کہ اپنے عمل پر اجرت لینے کے لیے تھا اگرچہ فاقہ کی شدت اور عند الضرورت اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ خود موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ میں گزر چکا ہے۔ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا۔

غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام شعیب علیہ السلام کی دعوت کی بنا پر انکے پاس آئے اور ان سے اپنا سارا قصہ بیان کیا اور ابتدار ولادت سے لیکر اب تک کا سارا حال انکو بتایا۔ شعیب علیہ السلام نے سن کر ان کو تسلی دی اور کہا کہ ڈرو مت تم نے ظالموں سے نجات پائی یعنی یہاں فرعون کی سلطنت نہیں بعد ازاں شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بولی جن کا نام صفورا تھا اے والد بزرگوار اسکو اپنا نوکر رکھ لیجئے تاکہ ہماری بکریاں چرایا کرے۔ تحقیق بہترین وہ شخص جس کو اپنا اجیر اور نوکر رکھیں وہ شخص ہے جو مضبوط اور توانا ہو اور امانت دار ہو۔ قوت اور توانائی کا تو یہ حال ہے کہ جو پتھر دس آدمیوں سے نہیں اٹھ سکتا تھا۔ اس شخص نے تن تنہا اسکو نہایت سہولت سے اٹھا کر رکھ دیا اور امانت کا یہ حال ہے کہ اس شخص نے مجھ کو پیچھے چلنے کو کہا کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور زبان سے راستہ بتاتی چلو۔ اور جس میں یہ دو خصلتیں ہوں یعنی قوت اور امانت وہ خوب خدمت انجام دیگا۔ شعیب علیہ السلام نے بیٹی کے اس مشورہ کو قبول کیا بعد ازاں حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تحقیق میں یہ چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کو تیرے نکاح میں دے دوں اس شرط اور اس قول و قرار پر کہ آٹھ برس تو میری نوکری کرے اور یہی نوکری اس نکاح کا بدل اور مہر ہے حاصل یہ کہ آٹھ سال کی خدمت یہی اس نکاح کا مہر ہے لہذا آٹھ سال تک تو یہاں رہنا ضروری ہے پس اگر تو دس سال پورے کر دے تو یہ تیری طرف سے تبرع اور احسان ہوگا اور میں تجھ پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا۔ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ تو مجھے نیک بختوں میں سے پائے گا کہ میری صلاح اور نیکی کا اثر میری بیٹی میں دیکھے گا کہ وہ لڑکی بھی صالحات اور قانتات میں سے ہوگی اور میں تجھ سے کوئی ایسی خدمت نہ لوں گا کہ جو باعث مشقت اور گرانی ہو۔ شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیاں تھیں بڑی کا نام صفورا تھا اور چھوٹی کا نام لیا

تھا۔ کما قالہ محمد بن اسحاق۔ تفسیر کبیر ص ۶۷ ج ۲۴ -

جب بیٹی نے باپ سے موسیٰ علیہ السلام کی قوت اور امانت کی تعریف کی تو شعیب علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا کہ یہ نوجوان میری لڑکی کی نظر میں پسندیدہ ہے پس اگر میں اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کر دوں تو یہ اس پر راضی ہوگی اس لیے بیٹی کی بات کا تو جواب نہ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ۔ کہ میں ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی تیرے نکاح میں دینا چاہتا ہوں بشرطیکہ آٹھ سال تو میری نوکری کرے موسیٰ علیہ السلام نے اس معاملہ کو منظور کر لیا اور کہا کہ میرے اور تیرے درمیان یہ عہد قرار پا گیا اور بات پکی ہو گئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جس مدت کو بھی میں پورا کر دوں تو مجھ پر کوئی جبر اور زیادتی نہ ہوگی اور جو ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے اور کارساز ہے اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر عہد کو پورا کرنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ وہی سب کا کارساز ہے۔ اللہ کی شہادت اور اسکے توکل پر معاملہ ختم کیا۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس کی مدت پوری کی۔

حضرت شاہ عبدالقادر رح لکھتے ہیں "ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وطن سے نکلے سو آٹھ برس پیچھے آ کر مکہ فتح کیا اگر چاہتے تو اسی وقت کافروں سے شہر خالی کرا لیتے لیکن اپنی خوشی سے دس برس پیچھے کافروں سے مکہ کو پاک کیا"اھ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو کسی مرد صالح پر پیش کرے جیسے ابوبکرؓ و عمرؓ نے اپنی اپنی بیٹیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔

مسئلہ | خدمت کو لڑکی کا مہر مقرر کرنا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ مہر کے لیے مال ہونا ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ۔ اور حدیث میں ہے لامهر اقل من عشرة دراهم تفصیل کے لیے شروح ہدایہ دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام مدین آنے سے پہلے قصر شاہی میں عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے اب خدا نے انکو پیغمبر کے گھرانہ میں پہنچا دیا جہاں دن رات اللہ کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی تھیں اس طرح ایک نبی کی خانقاہ اور دارالتربیت میں پہنچا دیئے گئے تا کہ دس سالہ نصاب تربیت مکمل ہو جانے کے بعد انکو محض اپنے فضل و رحمت سے نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کریں اور فرعون اور فرعونیوں کو اپنی قدرت کے کرشمے اور اپنے نبی کے معجزے دکھلائیں اور جب مجرمین کا پیمانۂ جرم لبریز ہو جائے تو یکلخت سب کو ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

شعیب علیہ السلام نے بظاہر معاملہ اجارہ کا کیا لیکن درحقیقت انکی قوت اور امانت کو دیکھ کر اپنی صاحبزادی دینے کا ارادہ فرمایا اور نور نبوت سے انکی صلاحیت اور باطنی استعداد کا اندازہ لگا لیا اور آٹھ دس سال قیام کی شرط لگا کر اپنی تربیت میں رکھنا مقصود تھا کہ مقام ارادت سے ترقی کر کے کمال استقامت کو پہنچ جائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت، اور لے کر چلا اپنے

بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ

گھر والوں کو، دیکھی پہاڑ کی طرف سے ایک آگ۔ کہا

لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا

اپنے گھر والوں کو ٹھہرو! میں نے دیکھی ہے ایک آگ۔ شاید لے آؤں تمہارے پاس

بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

وہاں کی کچھ خبر۔ یا انگارہ آگ کا، شاید تم تاپو۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي

پھر جب پہنچا اس پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے،

الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا

برکت والے تختہ سے اس درخت سے، کہ اے موسیٰ میں ہوں میں

اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا

اللہ جہان کا رب۔ اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی۔ پھر جب دیکھا

تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ

اس کو پھنپھناتے، جیسے سانپ کی سٹک ہے الٹا پھرا منہ موڑ کر، اور نہ پیچھے دیکھا

يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

اے موسیٰ آگے آ۔ اور نہ ڈر تجھ کو خطرہ نہیں۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ

پیٹھا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکل آوے چٹا، نہ کچھ

سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ

برائی سے ، اور ملا اپنی طرف اپنا بازو ڈر سے۔ سو یہ دو

بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ

سندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اسکے سرداروں پر۔ بیشک

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ

وہ تھے لوگ بے حکم۔ بولا اے رب! میں نے خون کیا ہے ان میں

نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ

ایک جی کا۔ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں گے۔ اور میرا بھائی ہارون ، اس کی

اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ

زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سو اسکو بھیج ساتھ میرے مدد کو کہ مجھ کو سچا کرے

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ

میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں۔ فرمایا، ہم زور دیں گے

عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا

تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ، پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے

يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚۛ بِاٰيٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا

تم تک۔ ہماری نشانیوں سے۔ تم اور جو تمہارے ساتھ ہو اوپر

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ

رہو گے۔ پھر جب پہنچا ان پاس موسیٰ لے کر ہماری نشانیاں کھلی

قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا

بولے، اور کچھ نہیں یہ جادو ہے۔ جوڑ لیا ، اور ہم نے سنا نہیں

بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ

یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں۔ اور کہا موسیٰ نے میرا رب

اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ

بہتر جانتا ہے جو کوئی لایا ہے سوجھ کی بات اسکے پاس سے اور جس

تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

کو ملے گا پچھلا گھر۔ بے شک بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ

اور بولا فرعون اے دربار والو۔ مجھ کو معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم

اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ

میرے سوا۔ سو آگ دے اے ہامان! میرے واسطے گارے

فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ

کو، پھر بنا میرے واسطے ایک محل، شاید میں جھانک دیکھوں موسیٰ کا رب

وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَ

اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے۔ اور بڑائی کرنے لگے وہ اور

جُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

اسکے لشکر، ملک میں ناحق۔ اور اٹکلے کہ وہ ہماری

اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ

طرف پھر نہ آویں گے۔ پھر پکڑا ہم نے اسکو اور اسکے لشکروں کو پھر

فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَ

پھینک دیا ہم نے انکو پانی میں۔ سو دیکھ آخر کیسا ہوا گناہ گاروں کا۔ اور

جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ
کیا ہم نے انکو سردار بلاتے دوزخ کی طرف ۔ اور قیامت کے دن

لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ
انکو مدد نہیں ۔ اور پیچھے رکھی ان پر اس دنیا میں پھٹکار

وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾
اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی مدین سے مصر کی طرف واپسی اور اثناء سفر میں منصب نبوت و رسالت سے سرفرازی اور بغرض تبلیغ و دعوت فرعون کی طرف جانیکا حکم اور حفاظت اور غلبہ کا وعدہ

قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ الیٰ۔۔ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ۞

الغرض جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہ کر پوری مدت گزار دی یعنی دس برس تک بکریاں چرائیں اور دس برس تک ایک نبی کی صحبت میں رہے اور مجاہدہ اور ریاضت اور باطنی تربیت کی منزلیں طے ہوگئیں اور چالیس سال کی سن کو پہنچے اور حضرت شعیبؑ کی اجازت سے اپنی زوجہ اور اہل خانہ کو لیکر مدین سے مصر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اہل قرابت سے جا کر ملیں اور طور کے آس پاس پہنچے۔ رات کا وقت تھا اندھیری چھائی ہوئی تھی اور سخت سردی تھی۔ اتفاق سے راہ بھٹک گئے ایسے وقت میں طبعاً آگ کی تلاش ہوتی ہے۔ کوہ طور کی جانب سے ایک آگ دیکھی جو حقیقت میں ایک نور تھا۔ شکل آگ کی تھی اس لیے کہ آدمی کی طبیعت اپنی مرغوب چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس وقت جاڑے کی شدت کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو آگ کی ضرورت تھی اس لیے یہ تجلی نور بلباس ناری واقع ہوئی اور وہ نور ایک آگ کی صورت میں نمودار ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے جو اس وقت انکے ساتھ تھے کہا ذرا یہیں ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے اسکی طرف جاتا ہوں۔ شاید وہاں سے تمہارے واسطے راستہ کی کچھ خبر لیکر آؤں۔ شاید وہاں کوئی مل جائے تو اس سے راستہ دریافت کرلاؤں اور آگ بھی لے آؤں یا کم از کم آگ کا کوئی انگارا ہی لے آؤں تاکہ تم اس سے سینکو اور گرمی حاصل کرو یعنی اگر کوئی راستہ بتلانے والا نہ ملے تو یہی فائدہ حاصل ہوگا کہ ذرا سی آگ ہی مل جائے گی۔

سو جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی داہنی جانب سے برکت والی جگہ میں درخت سے یہ آواز آئی اے موسیٰ یہ آواز دینے والا میں ہی ہوں اللہ سارے جہانوں کا رب۔ یعنی اے موسیٰ یہ آگ جو تو دیکھ رہا ہے یہ درحقیقت میری ایک تجلی ہے اور میرے نور کا جلوہ ہے اور یہ آواز جو تو سن رہا ہے وہ میرے بے چون و بے چگون کلام کا ایک پردہ اور لباس ہے اور یہ درخت اور یہ مکان اور یہ جہت اور سمت جہاں سے تو یہ آواز سن رہا ہے وہ میری ذات مقدس کا محل اور مکان نہیں بلکہ ایک میری تجلی گاہ ہے میری ذات اور میرا کلام جہت اور سمت سے منزہ ہے اور جس مکان اور جہت سے تو میرا کلام سن رہا ہے وہ تیرے سماع کے لیے ہے نہ کہ میرے کلام کے لیے۔

اس لیے علماء اہل سنّت وجماعت کہتے ہیں کہ کلام قدیم جو اللہ کی صفت ہے۔ اور اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ بے چون اور بے چگون ہے اس میں حرف اور آواز نہیں مگر بندہ چونکہ چونی اور چگونی کا گرفتار ہے اس لیے وہ بے چون اور بے چگون کو چون اور چگون کے پردہ ہی سے سن سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ایک خاص صورت میں نمودار اور جلوہ افروز ہوگا ایک مرتبہ اہل ایمان اللہ کو نہیں پہچان سکیں گے۔ دوسری مرتبہ جب دوسری صورت میں نمودار ہوگا تب اہل ایمان پہچانیں گے کہ یہ ہمارا پروردگار ہے سو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے اور یہ صورت جس کو اہلِ ایمان دیکھ کر اپنے خدا کو پہچانیں گے یہ خداوند بے چون وچگون کا ایک جلوہ اور پردہ ہوگا اور یہ ظاہر ہونے والی صورت بمنزلہ آئینہ کے ہوگی جس کے ذریعہ اہل ایمان خدا تعالیٰ کا جلوہ دیکھ سکیں گے اور یہ مطلب نہیں کہ وہ صورت بعینہٖ خدا تعالےٰ کی صورت ہوگی پس جس طرح ذاتِ خداوندی نہ جسم ہے اور نہ عرض ہے اور اس کے لیے نہ کوئی صورت ہے اور نہ کوئی شکل ہے مگر قیامت کے دن اور جنت میں اسکو دیکھا جائیگا لیکن اسکا دیدار کسی صورت کے پردہ سے ہوگا تاکہ بندہ اسکا تحمل کر سکے اسی طرح اللہ تعالےٰ کے کلام کو سمجھو کہ وہ بے چون و بے چگون ہے اور بغیر حرف اور بغیر آواز کے ہے۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام نے جو درخت سے سنا وہ بے شک حرف اور آواز کو سنا لیکن وہ حرف اور آواز کلام قدیم کا ایک لباس تھے اور اس پر دلالت کرنے والے تھے۔ جیسا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم ص۔ ج ۲۔

جیسے موسیٰ علیہ السلام نے جب دور سے آگ کو دیکھا تو درحقیقت وہ آگ نہ تھی بلکہ نور قدیم کی ایک تجلی تھی جو آگ کے لباس میں ظاہر ہوئی جس کے موسیٰ علیہ السلام طالب تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اس آواز کو سنکر جان لیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں ذرہ برابر اشتباہ اور التباس نہیں ہوتا اور یہ بھی آواز آئی کہ اے موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ اول اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کلام اور پیغام سے سرفراز فرمایا اور منصبِ نبوت ورسالت پر فائز کیا اب اسکے بعد انکو دلائل نبوت اور براہینِ رسالت عطا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے موسیٰ اپنا عصا زمین پر ڈال دو دیکھو تو سہی کیا ہوتا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے وہ عصا زمین پر ڈال دیا پس جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ عصا تو سانپ بن گیا اور سانپ کی طرح حرکت کرتا ہے تو خوف کے مارے پشت پھیر کر بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا تو آواز آئی کہ اے موسیٰ سامنے آؤ اور ڈرو مت تحقیق تو امن والوں میں سے ہے تمہیں اس اژدہا سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دشمن کو ڈرانے کے لیے یہ معجزۂ تخویف عطاء کیا گیا جو بصورتِ قہر

یہ سنتے ہی موسیٰ علیہ السلام کا طبعی اور بشری اور عذاب دیا گیا۔ تمہارے ڈرانے کے لیے نہیں دیا گیا بلکہ دشمن کو ڈرانے کے لیے ہے خوف یکلخت دور ہو گیا اور دوسرا معجزہ۔ معجزۂ تنویر عطا ہوا کہ جس سے نور ظاہر ہوتا تھا وہ یہ کہ اے موسیٰ اپنا ہاتھ گریبان میں لے جا وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر نکلے گا گویا کہ یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے قلب منور کی نورانیت کا ایک نمونہ ہوگا اور یہ دیکھ کر اگر تم پر خوف طاری ہونے لگے تو خوف کے رفع کرنے کے لیے اپنا ہاتھ سمیٹ لو یعنی گریبان میں ڈال لو۔ ہاتھ پھر بدستور اپنی صورت پر آجائیگا اور کوئی خوف باقی نہ رہے گا پس یہ دونوں چیزیں یعنی عصا اور ید بیضا تیری نبوت و رسالت کی دو روشن دلیلیں ہیں اور دو نشانیاں ہیں جو تجھ کو تیرے رب کی طرف سے عطا کی گئیں ہیں۔ عصا سے معصیت کی طرف اشارہ ہے اور ید بیضا سے نور طاعت کی طرف اشارہ ہے اور ایسے نشان سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں دے سکتا۔ جس طرح یہ دونوں چیزیں بلاشبہ تیرے پروردگار کی طرف سے ہیں اسی طرح وہ کلام اور پیغام جو تونے درخت کے اندر سے سنا وہ میرا ہی کلام اور پیام ہے اور جو آگ تو نے دیکھی وہ میرے ہی نور کی ایک تجلی تھی جو تجھ کو بصورت نار دکھلائی گئی چونکہ اس وقت تیرا مطلوب آگ تھی اس لیے آگ ہی کے لباس میں تجھ کو اپنا جلوہ دکھلایا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس مقام پر دو معجزے عطا ہوئے۔ پھر حکم ہوا کہ فرعون اور اس کے امراء کی طرف جاؤ اور انکو عصا کے ذریعہ اللہ کی معصیت سے ڈراؤ اور ید بیضا کے ذریعہ طاعت کی نورانیت کی طرف بلاؤ۔ تحقیق یہ بڑے ہی بدکار گروہ ہیں جو اوامر اور نواہی کی حدود سے باہر نکل گئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوں بمقتضائے بشریت ضعیف اور ناتواں ہوں تیری اعانت اور امداد کا محتاج ہوں اے پروردگار آپ کو معلوم ہے کہ فرعون ملک مصر پر قاہر اور غالب ہے اور بڑا ظالم اور جابر ہے میں نے ان میں کا ایک آدمی مار ڈالا تھا اسی خوف کے مارے میں وہاں سے بھاگ کر مدین آیا تھا اب مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے دیکھتے ہی نہ قتل کر ڈالیں تو ایسی صورت میں آپ کا پیغام اسکو کیسے پہنچا سکوں گا۔ دعوت اور تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ نے انکی تسلی کر دی کہ ہرگز ایسا نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں گزرا اور دوسری بات یہ ہے کہ میری زبان میں کچھ لکنت ہے شاید میں پیغام رسالت میں بات کو پوری طرح واضح نہ کر سکوں اور میرا بھائی ہارون فصاحت لسانی اور حسن تعبیر اور خوبی بیان میں مجھ سے بڑھ کر ہے پس اسکو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجیے تاکہ وہ حسن تقریر اور خوبی تعبیر سے میری تصدیق اور تائید کرے تحقیق مجھ کو ڈر ہے کہ وہ لوگ یعنی فرعون اور اسکے درباری میری تکذیب کریں گے اس لیے ضرورت ہے کہ میری دلیل اور برہان کی تقریر اور تفصیل کے لیے ایک فصیح اللسان میرا معین اور مددگار ہو کہ جو فصاحت لسانی سے حق کو ایسا واضح کرے کہ اس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہ رہے اور وہ مُصَدِّق انکے بھائی ہارونؑ ہیں معلوم ہوا کہ تصدیق سے یہ مراد نہیں کہ جو جو کچھ موسیٰ کہیں ہارونؑ اس پر آمنّا و صدقنا کہتے جائیں بلکہ تصدیق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت لسانی اور فصاحت بیانی سے حجت اور دلیل کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کی تائید اور توثیق کریں اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اے موسیٰ ہم تیرے بھائی کے ذریعہ ضرور تیرا بازو قوی کریں گے یعنی اے موسیٰ ہم نے تیری درخواست قبول کی تمہارے بھائی کو در باب تبلیغ تمہارا قوت بازو بنائیں گے اور تم دونوں کے لیے ہم ایک خاص غلبہ اور خاص عظمت و ہیبت عطا کریں گے پس وہ فرعون والے تم تک نہیں پہنچ سکیں گے قتل تو بڑی بات ہے وہ تمہیں کوئی ایذا اور گزند بھی نہیں پہنچا سکیں گے اور برے ارادے سے

تمہارے پاس بھی نہ آسکیں گے۔

بس تم بے فکر ہو کر ہماری نشانیاں لیکر فرعون کے پاس جاؤ اور اسکو حق کی دعوت دو اور مطمئن رہو تم دونوں اور تمہارے پیرو ہی غالب رہیں گے اور وہ تمہیں کوئی ایذا نہیں پہنچا سکیں گے پس جب موسیٰ علیہ السلام ہماری کھلی نشانیاں لے کر فرعونیوں کے پاس آئے اور توحید کی دعوت دی تو فرعونیوں نے کہا کہ یہ تو تراشیدہ جادو ہے جسے خواہ مخواہ خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے یہ سب جادو کی باتیں ہیں جو خود اسی کی اختراع کردہ ہیں اور کہتا ہے کہ خدا نے مجھ کو یہ معجزات دیکر بھیجا ہے اور ہم نے تو اپنے پچھلے باپ دادوں میں کبھی یہ بات نہیں سنی کہ آسمان و زمین کا اور اس دنیا کا کوئی خالق ہے اور آئندہ چل کر وہ اس جہان کو فنا کر دیگا اور دوبارہ زندہ کر کے حساب لیگا اور نہ کبھی یہ سنا کہ خدا نے کسی کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کے پاس سے ہدایت اور دین حق لے کر آیا ہے اور خوب جانتا ہے اسکو جس کا انجام آخرت اچھا ہے میرا یا تیرا مگر خوب یاد رکھو کہ بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے جو شخص اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے گا وہی ظالم ہوگا اور ذلیل و خوار ہوگا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر ہو اور تمہارا انجام خراب ہے۔ تم میرے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ عنقریب تم کو اپنا انجام معلوم ہو جائیگا۔

اور فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب باصواب سنکر یہ اندیشہ ہوا کہ اہل دربار اور ارکانِ دولت اس شخص کی طرف مائل نہ ہو جائیں تو بغرض تلبیس و تدلیس فرعون بولا اے اشرافِ قوم یہ شخص یہ کہتا ہے کہ ایک خدا ہے جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے میں تو تمہارے لیے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا مجھے معلوم نہیں کہ میرے سوا بھی کوئی خدا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ فرعون کی مراد یہ نہ تھی کہ وہ آسمان و زمین کا اور اس جہان کا خالق ہے کیونکہ یہ بات تو بداہۃً محال ہے جو کسی پر بھی مخفی نہیں اور نہ کوئی ادنیٰ عقل والا اس بات کو مان سکتا ہے کہ فرعون نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ فرعون سرے سے وجود خالق کا قائل نہ تھا وہ دہری تھا اور منکر خدا تھا اس کا خیال یہ تھا کہ افلاک اور نجوم اور کواکب کی حرکات اس عالم سفلی کے تغیرات اور تنوعات اور اختلاف احوال کی علت ہیں اس کے لیے کسی صانع کے اثبات کی حاجت نہیں اس لیے اس نے یہ کہا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ۔ بہرحال دعوائے الوہیت سے فرعون کا یہ مطلب نہ تھا کہ میں آسمان و زمین کا خالق ہوں بلکہ اسکا مطلب یہ تھا کہ اس عالم کا کوئی خالق اور خدا نہیں جس کی اطاعت واجب ہو۔ ہر خطہ کا فرمانروا ہی اسکا خدا اور معبود اور واجب الاطاعت ہے اور وہ میں ہوں جو تمہارے سامنے موجود ہوں اور موسیٰؑ جو کہتا ہے کہ کوئی خدا ہے جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے سو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ دیکھو تفسیر کبیر صـ۴۷۸ ج ۶۔

وہ خدا کہاں ہے جو نہ محسوس بحواس ہے اور نہ میرے نزدیک ثابت بالعقل ہے۔ فرعون دہری تھا۔ دہریہ کو مسبب الکل اور علت العلل جانتا تھا اور خالق قدیر اور خدائے عظیم کا قائل نہ تھا اور کہتا تھا کہ خدا ہے ہی نہیں جس کی پرستش کی جائے ہر خطہ کا بادشاہ وہاں کے لوگوں کا خدا ہے اور وہی پرستش اور اطاعت کے لائق ہے اور وہ میں ہوں اور بس لہٰذا مجھ ہی کو اپنا خدا سمجھو اور میری ہی اطاعت کرو۔

پھر اس نے لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے اور موسیٰ علیہ السلام کا کذب ظاہر کرنے کے لیے اور موسیٰ علیہ السلام کی باتوں کو ہنسی میں اڑانے کے لیے کہا اے ہامان تو میرے لیے گارے پر آگ جلا یعنی پکی اینٹیں بنا اور اس سے میرے لیے ایک محل اور بلند عمارت تیار کر تاکہ میں اس پر چڑھ کر اور آسمان کے قریب ہو کر موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں کہ اس کا معبود کہاں ہے اور کیسا ہے زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی معبود دکھائی نہیں دیتا شاید آسمان کی طرف جھانکنے سے موسیٰ کا خدا نظر آ جائے ذرا اس کی بھی تحقیق کر لوں تاکہ موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے جو یہ کہتا ہے کہ اوپر سے مجھ پر وحی آتی ہے اس لعین کو یہ وہم ہوا کہ اگر آسمان میں کوئی معبود ہو گا تو جسم ہو گا اور اسکی طرف چڑھنا ممکن ہو گا اور بولا کہ تحقیق میں موسیٰ کو جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا کوئی رب ہے جس نے اسکو رسول بنا کر بھیجا ہے یہ سب غلط ہے وجود صانع پر کوئی دلیل نہیں اگر ہوتی تو مجھے معلوم ہوتی فرعون چونکہ دہری تھا۔ سرے سے صانع عالم کے وجود کا قائل نہ تھا اس لیے وہ موسیٰ علیہ السلام کے خدا کا رسول ہونے کا بھی قائل نہ تھا اس لیے اس نے یہ کہا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا خیال کرتا ہوں کہ خدا نے اسکو رسول بنا کر بھیجا ہے اگر فی الواقع کوئی خدا ہوتا تو اس تک چڑھنا بھی ممکن ہوتا۔ بلند مکان بنانے سے فرعون کی غرض یہ تھی کہ لوگوں پر موسیٰ علیہ السلام کا کذب (جھوٹ) ظاہر ہو جائے کہ فرعون کے سوا زمین اور آسمان میں کوئی خدا نہیں جس نے اسکو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (دیکھو تفسیر[1] ابن کثیر ص ۳۹ ج ۳)

عجیب احمق تھا کہ جب ایک مختصر سی عمارت بلکہ ایک چھپر بھی بغیر کسی معمار اور بانی کے نہیں بن سکتی تو آسمان سے لیکر زمین تک یہ سارا کون و مکان بغیر کسی بانی اور صانع کے خود بخود کیسے بن کر تیار ہو گیا اور یہ کارخانہ عالم خود بخود کیسے چل رہا ہے۔

پھر یہ کہ فرعون طرح طرح کی حاجتوں میں اور قسم قسم کی آفتوں میں گھرا ہوا تھا وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔

اس احمق نے یہ گمان کیا کہ حق تعالیٰ جسم اور جسمانی ہے اور آسمان اسکا مکان ہے اور اس تک جانا اور پہنچنا ممکن ہے اور اسے یہ معلوم نہ تھا۔

با مکان آفرین مکان چہ کند ✿ آسماں گر با آسماں چہ کند
نہ مکاں رہ برد برد نہ زماں ✿ نہ بیاں زو خبر دہد نہ عیاں

---

[1] قال ابن کثیر قال اللّٰہ تعالیٰ و قال فرعون یا ھامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب السمٰوات فاطلع الیٰ الٰہ موسیٰ و انی لاظنہ کاذبا و ذلک ان فرعون بنی ھذا الصرح الذی لم یر فی الدنیا بناء اعلیٰ منہ وانما اراد بھذا ان یظھر لرعیتہ تکذیب موسیٰ فیما زعم من دعوی الٰہٍ غیر فرعون و لھذا قال و انی لاظنہ من الکاذبین ای فی قولہ ان ثم ربا غیرہ لا انہ کذبہ فی ان اللّٰہ ارسلہ لانہ لم یکن یعترف بوجود الصانع جل و علا فانہ قال و ما رب العالمین و قال لئن اتخذت الٰھا غیری لاجعلنک من المسجونین۔ و قال یاایھا الملأ ما علمت لکم من الٰہ غیری و ھذا قول ابن جریر۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۰ ج ۳۔

فرعون کی ان بے سروپا باتوں سے صانع عالم کی نفی تو ثابت نہیں ہوئی البتہ اسکی بغاوت اور حماقت اور جہالت خوب ثابت ہوگئی۔

غرض یہ کہ فرعون نے اس طرح ایک بلند عمارت بنوائی جب وہ محل بن چکا تو فرعون اسکی چھت پر چڑھا اس کے خیال میں یہ تھا کہ آسمان کے نزدیک پہنچ جائیگا جب اس نے دیکھا کہ آسمان تو اتنا ہی دور ہے جتنا پہلے دیکھا تھا تو شرمندہ ہوکر بولا کہ ایک تیر آسمان کی طرف مارو لوگوں نے تیر مارا اوپر سے وہ تیر خون میں بھرا ہوا واپس آیا تو فرعون بولا کہ میں نے موسیٰؑ کے خدا کو مار دیا۔ غضب الٰہی سے وہ عمارت تین ٹکڑے ہوکر گر پڑی جس سے بہت سے آدمی تباہ ہوگئے۔ دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی صـ۲۲۳ ج ۶۔

فرعون یہ باتیں دیکھ کر ناامید ہوگیا اور سمجھ گیا کہ موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں مگر ظاہرداری اور بھرم بندی کے لیے اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا۔

نکتہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے امتحان کے لیے اپنے محل میں شیشہ کا ایک حوض بنوایا اور اس میں طرح طرح کی مچھلیاں ڈال دیں اور اوپر سے شیشہ پاٹ دیا اور بلقیس کو کہا کہ اندر آجاؤ۔ بلقیس نے یہ سمجھ کر کہ یہ سب پانی بھرا ہوا ہے اپنے پائنچے اٹھالیے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ شیشہ کا فرش ہے۔ پانی نہیں یہ دیکھ کر بلقیس ایمان لے آئی تو بلقیس کے لیے یہ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ موجب ہدایت ہوگیا اور فرعون نے جو صَرْحٌ مِّنْ طِينٍ بنوایا تھا وہ اس کے لیے مزید گمراہی اور تکبر اور عناد کا سبب ہوگیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور فرعون نے اور اسکے لشکروں نے بڑا ہی تکبر کیا۔ اور دعوی الوہیت کا کیا۔ حالانکہ زمین میں رہتے تھے اور پستی اور ذلت و خواری میں گھرے ہوئے تھے اور ناحق سر اٹھایا اور بلاوجہ اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اور دعوی خدائی کا کیا اور یہ گمان کر بیٹھے کہ اب ہمارے پاس لوٹ کر آنا نہیں۔ غرض یہ کہ فرعون نے تکبر کیا اور دعوی الوہیت کا کیا اور حشر و نشر اور قیامت کا بھی منکر ہوا۔ اور اس کی قوم نے بھی اسکو قبول کیا اور ہماری کوئی پرواہ نہ کی پس ہم نے پکڑا فرعون کو اور اسکے لشکروں کو اور اپنی قدرت کی مٹھی میں لیکر سب کو دریا میں پھینک دیا۔ سب غرق ہوگئے اور ان کا تکبر بھی غرق ہوگیا سو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا ظالموں کا اور دیکھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہا ہوا مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ۔ کس طرح آنکھوں کے سامنے آگیا۔

اور ان لوگوں کو ہم نے اس جہان میں کفر اور ضلالت کا پیشوا بنایا کہ لوگوں کو آگ کی طرف بلاتے ہیں یعنی کفر اور معصیت کی طرف بلاتے ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی انکو دوزخیوں کا امام بنائیں گے کہ یہ آگے آگے ہونگے اور دوسرے دوزخی انکے پیچھے پیچھے ہونگے يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ۔ اور قیامت کے دن کوئی مدد نہیں دیئے جائیں گے وہاں کوئی لشکر نہ ہوگا ہر ایک بے کس اور بے بس ہوگا اور کوئی انکو عذاب سے نہیں بچا سکے گا اور ہم نے اس دنیا میں انکے پیچھے لگا دی ہے لعنت اور پھٹکار۔ قیامت تک فرعون اور اسکے رؤسا گرفتار لعنت رہیں گے اور قیامت کے دن تو وہ بہت ہی بروں میں سے ہونگے جس برائی اور خرابی کی کوئی حد نہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

حاصل کلام یہ کہ بارگاہ خداوندی میں بجائے سرافگندگی کے تکبر اور غرور اور حضرت انبیاء کرام کی تکذیب اور عداوت کا انجام عذاب اور لعنت ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اس پیچھے کہ

مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ

کھپا چکے اگلی سنگتیں سوجھانے لوگوں

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ

کو اور راہ بتاتے اور مہر، شاید یاد

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ

رکھیں۔ اور تو نہ تھا غرب کی طرف، جب ہم نے

اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَ

بھیجا موسیٰ کو حکم اور نہ تھا تو دیکھتا۔ لیکن

لٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا

ہم نے اٹھائیں کتنی سنگتیں۔ پھر لمبی گزری ان پر مدت۔ اور تو

كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ

نہ رہتا تھا مدین والوں میں، ان کو سناتا ہماری آیتیں۔

وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ

پر ہم رہے ہیں رسول بھیجتے۔ اور تو نہ تھا طور کے کنارے

اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ

جب ہم نے آواز دی، ولیکن یہ مہر سے تیرے رب کے۔ کہ تو ڈر

قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

سنا دے ایک لوگوں کو جن پاس نہیں آیا کوئی ڈر سنانے والا تجھ سے پہلے شاید وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا

یاد رکھیں۔ اور اتنے واسطے، کہ کبھی پڑے ان پر آفت اپنے ہاتھوں

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

کے بھیجے سے۔ تو کہنے لگیں اے رب ہمارے! کیوں نہ بھیج دیا

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

ہم پاس کسی کو پیغام دیکر؟ تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے یقین رکھنے والے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ

پھر جب پہنچی انکو ٹھیک بات ہمارے پاس سے، کہنے لگے کیوں نہ ملا اس

مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو؟ کیا ابھی منکر نہیں ہو چکے موسیٰ سے اس

مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ

سے پہلے کہنے لگے دونوں جادو ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے ہم دونوں

كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ

کو نہیں مانتے۔ تو کہہ اب لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی، جو ان

اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ

دونوں سے بہتر سوجھاتی ہو۔ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر

لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ

نہ لاویں تیرا کہا تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نری اپنی چاؤ پر۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ

اور اس سے بہکا کون ؟ جو چلے اپنی چاؤ پر بن راہ بتائے اللہ

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰ ۧ

کے ۔ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ۔

خاتمۂ قصّۂ مذکورہ برا عطاء کتاب ہدایت برائے بصیرت وعبرت

واثبات رسالتِ محمدیہ مع جوابات از شبہات واھیہ

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ...الیٰ...مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ

(ربط) یہاں تک موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ختم ہوا۔ اب اخیر میں قوم کی ہدایت کے لیے نزولِ توراۃ کا ذکر فرمایا جو اصل مقصود تھا اب آئندہ آیات میں اثبات رسالت محمدیہ کا مضمون ذکر فرماتے ہیں اور اسکے ضمن میں بعض شبہات کا جواب بھی دیتے ہیں جو محض عناد پر مبنی تھے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح توریت کتاب ہدایت ورحمت تھی اسی طرح یہ قرآن بھی کتاب ہدایت ورحمت ہے اور آپکی نبوت ورسالت کی دلیل اور حجت ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے اور اس کتاب کا گزشتہ واقعات پر مشتمل ہونا یہ آپکی نبوت کی دلیل ہے اس لیے کہ آپؐ نہ جانب غربی میں تھے جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور نہ مدین میں تھے۔ اور آپؐ تو اُمّی تھے اگلی کتابوں کو پڑھ نہیں سکتے تھے ان تمام واقعات کا علم آپکو بذریعۂ وحی ہوا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس واقعہ اور قصہ کا نہ تو آپؐ نے مشاہدہ کیا ہے اور نہ کسی سے سنا ہے اور نہ کسی کتاب میں پڑھا ہے صرف ہماری وحی سے آپکو اس کا علم ہوا ہے لہذا یہ آپکے مُرسَل من اللہ ہونے کی واضح دلیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے فرعون کو کفر کا امام اور پیشوا اور دوزخ کا داعی بنایا اور دریا میں اسکو غرق کیا اور دنیا اور آخرت میں اس کو موردِ لعنت بنایا اس کے بالمقابل ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حق اور ہدایت کا پیشوا اور جنت کا داعی اور دنیا اور آخرت میں انکو موردِ رحمت وکرامت بنایا اور پہلی قوموں یعنی قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود کے ہلاک کرنے کے بعد اور فرعون کے غرق کرنے کے ایک[1] سال بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطاء کی جس کی آیتیں لوگوں کے لیے بصیرتیں تھیں۔ بصیرت کے معنی دل کے نور کے ہیں جس سے حق اور باطل کا فرق نظر آئے اور ہدایت اور رحمت تھیں

[1] فرعون دسویں محرم کو عاشورہ کے دن ہلاک ہوا اور توریت دسویں ذی الحجہ کو عطا ہوئی۔

شاید انکو پڑھ کر نصیحت پکڑیں کہ اگر ہم نے اللہ کی ہدایتوں کو نہ مانا تو ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو پہلی قوموں کا ہوا اور اب عرصۂ دراز کے بعد آپکی نبوت ورسالت کا دور آیا ہے اور آپ کے منکرین اور مکذبین فرعون اور ہامان کے نقش قدم پر جا رہے ہیں ذرا اپنے انجام کو سوچ لیں اور توریت کی طرح آپکو جو کتاب ہدایت ورحمت دی گئی ہے اس سے نصیحت پکڑیں اور اے نبی اس قرآن کے علاوہ آپؐ کی نبوت کی ایک دلیل یہ ہے کہ آپ اس وقت طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام ہدایت دیئے اور انکو توریت عطا کی اور نہ آپ اس وقت کے حاضرین میں سے تھے جس سے مشاہدہ اور معائنہ کا احتمال ہوسکے یعنی آپؐ وہاں موجود نہ تھے جو یہ گمان کیا جاسکے کہ آپؐ اپنی آنکھوں کا دیکھا حال بیان کر رہے ہیں ولیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے قرن اور بہت سی نسلیں پیدا کیں پس انکی عمر دراز ہوئی اور ان امتوں پر زمانۂ دراز گزر گیا اور سب باتوں کے نام ونشان مٹ گئے اور کوئی ذریعہ ان کے علم کا باقی نہ رہا تب ہم نے آپکو ہادی اور رسول بنا کر بھیجا اور بذریعہ وحی کے ان واقعات اور حالات سے آگاہ کیا تاکہ لوگ جانیں کہ ایسی باتیں اور ایسی خبریں بغیر وحی خداوندی ممکن نہیں اور آپؐ موسیٰ علیہ السلام کی طرح اہل مدین میں اقامت پذیر نہ تھے کہ انکو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہوں جیسے آج مکہ والوں کو ہماری آیتوں کو پڑھ کر سنا رہے ہو ولیکن ہم ہیں آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والے اور بذریعہ وحی کے ان واقعات سے آپکو خبر دینے والے ہیں ۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ تو اہل مدین میں سکونت پذیر نہ تھا کہ یہ آیات تو نے ان سے پڑھ کر سیکھی ہوں ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسالت تجھ کو ان واقعات سے آگاہ کیا ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ میں علیہم کی ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ تو مدین کے باشندوں میں سے نہیں جس نے ان واقعات کا معائنہ اور مشاہدہ کیا ہو اور اہل مکہ کو انکی خبر دے رہا ہو ۔ بلکہ ہماری وحی سے تجھ کو ان باتوں کا علم ہوا جو تو اہل مکہ کو ان سے خبر دے رہا ہے ۔

اور اسی طرح آپ کوہِ طور کی جانب غربی موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اور ان سے کلام کیا يٰمُوْسٰى اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ جو انکو نبوت عطا ہونے کا وقت ہے ولیکن تیرے پروردگار کی رحمت اور مہربانی سے تجھ کو ان چیزوں کا علم عطا ہوا تاکہ تو ان آیات کے ذریعہ اس گروہ کو ڈرا دے جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی من جانب اللہ ڈرانے والا نہیں آیا شاید وہ نصیحت پکڑیں کیونکہ آپکی بعثت سے ان پر حجت پوری ہوگئی خلاصۂ کلام یہ کہ یہ واقعات آپؐ لوگوں کو سنا رہے ہیں حالانکہ آپ نہ انکے ساتھ رہے ہیں اور نہ یہ واقعات آپ کو پڑھ کر سنائے گئے ہیں تو پھر ان امور کی اطلاع آپ کو کیسے ہوئی جواب یہ ہے کہ صرف ہماری رحمت سے ہوئی ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور بذریعہ وحی آپ کو ان سے مطلع کیا پس ایک اُمّی شخص کا بغیر دیکھے اور بغیر سنے اور بغیر پڑھے اس طرح واقعات کو صحیح صحیح بتلانا اس کی نبوت کی دلیل ہے ۔ اللہ کی حجت ان پر پوری ہوگئی اب اپنے انجام کو سوچ لیں ۔

اتمام حجّت وقطع معذرت

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۔۔ الیٰ ۔۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں بعثت رسل اور نزول کتاب الٰہی کا ذکر تھا اب ان آیات میں اسی مسئلہ کو مدلل اور مبرہن کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ بعثت رسل اللہ کی حجت بالغہ ہے جس سے بندوں پر حجت پوری ہو جاتی ہے اور اسی ذیل میں کافروں کے چند حیلوں اور بہانوں کا ذکر کر کے جواب دیتے ہیں کہ بعثت رسل کے بعد کافر یہ عذر نہیں کر سکیں گے کہ ہم کو بلاوجہ کیوں عذاب دیا جا رہا ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ کا عذاب حجت پوری ہو جانے کے بعد آتا ہے اور بعثت رسل اللہ کی حجت بالغہ ہے جس سے حجت پوری ہو جاتی ہے اور مجرم کے لیے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بداعمالیوں کی وجہ سے مصیبت پہنچنے کے وقت شاید یہ لوگ یہ کہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیرے احکام کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے سو انکی اس بات کا مقتضا تو یہ تھا کہ رسول کے آنے کو نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ سمجھتے اور اللہ کے نازل کردہ دین کو فوراً قبول کر لیتے لیکن انکی حالت تو اس کے برعکس ہوئی کہ جب انکے پاس حق چل کر خود آ گیا تو اس میں حیلے اور بہانے اور قسم قسم کے شبہے نکالنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ آپ کو ویسے معجزات کیوں نہ دیئے گئے جو موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے دیئے گئے شاید انکی مراد یہ تھی کہ عصا اور ید بیضا اور طوفان اور جراد اور قمل اور ضفادع جیسے معجزات آپؐ کو کیوں نہیں دیئے گئے اگر آپؐ سے ایسے معجزات ظاہر ہوتے تو ہم آپ پر ایمان لے آتے یا آپکے اوپر بھی توریت کی طرح پورا قرآن ایک دم اترتا تو ہم ایمان لے آتے۔ یہ کیا بات ہے کہ دو دو اور چار چار آیتیں اترتی ہیں۔ کافروں کا یہ سوال جاہلانہ اور معاندانہ تھا اول تو یہ سوال سرے ہی سے غلط ہے اس لیے کہ تمام انبیاء کے معجزات کا متحد اور مماثل ہونا ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر نبی کی کتاب اور اس کا صحیفہ پہلے نبی کی کتاب اور اس کے صحیفہ کے مماثل ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ دوسرے نبی کی کتاب کیفیت نزول میں پہلے نبی کی کتاب کے مماثل ہو کسی پر اللہ نے متفرقاً کتاب نازل کی اور کسی پر مجتمعاً اور دفعتاً حالانکہ یہ کتاب یعنی قرآن کریم شرف اور عظمت میں اور علم و حکمت میں اور علوم و ہدایت میں توریت اور انجیل سب سے بڑھ کر ہے۔ دیکھو تفسیر[1] کبیر ص ۴۸۳ ج ۶۔ ایسی لاجواب کتاب پر ایمان لانے میں کیوں تردد کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کیا یہ لوگ اس چیز کا انکار نہیں کر چکے جو سابق میں موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی یعنی یہ لوگ اب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر یہ مدعی رسالت واقعی خدا کا رسول ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو اللہ نے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزے نہیں دیئے لیکن ذرا یہ بتائیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام یہی معجزات لیکر لوگوں کے پاس آئے جنکو اب سند رسالت کہا جا رہا ہے تو کیا ان لوگوں نے ان معجزات کا انکار نہ کیا تھا اور انکو جھوٹا اور جادوگر نہیں کہا تھا اور اب قریش مکہ یہ کہتے ہیں کہ توریت اور قرآن دونوں ہی جادو ہیں جو باہم ایک دوسرے کے موافق ہیں۔

[1] اعلم ان الذی اقترحوہ غیر لازم لانہ لا یجب فی معجزات الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ان تکون واحدۃ ولا فیما ینزل الیہم من الکتاب ان تکون علی وجہ و احد اذ الصلاح قد یکون فی انزالہ مجموعا کالتوراۃ ومفرقا کالقرآن ثم ان اللہ تعالیٰ اجاب عن ھذہ الشبھۃ بقولہ اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل۔ الخ تفسیر کبیر ص ۴۸۳ ج ۶۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ مکہ کے کافر حضرت موسیٰؑ کے معجزات سُن کر کہنے لگے کہ اگر ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم اسکو مان لیتے جب یہود سے پوچھا اور توریت کی باتیں سنیں تو اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ بت پرستی کفر ہے اور آخرت کا جینا حق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو وہ مردار ہے اور عرب میں ایک نبی آخر الزمان آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ تو جوش میں آکر کہنے لگے کہ دونوں یعنی توریت اور قرآن دونوں ہی جادو ہیں اور موسیٰ اور محمد علیہما السلام دونوں ہی جادوگر ہیں۔ (العیاذ باللہ) ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں (انتہی) اور ایک دوسرے کے دین کی باتیں ملتی جلتی ہیں اور یہ کہنے لگے کہ ہم ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں مانتے۔ نہ موسیٰؑ کو اور نہ محمدؐ کو اور نہ توریت کو اور نہ قرآن کو۔ کفار عرب کسی نبوت و رسالت کے قائل نہ تھے۔ اے نبی آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر یہ دونوں کتابیں تمہارے نزدیک جادو ہیں تو تم انکے علاوہ کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لے آؤ جو ہدایت میں ان دونوں سے بہتر اور بڑھ کر ہو تاکہ میں اس پر چلوں اور اسکی پیروی کروں اگر تم اس دعوے میں سچے ہو میں تمہاری طرح معاند نہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ قرآن کا مثل لانے سے عاجز ہیں پھر اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے پس اگر یہ لوگ آپکی بات کو نہ مانیں اور اس جیسی نہ تو کوئی کتاب لاسکیں اور نہ توریت اور قرآن کو مانیں پس یقین کر لیجئے کہ یہ لوگ ضدی اور عنادی ہیں سوائے اسکے کچھ نہیں کہ اپنی نفسانی خواہشوں پر چل رہے ہیں۔ حق واضح ہے مگر ان کا نفس نہیں مانتا اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر چلے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا جو شخص بغیر دلیل کے نفس کی خواہشوں پر چلنے لگے وہ کیسے راہ یاب ہو سکتا ہے چنانچہ آئندہ آیت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتا اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے اور قسم قسم کے خیالات آتے ہیں اور وہ راہ حق پر نہ چلنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراشتا ہے۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ

اور ہم لگاتے گئے ہیں ان سے بات شاید وہ

يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥١﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

دھیان میں لاویں۔ جن کو ہم نے دی ہے کتاب

مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَ

اس سے پہلے وہ اسکو یقین کرتے ہیں۔ اور

اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

جب ان کو سنائیے کہیں ہم یقین لائے اس پر یہی ہے ٹھیک

رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ

ہمارے رب کا بھیجا ہم ہیں اس سے پہلے حکمبردار۔ وہ لوگ پاویں گے

اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

اپنا حق دوہرا اس پر کہ ٹھہرے رہے اور بھلائی دیتے ہیں

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا

برائی کے جواب میں اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ اور جب سنیں نکمی

اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

باتیں، اس سے کنارہ پکڑیں اور کہیں ہم کو ہمارے کام اور تم کو

اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ

تمہارے کام۔ سلامت رہو۔ ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ۔ تو راہ

لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ

پر نہیں لاتا جس کو چاہے۔ پر اللہ راہ پر لادے جس

يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ

کو چاہے۔ اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آویں گے۔ اور کہنے لگے اگر ہم

الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ

راہ پکڑیں تیرے ساتھ، اچکے جاویں اپنے ملک سے، کیا ہم نے جگہ نہیں

لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا

دی انکو ادب کے مکان میں پناہ کی کھچے آتے ہیں اس طرف میوے ہر چیز کی، روزی

مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ

ہماری طرف سے، پر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے۔ اور کتنی

أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ

کھپا دیں ہم نے بستیاں، جو اترا چکی تھیں اپنی گزران میں اب یہ

مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا

ہیں انکے گھر، بسے نہیں ان کے پیچھے مگر تھوڑے دنوں، اور ہم

نَحْنُ الْوٰرِثِينَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى

ہیں آخر سب لینے والے۔ اور تیرا رب نہیں کھپانے والا بستیوں کو۔

حَتّٰى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ

جب تک نہ بھیج لے انکی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دیکر جو سناوے انکو ہماری

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظٰلِمُونَ ﴿٥٩﴾ وَ

باتیں۔ اور ہم نہیں کھپانے والے بستیوں کو۔ مگر جب کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں۔ اور

مَا أُوتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

جو تم کو ملی ہے کوئی چیز، سو برتنا ہے دنیا کے جیتے، اور

وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ۖ أَفَلَا

یہاں کی رونق۔ اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور رہنے والا۔ کیا تم

تَعْقِلُونَ ﴿٦٠﴾ ع

کو بوجھ نہیں؟

بیان حکمت در تکریر موعظت و مدح مؤمنین اہل کتاب و پیران حق و صواب

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۔۔ الی ۔۔ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ اللہ نے رسول بھیج کر اور کتاب ہدایت نازل کر کے لوگوں پر حجت

پوری کردی اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے حق اور ہدایت کو خوب واضح کردیا اور مفصل اور مکرر اور سہ کرر بیان کرکے بھی لوگوں پر حجت پوری کردی ہے اور قرآن کریم کو ہم نے بتدریج نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کو سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو اگر سارے قرآن کو یکبارگی نازل کردیتے تو تذکر کا فائدہ حاصل نہ ہوتا نیز گزشتہ آیات میں ان ظالموں اور نفس پرستوں کی مذمت فرمائی کہ جو ہدایت خداوندی کے مقابلہ میں نفسانی خواہشوں کو مقدم رکھتے ہیں اب ان آیات میں گزشتہ کے مقابل انصاف پسند اور حق پسند اہل کتاب کی مدح فرماتے ہیں کہ جنہوں نے حق اور ہدایت کے سامنے سر تسلیم خم کردیا جیسا کہ سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ ستر علماء نصاریٰ جن کو نجاشی شاہ حبشہ نے آپکی خدمت میں بھیجا تو آپؐ نے ان پر سورۂ یٰسین پڑھی تو وہ لوگ سنتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے اور وہ لوگ مسلمان ہوگئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی یعنی اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ..الیٰ قولہٖ تعالیٰ.. سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۹۳ ج ۳)

چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ان کے لیے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت و مصلحت ہدایت کی بات کو پے در پے اور بار بار اور لگاتار بیان کیا ایک آیت کے بعد دوسری آیت اور ایک سورت کے بعد دوسری سورت اور ایک نصیحت کے بعد دوسری نصیحت۔ حتیٰ کہ ان پر حجت پوری کردی تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور ہدایت کی بات کو مانیں۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ ہم نے ان کے لیے انواع و اقسام کی ہدایت کی باتیں بیان کردیں جس سے ہر گمراہی کا ازالہ اور ہر گمراہ فرقہ کا رد ہوگیا تاکہ وہ ہدایت کو قبول کریں اور گمراہی سے باز آجائیں یعنی لفظ وَصَّلْنَا اوصال بمعنی انواع و اقسام سے مشتق ہے۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ ہم نے حق بات کو نہایت واضح اور مفصل کردیا کہ جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ ہم نے قرآن میں جگہ جگہ اور بار بار ان امتوں کا ذکر کیا ہے کہ جو رسولوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں تاکہ انکا حال سن کر ان سے عبرت پکڑیں۔

اس آیت میں مشرکین کے اس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا۔ جو یہ کہتے تھے کہ اگر قرآن مجید کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہے تو توریت کی طرح دفعتہً کیوں نازل نہیں ہوا۔ جواب یہ ہوا کہ ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے بتدریج اس لیے نازل کیا تاکہ لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور یاد رکھنے میں انکو سہولت ہو اور اس تدریجی نزول سے وقتاً فوقتاً ان پر ایک نئی حکمت اور نئی موعظت منکشف ہوتی رہے اور گزشتہ امتوں کی ہلاکت کا حال سن کر عبرت پکڑیں کہ مبادا جو عذاب اگلوں پر نازل ہوا ہے وہ ہم پر بھی نازل نہ ہوجائے اس لیے ہم نے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے حالات اور کفار کی ہلاکت اور تباہی کے واقعات کو بار بار و بتکرار ـــــ بیان کیا تاکہ حق اور حقیقت کو خوب سمجھ جائیں اور بار بار سُن کر قہر الٰہی سے ڈر جائیں اور نصیحت پکڑیں اور ایک فائدہ یہ ہے کہ بار بار کی فہمائش اور تذکیر سے حجت پوری ہوجاتی ہے اور کسی قسم کے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور کیا یہ مشرکین عرب اس بات پر نظر نہیں کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت انبیاء سابقین کی بشارت اور علماء اہل کتاب کی تصدیق اور اعتراف سے بھی ظاہر ہوچکی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں کو ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یا نزول قرآن سے پہلے کتاب توریت اور

انجیل دی تھی وہ تو اس نبی پر یا اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب انکے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے اور ہم نے یقین کیا کہ یہ کلام الٰہی ہے بیشک اور بلا شبہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کے پاس سے آیا ہے۔ تحقیق ہم تو اس کو پہلے ہی سے ملنے ہوئے تھے کیونکہ توریت اور انجیل اور کتب سابقہ میں اسکی بابت پیشین گوئیاں مذکور ہیں۔ ہم انبیاء سابقین کی بشارتوں کی وجہ سے پہلے ہی سے توحید کے اور نبی آخرالزماںؐ کی رسالت اور قرآن کی حقانیت کے قائل تھے اور اس کے منتظر تھے۔ علماء اہل کتاب کے ایمان کے ذکر سے اہل مکہ پر حجت قائم کرنا ہے کہ جو لوگ شریعت سابقہ کے علم سے واقف تھے انہوں نے تو اس قرآن کو سنتے ہی کہہ دیا کہ ہم اس پر ایمان لے آئے اور بیشک یہ برحق ہے اور خدا کی طرف سے ہے اور یہ وہی کتاب ہے جس کے نزول کی انبیاء سابقین نے خبر دی ہے اور یہ نبی وہی نبی آخرالزماںؐ ہیں جن کے ظہور کی انبیاء سابقین خبر دیتے آئے۔ ہم تو اس کے مشتاق اور منتظر تھے جیسا کہ سورۂ اعراف میں گزرا۔ اَلنَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ اور سورۂ شعراء میں گزرا۔ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے منصف اور حق پرست اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا اس لیے کہ انہوں نے صبر کیا کہ حق کے قبول کرنے کی وجہ سے انکو جو مشقتیں پیش آئیں انکو برداشت کیا اور دنیاوی اغراض اور منافع کی وجہ سے قبولِ حق سے گریز نہیں کیا دنیا پر لات ماری اور حق کے سامنے گردن جھکا دی اور اس راہ میں جو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کیا جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ثلاثة لهم اجران رجل من اهل الكتاب آمن بنبيه ثم آمن بي والعبد المملوك اذا ادى حق الله وحق مواليه ورجل كانت عنده امة فادبها فاحسن تاديبها وعلمها فاحسن تعليمها ثم اعتقها ثم تزوجها فله اجران۔

(تین شخصوں کو اپنے عمل کا دوہرا اجر ملے گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے کہ جو اہل کتاب میں سے ہے پہلے اپنے نبی یعنی موسیٰ یا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور پھر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا الخ)

نکتہ شیخ الاسلام عثمانیؒ کہتے ہیں کہ شیخ اکبرؒ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے نبی پر دو مرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور پرنورؐ تمام انبیاء سابقین کے مصدِّق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور پرنورؐ پر بھی انکا ایمان دو مرتبہ ہوا ایک بالذات و بالاستقلال۔ دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ ہر پیغمبر حضور کی بشارت دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لیے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں مؤمنین اہل کتاب کی مدح فرمائی اول ان کے اعتقاد اور ایمان کا ذکر فرمایا اس کے بعد ان کے اخلاق فاضلہ کو بیان کیا جس میں سب سے پہلے انکی صفت صبر کو بیان کیا اور بِمَا صَبَرُوا کہا کیونکہ صبر ہی تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے اب انکی دوسری صفت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں کوئی ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ اسکے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزا ٭ اگر مردی احسن الی من اساء

اور تیسری صفت انکی یہ ہے کہ ہم نے جو انکو رزق دیا ہے اس میں سے میری راہ میں خرچ کرتے ہیں اور چوتھی صفت انکی یہ ہے کہ وہ جب کافروں اور منافقوں سے کوئی لغو اور بیہودہ بات سنتے ہیں یعنی انکی طعن و تشنیع کو سنتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں یعنی اس سے الجھتے نہیں بلکہ کنارہ کشی کرتے ہیں اور سلامت روی کے طور پر یہ کہہ دیتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ ہر ایک کا عمل اسکے سامنے آجائیگا پس تم پر ہمارا سلام ہے ہم جاہلوں سے واسطہ رکھنا نہیں چاہتے۔ اس جگہ سلام سے سلام تحیت مراد نہیں بلکہ سلام متارکت اور سلام اعراض و مفارقت مراد ہے تم ہماری طرف سے امن اور سلامتی میں ہو اور ہم تمہاری طرف سے امن اور سلامتی میں ہیں۔ یعنی ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے اور تمہارے لغو کا لغو سے مقابلہ نہیں کرتے جاہلوں سے مقابلہ بے سود ہے خاص کر جو جہل مرکب اور جہالت عناد میں مبتلا ہو اسکی ہدایت اور اصلاح تو نہایت دشوار ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ تحقیق اے نبی باوجود اس کے کہ اللہ نے آپ کو ہادی عالم اور رحمت مجسم بنا کر بھیجا ہے مگر ہدایت اور توفیق آپکے قبضۂ قدرت میں نہیں کہ جس کو چاہیں ہدایت دیدیں و لیکن اللہ ہی اس بات پر قادر ہے کہ وہ جس کو چاہے راہ دکھا دے اور راہ پر چلا دے اور منزل مقصود پر پہنچا دے اور وہی خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو۔ اللہ ہی کو معلوم کہ کون ہدایت پائے گا۔ غیب کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں اور تمام خزانے اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ زجاج کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع مفسرین ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے لیے بڑی کوشش کی کہ مرتے وقت ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے مگر اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری۔ (موضح القرآن) نبی کے اختیار میں صرف اتنا ہے کہ یہ بتلا دے کہ حق کی راہ یہ ہے باقی حق کا دل میں اتار دینا یہ اللہ کا کام ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہدایت پر مامور تھے مگر ہدایت دینے پر قادر نہ تھے۔

ابراہیمؑ آزر کو ہدایت نہ دے سکے اور نوحؑ اپنے بیٹے کو ہدایت نہ دے سکے۔ اور لوطؑ اپنی بیوی کو ہدایت نہ دے سکے، مطلب یہ ہے کہ ہدایتِ دعوت اور ہدایتِ بیان تو آپ کی قدرت میں ہے۔ مگر ہدایت توفیق آپ کی قدرت میں نہیں دیکھو تفسیر کبیر[1] ص ۴۸۵ ج ۶۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت کے نازل کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی مقصود ہے کہ آپ رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں ہدایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی کو معلوم ہے کہ کس میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد ہے اور کس میں نہیں۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔ میں قدرت و اختیار کی نفی کی گئی کہ ہدایت کسی کے قدرت و اختیار میں نہیں اور وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ میں علم کی نفی کی گئی کہ کسی کو اسکا علم بھی نہیں کہ کون راہ یاب ہوگا۔

---

[1] قال الامام الرازی۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ لا تھدی من احببت و قال تعالیٰ فی اٰیۃ اخریٰ وانک لتھدی الی صراط مستقیم ولا تنافی بینھما فان الذی اثبتہ و اضافہ الیہ الدعوۃ والبیان والذی نفی ھدایۃ التوفیق وشرح الصدر وھو نور یقذف فی القلب فیحیا بہ القلب کما قال تعالیٰ اومن کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس۔ (تفسیر کبیر ص ۴۸۵ ج ۶)

اتمامِ حجّت وقطع معذرت

یعنی قبول ہدایت کے بارہ میں کافروں کے ایک حیلہ اور بہانہ کا ذکر اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۔۔ الیٰ ۔۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من جانب اللہ ہادی برحق ہیں۔ حق کا راستہ بتلانے والے ہیں مگر کسی کے دل میں حق کا اتار دینا یہ اللہ ہی کا کام ہے نبی کا کام ہدایت اور رہنمائی اور حق کی دعوت ہے اور بندوں کا کام اللہ کی راہ پر چلنا اور اسکی ہدایت اور دعوت کو قبول کرنا ہے اب آئندہ آیات میں کافروں کے ایک حیلہ اور بہانہ کا ذکر کرکے اسکا جواب دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ جاہل ہدایت کے نہ قبول کرنے کے عذر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہوکر ہدایت کی پیروی کریں اور قبائل عرب کی مخالفت کریں تو ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں اور اپنے گھروں سے نکال دیئے جائیں۔ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ حق ہے اور وہ دنیاوی زندگی میں ہماری دولت کا سبب ہے اور مرنے کے بعد ہماری سعادت کا ذریعہ ہے مگر ہم کو ڈر یہ ہے کہ آپکی متابعت سے تمام قبائل عرب ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہم کو ہمارے گھروں سے نکال دیں گے اور ہم میں انکے مقابلہ کی قوت نہیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں انکے اس شبہ کے تین جواب دیئے گئے۔

جواب اوّل

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے انکو حرم میں آباد کیا ہے جو امن وامان کی جگہ ہے جہاں کوئی لڑائی کا نام بھی نہیں لیتا اور انکو ایسی جگہ بسایا ہے جہاں ہر قسم کے پھل اور سامانِ رزق ہماری طرف سے کھچا چلا آتا ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے تو جس خدا نے تم کو اپنے حرم میں بسایا ہے جہاں کے رہنے والوں کو کوئی نہیں چھیڑتا اور باوجودیکہ یہ حرم خشک پہاڑوں کے درمیان واقع ہے تو جب کفر اور شرک اور بت پرستی کی حالت میں خدا کے حرم میں امن سے بیٹھے ہو تو کیا خدا پرستی اور حق اور ہدایت کے اتباع سے اس نعمت وکرامت سے محروم ہو جاؤ گے حاصل جواب یہ ہے کہ جب ہم نے ان کو کفر اور شرک کی حالت میں اپنے حرم محترم میں پناہ دی اور امن وامان دیا اور رزق دیا، اور مقام محفوظ میں انکو بسایا تو اگر اسلام لے آئیں۔ اور خدا پرست بن جائیں تو خدا کی رحمت سے پہلے سے زیادہ مامون اور محفوظ ہونگے اور پہلے سے زیادہ رزق پاویں گے۔

دوسرا جواب

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا.. الی.. اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۔

اور یہ نادان جو دنیاوی فوائد اور منافع کے خیال سے ہدایت کے اتباع سے گریز کر رہے ہیں۔ انکو معلوم نہیں کہ ہم نے ہدایت کا اتباع نہ کرنے کے جرم میں کتنی ہی بستیاں ہلاک کر ڈالیں جو اپنے سامانِ عیش وعشرت پر اتراتی تھیں اور دن رات عیش وعشرت میں غرق تھیں مگر ایمان نہ لانے اور ہدایت کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ان کی تمام نعمتوں پر پانی پھر گیا جس کی علت انکا کفر تھا معلوم ہوا کہ ایمان اور قبولِ ہدایت زوالِ نعمت کا سبب نہیں بلکہ کفر اور ضلالت پر جمود اور اصرار زوالِ نعمت کا سبب ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۸۷ ج ۶۔

وہمی اور خیالی اور احتمالی مصیبتوں اور آفتوں سے تو ڈرتے ہیں اور کفر کی ان دنیوی مصیبتوں سے نہیں ڈرتے کہ جو پیش آچکی ہیں اور انکا انکار ممکن نہیں۔

پس یہ ان باغیوں اور طاغیوں کے مکانات ہیں جو تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اور انکے یہ مسکن خالی اور خراب پڑے ہیں جو انکے ہلاک ہونے کے بعد آباد نہیں ہوئے مگر بہت تھوڑے کہ کوئی مسافر چلتا راہ وہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جاتا ہے اور دنیا کی عیش وعشرت پر ناز کرنے والے اور اترانے والے چل بسے اور انکی بستیاں تباہ اور برباد ہوگئیں اور آخر میں ہم ہی انکے وارث ہوئے یعنی وہ بستیاں ایسی اجڑیں کہ کوئی انکا نام لینے والا نہیں رہا معلوم ہوا کہ دولت وثروت میں اترا کر اتباع ہدایت اور قبول حق سے گریز کا انجام تباہی اور بربادی ہے پس تم بزعم خود کفر وضلالت پر اصرار اور ایمان واسلام سے انکار کر کے اپنے ذرائع معاش اور وسائل دولت وثروت کی حفاظت کر رہے ہو۔ لیکن درحقیقت یہی باتیں تمہاری ہلاکت کا موجب ہیں۔ چشم عبرت سے کام لو اور دیکھو کہ ہم نے کتنی آبادیاں جو مال ودولت کے نشہ میں طغیان اور سرکشی کرنے لگی تھیں کس طرح انکو تباہ اور برباد کر دیا کہ آج انکا نام ونشان بھی نہیں رہا اور اے نبی تیرا پروردگار بستیوں اور آبادیوں کو تباہ کرنے والا نہیں یہاں تک کہ ان کے کسی بڑے شہر میں رسول بھیجے جو انکو ہماری باتیں سنائے اور بتائے اور وہ ہمارے احکام کی پروا نہ کریں تو ان پر ہمارا قہر نازل ہوتا ہے اور پھر ہم پیغمبر بھیجنے کے بعد بھی فوراً ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت کہ جب وہاں کے باشندے کھلم کھلا ظالم اور ستمگار ہو جائیں اعلانیہ طور پر حق سے انکار کرنے لگیں۔ اور ظلم وستم پر اتر آئیں اور حق کی دشمنی پر اور ظلم پر کمر ہی باندھ لیں اور یہی ٹھان لیں کہ اب حق کو نہیں مانیں گے تب اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے۔

تیسرا جواب

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.. الی.. اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

اور اے بدنصیبو خوب سمجھ لو جو کچھ تم دیئے گئے ہو سو اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ چند روزہ دنیا دی زندگی کی بہرہ مندی ہے اور اسکی زینت اور آرائش ہے یعنی جس مال و متاع کی خاطر تم دین اسلام قبول نہیں کرتے وہ فقط چند روزہ زندگی کا سامان ہے اور فنا ہونے والا ہے اور ایمان لانے والوں اور ہدایت قبول کرنے والوں کے لیے جو خدا کے نزدیک مہیا کیا گیا ہے وہ اس دنیا کی زینت سے کہیں بہتر ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ باقی رہنے والا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے پس اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر ہم ایمان لائے تو ہمارا مال و متاع ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگا پس اگر تمہارے اس خیال کو صحیح مان لیا جائے تو یہ سوچو کہ دنیا کا تمام مال و متاع فانی ہے اور چند روزہ ہے لہذا اگر یہ چند روزہ اور کھوٹی پونجی دیکر آخرت کی دائمی نعمت اور لازوال اور بے مثال دولت حاصل کر لو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ دنیا کی کوئی نعمت مضرت اور کدورت سے خالی نہیں اور ایک محدود اور معین وقت کے لیے ہے دائمی نہیں اور محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی نعمتیں مضرت اور کدورت سے بالکلیہ خالی ہیں اور باقی اور لازوال اور بے مثال ہیں اور غیر محدود اور غیر متناہی ہیں۔ پس ذرا خیال تو کرو اور اپنے دل میں انصاف کرو کہ فانی پر اکڑ رہے ہو اور باقی کو چھوڑ رہے ہو کیا فانی اور باقی برابر ہو سکتے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالٰی نے اس آیت میں دنیا کی حقارت اور ذلت کو بتلایا کہ دنیا کی حقیقت صرف ایک چند روزہ ظاہری زینت سے زیادہ نہیں۔ قابل رغبت دار آخرت ہے جس میں ایمان لانے والوں کو بے مثال اور لازوال نعمتیں ملیں گی لہذا فکر کرو۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ اور وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ

بھلا ایک شخص، جو ہم نے وعدہ دیا ہے اسکو اچھا وعدہ، سو وہ

لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ

اسکو پانے والا ہے، برابر ہے اسکے، جس کو ہم نے برتوایا برتنا دنیا کے جیتے؛ پھر

هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

وہ قیامت کے دن پکڑا آیا۔ اور جس دن انکو پکارے گا

فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾

تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک؟ جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

بولے جن پر ثابت ہوئی بات اے رب! یہ لوگ ہیں جن

أَغْوَيْنَا ۚ أَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا

کو ہم نے بہکایا۔ انکو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے۔ ہم منکر ہوتے تیرے آگے، وہ

كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ

ہم کو نہ پوجتے تھے۔ اور کہیں گے، پکارو اپنے شریکوں کو،

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ

پھر پکاریں گے، تو وہ جواب نہ دیں گے انکو، اور دیکھیں گے عذاب۔ کسی طرح

أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَا

وہ راہ پائے ہوتے۔ اور جس دن انکو پکارے گا۔ تو کہے گا، کیا

ذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ

جواب کیا تم نے؟ پیغام پہنچانے والوں کو۔ پھر بند ہو گئیں ان پر باتیں اس دن سو

فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ

آپس میں بھی نہیں پوچھتے۔ سو جس نے توبہ کی ہے اور یقین لایا اور کی

صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ

بھلائی، سو امید ہے کہ ہووے چھوٹنے والوں میں۔ اور تیرا رب

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ

پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے۔ ان کے ہاتھ نہیں پسند۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ

اور نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتاتے ہیں۔ اور تیرا رب جانتا ہے

مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَا

جو چھپ رہا ہے انکے سینوں میں۔ اور جو جتاتے ہیں۔ اور وہی اللہ ہے

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَ الْاٰخِرَةِ ؗ وَ لَهُ

کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا - اسی کی تعریف ہے پہلے میں اور پچھلے میں - اور اسی

الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

کے ہاتھ حکم ہے اور اسی پاس پھیرے جاؤ گے ۔

ظہور ثمرات ایمان و ہدایت و نتائج کفر و ضلالت در روز قیامت

قال اللہ تعالیٰ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا .. الیٰ .. وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں ایمان و ہدایت کی ترغیب اور کفر و ضلالت سے ترہیب کا ذکر تھا - اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان اور ہدایت کے ثمرات اور کفر و ضلالت کے نتائج کا ظہور قیامت کے دن ہوگا - اوّل ۔ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا کی آیت میں اجمالی طور پر اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت کے تفاوت کو بیان کیا بعد ازاں اس تفاوت کی تفصیل فرمائی کہ قیامت کے دن اہلِ ہدایت کو ان کے وعدوں کی چیزیں عطا ہوں گی اور اہلِ ضلالت سے قیامت کے دن بطور زجر و توبیخ تین سوال ہوں گے ۔

(**پہلا سوال**) اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۔ یعنی بتلاؤ کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا - یعنی کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے تمکو گمراہ کیا ۔

(**دوسرا سوال**) وَقِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ ۔ یعنی تم اپنے ان معبودوں کو بلاؤ جن کو تم اپنا معین اور مددگار سمجھتے تھے تاکہ وہ تمہاری فریاد رسی کریں ۔

(**تیسرا سوال**) مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ انبیاء کرام کی اطاعت اور متابعت کے متعلق ہوگا

چنانچہ فرماتے ہیں کیا اے بے عقلو جو تم کفر و ضلالت کو ایمان اور ہدایت پر اور دنیا کو آخرت پر فضیلت دیتے ہو یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں سو جس سے ہم نے نیک وعدہ کیا جس میں نہ ضرر کا احتمال ہے اور نہ غلط بیانی کا امکان ہے سو جس مؤمن سے ہم نے ایمان لانے اور ہدایت قبول کرنے پر دنیا اور آخرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور اسکو پانے والا ہے تو کیا ایسا شخص اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیاوی زندگی کا چند روزہ سامان دیا اور ختم ہوا اور پھر قیامت کے دن وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو عذاب کے لیے حاضر کیے جائیں گے - ذرا عقل سے کام لو اور بتاؤ کہ کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں چند روز خوب مزے اڑائے اور قانونِ حکومت کی کوئی پروا نہ کی بالآخر

گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور پھانسی پر لٹکا دیا گیا کیا تمکو اتنی عقل نہیں کہ ان دونوں میں کون اچھا رہا اور تمہیں کس زمرہ میں شامل ہونا چاہیئے اور ایسے مال ومتاع اور سامان عیش وعشرت سے کیا جس کے بعد تم کو مجرموں کی صف میں کھڑا کر کے تم سے باز پرس کی جائے اس لیے تم اس دن کو یاد کرو یا اے نبی ان کو وہ دن یاد دلاؤ کہ جب یہ مجرمین آخرت میں عذاب کے لیے ہمارے حضور میں پکڑے ہوئے آئیں گے تو اس دن خدا تعالےٰ انکو پکارے گا پھر کہے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے جو ملتیں کفر اور شرک میں مبتلا ہیں وہ محض اپنے گمان اور خیال پر چلتی ہیں۔ دلیل عقلی کسی کے پاس بھی نہیں جو یہ ثابت کرسکے کہ یہ چیز الوہیت میں خدا کی شریک ہے اس جگہ شرکاء سے رؤسا ضلالت مراد ہیں جن کے کہنے سے ان لوگوں نے کفر اور شرک کیا کیونکہ بدون کسی دلیل شرعی اور بغیر حکم الٰہی کے کسی شخص کے کہنے کو بے چون وچرا مان لینا بھی شرک ہے اس طرح کسی کی اطاعت کرنا گویا کہ اسکو اپنا رب بنانا ہے کما قال اللہ تعالیٰ

اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ۔

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتمؓ نے سوال کیا کہ ہم نے تو احبار اور رہبان کو اپنا رب نہیں بنایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا جب احبار ورہبان جو تمکو حکم دیتے تھے کیا تم اس پر (بے چون چرا) نہیں چلتے تھے۔ عدیؓ نے عرض کیا۔ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا بس یہی شرک ہے (رواہ الترمذی وغیرہ) معلوم ہوا کہ بے چون چرا کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھنا اور کسی کو واجب الاطاعت جاننا یہی شرک کی حقیقت ہے۔

غرض یہ کہ قیامت کے دن مشرکین سے سوال کیا جائیگا کہ کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا۔ سوال تو مشرکین سے ہوگا مگر وہ رؤسا ضلالت اور ائمۃ الکفر جنہوں نے انکو بہکایا تھا وہ سمجھ جائیں گے کہ یہ سوال زجر وتوبیخ درحقیقت ہم سے ہے اس لیے وہ لوگ بولیں گے جن پر بوجہ اضلال یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے جن پر عذاب کا حکم ثابت ہوچکا ہے اور سنو جب سزا ہوچکے ہیں بطور عذر یہ کہیں گے اے ہمارے رب یہ وہی لوگ ہیں جنکو ہم نے اغوا کیا اور دنیا میں انکو راہِ حق سے گمراہ کیا لیکن ہم نے انکو گمراہ کیا جس طرح ہم باختیار خود غاوی اور گمراہ بنے ہم نے انکو مجبور نہ کیا تھا اور نہ ہم کرسکتے تھے یہ لوگ باختیار خود اپنی خوشی اور رغبت سے غوایت اور گمراہی میں پڑے اپنی گمراہی کا الزام ہمارے سر لگانا غلط ہے کیونکہ اگر ایک طرف ہم نے انکو بہکایا اور گمراہی کی طرف بلایا تو دوسری طرف تیرے احکام اور ہدایت موجود تھی انکو اختیار تھا کہ دونوں طرف میں سے جس کو چاہتے اختیار کرتے ان لوگوں نے ہدایت کے مقابلہ میں بصد شوق ورغبت باختیار خود ہماری باتوں کو اختیار کیا اور ہدایت اور نصیحت سے اعراض کیا اور اب الزام ہمیں دیتے ہیں یہ کہنے والے گمراہوں کے رئیس اور انکے پیشوا ہوں گے اور رؤسا ضلالت کا یہ جواب بالکلیہ ایسا ہی جواب ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی طرف سے حکایت کیا ہے۔ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ۔

غرض یہ کہ رؤسا ضلالت اپنے کو الزام سے بری کرنے کے لیے یہ کہیں گے کہ ہم نے ان لوگوں کو گمراہی پر مجبور نہ

کیا یہ لوگ اپنی خواہشوں کے بندے ہیں ہم انکے فعل کے ذمہ دار نہیں ہم تیرے سامنے ان سے بری اور بیزار ہیں یہ لوگ فی الحقیقت ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے۔ اور رؤسار ضلال کی اس بیزاری اور بے تعلقی کے بعد ان مشرکین سے بطور تہکم اور استہزار یہ کہا جائیگا اپنے شرکار کو اپنی مدد کے لیے پکارو یعنی جنکو تم ہمارا شریک قرار دیتے تھے انکو بلاؤ کہ وہ تم سے عذاب کو دفع کریں سو وہ انکو پکاریں گے پس وہ جواب بھی نہ دیں گے اس کے بعد عذاب انکی آنکھوں کے سامنے پھر جائیگا اور عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اور اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں راہ یاب ہونے اور ایمان لانے والوں اور ہدایت قبول کرنے والوں میں سے ہوتے تو یہ روز بد ہم کو نہ دیکھنا پڑتا۔

اور اس دن کو یاد کرو جس دن اللہ انہیں پکارے گا پس کہیگا بتلاؤ کہ تم نے ہمارے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا۔ جب انہوں نے تمکو حق کی طرف بلایا تھا پس اس روز ان پر تمام باتیں تاریک اور مشتبہ ہو جائیں گی پھر دہشت کی وجہ سے ایسے بدحواس ہو جائیں گے کہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہ سکیں گے کہ کیا جواب دیں یعنی دنیا میں انبیار کی نورانی حجتوں کے مقابلہ میں اپنی ظلمانی اور شیطانی اور نفسانی حجتیں بیان کیا کرتے تھے سو آج کے روز اس حالت میں ان پر حجتیں تاریک ہو جائیں گی پس باہم ایک دوسرے سے کچھ سوال بھی نہ کر سکیں گے جو یہاں اندھا تھا وہاں بھی اندھا ہو جائیگا یہ تو ان گمراہوں کا حال ہے جو گمراہی میں حق سے اندھے بنے رہے یہاں تک کہ مر گئے۔ ہاں مگر وہ جس نے کفر اور شرک سے توبہ کی اور خدا اور رسول پر ایمان لایا۔ اور رسول کی ہدایت کے مطابق نیک کام کیا پس امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں سے ہو اور اس دن کی بازپرس اور ذلت سے نجات پا جائے بغیر دین اسلام قبول کیے فلاح اور کامیابی ممکن نہیں۔

مزن بے رضائے محمدؐ نفس ❊ رہ رستگاری ہمین است وبس

اور تیرا پروردگار جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے اور برگزیدہ بناتا ہے اور ان لوگوں کو کوئی اختیار نہیں۔ خلق اور اختیار سب اللہ کے لیے مخصوص ہے کسی کے لیے اس میں شرکت اور منازعت ممکن نہیں۔ اللہ تعالےٰ پاک اور بلند اور برتر ہے ہر اس چیز سے جس کو مشرکین خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں یہ تو خدا تعالےٰ کی قدرت اور اختیار کا حال ہے اور تیرے پروردگار کے علم کی شان یہ ہے کہ وہ ان کے سینہ کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اسکو بھی خوب جانتا ہے اور وہی اللہ اور خدائے برحق ہے جو عبادت کا مستحق ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں جو لائق عبادت ہو اسی کے لیے حمد و ثنا ہے دنیا اور آخرت میں۔ اس لیے کہ دنیوی اور اخروی نعمتوں کا وہی مالک ہے وہی منعم حقیقی اور محسن حقیقی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اسی کے لیے حکم قضا اور فرمانروائی ہے حکومت اور قدرت اور اختیار سب اسی کے لیے ہے حاکم حقیقی وہی ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ تم اس جہان میں چند روز ہو۔ پھر قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ اسی کا حکم قضاءً نافذ ہوگا اور کسی کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔ پس ایسے معبود برحق کی عبادت کرو تاکہ اس دن کی ذلت سے نجات پاؤ۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ

تو کہہ، دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ

قیامت کے دن تک، کون حاکم ہے اللہ

اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾

کے سوا۔ کہ لاوے تمکو کہیں روشنی پھر کیا تم سنتے نہیں؟

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا

تو کہہ، دیکھو تو! اگر رکھ دے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ

قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوا؟ کہ لاوے تم

بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ

کو رات جس میں چین پکڑو، کیا تم نہیں دیکھتے؟ اور اپنی مہر سے

جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا

بنادیا تم کو رات اور دن کہ اس میں چین بھی پکڑو اور تلاش بھی

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَيَوْمَ

کرو کچھ اسکا فضل اور شاید تم شکر کرو۔ اور جس دن ان

يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ

کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک؟ جن کا تم دعویٰ کرتے

تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

تھے۔ اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال

فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ

بتانے والا، پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند، تب جانیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی

ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع

اور کھوئی گئیں ان سے جو باتیں جوڑتے تھے۔

۷ ع ۱۵ ۱۰

تذکیرِ نعم مشتمل بر بیان دلائل توحید

قال اللہ تعالیٰ، قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا ۔۔ الیٰ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیت یعنی وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۔ میں اجمالاً اپنا مستحق حمد وثنا ہونا بیان کیا کہ اللہ ہی دنیوی اور اخروی نعمتوں کا مالک ہے اس لیے وہی مستحق حمد وثنا ہے اب آئندہ آیات میں اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اسکے کمال قدرت کی بھی دلیل ہے وہ یہ کہ اللہ نے تمہارے لیے لیل ونہار کو مسخر کیا جن کے بغیر تمہارے نظام حیات کا قیام اور قوام ناممکن ہے اور یہ دن رات اس کی کمال قدرت واختیار کی دلیل ہیں جسکا مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ میں ذکر تھا۔ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی کسی کی قدرت اور اختیار میں نہیں اور جس کو قدرت اور اختیار نہ ہو وہ لائق عبادت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان لوگوں سے یہ کہئے۔ ذرا بتلاؤ تو سہی اگر خدا تعالیٰ تم پر رات کو روز قیامت تک دائم اور مستمر[1] کر دے کہ رات ہی رات رہے اور آفتاب زمین کے نیچے ہی رہے اور طلوع نہ کرے تو اللہ کے سوا کون سا خدا ہے جو تمہارے لیے روشنی لے آئے یعنی روز روشن لے آئے جس میں تم طلب معاش کر سکو کیا تم ہماری اس روشن دلیل کو عقل کے کان سے سنتے نہیں اور اے نبی آپ ان سے یہ بھی کہئے کہ بھلا بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کے برعکس دن کو روز قیامت تک ہمیشہ رہنے والا بنا دے کہ آفتاب اپنی جگہ قائم رہے اور غروب ہی نہ ہو تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آئے جس میں تم آرام کر سکو اور دن کے کاموں کی تھکن سے راحت حاصل کر سکو۔ کیا تم خدا کے ان آثار قدرت اور آثار رحمت کو اپنی چشم بصر اور چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے یعنی کیا تم کو ایسی روشن دلیلیں دکھلائی نہیں دیتیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تاکہ رات میں تم آرام کرو اور دن میں اسکی روزی تلاش کرو اور تاکہ تم اللہ کی ان نعمتوں یعنی رات اور دن کا شکر کرو۔ رات اور دن یہ دو نعمتیں ہیں جو یکے بعد دیگرے تم کو پہنچتی رہتی ہیں دن کسب معاش کے لیے ہے اور رات راحت اور آرام کے لیے ہے غور تو کرو کہ یہ کتنی بڑی نعمتیں ہیں اور کیسی زبردست قدرت کی نشانیاں ہیں۔ انسان کو کام کی بھی ضرورت

[1] دائم اور مستمر لفظ سرمد کا ترجمہ ہے جو سرد سے ماخوذ ہے جس کے معنی متابعت اور اطراد کے ہیں۔

ہے اور کام کے بعد آرام کی بھی ضرورت ہے۔ تمہارے فرضی خداؤں میں یہ قدرت نہیں کہ وہ دن اور رات میں ذرہ برابر تغیر و تبدل کر سکیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہی خدا برحق مستحق حمد و ثنا ہے جیسا کہ گزشتہ آیت میں بیان فرمایا۔ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ۔

ان آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرمایا اور شرک کی قباحت اور شناعت کو بیان کیا اب آئندہ آیت میں مشرکین کی توبیخ کا ذکر ہے اور اے نبی ان بت پرستوں کو وہ دن یاد دلاؤ جس دن اللہ تعالیٰ انکو ملائکہ قہر و غضب کی زبان سے آواز دے گا۔ پس کہے گا۔ بتلاؤ کہاں ہیں میرے شریک جنکو تم میرا شریک گمان کرتے تھے اور ہر امت میں سے ہم ایک گواہ جدا کریں گے یعنی انکے پیغمبر کو سامنے لائیں گے جو ان کے قول اور فعل پر گواہی دے پھر ہم ان مشرکین سے اور کفر کرنے والی امتوں سے کہیں گے کہ تم اپنی دلیل لاؤ کہ کس دلیل سے تم نے میرے شرکا ٹھہرائے اور کس بنا پر تم نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی۔

پس اس وقت جان لیں گے کہ حق یا عبادت یا توحید اللہ عزوجل ہی کے لیے ہے اور شرک بالکل غلط اور باطل ہے اور دنیا میں جو جھوٹی باتیں بناتے تھے اور خدا پر افترا کرتے تھے وہ اس دن ان سے سب غائب اور گم ہو جائے گا اور واضح ہو جائیگا کہ خدا تعالیٰ ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى

قارون جو تھا، سو تھا موسیٰ کی قوم سے، پھر شرارت

عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ

کرنے لگا ان پر۔ اور ہم نے دیئے تھے اسکو خزانے اتنے کہ اس

مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ

کی کنجیوں سے تھکتے کئی مرد زور آور۔ جب

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

کہا اس کو اس کی قوم نے، اترا مت، اللہ کو نہیں

الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

بھاتے اترانے والے۔ اور جو تجھ کو اللہ نے دیا۔ اس سے پیدا کر پچھلا گھر

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ
اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے ، اور بھلائی کر جیسے
اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ط
اللہ نے بھلائی کی تجھ سے۔ اور نہ چاہ خرابی ڈالنی ملک میں ۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ
اللہ کو بھاتے نہیں خرابی ڈالنے والے۔ بولا ، یہ تو مجھ کو ملا ہے
عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ط اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ
ایک ہنر سے ۔ جو میرے پاس ہے۔ کیا نہ جانا ؟ کہ اللہ کھپا چکا
اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ
اس سے پہلے کتی سنگتیں۔ جو اس سے زیادہ
مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ط وَلَا يُسْئَلُ عَنْ
رکھتے تھے زور۔ اور زیادہ مال کی جمع - اور پوچھے نہ جائیں
ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ
گناہ گاروں سے ان کے گناہ - پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنی
زِيْنَتِهٖ ط قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ
تیاری سے ۔ کہنے لگے جو طالب تھے دنیا کی زندگی کے ۔ اے کسی
لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ لا اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ
طرح ہم کو ملے ، جیسا کچھ ملا ہے قارون کو۔ بیشک اسکی بڑی
عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ
قسمت ہے ۔ اور بولے جن کو ملی تھی بوجھ۔ اے خرابی

ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ

تمہاری؛ اللہ کا دیا ثواب بہتر ہے۔ انکو جو یقین لائے اور کیا بھلا کام۔ اور

لَا یُلَقّٰہَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِہٖ وَ بِدَارِہِ

یہ بات انہیں کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں۔ پھر دھنسا یا ہم نے اسکو اور اسکے گھر

الْاَرْضَ ۟ قف فَمَا کَانَ لَہٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَہٗ مِنْ

کو زمین میں۔ پھر نہ ہوئی اسکی کوئی جماعت، جو مدد کرتی اس کی اللہ

دُوْنِ اللّٰہِ ۚ وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ اَصْبَحَ

کے سوا۔ اور نہ وہ مدد لا سکا۔ اور فجر کو

الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَکَانَہٗ بِالْاَمْسِ یَقُوْلُوْنَ وَیْکَاَنَّ

لگے کہنے جو کل شام مناتے تھے۔ اسکا سا درجہ، ارے یہ تو خرابی!

اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ

اللہ کھولتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور

یَقْدِرُ ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ مَّنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ

روکتا ہے۔ اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ، تو ہم کو دھنسا دیتا۔

وَیْکَاَنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

ارے خرابی یہ تو بھلا نہیں پاتے منکر۔

ذکر قصۂ قارون برائے عبرت مغروران مال و دولت

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی .. الیٰ .. وَیْکَاَنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ۝

(ربط) شروع سورت میں اللہ تعالےٰ نے فرعون کے تکبر اور فساد کا ذکر کیا۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی

الْاَرْضِ اور اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ اب اخیر سورت میں ایک دوسرے متکبر اور مفسد یعنی قارون کا ذکر کرتے ہیں کہ فرعون کی طرح قارون بھی تکبر اور فساد فی الارض کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں اللہ نے یہ بتلایا کہ اللہ نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے دن رات کو پیدا کیا تاکہ تم کسب معاش کرو اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ اب یہ بتلاتے ہیں کہ قارون کی طرح کفران نعمت کر کے اپنی تباہی کا سامان نہ کرو۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ متاع دنیا ہیچ ہے اور چند روزہ ہے اور فانی ہے اور گزر گاہ ہے اور آرائش ہے اور اسکے شیدائی گمراہ ہیں اور بقول حافظ شیرازی۔

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم ٭ جرس فریاد می دارد کہ بربندید محمل ہا

دنیا کی بے ثباتی کو دیکھ رہے ہیں اور پھر نہیں سمجھتے۔ اب ان آیات میں سر دفتر اہل ضلال یعنی قارون کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ حیات دنیوی کے مال و منال کے نشہ میں کس درجہ مغرور تھا تاکہ اہل دنیا اس سے عبرت پکڑیں کہ دنیا کے چند روزہ مال و دولت پر تفاخر اور تکبر کا اور دنیاوی زندگی پر اطمینان کا انجام کیا ہوتا ہے۔

یا یوں کہو کہ جس طرح فرعون کا قصہ موسیٰ علیہ السلام کے دلائل نبوت اور براہین رسالت پر مشتمل تھا اسی طرح قارون کا قصہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے اس لیے کہ قارون کا مع گھر کے اور مع خزانوں کے زمین میں دھنسنا موسیٰ علیہ السلام کی بد دعا سے ہوا جس کو تمام شہر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ معجزۂ عصا کی طرح یہ معجزہ بھی سب کے سامنے ظاہر ہوا جس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام خدا کے دو برگزیدہ رسول اور درویش تھے جن کا مقابلہ فرعون اور قارون سے تھا اول الذکر صاحب اقتدار اور فرمانروائے سلطنت تھا اور دوسرا دولت و ثروت کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک تھا۔ خداوند عالم نے اپنی قدرت کاملہ سے دنیا کے سب سے بڑے دو متکبروں اور دو مفسدوں کو اپنی بارگاہ کے دو درویشوں کے ہاتھ سے ایسا تباہ اور برباد کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ دنیا کا جاہ و جلال اور دنیا کا مال و منال سب ہیچ ہے۔ اصل چیز آخرت کی لازوال نعمتیں ہیں۔ پہلا متکبر اور مغرور جو سلطنت کے نشہ میں چُور تھا یعنی فرعون۔ وہ قبطی تھا۔ اور دوسرا مغرور جو مال و دولت کے نشہ میں چُور تھا یعنی قارون۔ وہ سبطی تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ پہلا مغرور دریا میں غرق ہوا اور دوسرا مغرور زمین میں دھنسایا گیا۔ فرعون کا غرق ہونا موسیٰ علیہ السلام کا بحری معجزہ تھا اور قارون کا خسف موسیٰ علیہ السلام کا بری معجزہ تھا۔ فرعون نے سلطنت کے زعم میں قبول ہدایت سے انحراف کیا اور قارون نے مال و دولت کے نشہ میں اتباع ہدایت سے گریز کیا۔ دیکھ لو کہ دونوں کا کیا انجام ہوا۔ اللہ کے قہر اور عذاب سے نہ سلطنت بچا سکتی ہے اور نہ مال و دولت۔ لہٰذا اسکی حرص اور طمع میں پڑنا بڑا بُرا ہے اور دنیاوی مال و دولت کو خوش نصیبی سمجھنا بھی غلط ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں اہل علم کی نصیحت سے واضح ہوتا ہے۔

قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ سامری کی طرح منافق تھا بڑا مالدار تھا۔ کثرت مال کی وجہ سے غرور اور تکبر میں مبتلا ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حسد کرنے لگا۔ ایک عورت کو رشوت دیکر اس پر آمادہ کیا کہ مجمع عام میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے۔ چنانچہ اس عورت نے جب موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی۔ تو موسیٰ علیہ السلام کانپ گئے

اور اس عورت کو خدا تعالےٰ کی قسم دیکر کہا کہ سچ بتا بات کیا ہے اس عورت نے سچ سچ کہہ دیا کہ قارون نے مجھے اس قدر مال دیکر اس پر آمادہ کیا ہے ۔ موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر پڑے اور قارون کے حق میں بددعا کی ۔ اللہ تعالےٰ نے وحی نازل کی کہ اے موسیٰؑ ہم نے زمین کو تیرے لیے مسخر کر دیا ہے قارون کے بارہ میں جو تو زمین کو حکم دیگا وہ تیری فرمانبرداری کرے گی ۔ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اس کو نگل لے ۔ لوگوں نے اس کو مضحکہ اور جادو سمجھا یہاں تک کہ زمین نے اسکو گھٹنوں تک نگل لیا تو قارون چلّانے لگا اور قرابت کا واسطہ دینے لگا مگر موسیٰ علیہ السلام نے شدّتِ غضب اور لبغض فی اللہ کی وجہ سے کچھ التفات نہ کیا یہاں تک کہ پورا زمین میں دھنس گیا اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وہ اسی طرح ساتویں زمین تک دھنستا چلا جائیگا ۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا مگر قرابت کام نہ آئی ۔ ایمان لاتا تو عزت پاتا ۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہدایت اور ضلالت سب من جانب اللہ ہے قرابت اور اجنبیت پر موقوف نہیں ۔

غرض یہ کہ آئندہ آیت میں ایک مغرور دولتمند کا قصہ سناتے ہیں جو اپنے مال و دولت پر نازاں تھا بعض کفار مکہ جو اسلام کو حق جاننے کے باوجود صرف اس لیے اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے کہ انکو یہ خوف تھا کہ اگر ہم نے اسلام اختیار کر لیا تو قوم ہم سے برسر پرخاش ہو جائے گی اور جو کچھ مال و منال اور جاگیر وغیرہ اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے وہ سب چھین لیں گے اور ہم مفلس اور فقیر ہو جائیں گے گویا کہ انکی دولت مندی ایمان لانے میں انکی سدراہ بنی ۔ قارون کا قصہ سنا کر یہ بتلا دیا کہ مال و زر کے لالچ میں حق کی دعوت کو رد کرنیکا انجام ایسا ہوتا ہے جیسا کہ قارون کا ہوا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق قارونؑ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا اور بقول ابن عباسؓ وغیرہ موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا یہی اکثر مفسرین کا قول ہے ۔

اور توریت کو نہایت خوش آوازی سے پڑھتا تھا لیکن سامری کی طرح یہ کمبخت بھی منافق تھا پس کثرتِ مال کی وجہ سے بنی اسرائیل پر سرکشی کرنے لگا اور یہ چاہنے لگا کہ سب پر حاکم بن جائے ۔ اور اس کی مال و دولت کا یہ حال تھا کہ ہم نے اسکو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ انکی کنجیاں ایک صاحب قوت جماعت پر بھاری ہوتی تھیں یعنی اس کے خزانوں کی کنجیاں انتہا کثیر تھیں کہ ایک جماعت کو انکا اٹھانا گراں تھا اس لیے وہ اترایا پھرتا تھا اتنے میں اسکی قوم کے صالح اور نیک لوگوں نے کہا اترا مت ۔ اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالےٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ بنی اسرائیل کے صالحین نے اسکو نصیحت کی کہ مال و دولت پر اترانا اچھا نہیں اور ان ناصحین نے یہ کہا کہ اللہ نے جو مال و دولت تجھ کو عطا کیا ہے اسکے ذریعے دارِ آخرت کو طلب کر ۔ یعنی اس دار فانی پر مطمئن نہ ہو اور نہ اس مال فانی پر نازاں ہو بلکہ اسکو دار آخرت کا ذریعہ بنا ۔ ؎

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری ❊ بخر جانِ من ورنہ حسرت بری

اور دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھول جا ۔ یعنی دنیا میں سے بقدر ضرورت و راحت اپنے اوپر خرچ کر اور باقی مال خدا کی راہ میں خرچ کر اور اس سے آخرت کما ۔ کیونکہ دنیا میں سے آدمی کا حصہ وہی ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور جو چھوڑ دیا وہ دوسروں کا ہے ۔ انسان کا دنیا سے حصہ صرف اتنا ہے جو نیک کام کرکے اور خدا کی راہ میں خرچ کرکے آخرت کے خزانہ میں

۱؎ قارون عجمی نام ہے علمیت اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے وزن اسکا فاعول ہے زجاجؒ کہتے ہیں کہ اگر یہ لفظ عربی ہوتا اور قرنت سے مشتق ہوتا تو منصرف ہوتا ۔ ۱۲

جمع کرا دے جو مرنے کے بعد اسکے کام آئے ۔ سعدیؒ

اگر گنج قارون بچنگ آوری ÷ نماند مگر آنکہ بخشی بری

اور بعض علماء نے نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کا حصہ دنیا سے کفن ہے جب اس جہان سے جانے لگے گا تو اتنا ہی نصیب ہوگا لہذا انسان کو چاہیئے کہ اس پر نظر رکھے کہ میرا حصہ دنیا سے صرف کفن کی دو چادریں ہیں اسی خیال کو پیشِ نظر رکھے اور دنیا کے مال و منال پر گھمنڈ نہ کرے اسی بناء پر کسی شاعر کا قول ہے ۔

نصيبك مما تجمع الدهر كله ÷ رداء ان تلوى فيهما وحنوط

یعنی جو کچھ تو ساری عمر جمع کریگا۔ اس میں سے تیرا حصہ صرف کفن کی دو چادریں ہیں جن میں تو لپیٹا جائیگا ۔ اور حنوط یعنی خوشبو ہے جو کفن پر لگائی جاتی ہے۔ نظم

گر ملک تو شام تا یمن خواہد بود

وز سرحد روم تا ختن خواہد بود

آخر و زکزیں جہان کنی عزم سفر

ہمراہ تو چند گز کفن خواہد بود

اگر پہلوانی اگر تیغ زن :

نخواہی بدر بردن الا کفن (سعدیؒ)

اور بندگان خدا کے ساتھ احسان کر۔ جیسے خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا یہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ہے جس سے اللہ کی نعمتیں اور زیادہ ہونگی ۔

اور خدا کی نافرمانی کرکے زمین میں فساد مت پھیلا اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ کی معصیت اور اسکی نافرمانی اور خدا کے دیئے ہوئے مال و دولت کو خدا کی نافرمانی میں خرچ کرنا بھی فساد ہے ۔

بالجملہ جب نیک لوگوں نے قارون کو یہ نصیحتیں کیں جنکا ذکر ہوا تو قارون یہ سن کر جواب میں بولا کہ مجھ کو جو کچھ مال و دولت ملا ہے وہ میری علمی قابلیت اور فہم و فراست کا نتیجہ ہے خدا کے نیک بندوں نے قارون کو یہ نصیحت کی کہ یہ مال و دولت خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے اسکو آخرت کا توشہ بنا۔ وہ مغرور بولا کہ یہ مال و متاع تو مجھ کو اپنے علم و دانش اور حسن تدبیر سے ملا ہے۔ دن رات جدو جہد کرکے اپنے کاروبار سے کمایا ہے یہ مال میرا کمایا ہوا ہے۔ میں اس کا مالک ہوں جس طرح چاہوں خرچ کروں جو حاجتمند ہیں وہ آپ کمائیں ۔ آج کل کے مغرور اور سنگدل دولت مند بھی اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں ۔

یا یوں کہو کہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری لیاقت اور قابلیت اور صلاحیت دیکھ کر مجھ کو یہ دولت دی ہے اور میں اسکا مستحق ہوں فضیلت اور استحقاق کی بناء پر مجھ کو دولت و ثروت ملی ہے اور پھر میں نے اس میں بڑی محنت کی ہے بلا مشقت اور بلا محنت کے یونہی نہیں مل گئی ۔ اب موسیٰؑ کے حکم اور تمہارے مشورہ کے مطابق کس طرح خدا کے نام پر اس دولت کو خرچ کر ڈالوں ۔

(جی ہاں) جس علم و دانش اور قابلیت اور صلاحیت پر اترا رہے ہو اور جس پر اکڑ رہے ہو وہ بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے اور جن اعضاء اور جوارح سے آپ نے اس مال و دولت کے کمانے میں دوڑ دھوپ کی ہے وہ بھی خدا ہی کی پیدا کردہ اور عطا فرمودہ ہیں اور محنت اور مشقت کی قدرت اور قوت بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے تم تو اپنے وجود کے بھی مالک اور مختار نہیں اور تمہاری تندرستی اور بیماری بھی تمہارے اختیار میں نہیں پھر خدا کے مقابلہ میں یہ تکبر اور غرور کیا اور جب خدا کا رسول (موسیٰ علیہ السلام) تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہے کہ ہماری عطا فرمودہ نعمتوں کے یہ حقوق اور فرائض ہیں انکو ادا کرو اور فقراء و مساکین پر صدقہ اور خیرات کرو تو حکم خداوندی سنکر یہ تمہارا سر ہلانا کیسا۔

غرض یہ کہ جب قارون نے ناصحین کی نصیحتیں سنکر یہ جواب دیا تو خدا تعالےٰ اسکے جواب میں فرماتے ہیں کیا اس نادان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ اس سے پہلے بہت سی گزشتہ امتوں کو غارت کرچکا ہے جو قوت و طاقت میں اور مال کے جمع کرنے میں اس سے کہیں زیادہ تھیں اور قوت اور مال و دولت انکو ہلاکت سے نہ بچاسکی۔ ان کے مقابلہ میں قارون کی کیا ہستی ہے۔ قارون کو چاہیئے کہ ان سے عبرت پکڑے کہ جس طرح پہلی امتیں مال و دولت کے نشہ میں منعم حقیقی کو بھول گئیں اور اسکے احکام سے سرتابی کے جرم میں ہلاک اور تباہ ہوچکی ہیں۔ اسی طرح مال و دولت کے غرّہ میں منعم حقیقی کے حکم سے سرتابی میری ہلاکت اور تباہی کا بھی سبب بن سکتی ہے پہلی امتوں کی تباہی سے قارون کو سمجھ لینا چاہئے کہ قوت و طاقت اور مال و دولت اللہ کی رضا اور محبت کی دلیل نہیں ورنہ اللہ انکو ہلاک نہ کرتا معلوم ہوا کہ اصل جرم کفر اور ناشکری اور ناسپاسی ہے اور قیامت کے دن اہل جرم سے انکے جرائم کے متعلق تحقیق حال یعنی علم حاصل کرنے کے لیے سوال نہیں کیا جائیگا کیونکہ اللہ تعالےٰ کو مجرمین کے ذنوب کی کیفیت خوب معلوم ہے اسکو سوال کرنے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں البتہ توبیخ اور سرزنش کے لیے ان سے سوال اور بازپرس ہوگی ——— کما قال اللہ تعالیٰ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ قیامت کے دن فرشتے مجرموں سے سوال نہ کریں گے انکی پیشانی کے نشان سے پہچان لیں گے کیونکہ یہ لوگ سیاہ رو اور نیلگوں چشم محشور ہونگے اپنی علامت سے پہچانے جائیں گے۔ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ

(یا یہ معنی ہیں) کہ قیامت کے دن اس قسم کے مجرموں سے کوئی سوال نہ ہوگا بغیر سوال اور بغیر حساب کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے یعنی انکے گناہ اور جرم اس قدر کثیر تعداد میں ہونگے کہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ ہماری سنت جاریہ یہ ہے کہ ایسے مجرمین کو بغیر پوچھ گچھ کے ہی دنیا میں کیفر کردار کو پہنچا دیا جاتا ہے اور آخرت کے سوال اور وہاں کی پوچھ گچھ الگ رہی۔ فی الحال دنیا میں ایسے مجرموں کو یکلخت عذاب سے ہلاک کردیا جاتا ہے اور آخرت کا سوال اپنے وقت پر ہوگا۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ جب وقت آجاتا ہے تو مجرموں سے کچھ نہیں پوچھا جاتا یعنی انکا کوئی عذر نہیں سنا جاتا اس آیت کی تفسیر میں ہم نے مختلف اقوال ہدیۂ ناظرین کردیئے ہیں۔ تفصیل کے لیے روح المعانی ص ۱۰۵ ج ۲۰ و تفسیر قرطبی ص ۳۱۶ ج ۱۳ دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قارون نے نہ تو گزشتہ اہل دولت و ثروت کی تباہی اور ہلاکت سے عبرت پکڑی اور نہ

اپنی قوم کے ناصحین کی نصیحت سنی اور اپنے غرور اور نخوت پر قائم رہا پس نوبت بایں جا رسید کہ ایک روز قارون اپنی قوم بنی اسرائیل پر زیب وزینت کے ساتھ آراستہ ہو کر نکلا تاکہ لوگوں کے سامنے اپنی شان وشوکت کا مظاہرہ کرے چنانچہ جب وہ اس زیبائش اور آرائش کے ساتھ نکلا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں متحیر ہونے لگیں تو جو لوگ دنیا کے طالب اور راغب تھے وہ اس شان وشوکت اور دبدبہ کو دیکھ کر کہنے لگے۔ کاش ہمکو بھی ایسا ہی مال ومنال اور جاہ وجلال ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے بے شک قارون بڑے نصیبہ والا ہے کہ اس کو یہ بخت اور دولت حاصل ہے ان لوگوں کی نظر آخرت کی نعمت سے چوک گئی اور اس دنیائے فانی کی ظاہری زینت کی تمنا کرنے لگے اور جن لوگوں کو صحیح علم اور فہم عطا کیا گیا تھا اور صبر اور قناعت اور توکل وغیرہ کی حقیقت کو جانتے تھے جیسے حضرت یوشع علیہ السلام اور انکے اصحاب انہوں نے ان جہال تمنا کرنے والوں سے کہا۔ افسوس اور صد افسوس تم پر اے طالبان دنیا اور گرفتاران حرص وطمع اس دنیائے فانی پر کیا للچاتے اور رال ٹپکاتے ہو۔ خدا کا ثواب اس دنیا کے مال ودولت اور اسکی شان وشوکت اور زیب وزینت سے لاکھوں درجہ بہتر ہے اور یقین رکھو کہ اللہ کا ثواب اس شخص کے واسطے ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائے اور نیک کام کرے ایمان اور عمل صالح کے مقابلہ میں دنیا کی کچھ ہستی نہیں اور قارون کے پاس جو ہے وہ تو ہیچ در ہیچ ہے ایمان اور عمل کا اجر قیاس اور گمان سے باہر ہے اور نہیں اترتا علماء کا یہ کلمہ نصیحت کسی دل میں مگر صبر کرنے والوں کے دل میں جنہوں نے دنیا کی حرص اور طمع سے صبر کیا

(یا یہ معنی ہیں) کہ ایمان اور عمل صالح کی دولت صبر کرنے والوں ہی کو ملتی ہے (یا یہ معنی ہیں) کہ آخرت کی لازوال نعمتیں دنیا سے صبر کرنیوالوں ہی کو ملتی ہیں۔

اہل صبر از جملہ عالم برترند ÷ صابراں از اوج گردوں بگذرند
ہر کہ کارد تخم صبر اندر جہاں ÷ بدرود محصول عیش صابراں

پس جب قارون دنیا سے صبر نہ کر سکا اور دل سے ایمان بھی نہ لایا اور علماء وصلحا کی نصیحت بھی نہ سنی۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے حسد میں گرفتار ہو گیا تو ہم نے قارون کو مع اسکے مکان کے جس میں اس کے تمام خزانے تھے زمین میں دھنسا دیا ساری بڑائی یکلخت خاک میں مل گئی۔ قارون مع خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا اگر فقط قارون کو دھنسایا جاتا اور خزانے بطور مال غنیمت چھوڑ دیئے جاتے تو ممکن تھا کہ کوئی بد باطن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں مال کی حرص اور طمع کا گمان کر بیٹھتا۔

قصہ یہ ہوا کہ قارون کو موسیٰ علیہ السلام پر بڑا حسد تھا۔ درپے ایذاء رہتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر فرماتے جیسا کہ قرآن کریم میں اجمالاً اس ایذاء کا ذکر ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی۔ یہاں تک کہ قارون جوش حسد میں اعلانیہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کی تحقیر وتذلیل پر اتر آیا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر زکوٰۃ کا حکم نازل کیا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے زکوٰۃ لوں۔ قارون نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا کہ زکوٰۃ خواہ کتنی ہی قلیل ہو مگر پھر بھی مجموعہ مل کر ایک کثیر رقم ہو جاتی ہے۔ زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ اے بنی اسرائیل یہ شخص (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نماز کا حکم لیکر

آیا ہے اور اسکے علاوہ اور احکام لیکر آیا ہے تم نے برداشت کر لیا۔ اب یہ زکوٰۃ کا حکم لیکر آیا ہے اسکا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مال ہضم کر جائے اور (اپنے خاص مجمع میں) بولا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ موسیٰؑ کو قوم میں رسوا کروں کہ اس کی کوئی بات نہ سنے اور تدبیر یہ کی کہ ایک بدکار عورت کو ایک کثیر رقم دیکر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بھرے مجمع میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائے یہ بات اندرونی طور پر طے پاگئی۔ دوسرے یا تیسرے دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو امر و نہی بیان فرمارہے تھے اسی میں یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جو شادی شدہ شخص زنا کریگا اسکو رجم (سنگسار) کیا جائے تو قارون کا کوئی آدمی کھڑا ہوا اور بولا اگرچہ تو ہی ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ ہاں۔ اس پر قارون کے لوگوں نے اس عورت کو بلوایا۔ اس عورت نے بھرے مجمع میں موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت سے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ سچ سچ بتلا اس عورت پر ہیبت الٰہی غالب ہوئی اور بولی کہ اے موسیٰؑ جب تم نے مجھے اللہ کی قسم دی ہے تو میں سچ سچ بتلائے دیتی ہوں کہ قارون نے مجھ کو اتنی رقم دیکر اس پر آمادہ کیا ہے کہ میں تجھ پر تہمت لگاؤں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ تم اس سے بالکل بری ہو اور میں گواہی دیتی ہوں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ (اس طرح قارون کا سارا مکر بنی اسرائیل پر کھل گیا)

موسیٰ علیہ السلام یہ سنکر سجدہ میں گر گئے اور زار و قطار رو کر دعا مانگنے لگے اور کہنے لگے کہ اے اللہ اگر میں تیرا رسول برحق ہوں تو میرے لیے اس پر اپنا قہر اور غضب نازل فرما۔ اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ ہم نے زمین کو حکم دے دیا ہے کہ قارون کے بارہ میں تم زمین کو جو حکم دو گے وہ اسکی اطاعت کرے گی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ قارون کو مع اسکے گھر کے نگل جائے۔ زمین نے فوراً اس کو پکڑ لیا اور وہ دھنسنا شروع ہوگیا یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۱۶ ج ۲۰ و تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۰۱ ج ۳۔

نکتہ حدیث میں ہے کہ وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔ حافظ عسقلانیؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین قارون کے جسم کو نہیں کھائے گی۔ پس ممکن ہے کہ اس سے ایک معمّٰی بنایا جائے اور یہ کہا جائے کہ بتلاؤ وہ کون سا کافر ہے کہ مرنے کے بعد جس کا جسم بوسیدہ نہ ہوگا اور وہ قارون ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قارون ملعون بقدر اپنے قد کے روزانہ زمین میں دھنستا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب قیامت کے لئے نفخ صور ہوگا۔ تب بالکل زمین کے نیچے پہنچ جائیگا۔ تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۰۱ ج ۳۔ و تفسیر قرطبی صفحہ ۳۱۸ ج ۱۳۔

جس طرح فرعون کی غرقابی موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اسی طرح قارون کا موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زمین میں دھنسنا بھی موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا معجزہ تھا۔ پہلا معجزہ بحری تھا اور یہ معجزہ بری تھا۔

گنج قارون کہ فرو می رود از قہر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشانست

پس جب قارون اس ذلت و خواری کے ساتھ زمین میں دھنسا تو کوئی ایسی جماعت اور پارٹی نہ ہوئی جو اس

کی مدد کرتی اور اللہ کے عذاب سے اسکو بچاتی اور نہ وہ بذاتِ خود اپنے سے عذاب کو رد کرنے والوں میں سے ہوا خدا کے انتقام کو کون روک سکتا ہے یعنی وہ نہ خود اپنے سے عذاب کو روک سکا اور نہ اسکی پارٹی روک سکی اور اس ذلت وخواری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو قارون نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ یہ خزانہ میں نے اپنی قابلیت اور صلاحیت اور جدوجہد سے حاصل کیا ہے میں کیوں اس کی زکوٰۃ دوں۔ انکار زکوٰۃ کے بعد تمرد اور سرکشی کا مادہ بڑھتا گیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ زمین میں مع خزانوں کے دھنسا دیا گیا۔ صدیق اکبرؓ نے جو منکرین زکوٰۃ کے ساتھ معاملہ فرمایا غالباً قارون کا واقعہ ہی انکی نظروں کے سامنے ہوگا امتِ محمدیہ کو اس فتنہ اور وبال سے محفوظ رکھنے کیلئے منکرین زکوٰۃ کیساتھ مرتدین جیسا معاملہ فرمایا پورے دین سے ارتداد یا دین کے کسی جزء سے ارتداد وکفر میں سب برابر ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ اور جب صبح ہوئی تو ان لوگوں کی بھی خوابِ غفلت سے آنکھ کھلی جو کل گزشتہ قارون کے مکان اور جاہ کے آرزومند تھے۔ قارون کے دھنستے ہی ہوش میں آگئے اور آپس میں کہنے لگے وائے اور ہائے افسوس ہم نے جو سمجھا تھا وہ غلط تھا حقیقت یہ ہے کہ اللہ رزق کو فراخ کرتا ہے جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہے مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ رزق کی وسعت اور فراخی کرامت اور بزرگی کی دلیل ہے اور تنگی اور تنگدستی ذلت اور خواری کا نشان ہے۔ قارون جیسے دولتمند کے خسف کو دیکھ کر ہماری سمجھ میں آگیا کہ ہمارا خیال غلط تھا۔ صحیح حقیقت یہ ہے کہ رزق کی فراخی اور تنگی بمقتضائے مشیت الٰہی ہے اور اس بھید کو وہی خوب جانتا ہے۔ اس میں عزت وذلت کا کچھ لحاظ نہیں۔ سعادت اور شقاوت کا دارومدار ایمان اور کفر پر ہے۔ امیری اور فقیری پر نہیں۔ رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیت کے کرشمے ہیں دنیاوی عزت ووجاہت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر لینا کہ یہ شخص اللہ کے نزدیک مقبول ہے غلط ہے اور ایک فقیر اور درویش کو دیکھ کر یہ رائے قائم کر لینا کہ یہ شخص ذلیل اور خوار ہے یہ بھی غلط ہے۔ دیکھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام خدا کے ایک درویش تھے اور قارون اس زمانہ کا سب سے بڑا دولت مند تھا۔ ایک درویش کی دعا سے کس طرح ذلت وخواری کے ساتھ زمین میں دھنسایا گیا جس ذلت وخواری کا تماشہ دنیا نے دیکھا۔

جملہ قرآن ہست در قطع سبب ✧ عز درویش وہلاک بولہب

غرض یہ کہ کل گزشتہ جو لوگ قارون کے مکان اور رتبہ جیسی آرزو کر رہے تھے۔ قارون کی اس ذلت وخواری کو دیکھ کر انکی آنکھیں کھلیں اور سمجھے کہ معاملہ تو برعکس ہے اور یہ ہماری تنگی اللہ کی نعمت ہے تو مال ودولت کی حسرت کو چھوڑ کر اپنی تنگی کے شکر میں مشغول ہوگئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ کا ہم پر احسان نہ ہوتا تو ہم کو بھی قارون کی طرح زمین میں دھنسا دیتا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم کو مال ودولت کے فتنہ سے بچایا کیونکہ مال کی کثرت تکبر اور غرور اور فسق وفجور کا ذریعہ ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں قارون کی طرح نہیں بنایا اور ہم نے اپنی نادانی سے جو اس جیسے مکان اور رتبہ کی تمنا کی تھی وہ اس نے پوری نہیں کی۔

ہائے خرابی اللہ ہم کو اس قسم کی تمنا اور آرزو سے پناہ میں رکھے۔ حقیقت یہ ہے کہ منکروں اور ناشکروں کے لیے فوز وفلاح نہیں۔ الحمد للہ ہم اگرچہ مفلس ہیں مگر خوش نصیب ہیں اور قارون اگرچہ دولت مند تھا مگر بدنصیب تھا کیا برا انجام ہوا مال وزر کی ترقی سے حقیقی فلاح اور کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ حقیقی فلاح اور کامیابی ایمان اور عمل صالح سے

حاصل ہوتی ہے

فائدۂ علمیہ ونحویہ دربارۂ تحقیق کلمۂ وَیْکَاَنَّ

کلمہ وَیْکَاَنَّ جو اس رکوع کے آخر میں دو مرتبہ آیا ہے اسکے بارہ میں ائمۂ نحو کا اختلاف ہے بصریین اور خلیل بن احمد اور سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ لفظ وَیْ مستقل کلمہ ہے اور اسم فعل ہے۔ بمعنی اَعْجَبُ اور یہ کلمہ تعجب اور ندامت اور حسرت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی بات پر نادم اور پشیمان ہوتا ہے تو اظہار ندامت وحسرت کے لیے یہ لفظ بولتا ہے اور لفظ کَاَنَّ تشبیہ کے لیے ہے یا تعلیل کے لیے ہے اور معنی یہ ہیں۔ اَعْجَبُ لِاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ اس صورت میں لفظ وَیْ پر وقف ہوگا اور یہی قراءت کسائی کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی زبان سے اتفاقاً جو یہ تمنا نکل گئی تھی۔ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ۔ جب انکو تنبہ ہوا تو اپنی اس تمنا اور آرزو پر نادم اور پشیمان ہوئے اور بصد حسرت وندامت کہنے لگے کہ ہائے افسوس ہم سے غلطی ہوئی ہم نے جو خیال کیا تھا وہ غلط تھا ہم نے قارون کی ظاہری شان وشوکت کو دیکھ کر یہ خیال کیا کہ رزق کی وسعت عزت وکرامت کی علامت ہے اور تنگی ذلت وخواری کی علامت ہے ہمارا یہ خیال غلط ہے بلکہ فراخی اور تنگی بمقتضائے مشیت الٰہی ہے جس کی حکمت سوائے خدا تعالٰی کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور کوفیین[۲] یہ کہتے ہیں کہ وَیْكَ ایک کلمہ ہے جو اصل میں ویلک تھا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے لام تخفیفاً حذف کر دیا گیا اس صورت میں اصل کلمہ وَیْل ہوگا اور کاف حرف خطاب کا ہوگا اور لفظ وَیْكَ پر وقف ہوگا جیسا کہ ابو عمرو کی قراءت میں ہے اور یہ کلمہ بطور بددعا زجر اور توبیخ کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور لفظ اَنَّ اللّٰهَ بفتح ہمزہ اِعْلَمْ مقدر کا مفعول بہ ہے اور اس صورت میں آیت کا مطلب ان لوگوں کی زجر وتوبیخ ہوگی جنہوں نے اپنی جہالت سے مالی فراخی کو عزت اور تنگدستی کو ذلت سمجھا اور اس بات پر تنبیہ مقصود ہوگی کہ رزق کی وسعت اور تنگی محض اللہ کی مشیت اور حکمت کے تابع ہے عزت اور ذلت کی دلیل نہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ لفظ ویکانّ پورا ایک کلمۂ بسیط ہے دو حرفوں سے مل کر نہیں بنا بلکہ ایک مستقل کلمہ ہے جس کے معنی اَلَمْ تَرَ اور اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ۔ کے ہیں یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا اور کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ تعالٰی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی کھولتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی کسی بزرگی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے

حضرات اہل علم ویکانّ کی تحقیق کے لیے حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۵۲۳ ج ۳۔ اور حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۲۸ ج ۳ دیکھیں۔

تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا

وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان کو جو نہیں

يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ؕ

چاہتے چڑھنا ملک میں ۔ اور نہ بگاڑ ڈالنا ۔

وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۸۳﴾ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ

اور آخر بھلا ہے ڈر والوں کا ۔ جو کوئی لایا بھلائی اس کو

فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَى

ملنا ہے اس سے بہتر ۔ اور جو کوئی لایا برائی سو برائیاں

الَّذِيۡنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾

کرنے والے وہی سزا پادیں گے جو کرتے تھے ۔

بیان مستحقین نعمائے دار آخرت

قَالَ اللهُ تَعَالٰى تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞

(ربط) گزشتہ آیات میں قارون کا قصہ ذکر کیا جس کے ضمن میں اہل علم کی یہ نصیحت ذکر کی ۔ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَيۡلَكُمۡ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّمَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۔ یعنی آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے کہیں بہتر ہیں اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ دار آخرت کی لازوال نعمتوں کے مستحق کون لوگ ہیں اور دار آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ کیا ہے سو بتلایا کہ دار آخرت کی نعمتوں کے وہ لوگ مستحق ہیں کہ جو دنیا میں علوا ور رفعت کا اور کسی قسم کے فساد کا ارادہ نہیں رکھتے یعنی متواضع اور متقی اور پرہیزگار ہیں اور اعمال صالحہ بجا لانے والے ہیں ۔ پھر وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ سے یہ بتلایا کہ آخری انجام پرہیزگاروں کا ہے اور حسن عاقبت کا دار و مدار تقویٰ اور عمل صالح پر ہے اور تقویٰ میں ترک تکبر اور ترک فساد فی الارض سب داخل ہے اور بتلا دیا کہ تمام خرابیوں کی جڑ تکبر اور فساد فی الارض اور غفلت عن الآخرت ہے ۔

چنانچہ فرماتے ہیں وہ دار آخرت جو مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہے وہ گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں علو اور

سربلندی نہیں چاہتے اور فساد نہیں چاہتے ہیں جیسے قارون نے چاہا تھا اور انجام خیر متقی اور پرہیزگاروں کے لیے مخصوص ہے اور تعلی اور تکبر اور فساد عمل اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو سراسر تقوی کے منافی ہے اسکا انجام بہت بُرا ہے جیسے فرعون نے اور قارون نے زمین میں علو اور بڑائی چاہی اور اعمال فاسدہ کے مرتکب ہوئے تو دیکھ لو کہ ان دونوں کا کیا انجام ہوا اور دار آخرت بہت بلند اور عالی شان ہے یہ عالی شان مقام ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں علو نہیں چاہتے۔ جاننا چاہیے کہ عمدہ لباس اور سامانِ راحت علو میں داخل نہیں۔ علو کے معنی اپنے کو دوسروں سے بالا اور برتر سمجھنا اور دوسروں کو حقیر اور کمتر سمجھنا یہ ناجائز اور حرام ہے۔

عدی بن حاتم رض جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے لیے ایک وسادہ (گدا) ڈالا۔ عدی بجائے گدے کے زمین پر بیٹھ گئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو زمین میں علو اور بڑائی نہیں چاہتا ہے اور نہ فساد چاہتا ہے پس یہ (کلمہ حکمت) سن کر عدی اسلام لے آئے (رواہ ابن مردویہ) تفسیر روح المعانی[1] صـ ۲۰۹ ج ۲۰۔

جو شخص قیامت کے دن نیکی لیکر آئیگا اسکو بمقتضائے فضل اس سے کہیں بہتر بدلہ ملیگا جو اسکے وہم و گمان سے بڑھ کر ہوگا اور جو شخص بدی لیکر آئیگا سو ایسے لوگوں کو جنہوں نے برے اعمال کیے ہیں صرف انکے کیے کی سزا ملے گی۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا (دس گنا) وہ یقیناً ملتا ہے اور برائی پر برائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرمایا کہ اپنے کیے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ

جس شخص نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو

مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ

پہلی جگہ۔ تو کہہ، میرا رب خوب جانتا ہے کون لایا راہ کی سوجھ ؟ اور کون

فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ

پڑا ہے صریح بہکاوے میں۔ اور تو تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جاوے

---

[1] اخرج ابن مردویہ عن عدی بن حاتم انہ لما دخل علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم القی الیہ وسادۃ فجلس علی الارض فقال علیہ الصلاۃ والسلام اشھد انک لا تبغی علوا فی الارض ولا فسادا فاسلم رضی اللہ عنہ تفسیر روح المعانی صـ ۱۰۹ ج ۲۰

إِلَيْكَ الْكِتٰبُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ

تجھ پر کتاب مگر مہر ہو کر تیرے رب کی طرف سے۔ سو تو نہ ہو مددگار

ظَهِيرًا لِّلْكٰفِرِينَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

کافروں کا۔ اور نہ ہو کہ تجھ کو روک دیں اللہ کے

بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلٰى رَبِّكَ وَلَا

حکموں سے، جب اتر چکے تیری طرف اور بلا اپنے رب کی طرف۔ اور نہ

تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا

ہو شریک والوں میں۔ اور مت پکار اللہ کے سوا اور

اٰخَرَ ۘ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ

حاکم۔ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔ ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۸﴾

اسی کا حکم ہے، اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

خاتمۂ سورت بر بشارت و ہدایت و نصیحت در بارۂ تبلیغ و دعوت

ذکر فناء عالم و تذکیر آخرت

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ... الیٰ ... لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۔

(ربط) یہ سورت کا خاتمہ ہے جس کو ایک بشارت پر اور چند نصائح اور ہدایات پر ختم کیا جا رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تو آپ رنجیدہ اور غمگین تھے تو آپ کی تسلی اور بشارت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ عنقریب پھر مکہ واپس آئیں گے اور آپکا یہ دوبارہ آنا فاتحانہ اور حاکمانہ ہوگا۔ بعد ازاں آپکو ایک دوسری تسلی دیتے ہیں کہ یہ نبوت اور رسالت اور نزول قرآن سب اللہ کی رحمت ہے جو آپکو بلا کسی امید اور بلا کسی توقع کے عطا کی گئی ہے

لہذا آپ اسکی تبلیغ اور دعوت میں لگے رہیئے اور کافروں کی مخالفت اور عداوت کی پروا نہ کیجئے اور پھر توحید اور فنار عالم اور جزار آخرت کے مضمون پر سورت کو ختم کیا اور یہی باتیں دین اور شریعت کا خلاصہ اور لب لباب ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جس ذات نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا وہ تجھ کو پھر پہلی جگہ واپس لانے والا ہے "معاد" کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ معاد سے مکہ مکرمہ مراد ہے یہ قول ابن عباسؓ کا ہے جس کو امام بخاریؒ نے روایت کیا۔

اور مطلب یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ آپکو دوبارہ مکہ واپس لائیگا یعنی دین حق بلند ہوگا اور مکہ دارالاسلام ہو جائیگا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ معاد سے مراد موت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ معاد سے جنت مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عالم آخرت مراد ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ آپ عنقریب ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

اس قول کی بنار پر یہ مضمون گزشتہ آیت وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ کے ساتھ مربوط ہوگا۔ اور پہلے قول کی بنار پر جب کہ معاد سے مکہ مکرمہ کی طرف واپسی مراد ہو تو خاتمۂ سورت آغاز سورت کے ساتھ مربوط ہو جائیگا۔ اول سورت میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا تھا کہ اس بچہ کو دریا میں ڈال دو اور وعدہ فرمایا تھا۔ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ۔ کہ ہم اس بچہ کو پھر تمہاری طرف واپس کر دیں گے اسی قسم کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہ تم اطمینان رکھو ہم تمہیں پھر مکہ واپس لائیں گے اور شان و شوکت کے ساتھ لائیں گے چنانچہ یہ وعدہ اسی طرح پورا ہوا جیسے وعدۂ ام موسیٰ علیہ السلام پورا ہوا تھا۔ دوسری مشابہت اول سورت اور آخر سورت میں یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسکو اپنے معجزات دکھائے اور اس نے اسکو سحر اور افترار بتلایا تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا۔ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔

اسی طرح اخیر سورت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی بات کے کہنے کا حکم دیا۔ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی اگر یہ لوگ آپ کی کتاب ہدایت میں کوئی تردد کریں تو آپ کہد یجئے کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے اس بندہ کو جو ہدایت لیکر آیا ہے اور اس کو بھی جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور میری مشعل ہدایت سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہو اور جو کتاب ہدایت آپکو دی گئی وہ آپ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت ہے آپکو کوئی توقع اور امید نہ تھی کہ آپ پر ایسی کتاب مستطاب نازل کی جائیگی مگر تیرے پروردگار کی رحمت اور عنایت سے تجھ پر یہ کتاب ہدایت نازل کی گئی تاکہ لوگوں کو آخرت کا راستہ معلوم ہو۔ معلوم ہوا کہ نبوت امر وہبی ہے نہ کہ امر کسبی۔ پس (۱) ان کافروں کی ہرگز پشت و پناہ نہ بنیں جو لوگوں کو خدا کی راہ سے ہٹانے پر کمربستہ ہیں آپ نہ انکی رعایت کیجئے اور نہ انکی قرابت کا لحاظ کیجئے اور نہ انکی طرف التفات کیجئے اور (۲) ایسا نہ ہو کہ یہ کافر آپکو اللہ کے احکام پہنچانے سے روک دیں جبکہ وہ احکام آپکی طرف اتر چکے ہیں۔ یعنی کافروں کی مخالفت سے تبلیغ احکام میں سست نہ پڑیئے جیسے کہ آپ اب تک رہے ہیں۔ اور (۳) آپ بدستور اپنے پروردگار کی عبادت اور طاعت کی دعوت میں لگے رہیئے اور ہرگز (۴) ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جیئے یعنی دعوت و تبلیغ میں نہ کوئی سستی کریں

اور نہ انکی رعایت کریں یعنی ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔ جیسے آپؐ اب تک ان سے بے تعلق رہے ہیں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے۔ یعنی ہر قدم پر اخلاص اور توحید کو ملحوظ رکھیئے ان آیات میں بظاہر خطاب نبی کریمؐ کو ہے مگر مراد بندگان خدا ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے کہ سوائے ذات خداوندی کے ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے کسی شئے کا وجود ذاتی اور خود بخود نہیں خدا کو خدا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور اسکا وجود ذاتی ہے اسکے سوا جو چیز بھی موجود دکھلاتی ہے تو اسکا وجود خدائے واجب الوجود کے سہارے سے ہے۔ ؎

پناہ بلندی و پستی توئی ÷ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

وقال اللہ تعالیٰ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

(ع) اَلا کل شئی ما خلا اللہ باطل۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نفخ صور کے وقت ہر چیز پر فنا طاری ہو جائے گی۔ مگر آٹھ چیزیں فنا اور ہلاکت سے مستثنیٰ ہونگی۔ ؎

ثمانیۃ حکم البقاء یعمھا ÷ من الخلق والباقون فی حیز العدم

ھی العرش والکرسی ونار وجنۃ ÷ وعجبٌ وارواح کذا اللوح والقلم

وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں (۱) عرش (۲) کرسی (۳) دوزخ (۴) بہشت (۵) عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی) (۶) ارواح (۷) لوح (۸) قلم۔

ہر چیز اپنی ذات سے فانی اور معدوم ہے کوئی چیز اپنی قدرت سے اپنے لیے بقاء کا تصور بھی نہیں کرسکتی یہ چیزیں قیامت کے دن محض اللہ کی قدرت سے فناء اور ہلاک سے بچ جائیں گی کسی ممکن کا وجود اور اسکا عدم اور اسکی موت اور اس کی حیات اختیار میں نہیں۔

تفسیر دیگر

اور بعض علماء نے اس آیت یعنی كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ کی ایک دوسری تفسیر کی ہے وہ یہ کہ ہر عمل اور ہر کام فنا ہو جائے گا اور مٹ جائیگا مگر جو عمل خالصًا لوجہ اللہ کیا جائے وہ باقی رہے گا۔

اب آئندہ آیت میں معاد کا مضمون ذکر کرتے ہیں خاص اللہ ہی کے لیے ہے فرمانروائی اسی کی قضاء جاری اور نافذ ہوتی ہے وہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے اور اسی کا حکم اور تصرف چلتا ہے اور قیامت کے دن جزاء اور سزا کے لیے تم سب اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے نہ کسی اور کی طرف اور اس روز ظاہرًا و باطنًا صرف اللہ ہی کا حکم چلے گا اور اس روز نہ کسی کا حکم رہے گا اور نہ کسی کی حکومت رہے گی۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۰ ربیع الاول یوم سہ شنبہ بوقت چاشت سورۂ قصص کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قبول فرمائے اور باقی تفسیر کے لکھنے کی توفیق عطاء کرے۔ امین یارب العالمین۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

تفسیر سورۃ العنکبوت

سُورَۃُ الْعَنْکَبُوْتِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰیَۃً وَّسَبْعُ رُکُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سورۂ عنکبوت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سورت میں انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں اس سورت کا نام سورۂ عنکبوت ہے اس لیے کہ اس سورت میں ابطالِ شرک کے لیے اللہ تعالیٰ نے عنکبوت (مکڑی) کی مثال ذکر کی ہے۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ۔

(ربط) گزشتہ سورت کے خاتمہ پر اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ میں فتح مکہ کی بشارت کی طرف اشارہ تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ فلاح اور کامیابی کوئی آسان چیز نہیں اس سے پہلے بڑی جانفشانی کرنی پڑتی ہے اور طرح طرح کی سختیاں اٹھانی ہوتی ہیں جو اللہ کی طرف سے آزمائشیں ہوتی ہیں لہٰذا فتنوں (آزمائشوں) سے گھبرانا نہ چاہیئے بلکہ صبر اور استقلال سے کام لینا چاہیئے۔ بغیر اس کے ایمان کامل نہیں ہوتا محض زبان سے ایمان کا دعویٰ کافی نہیں۔ مصائب اور شدائد میں ابتلاء ایمان کے امتحان کے لیے ہے کہ دعوائے ایمان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

(ربط دیگر) نیز اس سورت میں اہل ایمان کو تسلی ہے کہ کافروں کی ایذاؤں سے گھبرائیں نہیں آخر فرعون سے بنی اسرائیل کو کیا کیا ایذائیں نہیں پہنچیں مگر بالآخر اہل باطل اور ظالم لوگ خائب وخاسر ہوئے اسی طرح مکہ کے کافر وظالم بالآخر خائب وخاسر ہونگے۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ سورت میں فرعون کے فتنہ اور فساد کا ذکر تھا اور اس سورت میں قریش کی طرف سے فتنہ اور ابتلاء کا ذکر ہے جس سے مقصود اہل ایمان کو تسلی دینا ہے کہ ان وقتی ایذاؤں سے گھبرائیں نہیں۔

غرض یہ کہ اس سورت کا تمام مضمون امتحان اور ابتلاء کے بیان میں ہے اور فتنہ کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں جس سے اس سورت کا آغاز ہوا ہے اور مقصود یہ بتلانا ہے کہ تم نے فرعون اور قارون کا قصہ سن لیا سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی طرف سے فتنہ اور ابتلاء یعنی امتحان اور آزمائش تھی آئندہ چل کر مکہ فتح ہوگا اور اس کے بعد قیصر وکسریٰ کے خزانے تم کو مال غنیمت میں ملیں گے اور قیصر وکسریٰ کے تخت اور تاج کے تم مالک ہوگے جسکے سامنے فرعون کی حکومت کی اور قارون کی دولت کی کوئی حقیقت نہیں وہ وقت قریب آنے والا ہے وہ تمہاری آزمائش کا وقت ہوگا۔ اس وقت یہ سمجھنا کہ یہ سب فتنہ ہے اس وقت علو اور تکبر میں نہ پڑنا بلکہ شکر کرنا تاکہ اور مزید نعمتیں تمکو ملیں۔ دنیا میں رہو

مگر مقصود دارِ آخرت کو جانو اور یقین رکھو کہ دارِ دنیا کی دارِ آخرت کے مقابلہ میں بیت عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں۔

آیاتہا ۶۹ ۲۹ : سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ : ۸۵ رکوعاتہا ۷

سورۃ عنکبوت مکیّہ ہے اسکی انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا

کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ ؟ کہ چھوٹ جاویں گے اتنا کہہ کر،

اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ

کہ ہم یقین لائے اور انکو جانچ نہ لیں گے۔ اور ہم نے جانچا ہے ان کو

مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ

جو ان سے پہلے تھے۔ سو البتہ معلوم کریگا اللہ جو لوگ سچے ہیں اور

لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

البتہ معلوم کریگا جھوٹے۔ کیا یہ سمجھے ہیں جو لوگ کرتے ہیں

السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴

برائیاں ؟ کہ ہم سے چھپر جاویں۔ بُری بات چکاتے ہیں۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ

جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی، سو اللہ کا وعدہ آتا

لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵ وَمَنْ جَاهَدَ

ہے۔ اور وہ ہے سنتا جانتا۔ اور جو کوئی محنت

فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ

اٹھاوے سو اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے۔ اللہ کو پرواہ نہیں جہان والوں

الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کی۔ اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام،

لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ

ہم اتار دیں گے ان سے برائیاں اُنکی۔ اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر

الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

سے بہتر کاموں کا۔ اور ہم نے تقید کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ

حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ

سے بھلے رہنا۔ اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک پکڑ میرا جس کی تجھ کو خبر

بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ

نہیں تو ان کا کہا نہ مان۔ مجھی تک پھر آنا ہے تمکو، سو میں جتا دونگا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے

الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَمِنَ

کام کیے، ہم انکو داخل کریں گے نیک لوگوں میں۔ اور ایک

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي

لوگ ہیں کہ کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر۔ پھر جب اسکو ایذا پہنچے

اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ

اللہ کے واسطے ٹھہرا دے لوگوں کا ستانا برابر اللہ کی مار کے۔ اور اگر آ

جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ

پہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے کہنے لگیں، ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾

کیا یوں نہیں؟ کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ جیوں میں ہے جہان والوں کے۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور البتہ معلوم کریگا اللہ جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کریگا جو لوگ دغا باز ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو، تم چلو ہماری

سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ

راہ۔ اور ہم اٹھا لیں گے تمہارے گناہ۔ اور وہ کچھ نہ اٹھادیں گے

مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾

ان کے گناہ ۔ وہ جھوٹے ہیں۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَ

اور البتہ اٹھاویں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے

لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

بوجھ کے اور البتہ ان سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن، جو باتیں جھوٹ بناتے تھے۔

تنبیہ اہل ایمان بر حکمت شدائد و آفات زمان کہ آں تمیز مخلص

و منافق است و تشجیع اہل ہدایت بر صبر و استقامت و تشنیع اہل ضلالت و غوایت

قال اللہ تعالیٰ الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا .. الی .. وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ

(شانِ نزول) ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے تھے تو بعض صحابہ نے مشرکین کی شکایت کی کہ وہ ہمیں طرح طرح سے ایذائیں پہنچا رہے ہیں آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ کافروں کا یہ ظلم و ستم ہم سے ٹل جائے یہ سن کر آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے گزشتہ دینداروں کے سر آروں سے چیرے گئے اور ان کے دو ٹکڑے کیے گئے مگر وہ اپنے دین سے نہیں ہٹے اور بعضوں کے سروں میں لوہے کے کنگھے کیے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈیوں تک پہنچ گئے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرے اور قسم ہے خدا کی یہ دین اسلام مکمل اور پورا ہو کر رہے گا یہاں تک کہ سوار صنعاء سے لیکر حضرموت تک امن وامان کے ساتھ چلا جائیگا اور اسے کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہوگا لیکن تم جلدی کرتے ہو۔ (رواہ البخاری عن خباب بن الارتؓ)

مطلب یہ ہے کہ عجلت نہ کرو۔ صبر اور استقامت سے کام لو اور اللہ کے وعدہ کا انتظار کرو اور کافروں کی طرف سے جو تم کو ایذائیں پہنچ رہی ہیں وہ من جانب اللہ آزمائش اور امتحان ہیں تاکہ مخلص اور منافق کا فرق ظاہر ہوجائے چنانچہ فرماتے ہیں۔ الٓمّٓ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں گزرا۔

ع خرد عاجز و فہم در وے گم است

بعض مسلمان جب کافروں کی ایذاؤں سے گھبرائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی شکایت کی تو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم محض آمنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے اور انکا کوئی امتحان نہ ہوگا یعنی کچھ لوگوں نے یہ خیال کر لیا ہے کہ محض زبان سے یہ کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے اور ہم مؤمن ہیں فقط یہ کہہ دینا ان کے لیے کافی ہوگا۔ اور انکا امتحان نہیں لیا جائیگا اور بلاؤں اور مصیبتوں سے انکی کوئی آزمائش نہ ہوگی جس سے ان کے دعوائے ایمان کی حقیقت کھل جائے اور دل کا نفاق اور اخلاص ظاہر ہو جائے یہ گمان صحیح نہیں ضرور انکا امتحان ہوگا۔

عاشقاں را دردِ دل بسیار می باید کشید
جورِ یار و قصۂ اغیار می باید کشید

اور امتحان تین طرح سے ہوگا۔ (۱) احکام خداوندی کی پابندی سے۔ دوم مصائب وامراض سے۔ سوم کافروں کی ایذا رسانیوں اور تکلیفوں سے۔

اور البتہ تحقیق ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی مصیبتوں اور بلاؤں سے آزمایا ہے اور انکے دعوائے ایمان کا امتحان لیا ہے پس اس آزمائش اور امتحان سے اللہ ظاہر کر دیتا ہے ان لوگوں کو جو دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور ظاہر کر دیتا ہے جھوٹے دعوے کرنے والوں کو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے ان آیات میں ان لوگوں کی غلطی پر متنبہ کیا جنہوں نے یہ گمان کر لیا کہ صرف ایمان و اسلام کا دعویٰ کافی ہے لیکن یہ خیال غلط ہے دعوائے ایمان و اسلام کے ساتھ ابتلا اور امتحان بھی ضروری ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اگر ابتلاء نہ ہوتا تو جھوٹے اور سچے سب برابر ہوجاتے کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم ہوتا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ سنگ وسیم دونوں ایک بھاؤ بکتے غرض یہ کہ امتحان اور ابتلا سچ اور جھوٹ کے ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ علمِ خداوندی اور تقدیر الٰہی میں تو پہلے ہی سے دونوں

فریق متمیز ہیں اور اللہ کو پہلے ہی معلوم تھا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ مگر دنیا کو معلوم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود اس امتحان سے اپنے علم ازلی کو ظاہر کرنا ہے کہ دنیا بھی دیکھ لے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے پس جس طرح امتحان دنیا میں کھرا کھوٹا ظاہر کرنے کے لیے ہے اسی طرح دعوائے ایمان میں امتحان صادق اور منافق کے صدق اور کذب ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ ایمان کے معنی دعوائے محبت کے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ پس آمنّا کہنا در پردہ احببنا اور عشقنا کہنے کے مترادف ہے اور دعوائے محبت کے لیے امتحان لازم ہے۔

در محبت ہر کہ او دعویٰ کند ❊ صد ہزار امتحان بروے تند
گر بود صادق کشد بار جفا ❊ ور بود کاذب گریزد از بلا

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ شعبیؒ سے روایت ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جو مکہ میں گھرے ہوئے تھے اور بخوف کفار ہجرت نہیں کر سکتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب کرامؓ نے انہیں لکھا کہ تمہارا اسلام مقبول نہیں ہو سکتا۔ جب تک تم ہجرت نہ کرو چنانچہ انہوں نے ہجرت کی مگر کفار انکو واپس لے گئے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا الخ صحابہ کرامؓ نے انہیں کہلا بھیجا کہ تمہارے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی تو وہ اب ہجرت کیلئے نکلے اور کفار نے انکا پیچھا کیا باوجود مقابلہ کرنے کے کچھ مسلمان مارے گئے اور کچھ بچ کر مدینہ پہنچے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (ازالۃ الخفاء)

اس تفسیر کی بنا پر یہ آیت مدنی ہوگی جیسا کہ ابن عباسؓ کا ایک قول ہے کہ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ (واللہ اعلم)

یہ تو مسلمانوں کی تسلی کے لیے شدائد اور مصائب کی حکمت بیان کی اب آگے ان کافروں کو تہدید فرماتے ہیں جو مسلمانوں کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچاتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں کیا وہ لوگ جو برائیاں کرتے ہیں جیسے کفر اور گناہ اور اہل اسلام کو ستانا اور ایذا پہنچانا اس گمان اور خیال میں ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے چھوٹ جائیں گے اور بچ نکلیں گے سو ان کا یہ حکم لگانا بہت ہی بُرا ہے اور بالکل غلط ہے ہم عنقریب اپنے نبی کی مدد کریں گے اور سرکشوں کا سر توڑ ڈالیں گے۔ چنانچہ چند روز بعد ایسا ہی ہوا۔ خدا کی مہلت سے یہ سمجھ لینا کہ آئندہ چل کر عذاب نہ ہو گا یہ غلط خیال ہے دنیا کی حکومت بھی اپنے مجرم کو فوراً نہیں پکڑتی بلکہ کچھ مہلت دیتی ہے دنیاوی حکومت کی گرفت سے تو انسان چھوٹ بھی سکتا ہے مگر خدا کی گرفت سے کون چھوٹ سکتا ہے لہٰذا ان سرکشوں کا یہ خیال کہ اگرچہ ہم کتنی ہی نافرمانی کرتے رہیں ہم پر اللہ کا عذاب نازل نہ ہو گا یہ غلط حکم ہے جو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے یہ تو تکلیف دینے والوں کو تنبیہ اور تہدید تھی اب آئندہ ان تکالیف کے برداشت کرنے والوں کی طرف روئے سخن کر کے فرماتے ہیں جس شخص کو خدا سے ملنے کا اشتیاق اور امید ہو یا جس کو خدا سے ملنے کا خوف ہو یعنی اسکو ڈر ہو کہ ایک روز خدا کے سامنے پیشی ہوگی اور اس کے رد برو کھڑا

عله کذا فی استمرار التوبہ صلا وعظ پنجم از سلسلۂ البلاغ۔

ہونا ہوگا تو اس شخص کو دشمنوں کی ایذا رسانی سے مغموم اور پریشان نہ ہونا چاہیئے بلکہ اسکو آخرت کی فکر کرنی چاہیئے جس دن اسکی امید پوری ہو جائے گی اس لیے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے جس میں اسکی امید پوری ہو جائے گی اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا صلہ اسکو مل جائیگا اور اس کے سارے غم غلط ہو جائیں گے کما قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ۔ اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اس سے بندوں کا کوئی قول اور فعل مخفی نہیں۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ یرجوا کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک امید اور دوسرے خوف۔ اس لیے تفسیر میں امید یا خوف کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اور فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ۔ اگرچہ بظاہر جزاء معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت جزاء محذوف کی علت ہے اور اصل کلام اس طرح سے ہے۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فليتهيأ له وليستعد له جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کو خدا سے ملنے کا اشتیاق ہو اسکو آخرت کی تیاری کرنی چاہیئے اور اس طرح جس کو خدا کا خوف ہو اسکو بھی تیاری لازم ہے امید ہو یا خوف ہر ایک کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آخرت کی تیاری کی جائے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ یہ سوچا کرے کہ خدا سے ملنے کا وقت ضرور آنے والا ہے اور جنت اور جہنم کے احوال کو دل سے سوچے اس سے طاعت میں رغبت اور معصیت سے نفرت پیدا ہوگی اور جوں جوں آخرت اور نعمائے آخرت کی رغبت بڑھے گی اسی قدر طاعت میں سستی اور غفلت اور کاہلی کم ہوتی جائے گی اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے حضورؐ کی دو شانیں بیان فرمائی ہیں۔ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا۔ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے یعنی بندوں میں رغبت اور خوف پیدا کرنے والے۔ خوف سے معصیت کا تقاضا دور ہوگا اور بشارت دینے سے طاعات میں سستی اور کاہلی دور ہوگی ملخص از رجاء اللقاء وعظ ۲۳ از سلسلہ تبلیغ۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ابتلاء اور تکلیف شرعی کی حکمت بیان کی اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اس ابتلاء اور تکلیف سے خدا کو خود کوئی فائدہ نہیں وہ تو اس سے غنی ہے فائدہ خود بندہ کا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ کے کام میں محنت اور مشقت اٹھاوے تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے مشقت اور محنت اٹھاتا ہے ورنہ حق تعالیٰ تو بلاشبہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے وہ کسی مخلوق کی طاعت کا محتاج نہیں بندوں کو جو اعمال صالحہ کا حکم دیتا ہے وہ انہیں کے نفع کے لیے دیتا ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیے ہیں ہم انکی برائیوں کو دور کر دیں گے ایمان اور عمل صالح سے برائی کا اثر نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے اور البتہ تحقیق ہم ان کے اعمال کی بہترین جزاء عطا کریں گے جو ان کے عمل سے کہیں زیادہ بہتر ہوگی ایک کے بدلہ میں دس سے لیکر سات سو گنا تک دیں گے اس لیے اہل ایمان کو چاہیئے کہ کافروں کی ایذا رسانی سے گھبرائیں نہیں اور دین اسلام پر قائم اور مستقیم رہیں حتیٰ کہ اگر ان کے والدین بھی کفر اور شرک پر مجبور کریں۔ چنانچہ آئندہ آیت میں اس بارہ میں ہدایت فرماتے ہیں کہ والدین کے ساتھ سلوک اور احسان ضروری ہے اگرچہ وہ کافر ہوں مگر کفر اور معصیت میں انکی اطاعت جائز نہیں بے شک دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا حق نہیں مگر اللہ کا حق ان سے بھی زیادہ ہے ماں باپ کی خاطر خدا کو نہ چھوڑے۔

سعد بن ابی وقاصؓ کے اسلام پر انکی والدہ کا مقاطعۂ جوعی

(یعنی بھوک ہڑتال)

سعد بن ابی وقاصؓ جب اسلام لے آئے تو انکی والدہ جو مشرکہ تھیں انکو اس کی خبر پہنچی کہ ان کا بیٹا "صابی" ہو گیا ہے تو انہوں نے قسم کھائی کہ مجھ پر کھانا اور پینا اور چھت کے نیچے بیٹھنا حرام ہے جب تک سعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہ کرے اور اس کے دین سے علیحدہ اور بیزار نہ ہو جائے اس طرح سے انکی ماں پر تین دن گزر گئے تب حضرت سعدؓ نے ماں سے کہا کہ اے ماں اگر تو سو بار مرے اور زندہ ہو تو میں دین اسلام کو نہیں چھوڑوں گا۔ سعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض حال کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے انسان کو بحق تربیت والدین کے ساتھ عظیم احسان کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اگرچہ والدین کافر اور مشرک ہوں جب تک کہ والدین کفر اور شرک اور اللہ کی معصیت کا حکم نہ دیں تو اللہ کے حق سے بڑھ کر کسی کا حق نہیں اور اللہ کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔ ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیکی کرو اور اگر والدین تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرا جس کی تیرے پاس کوئی خبر اور دلیل نہیں تو تو انکا کہنا نہ ماننا خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی فرمانبرداری درست نہیں خوب سمجھ لو کہ تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے پس جزا دینے کے وقت تم کو آگاہ کر دونگا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے اور ایک ایک کر کے تمہارے اعمال تمکو جتا دونگا خویش واقارب کی پاسداری کا خیال نہ کرو ہمارے سامنے کی حاضری اور پیشی کو پیش نظر رکھو۔ بالآخر تم کو ہمارے ہی پاس آنا ہے اور ہمارے روبرو پیش ہونا ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ اس وقت ہم تم سے دور اور غائب ہیں اور تمہارے خویش واقارب تمہارے سامنے حاضر ہیں اور تمکو چاہیئے کہ ہمارے اس قانون اور ضابطہ کو یاد رکھو کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اللہ کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہیں کی اور مرتے دم تک اسی پر قائم رہے تو ہم انکو ضرور بالضرور صالحین کے زمرہ میں داخل اور شامل کریں گے ایمان اور عمل صالح کی برکت سے انکے گناہ معاف ہونگے اور انکے ساتھ صالحین جیسا معاملہ ہو گا اور بعضے لوگ جو منافق اور ضعیف الایمان ہیں اور زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں پس انکا حال یہ ہے کہ جب انکو ایمان اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے راہِ خدا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں کی اس ایذا کو وہ اللہ کے عذاب کی مانند عظیم سمجھتا ہے اور اس فتنہ سے ڈر کر جو درحقیقت کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایمان سے منہ موڑنے لگتا ہے اور لوگوں کی معمولی تکلیف کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھنے لگتا ہے منافق کا عجب حال ہے زبان سے تو اسلام کا دم بھرتا ہے مگر دل اسکا ہر دنیاوی مال ومنال کے گرد گھومتا رہتا ہے جدھر کوئی فائدہ نظر آتا ہے ادھر جھک جاتا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اے نبی اگر کسی وقت تیرے پروردگار کی طرف سے جہاد میں تجھے فتح ونصرت اور غنیمت آجائے تو یہ منافق لوگ اس وقت مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ تحقیق ہم تمہارے ساتھ ہیں اور کلمہ گو ہیں اور مسلمان بھائی ہیں ہم کو بھی مال غنیمت میں شریک کرو۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ کیا اللہ تعالےٰ خوب نہیں جانتا جو جہان والوں کے سینوں میں اخلاص اور نفاق چھپا

ہوا ہے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کے واقعات سے مؤمنین کے اخلاص کو اور منافقین کے نفاق کو ظاہر کرتا رہتا ہے تاکہ ظاہری طور پر مخلص اور منافق کا امتیاز ہو جائے اللہ کو تو پہلے ہی سے معلوم تھا لیکن اس قسم کے امتحانات سے دنیا کو بھی منافق اور مخلص کا علم ہو جاتا ہے۔

ان آیات میں کفار مذبذبین اور منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کے فتنہ کا ذکر تھا اب آئندہ آیت میں ان پختہ کافروں کے فتنہ کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح مسلمانوں کو راہ حق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بڑے پکے کافر نہایت ڈھٹائی سے اور بیباکی سے مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ کی پیروی کرو اور باپ دادا کے طریقہ پر رہو اور آخرت کی فکر نہ کرو جنت اور دوزخ کوئی چیز نہیں۔ بالفرض اگر قیامت ہوئی تو ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالیں گے۔ تم بے فکر رہو تمہارے کفر اور شرک اور معصیت کے ہم ذمہ دار ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دعویٰ تو ان لوگوں کا یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم تمہارے بوجھ اٹھالیں گے۔ حالانکہ یہ لوگ انکے گناہوں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں کسی میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کا گناہ اٹھا سکے۔ اور یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں محض ڈھٹائی اور بے باکی سے ایسی باتیں بناتے ہیں اور بلکہ اسکے برعکس ہو گا کہ یہ کفار قیامت کے دن اپنا بوجھ بھی اٹھادیں گے اور اپنے بھاری بوجھوں کے ساتھ دوسرے بوجھ بھی اٹھا کر لادیں گے یعنی جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا تھا انکے گناہوں کا بوجھ بھی انکے سر پر لدا ہوا ہو گا۔ یعنی یہ لوگ دوسروں کو کیا سبکدوش کر سکتے ہیں انکو تو دوہرا بوجھ اٹھانا پڑے گا اور قیامت کے دن تابع اور متبوع سب سے بازپرس ہو گی اس چیز کے متعلق جو باطل باتیں افترا کرتے تھے جس کے سبب مخلوق گمراہ ہوتی تھی اور پھر انکو حسب جرم سزا دی جائے گی اب آئندہ آیات میں انبیاء سابقین کے ابتلاء اور انکے منکرین کے عبرتناک عذابوں کا ذکر کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم پاس، پھر رہا ان میں ہزار

سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ

برس پچاس برس کم۔ پھر پکڑا ان کو طوفان نے

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۴ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ

اور وہ گنہگار تھے۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور جہاز والوں کو

وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۵

اور رکھا ہم نے جہاز نشانی جہان والوں کو۔

قصۂ اوّل نوح علیہ الصّلاۃ والسّلام باقوم او

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ . . الی . . . وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں ابتلاء اور آزمائش کا ذکر تھا اب اسی سلسلہ میں انبیاء سابقین کے ابتلاء کے واقعات ذکر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کے ابتلاء کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو تقریباً ایک ہزار سال تک ممتد رہا اتنا طویل ابتلا اور اتنا طویل صبر سوائے نوح علیہ السلام کے کسی نبی کو پیش نہیں آیا۔ اور باوجود اس قدر طویل و عریض اور شدید و مدید ابتلاء کے دعوت و تبلیغ میں سست نہیں پڑے جب کافروں کی سرکشی حد سے گزر گئی تو بحکم خداوندی مع اپنے اصحاب کے ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ بعد میں طوفان آیا سب ہلاک ہو گئے اور نوح علیہ السلام اور ان کے صحابہ غرقابی سے بچ گئے اور نوح علیہ السلام کا کشتی پر سوار ہونا یہ بھی ایک قسم کی ہجرت تھی اور ہجرت بھی ایک قسم کا ابتلاء ہے اس قصہ کے ذکر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مہاجرین کی تسلی مقصود ہے کہ آپ کافروں کی ایذاء رسانی سے دلگیر نہ ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو انکی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال تک ٹھہرے اور ان کو توحید کی طرف بلاتے رہے اور کفر اور شرک سے منع کرتے رہے مگر وہ کسی طرح راہ پر نہ آئے پس جب اس طویل و عریض فہمائش کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو طوفان نے انکو آپکڑا اور وہ بڑے ہی ظالم تھے کہ کفر و شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور نوح علیہ السلام نے جب انکو سمجھایا تو ان کو مجنون کہا اور جھڑکا اور مارا پس ہم نے نوح کو اور یاران کشتی کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے طوفان سے نجات دی اس لیے کہ یاران کشتی اس ظاہری سفینہ پر سوار ہونے سے پہلے سفینۂ نجات یعنی ایمان اور عمل صالح کی کشتی پر سوار ہو چکے تھے اور ہم نے اس واقعہ کو اہل عالم کے لیے نشانِ عبرت بنایا کہ دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ حق کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اور عبرت پکڑیں یعنی دنیا فانی پر ایسے فریفتہ نہ ہوں کہ کسی ہادی کی نصیحت نہ سنیں بالآخر موت میں مبتلا ہو کر سب کو چھوڑ جائیں۔

فائدہ عبداللہ بن عباس رضؓ سے منقول ہے کہ نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی مدت میں نبوت ملی اور ساڑھے نو سو برس انکو خدا کی طرف بلاتے رہے پھر طوفان کے بعد ساٹھ برس زندہ رہے (اخرجہ ابن ابی شیبۃ والحاکم وصححہ) روح المعانی ص۱۲۳ ج ۲۰

اس حساب سے نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار پچاس سال کی ہوئی۔ انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے کہ جب نوح علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے تو یہ کہا کہ پیغمبروں میں سب سے دراز عمر آپ نے پائی آپ نے دنیا کو کیسا پایا تو کہا جیسے ایک شخص اس مکان میں داخل ہوا جس کے دو دروازے تھے ایک دروازہ سے داخل ہوا اور تھوڑی دیر ٹھہر کر دوسرے دروازہ سے نکل گیا۔ اخرجہ ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الدنیا عن انس رضؓ روح المعانی ص۱۲۳ ج ۲۰۔ اور حضرت نوح ؑ کا قصہ سورۂ ہود میں مفصل گزر چکا ہے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور ابراہیم کو جب کہا اپنی قوم کو ، بندگی کرو اللہ کی

وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اور اسکا ڈر رکھو یہ بہتر ہے تم کو ، اگر تم سمجھ

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

رکھتے ہو۔ تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوا ، یہی

اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ

بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں۔ بیشک جن کو پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا

اللہ کے سوا ، مالک نہیں تمہاری روزی کے ، سو تم ڈھونڈو

عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ

اللہ کے ہاں روزی ۔ اور اسکی بندگی کرو ، اور اس کا حق مانو۔

اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ

اسی کی طرف پھر جاؤ گے ۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے ، تو جھٹلا چکے

اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

ہیں بہت فرقے تم سے پہلے اور رسول کا ذمہ یہی ہے پہنچا دینا

الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ

کھول کر۔ کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ

پھر اسکو دہراوے گا۔ یہ اللہ پر آسان ہے ۔ تو کہہ

سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ

ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر شروع کی ہے پیدائش؟ پھر

اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

اللہ اٹھاوے گا پچھلا اٹھان - بیشک اللہ ہر چیز

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ

کر سکتا ہے - مار دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس

يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ

پر چاہے - اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے - اور تم تھکا دینے والے نہیں

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ

زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی نہیں تمہارا اللہ سے

اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

ورے حمایتی اور نہ مددگار - اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ

اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ

کی باتوں سے اور اسکے ملنے سے وہ ناامید ہوئے میری مہر سے اور ان کو

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ

دکھ کی مار ہے - پھر کچھ جواب نہ تھا اسکی قوم کا، مگر

اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ

یہی کہ بولے اسکو مار ڈالو یا جلا دو - پھر اسکو بچا دیا اللہ نے

النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ

آگ سے - اس میں بڑے پتے ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں - اور

قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

بولا، جو ٹھہرائے ہیں تم نے اللہ کے سوا بتوں کے تھان۔ سو دوستی کر کر

بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

آپس میں دنیا کی زندگی میں۔ پھر دن قیامت کے منکر

يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ

ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور پھٹکار دو گے ایک کو ایک۔

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۞ ۲۵ ۚ

اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے، اور کوئی نہیں تمہارے مددگار۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ

پھر مانا اس کو لوط نے۔ اور وہ بولا میں وطن چھوڑتا ہوں اپنے رب کیطرف

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ ۲۶ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ

بیشک وہی ہے زبردست حکمت والا۔ اور دیا ہم نے اس کو اسحق

وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ

اور یعقوب اور رکھی اس کی اولاد میں پیغمبری اور

الْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي

کتاب، اور دیا ہم نے اسکو اس کا نیگ

الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ

دنیا میں۔ اور وہ آخرت میں

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ ۲۷

نیکوں سے ہے۔

قصۂ دوم ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۔۔ الیٰ ۔۔ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ

یہ دوسرا واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے کہ دشمنوں نے آگ میں ڈالا اور جلا وطن کیا اور اس کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کو طرح طرح کے ابتلاء اور امتحان پیش آئے۔ جن میں سے ذبح ولد کا واقعہ ابتلاء عظیم تھا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں ان میں اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان آٹھ واسطے ہیں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کے لوگ بت پرستی میں بھی مبتلا تھے اور صابی مذہب رکھتے تھے یعنی عناصر اور کواکب اور روحانیات کی مورتیں بنا کر انکو پوجتے تھے اور انکو دنیاوی سامان حیات کا مالک اور متصرف جانتے تھے اور آخرت کے منکر تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے انکو اولاً دلائل اور براہین سے توحید کو سمجھایا اور خالص اللہ کی عبادت اور تقویٰ کا انکو حکم دیا اور چونکہ یہ لوگ آخرت اور حشر و نشر کے بالکل منکر تھے اسلئے ابراہیمؑ نے یہ مسئلہ بھی انکو دلیل سے سمجھایا اور اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ سے مبداء و معاد اور حشر و نشر کے مسئلہ کو واضح فرمایا کہ جو چیز خود بخود وجود میں نہیں آسکتی وہ خود بخود باقی نہیں رہ سکتی ہر حادث کیلیے فنا ضروری ہے اور ہر حادث کا وجود دو عدموں کے درمیان میں گھرا ہوا ہے ایک عدم سابق اور ایک عدم لاحق۔ انسان کا اور حیوان کا اور شجر و حجر کا ہر لمحہ تغیر و تبدل اس کے حدوث کی دلیل ہے اور آنیوالی گھڑی فنا کی گھنٹی ہے عالم کے تغیرات اور انقلابات بزبان حال اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ہم وجود کی پتلیاں ہیں کوئی پوشیدہ دست قدرت ہمکو اپنی انگلیوں پر نچا رہا ہے اور ہمارا تماشہ دکھلا رہا ہے بڑا ہی نادان ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ان پتلیوں کا مادہ اور ایتھر ہی انکو نچا رہا ہے اور دنیا کو ان کا تماشہ دکھا رہا ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے نوح علیہ السلام کے ابتلاء کا اور انکی قوم کے غرق ہونے کا ذکر فرمایا اب ابراہیم علیہ السلام کے ابتلاء کا ذکر فرماتے ہیں کہ پہلا ابتلاء ابتلاء غرق تھا اور یہ ابتلاء حرق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو ابراہیم علیہ السلام کو جن کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا اور انکا امتحان کیا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا جو بابل کے رہنے والے تھے اے قوم ایک اللہ کی عبادت کرو اور اسکے قہر اور عذاب سے ڈرو۔ حق جل شانہٗ کی اطاعت اور عبادت اور تقویٰ اور پرہیزگاری ہی سفینۂ نجات ہے اللہ کی عبادت کرو اور دریائے قہر کی غرقابی سے ڈرو۔ عبادت اور تقویٰ کی کشتی میں سوار ہو کر ہی غرقابی سے بچ سکتے ہو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں کچھ علم اور فہم ہے جس کے ذریعہ تم خیر و شر اور نفع اور ضرر کو سمجھ سکو لیکن تم علم اور عقل سے عاری نظر آتے ہو اس لیے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پرستش کرتے ہو جن کی ذو بیت یعنی حقارت تمہارے سامنے ہے کہ تم نے انکو بسولوں سے تراش کر بنایا ہے اور ظاہر ہے کہ خود تراشیدہ چیز اول تو غایت درجہ حقیر ہے اور پھر یہ کہ وہ تراشیدہ چیز اپنے تراشنے والے کے سامنے بالکل بے بس اور عاجز ہے اور اپنی تراشیدہ چیز کو اپنا معبود بنانا غایت درجہ کی حماقت ہے اور درحقیقت تم جھوٹ بناتے ہو کر اپنی تراشیدہ

چیز کا نام خدا رکھ لیا اور ان سے رزق مانگنا شروع کر دیا۔
تحقیق جنکو تم سوائے خدا کے معبود بنائے ہوئے ہو اور ان سے تم رزق مانگتے ہو وہ تمہیں رزق دینے پر قدرت نہیں رکھتے جو خود کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ دوسرے کو کیا دے دے گا پس رزق اللہ تعالٰے کے پاس سے طلب کرو جو آسمان اور زمین کے خزانوں کا مالک ہے اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو جس نے تمکو یہ نعمتیں عطا کیں مطلب یہ ہے کہ جو روزی دیتا ہے اسی کی بندگی کرو اور اسی کا حق مانو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت ہر شخص کو اسکی عبادت کا اور اس کے شکر کا صلہ ملے گا۔ اور کفر اور شرک سے باز پرس ہوگی۔ روزی دینے والا تو اللہ ہے اور میں اسکا رسول ہوں اسی کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں تمکو چاہیئے کہ مجھ پر ایمان لاؤ اور اگر تم میری تصدیق کرتے ہو تو تم کو سعادت دارین حاصل ہوگی اور اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو میرا کوئی ضرر نہیں۔ تحقیق تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں اپنے پیغمبروں کی تکذیب کر چکی ہیں اور انکی تکذیب سے پیغمبروں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ بلکہ خود انہی کو ضرر پہنچا اور تباہ ہوئے اور نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر پیغام کو صاف طور پر پہنچا دینا۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اول توحید کو واضح کیا جو دین کی پہلی اصل ہے اور پھر وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ سے رسالت کو بیان کیا جو دین کی دوسری اصل ہے اب آگے حشر و نشر کو بیان کرتے ہیں جو دین کی تیسری اصل ہے فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو خدا کی طرف لوٹنے کے منکر ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالٰے کس طرح مخلوق کو بار اول پیدا کرتا ہے کہ نیست سے اسکو ہست کرتا ہے پھر وہی خدا انکو موت کے بعد دوبارہ زندہ کریگا پہلی زندگی کو تو تم نے دیکھ لیا۔ اب دوسری زندگی کو اس پر قیاس کر لو۔ کیا دیکھتے نہیں کہ بدن پر دُمّل پھوڑا پھنسی نمودار ہوتا ہے اور اس حصہ کا گوشت اور پوست زائل ہو جاتا ہے پھر چند روز کے بعد دوسرا گوشت اور پوست نمودار ہو جاتا ہے اسی طرح جسم روح کا لباس ہے جو مرنے کے بعد بوسیدہ ہو جاتا ہے قیامت کے دن اسی قسم کا دوسرا نیا لباس پہنا دیا جائیگا۔

؎ دمبدم گر شود لباس بدل ٭ شخص صاحب لباس را چہ خلل

بے شک یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے۔ ایک دلیل تو یہ ہوئی۔ اب آگے دوسری دلیل بیان ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ابراہیم آپ اپنی قوم سے کہدیجیئے کہ اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور تم کو اگر دوبارہ زندگی میں کچھ تردد ہے تو زمین میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو کہ خدا تعالٰے نے زمین میں قسم قسم کی مخلوق کو کسطرح پہلی بار پیدا کیا ہے قسم قسم کے درخت فنا ہو جاتے ہیں اور پھر دوسری بار پیدا ہو جاتے ہیں جن کا شب و روز تم مشاہدہ کرتے ہو تو سمجھ لو کہ پھر پچھلی بار بھی اللہ تعالٰے ہی پیدا کریگا۔ دوسری زندگی کو پہلی زندگی پر قیاس کر لو بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار سب برابر ہے۔ بلاشبہ وہی اپنی قدرت کاملہ سے سب کو دوبارہ زندہ کرے گا پھر جس کو چاہے گا عذاب دیگا اور جس پر چاہے گا رحمت کریگا وہ مالک اور مختار ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور موت اسکا نمونہ اور پیش خیمہ ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ موت کو ٹلا سکے اور تمہاری عاجزی اور درماندگی کا یہ حال ہے کہ تم آسمان میں ہو یا زمین میں ہو خدا تعالٰے کو اپنے پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ تمام مخلوق اسکے قبضۂ قدرت میں ہے اور اس کے پیدا کردہ آسمان و زمین میں محصور ہے

اس کے احاطہ سے نہیں نکل سکتی اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی حامی ہے اور نہ کوئی مددگار ہے اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کے اور قیامت کے دن کی پیشی سے منکر ہوئے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو میری رحمت سے ناامید ہوئے اور ایسے ہی لوگوں کے واسطے دردناک عذاب ہے۔

یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کو نصیحت کا ذکر تھا جس میں انہوں نے دین کے تین اصول۔ توحید اور رسالت اور قیامت کو دلائل اور براہین سے واضح کر دیا اور ان پر حجت قائم کر دی اب آگے انکی قوم کا جواب ذکر کرتے ہیں۔

قوم جب ابراہیم علیہ السلام کی ان معقول باتوں اور دلائل اور براہین کا جواب نہ دے سکی تو قوت اور طاقت کے استعمال پر اتر آئی کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تاکہ قصہ ہی تمام ہو چنانچہ آئندہ آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

قوم کا جواب

پس جب ابراہیم علیہ السلام قوم کو نصیحت کر چکے سو قوم ابراہیم کا اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ یہ کہنے لگے کہ ابراہیم کو قتل کر دو یا اس کو آگ میں جلا دو اور دیکھو کہ اس کا معبود ہم کو جلانے سے کیسے عاجز کرتا ہے مقصد یہ تھا کہ اگر قتل کر ڈالو تو ہمیشہ کے لیے اس شخص سے بے فکری ہو جائے اور اگر آگ میں ڈالو تو ممکن ہے کہ آگ سے ڈر کر اپنی بات سے رجوع کرے۔

غرض یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت و موعظت کا اثر اس بدبخت قوم پر یہ ہوا کہ قتل کرنے اور جلانے کے مشورے کرنے لگے آخری مشورہ یہ ٹھہرا کہ انکو جلا دیا جائے۔ بڑی عظیم آگ تیار کی اور منجنیق کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا پس اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو آگ سے نجات دی اور آگ کے ضرر سے انکو محفوظ کر دیا کہ وہ آگ ان کے حق میں برد و سلام اور باغ و بہار ہو گئی۔ بے شک اس واقعہ میں خدا کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو خدا کی قدرت پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی قدرت سے آگ کو بجھایا اور اسکو برد و سلام اور گلزار اور باغ و بہار بنایا۔ معلوم ہوا کہ آگ بذات خود کسی کو جلانے والی نہیں جب تک خدا کا حکم نہ ہو جائے آگ میں حرارت اور پانی میں برودت کا جو اثر نظر آتا ہے وہ آگ اور پانی کی ذات اور طبیعت کا ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ وہ خدا کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے بحر قلزم اپنی ذات سے اور اپنی طبیعت سے حقیقت واحدہ اور ماہیت بسیطہ تھا مگر وہی بحر قلزم جب موسیٰ

۱؎ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا کہ یہ تمام کلام از اول تا آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام ہے۔ کما قال ابن کثیر والظاهر من السياق ان كل هذا من كلام ابراهيم الخليل عليه الصلاة والسلام يحتج عليهم لاثبات المعاد لقوله بعد هذا كله فما كان جواب قومه الخ۔ واللہ اعلم تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۸ ج ۳۔

علیہ السلام گزرے تو رحمت بن گیا اور فرعون اور فرعونیوں کے لیے مصیبت اور ہلاکت بن گیا یہ کسی مادہ اور طبیعت اور اثر اور تیجر کا اقتضا نہ تھا بلکہ قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا۔ اگر بتوں میں کچھ قدرت ہوتی تو آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر بردو سلام نہ بننے دیتے مگر وہ بدبخت ان آثار قدرت اور کرشمہائے کرامت کو دیکھ کر ایمان نہ لائے اور یہ قصہ سورۂ انبیاء میں مفصل گزر چکا ہے۔

بالآخر جب ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سالم نکل آئے تو پھر قوم کو نصیحت فرمائی اور کہا اے قوم کے لوگو تم نے خدا کے سوا ان بتوں کو اس لیے اختیار نہیں کیا کہ وہ حق چیز ہے بلکہ اس لیے اختیار کیا ہے تاکہ تمہارا یہ باہمی اتحاد اور اتفاق دنیاوی زندگانی میں محبت کا ذریعہ بنے اور اس اتفاق سے آپس میں میل ملاپ اور رشتۂ اخوت و مودت قائم رہے کیونکہ دنیا میں ایک ملت و مذہب والے اور ایک نظریہ رکھنے والے باہم متفق ہوتے ہیں لیکن یہ باہمی محبت دنیاوی زندگی تک محدود رہتی ہے پھر قیامت کے دن یہ محبت مبدل بعداوت ہو جائے گی اس روز تم میں سے بعض بعض کا کافر اور منکر ہو گا یعنی اس روز ایک دوسرے سے بیزار ہو گا اور تم میں کا بعض بعض پر لعنت کرے گا اور پیروی کرنے والے اپنے سرداروں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور یہ مشرکین آج جن کے پیرو اور دوست بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن ان سے پناہ مانگیں گے اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے انکو ان کے حال اور مآل سے آگاہ کر دیا دیکھ لو کہ تمام نصاریٰ تثلیث پر متفق ہیں اور تمام مشرکین بت پرستی پر متفق ہیں سو یہ اتفاق حق اور حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ آبائی رسم و رواج پر مبنی ہے تاکہ تمام قوم اس پر متفق اور متحد رہے اور بتلا دیا کہ تم سب کا ٹھکانہ آگ ہے اور کوئی بھی تمہارے لیے مددگار نہیں جن لوگوں کو تم مددگار سمجھے ہوئے ہو کوئی تمہارے کام نہ آئیگا۔

پس جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلے اور قوم کو نصیحت کی تو ان کی قوم میں سے صرف لوط علیہ السلام ایمان لائے یعنی سوائے لوطؑ کے کوئی مرد انکی قوم میں سے ایمان نہ لایا اور عورتوں میں سے حضرت سارہؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھیں اور بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اب میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا بلکہ اب میں تم سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جاتا ہوں جہاں جانے کا میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے بیشک میرا پروردگار عزت والا اور حکمت والا ہے ہجرت کے بعد مجھ کو عزت دیگا اور دشمنوں سے میری حفاظت کریگا اور اس نے جو مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے وہ عین حکمت ہے اس نے جو مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ دین خداوندی کو تمکین اور عزت اور غلبہ حاصل ہو۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے صحیح سالم نکلنا دیکھ لیا تو نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ آپ یہ ملک چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں ابراہیم علیہ السلام نے وحی الٰہی کے مطابق اسکو منظور کر لیا اور بہ نیت ہجرت وہاں سے روانہ ہوئے حضرت سارہؑ اور حضرت لوطؑ سفر ہجرت میں آپکے ساتھ روانہ ہوئے۔

لے اشارہ اس طرف ہے کہ وَقَالَ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جب ابراہیمؑ نے ہجرت کی اور اپنی قوم کو کفر کی وجہ سے چھوڑا اور تمام خویش و اقارب سے مفارقت اختیار کی تو ہم نے اسکے صلہ میں ابراہیمؑ کو بڑھاپے کی حالت میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا اس کو عطا کیا تاکہ اولاد صالح سے اسکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس سفر ہجرت میں ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نہ تھے بلکہ بحکم خداوندی اس سے بہت پیشتر حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے تھے اور حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ سے چودہ برس پہلے پیدا ہوئے۔

غرض یہ کہ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اولاد صالح عطا کی اور مزید برآں یہ فرمایا کہ ہم نے ابراہیمؑ ہی کی اولاد میں نبوت اور آسمانی کتاب کو رکھ دیا کہ آئندہ جسکو نبوت اور کتاب ملے گی وہ ابراہیمؑ ہی کی اولاد میں سے ہوگا چنانچہ نبوت ابتداء میں بنی اسرائیل میں رہی پھر آخر میں بنی اسماعیل میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور نبوت آپؐ پر ختم ہوگئی اور توریت اور انجیل اور زبور اور قرآن یہ تمام کتابیں حضرت ابراہیمؑ ہی کی اولاد پر اتریں۔

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسکے صدق اور اخلاص کا صلہ دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں تو وہ بلاشبہ بڑے کامل نیک بندوں کے زمرہ میں سے ہوگا۔ اعلیٰ درجہ کے صالحین انبیاء اولوالعزم کی جماعت ہے مطلب یہ ہے کہ آخرت کا صلہ تو آخرت میں ظاہر ہوگا باقی دنیا میں ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے نجات دی اور ظالم و جابر بادشاہ کو ذلیل و خوار کیا اور اولاد صالح عطا کی اور نبوت کو انکی اولاد کے ساتھ مخصوص کر دیا اور تمام امتوں میں انکا ذکر خیر جاری فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ اور یہ مضمون وہی ہے جو سورۂ بقرہ میں گزرا۔ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو، تم آتے ہو

الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ
بے حیائی کے کام پر تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ
جہان میں۔ تم کیا دوڑتے ہو مردوں پر اور

تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ۬ وَتَاْتُوْنَ فِيْ
راہ مارتے ہو؟ اور کرتے ہو اپنی

نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

مجلس میں بُرا کام ۔ پھر کچھ جواب نہ تھا اسکی قوم کا مگر

قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

یہی کہ بولے لے آ ہم پر آفت اللہ کی ، اگر تو ہے سچا ۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَ

بولا ۔ اے رب ! میری مدد کر ان شریر لوگوں پر ۔ اور

لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا

جب پہنچے ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لیکر ، بولے

اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا

ہم کو کھپا دینی ہے یہ بستی ۔ بیشک اس کے لوگ

كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا

ہو رہے ہیں گناہ گار ۔ بولا اس میں لوط ہے ۔ وہ بولے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗٓ اِلَّا

ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اسمیں ہے ہم بچا لیں گے اسکو اور اسکے گھر والوں کو ۔ مگر

امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ

اسکی عورت رہی رہ جانے والوں میں ۔ اور جب کہ پہنچے ہمارے

رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ

بھیجے لوط پاس ، ناخوش ہوا انکو دیکھ کر ۔ اور خفا ہوا دل سے اور وہ بولے

قَالُوْا لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ

نہ ڈر اور نہ غم کھا ۔ ہم بچادیں گے تجھ کو اور تیرے گھر کو

إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ إِنَّا مُنْزِلُوْنَ

مگر عورت تیری رہ گئی رہنے والوں میں - ہم کو اتارنی ہے

عَلٰٓى أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا

اس بستی والوں پر ایک آفت آسمان سے - اس پر

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً

کہ یہ بے حکم ہو رہے تھے - اور چھوڑ رکھا ہم نے اسکا نشان نظر آتا

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

بوجھنے لوگوں کو -

قصۂ سوم لوط علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ ... الیٰ ... وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

یہ تیسرا قصہ لوط علیہ السلام کے ابتلاء کا ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور اپنے چچا کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے آئے تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ مقامات پر مبعوث فرمایا تاکہ دونوں علاقے کے لوگ ہدایت پا دیں حضرت ابراہیم تو ہجرت کر کے شام چلے آئے اور لوط علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ہی میں شہر سدوم اور اسکے اطراف و جوانب کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے یہاں کے لوگ اوّل درجہ کے بدمعاش اور اوباش اور رہزن اور قزاق اور بیحیا اور مسخرے اور مرغ باز اور کبوتر باز تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انکو بہتیرا سمجھایا مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۴۱۱ ج ۳۔

اور ہم نے لوط علیہ السلام کو اسکی قوم کا امتحان لینے کے لیے اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک تم ایسی بیحیائی (لواطت) کے مرتکب ہو کہ تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا۔ کیا تم بقصدِ شہوت مردوں کے پاس آتے ہو اور ان سے مباشرت کرتے ہو اور اسکے علاوہ تم رہزنی بھی کرتے ہو۔ رہزنی اور قتل سے جان و مال لوٹتے ہو اور لواطت سے نسل قطع کرتے ہو اور پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ اپنی کھلی مجلس میں بھی تم ناپسندیدہ اور نازیبا امور کا ارتکاب کرتے ہو جو اہلِ عقل کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں جیسے گالی دینا اور فحش باتیں کرنا اور قہقہے لگانا اور شراب پینا اور تنبورے بجانا اور راہ چلنے والوں کو کنکریاں مارنا وغیرہ وغیرہ۔ تم اپنی

مجالس میں ایسے اقوال وافعال قبیحہ وشنیعہ کا ارتکاب کرتے ہو جنکو ادنیٰ عقل والا بھی پسند نہیں کرتا۔
لوط علیہ السلام نے نہایت خیر خواہی سے انکو بہتری کی راہ سمجھائی۔ پس نہ ہوا انکی قوم کا جواب سوائے اس کے کہ یہ کہنے لگے کہ آپ ہم پر اللہ کا عذاب لے آیئے اگر آپ سچوں میں سے ہیں کہ ان افعال شنیعہ کا ارتکاب موجب عذاب ہے لوط علیہ السلام نے اس جواب سے محسوس کر لیا کہ دلیری اور بے باکی حد کو پہنچ گئی ہے اور ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے تو جناب الٰہی سے متوجہ ہوئے اور عرض کیا اے میرے پروردگار اس مفسد قوم کے مقابلہ میں میری مدد فرما اور اس قوم پر اپنا غضب اور قہر نازل فرما۔

اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دعا قبول کی اور ملائکۂ عذاب کو حکم دیا کہ اس مفسد قوم کو تباہ اور برباد کر دیں اور حسب الحکم وہ فرشتے روانہ ہو گئے اور دو کام انکے سپرد کیئے گئے ایک تو یہ کہ قوم لوط پر عذاب نازل کریں اور دوسرا یہ کہ عذاب نازل کرنے سے پہلے لوط علیہ السلام کے چچا یعنی حضرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسکی خبر دے دیں کہ ہم قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لیے جارہے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کو تولد فرزند کی بشارت بھی دے دیں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل تھے اور لوط علیہ السلام انکے تابع تھے اس لیے وہ فرشتے اول حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے۔ چنانچہ جب وہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے تولد فرزند کی بشارت لیکر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو بصورت انسان اور بطور مہمان آئے حضرت ابراہیمؑ نے مہمان سمجھ کر ان کے لیے کھانا تیار کرایا۔ جب دیکھا کہ یہ لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تو گھبرائے تو اس وقت فرشتوں نے کہا آپ گھبرایئے نہیں ہم فرشتے ہیں اور آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام کی مدد کے لیے آئے ہیں تحقیق ہم اس بستی والوں کو یعنی اہل سدوم کو ہلاک کرنے والے ہیں اس لیے کہ تحقیق اس بستی کے رہنے والے بڑے ہی ظالم ہیں۔ کفر کے علاوہ انواع واقسام کی برائیوں کے مرتکب ہیں۔ فرشتوں نے بشارت فرزند کے علاوہ یہ دوسری بشارت دی کہ ہم قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے جارہے ہیں اور کافروں اور ظالموں کی ہلاکت کی خبر دینا یہ بھی عظیم بشارت ہے ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ خبر سنی تو گھبرا کر بولے کہ تحقیق اس بستی میں لوط بھی رہتے ہیں اور وہ تو ظالمین میں سے نہیں اس کا کیا ہو گا تو فرشتے بولے آپ گھبرایئے نہیں ہم خوب جانتے ہیں جو اس بستی میں رہتا ہے کون کافر و ظالم ہے۔ اور کون مؤمن صالح ہے۔ تحقیق ہم ضرور بالضرور لوط علیہ السلام کو اور اس کے خاص متعلقین کو عذاب سے بچالیں گے اور عذاب سے پہلے ہی انکو بستی سے نکال لے جائیں گے مگر انکی زوجہ کہ وہ باقی ماندہ لوگوں میں سے ہو گی جن پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا وہ بھی ان کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہو گی اس لیے کہ یہ زوجہ اگرچہ ان افعال شنیعہ میں شامل نہ تھی مگر اپنی قوم سے محبت رکھتی تھی اور ان سے راضی تھی لہٰذا وہ بھی انہی کے ساتھ باقی رہے گی پھر یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر لڑکوں کی صورت میں لوط علیہ السلام کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہمارے یہ فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو لوط علیہ السلام نے اول انکو پہچانا نہیں اس لیے اس طرح سے آنے کی وجہ سے لوط علیہ السلام مغموم اور تنگ دل ہوئے کہ دیکھیے قوم کے اوباش انکے ساتھ کیا معاملہ کریں۔ فرشتے جب حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں پہنچے تو آناً فاناً اوباش جمع ہو گئے۔ لوط علیہ السلام یہ منظر دیکھ کر گھبرائے اور مہمانوں کی رسوائی اور اپنی شرمندگی سے خوف زدہ ہو گئے

فرشتوں نے جب رنج وغم اور پریشانی کے آثار لوط علیہ السلام کے چہرہ پر دیکھے تو انکو تسلی دی اور بولے اے لوط نہ ڈرو اور نہ رنجیدہ اور غمگین ہو ہم انسان نہیں بلکہ ہم عذاب کے فرشتے ہیں۔ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ تحقیق ہم تمہاری دعا رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ کے مطابق تمہاری مدد کے لیے آئے ہیں ہم تجھ کو اور تیرے گھر والوں کو عذاب سے بچائیں گے مگر تمہاری بیوی کہ وہ پیچھے رہنے والوں اور ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگی تحقیق ہم اس بستی والوں پر بغیر اسباب طبعیہ و مادیہ آسمان سے ایک خاص قسم کا عذاب نازل کرنے والے ہیں اس لیے کہ یہ لوگ برابر فسق و فجور کرتے رہے اس لیے یہ عذاب کے مستحق ہوئے اور فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ راتی رات اس بستی سے اپنے متعلقین کو لیکر نکل جائیے۔ صبح کے قریب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ لوط علیہ السلام کے نکل جانے کے بعد وہ بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے ان پر پتھر برسائے گئے اور ہلاک کر دیئے گئے اور البتہ تحقیق ہم نے اس بستی میں ایک واضح نشان بھی چھوڑ دیا ہے ان لوگوں کی عبرت کے لیے جو کچھ عقل اور سمجھ رکھتے ہیں جنکو عقل ہے وہ اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ اور عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں اور جنکی عقل فلسفہ اور سائنس سے خراب ہو چکی ہے اور انکا دائرۂ ادراک محسوسات سے متجاوز نہیں انکا گمان یہ ہے کہ اس تختۂ زمین کے نیچے کوئلہ اور گندھک کی کان تھی باہمی رگڑ سے آتشی مادہ میں اشتعال پیدا ہوا اس لیے وہ بستی ہلاک اور تباہ ہو گئی۔

سبحان اللہ وہ خطۂ زمین تو نہایت سرسبز اور شاداب تھا ہر طرف پانی کے چشمے جاری تھے وہاں آتشی مادہ کہاں سے آیا اور کیا آگ اور پانی کا مادہ ایک جگہ جمع ہو سکتا ہے۔

مفصل قصہ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں گذر چکا ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ

اور بھیجا مدین پاس ان کا بھائی شعیب ، پھر بولا

يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ

اے قوم ! بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن

الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾

کی ، اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے ۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

پھر اس کو جھٹلایا، تو پکڑا انکو بھونچال نے، پھر صبح کو رہ گئے

دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

اپنے گھر میں اوندھے پڑے۔

قصۂ چہارم شعیب علیہ الصلاۃ والسلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔۔اِلیٰ۔۔ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ہ

یہ چوتھا قصہ شعیب علیہ الصلاۃ والسلام کے ابتلاء کا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ مدین کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا جو بی بی قنطورا کے شکم سے تھے آپ دریائے قلزم کے ایک کنارہ پر بستے تھے اور آپ ہی کے نام سے اس بستی کو مدین کہنے لگے حضرت شعیب علیہ الصلاۃ والسلام انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ اس بستی میں نبی بنا کر بھیجے گئے یہ لوگ نہ صرف بت پرست اور منکر قیامت تھے بلکہ قزاقی کا پیشہ بھی کرتے تھے اور مفسد اور فتنہ پرداز تھے۔ شعیب علیہ السلام نے ہر چند انکو سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا بالآخر قہر خداوندی نازل ہوا اور سب ہلاک اور برباد ہوئے گزشتہ رکوع میں قوم لوط کے صالحین اور فاسقین کا انجام بیان کیا اب ان آیات میں قوم شعیب علیہ السلام کا حال ذکر کرتے ہیں اور ہم نے مدین والوں کی طرف انکے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا پس شعیب علیہ السلام نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت اور اطاعت کرو اور امید رکھو دنیا کے آخری دن کی جس میں بداعمالیوں کی سزا ملے گی اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو پس انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا اور فتنہ فساد سے باز نہ آئے پس انکو ایک سخت زلزلہ نے آپکڑا پس انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے تھے۔ جب زلزلہ آیا تو اوندھے منہ گر کر مر گئے۔ معلوم نہیں کہ فلاسفۂ عصر اس واقعہ کو کس مادہ کا اقتضاء اور اثر بتلائیں گے۔

●○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○●

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ

اور عاد اور ثمود کو، اور تم پر کھل چکا ہے ان کے

مَّسٰكِنِهِمْ قف وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

گھروں سے۔ اور رجھایا ان کو شیطان نے

أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا

انکے کاموں پر، روک دیا ان کو راہ سے۔ اور تھے

مُسْتَبْصِرِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ

ہوشیار۔ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوا

اور ان پاس پہنچا موسیٰ کھلے نشان لے کر، پھر بڑائی

فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سٰبِقِينَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا

کرنے لگے ملک میں۔ اور نہ تھے ہم سے بچ کر جانے والے۔ پھر سب

أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ

کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر۔ پھر کوئی تھا کہ اس پر بھیجا پتھراؤ

حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ

باؤ سے۔ اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے۔ اور کوئی تھا

مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا

کہ اس کو دھنسایا ہم نے زمین میں۔ اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ

اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے۔ پر تھے وہ اپنا آپ

يَظْلِمُونَ ﴿۴۰﴾

بُرا کرتے۔

قصۂ پنجم مشتمل بر ذکر اجمالی عاد و ثمود و قارون و فرعون و ہامان

قال اللہ تعالیٰ وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ مِّنْ مَّسٰکِنِہِمْ۔ الیٰ۔ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَہُمْ یَظْلِمُوْنَ۔

یہ پانچواں قصہ ہے جو اجمالی طور پر عاد اور ثمود اور قارون اور فرعون اور ہامان کے ذکر پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے ان پانچ سرکشوں کا ذکر کر کے ایک جملہ میں اجمالاً سب کی سزا کو بیان کر دیا۔ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِہٖ۔ ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا۔ اور بتلا دیا کہ یہ ازلی بدنصیب تھے ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہی لوگوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق سزا دی اور ہلاک کیا ان آیات میں ان سرکشوں کی سزاؤں کا اجمالاً ذکر کیا۔ تفصیل نہیں کی اس لیے کہ تفصیل دوسری جگہ گزر چکی ہے۔

اور ہم نے قوم عاد کو اور ثمود کو بھی اسی تکذیب اور عناد کے جرم میں ہلاک کیا اور انکی یہ تباہی اور بربادی انکے مکانوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ اجاڑ اور کھنڈر پڑے ہیں جنکو تم مین آتے جاتے دیکھتے ہو اور ان کھنڈروں سے آثار عذاب محسوس کرتے ہو اور اسکی وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کے اعمال کو یعنی کفر اور تکذیب کو انکی نظر میں آراستہ کر دیا تھا حالانکہ وہ لوگ دنیا کے کام میں بڑے ہوشیار تھے اور اپنے نزدیک بڑے عقل مند تھے مگر شیطان نے ان پر ایسا جادو کیا کہ پیغمبروں کی معقول باتیں تو انکی سمجھ میں نہ آئیں اور شیطان کے جال اور فریب میں پھنس گئے۔

اور ہم نے قارون کو اور فرعون کو اور ہامان کو ہلاک کیا اور یہ اسی کے مستحق تھے اس لیے کہ البتہ تحقیق موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس روشن دلائل اور واضح واضح حجتیں اور کھلی کھلی نشانیاں لیکر آئے جن میں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش نہ تھی پس ان لوگوں نے زمین میں رہتے ہوئے بڑے بننے کی کوشش کی اور آسمانی حکم کا اپنی فانی اور مجازی قوت اور طاقت سے مقابلہ کیا اور چاہا کہ اللہ سے سبقت لے جائیں اور نہیں تھے یہ حکم الٰہی پر سبقت لے جانے والے بلکہ حکم الٰہی ان پر جاری ہوا پس ان میں سے ہر ایک کو ہم نے اسکے گناہ اور جرم کے سبب پکڑا اور کوئی ہماری گرفت سے نکل نہ سکا۔ پس ان میں سے بعض پر تو ہم نے پتھراؤ کیا جیسے قوم لوط۔ اور ان میں سے بعض کو سخت آواز سے پکڑا جیسے قوم ثمود جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے جیسے کتوں کو سخت آواز سے زجر کیا جاتا ہے اسی طرح ان سنگدلوں کو سگانِ دنیا کی طرح سخت آواز سے ہلاک کر دیا گیا اور بعضوں کو زلزلہ سے ہلاک کیا گیا جن کو اپنی سنگین عمارتوں پر فخر تھا۔ اور بعضوں کو یعنی قوم عاد کو ہوا سے ہلاک اور ریزہ ریزہ کیا گیا جو مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً۔ کا نعرہ لگاتے تھے کہ تم ہوا کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے اور ان میں سے بعض کو زمین میں دھنسایا جیسے قارون جسے اپنے خزینوں اور دفینوں پر فخر تھا کہ اس کے خزینے زمین میں مدفون ہیں اور اسکو مع اسکے خزانوں کے زمین میں دفن کر دیا اور ان میں سے بعض کو غرق کیا۔ جیسے قوم نوح اور فرعون جو کفر میں غرق تھے۔ فرعون بطور فخر یہ کہا کرتا تھا۔ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَ ھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اس کو اسی کی قابل فخر نہر میں غرق کر دیا گیا پس ان قوموں کی دنیا اور آخرت دونوں ہی تباہ اور برباد ہوئیں اور ممکن نہیں کہ اللہ کسی پر ظلم کرے و لیکن یہ لوگ خود ہی ایسے تھے کہ اپنی ہی جانوں پر ظلم

کرتے تھے اور کفر و معصیت کر کے خود ہی اپنے آپ کو تیرِ عذاب کا نشانہ بنا رہے تھے۔

رباعی

اے کہ حکمِ شرع را رَد میکنی ٭ راہِ باطل میروی بد میکنی
چوں تو بد کردی بدی یابی جزاء ٭ پس بدیہا جملہ باخود میکنی

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
کہاوت اُن کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر

اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَ
اور حمایتی، کہاوت مکڑی کی۔ بنا لیا اس نے ایک گھر۔ اور

اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا
سب گھروں میں بودا، سو مکڑی کا گھر۔ اگر ان

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
کو سمجھ ہوتی۔ اللہ جانتا ہے جس کو پکارتے ہیں اس

دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَ
کے سوا کوئی چیز ہو۔ اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا۔ اور

تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ
یہ کہاوتیں بٹھاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے۔ اور انکو بوجھتے وہی

اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
ہیں جنکو سمجھ ہے۔ اللہ نے بنائے آسمان و زمین جیسے

بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع
چاہئیں۔ اس میں پتہ ہے یقین لانے والوں کو۔

ابطال شرک و اثبات توحید

قال اللہ تعالیٰ مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ ...... الی۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ ان ظالموں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور کفر اور شرک میں مبتلا ہوتے اور مورد عذاب الٰہی بنے اب ان آیات میں انکے ظلم کی تشریح کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی مثال جو بت پرستی کرتے ہیں مکڑی کی سی ہے جس کا گھر بہت بودا ہوتا ہے مکڑی کی طرح یہ بھی اپنے اعتقاد کا تانا بانا بنتے ہیں جو محض لغو ہے۔

(یا یوں کہو) کہ ان ظالموں نے جس دین کو اپنا قلعہ اور حصن حصین سمجھا ہوا ہے اسکی حقیقت مکڑی کے جالے سے زیادہ نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں مثال ان لوگوں کی جنہوں نے خدا کے سوا اپنے کارساز اور حمایتی ٹھہرا لئے ہیں۔ اور انکو اپنی مرادیں پوری کرنے والا سمجھتے ہیں مثل مکڑی کے ہے کہ جو ایک گھر بنالیتی ہے اور وہ اسکو اپنا گھر سمجھتی ہے جس کی حقیقت ایک تنا ہوا جالا ہوتی ہے اور بلاشبہ تمام گھروں میں سب سے کمزور مکڑی کا گھر ہے اسی طرح جو لوگ بتوں کو اپنی پناہ گاہ سمجھے ہوئے ہیں اور اپنا محافظ اور نگہبان جانے ہوئے ہیں یہ پناہ مکڑی کے گھر کے مشابہ ہے کہ جو ذرا ہوا لگنے سے ہوا ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ مکڑی کا گھر غایت درجہ ضعیف ہے اور بے فائدہ اور بے کار ہے اسی طرح یہ بت نہ انکو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی پناہ اور سہارا دے سکتے ہیں مکڑی کا گھر نہ سردی سے بچا سکتا ہے اور نہ گرمی سے۔ ان بتوں کا سہارا ڈھونڈنا ایسا ہے جیسا کہ مکڑی کے گھر کا سہارا ڈھونڈنا۔ پس جس شخص نے بتوں پر اعتماد کیا اسکا حال اس مکڑی کے مشابہ ہے کہ جس نے اپنے تانے ہوئے جالے کے گھر پر اعتماد کیا۔

حکماء کا قول ہے کہ مکڑی کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں اور اسکے اندر ایک زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اور زہر عنکبوت آدمی کو ہلاک کر ڈالتا ہے اسی طرح مشرکین ہر طرف دوڑتے ہیں اور انکی نظریں چکا چوند رہتی ہیں اور اندر شرک کا زہریلا مادہ ہوتا ہے جو انکی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

کاش یہ کافر جانتے کہ انکا دین مکڑی کے جالے کے مشابہ ناپائیدار اور ذلیل و خوار ہے اور بے حقیقت اور بے مقدار ہے اگر مشرکین کو کچھ بھی سمجھ بوجھ ہوتی اور یہ جان لیتے کہ ہمارا دین مکڑی کے گھر کی طرح بے بنیاد ہے۔ تو کبھی اس دین کو اختیار نہ کرتے۔ غرض یہ کہ کچھ نہیں جانتے بے شک اللہ ہی خوب جانتا ہے ان چیزوں کی حقیقت کو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے اور کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے۔ عزیز اور حکیم کو چھوڑ کر ضعیف اور ناتواں کو سہارا بنانا کمال ابلہی ہے۔

اور یہ مثالیں ہم ان لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ان مثالوں کو مگر علم والے اور سمجھ والے ان بت پرستوں کو چاہیئے کہ ایک طرف تو اپنے بتوں کی کمزوری بلکہ مجبوری اور لاچاری پر نظر کریں اور دوسری طرف اللہ کی قدرت اور قوت پر نظر کریں کہ اللہ نے آسمان اور زمین بنائے نہایت حکمت کے ساتھ جو اس کی کمال قدرت

اور کمال حکمت کی دلیل ہے ۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لیے بڑی دلیل ہے اس لیے کہ آسمان وزمین کی پیدائش
بس خدا کا کوئی شریک نہیں لہذا لائق پرستش وہی ذات ہے کہ جو آسمان وزمین کی خالق ہے پس تم کو جو حاجتیں مانگنی ہوں
وہ آسمان وزمین کے خالق سے مانگو ۔

الحمد للہ بیسویں سپارے کی تفسیر مکمل ہوئی ۔
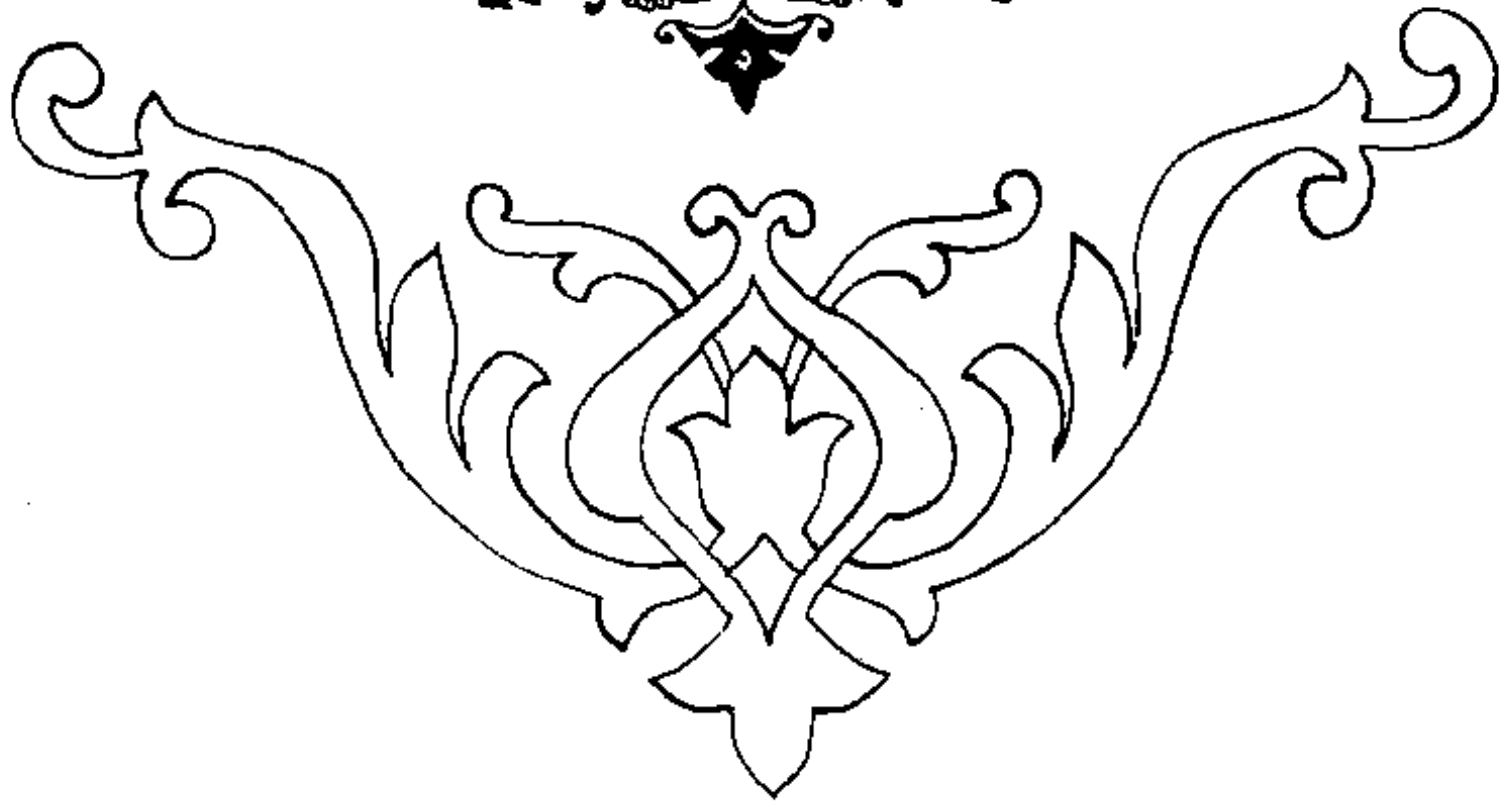
اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ

تو پڑھ جو اُتری تیری طرف کتاب اور کھڑی رکھ نماز بے شک

الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ

نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور بُری بات سے اور اللہ کی یاد ہے

اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَہْلَ

سب سے بڑی اور اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو اور جھگڑا نہ کرو کتاب والوں

الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ ٭ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا

سے مگر اس طرح جو بہتر ہو مگر جو اُن میں بے انصاف

مِنْہُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ

ہیں اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اُترا ہم کو اور اُترا تم کو

وَاِلٰـہُنَا وَاِلٰـہُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ

اور بندگی ہماری تمہاری ایک کو ہے اور ہم اُسی کے حکم پر ہیں اور

کَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰہُمُ الْکِتٰبَ

ویسے ہی ہم نے اُتاری تجھ پر کتاب سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے

یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ۚ وَمِنْ ہٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِہٖ ؕ وَمَا

وہ اسکو مانتے ہیں اور ان لوگوں میں بھی بعضے ہیں کہ اسکو مانتے ہیں اور

یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ

منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے جو بے حکم ہیں اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے

قَبْلِہٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ

پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تو البتہ شبہ کھاتے

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ
یہ جھوٹے — بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف سینے میں اُن کے جن

اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ
کو ملی ہے سمجھ اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں اور

قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا
کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب سے تو کہہ نشانیاں تو

الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ
ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو یہی سنادینے والا ہوں کھول کر کیا ان کو

یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ
بس نہیں کہ ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب کہ اُن پر پڑھی جاتی ہے، بیشک

فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ
اس میں مہر ہے اور سمجھانا اُن لوگوں کو جو مانتے ہیں تو کہہ

كَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی
بس ہے اللہ میرے تمہارے بیچ گواہ جانتا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا
آسمان اور زمین میں اور جو لوگ یقین لائے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوتے

بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ
ہیں اللہ سے انہی کا بُرا ہونا ہے اور شتاب مانگتے ہیں تجھ سے آفت

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَیَاْتِیَنَّهُمْ
اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہر رہا تو آپہنچتی اُن پر آفت اور آوے گی اُن پر

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ

اچانک، اُن کو خبر نہ ہو گی - شتاب مانگتے ہیں تجھ سے عذاب

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ

اور دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو جس دن گھیرے گا

الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ

ان کو عذاب اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے اور کہے گا

ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

چکھو جیسا کچھ کرتے تھے

اثبات رسالت محمدیہ وازالۂ شکوک وشبہات منکرین نبوت

قال اللہ تعالیٰ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ... الیٰ .... ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں توحید کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ انبیاء کرام ؑ نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے منع کیا بالآخر وہ منکرین ہلاک ہوتے اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور منکرین رسالت کے بعض شبہات کا جواب دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کیجئے جو توحید کے مضامین پر اور گذشتہ امتوں کے حال اور مآل پر مشتمل ہے اور آپ کی رسالت کا عظیم معجزہ ہے عجب نہیں کہ آیات خداوندی کے انوار وبرکات سے انکی ظلمتیں دور ہوجائیں اور نماز کو قائم کیجئے نماز ایک عجیب عبادت ہے جو فحشا اور منکر کے دور کرنے میں تریاق کا حکم رکھتی ہے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ قرآن کا حکم دیا بغیر اللہ کا حکم سنے کیسے رہ یاب ہوسکتے ہیں اور پھر نماز کا حکم دیا جو خشوع اور خضوع کی تصویر ہے بعد ازاں ذکر الٰہی کا حکم دیا جو نماز کی اور تمام عمل صالحہ کی روح ہے بلکہ تمام عالم کی روح ہے جب تک دنیا میں اللہ کا نام باقی ہے اس وقت تک دنیا قائم ہے بعد ازاں اہل کتاب سے مناظرہ اور مجادلہ کا طریقہ بتایا کہ انکو حسنِ اسلوب سے حق کی دعوت دیجئے اس لیے کہ علماء اہلِ کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی نبی آخر الزمانؐ ہیں جن کی گذشتہ پیغمبروں نے خبر دی ہے اور جو کتابِ ہدایت وحکمت آپؐ پر نازل ہوئی ہے وہ

آپؐ کی نبوت کی کافی اور شافی دلیل ہے یہ بات لوگوں کے سامنے ہے کہ آپؐ اُمی ہیں لکھنا پڑھنا نہیں جانتے مگر علم وحکمت کا چشمہ آپؐ کی زبان سے جاری ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ علم من جانب اللہ ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اس حجت واضحہ کے بعد بھی اگر معاندین ایمان نہ لائیں تو وہ اپنے انجام کو سوچ لیں۔

اس لیئے اب آئندہ آیات میں اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ آپ ان منکرین کے عناد اور تکبر کی پرواہ نہ کیجئے اور ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوجیئے جو کتابِ ہدایت اللہ کی طرف سے آپؐ پر نازل ہوئی ہے اس کی تلاوت کرتے رہیئے خود بھی پڑھیئے اور دوسروں کو بھی سنایئے اور اقامت صلوٰۃ میں لگے رہیئے اور کسی وقت اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوجیئے خطابات تو حضور پر نورؐ کو ہیں مگر مقصود امت کو سنانا ہے۔

(یا یوں کہو) کہ گذشتہ آیات میں کفار کے احوال کو بیان کیا اب ان آیات میں مؤمنین کا بیان شروع ہوتا ہے اور ان کو ہدایتیں اور نصیحتیں کی جاتی ہیں کہ اے اہل ایمان تمہارے لیئے تین چیزیں بہت ضروری ہیں۔

اول تلاوت قرآن دوم اقامت صلوٰۃ سوم ذکر اللہ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپؐ ان منکرین اور ظالمین کے اعراض اور انکار کی پرواہ نہ کیجئے آپ برابر دعوت اور تبلیغ رسالت میں لگے رہیئے اور جو کتاب بذریعہ وحی کے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے اس کتاب کو آپ خود بھی پڑھیئے تاکہ پیغام خداوندی کی مسلسل تبلیغ ہوتی رہے اور[۲] اس کی بار بار تلاوت سے آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا مزید قرب حاصل ہو قرآن کریم تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور[۳] آپکے قلب کو قوت حاصل ہو اور[۴] بار بار پڑھنے سے آپؐ پر بیش از بیش کلام الٰہی کے اسرار اور معارف منکشف ہوں نیز[۵] قرآن کریم میں انبیاء سابقینؑ کی دعوت اور تبلیغ کا اور انکی امتوں کی تکذیب اور ایذاء رسانیوں کا ذکر ہے انکے بار بار پڑھنے سے آپؐ کو تسلی ہو گی اور دنیا کی بے ثباتی بار بار آپ کی نظروں کے سامنے آتی رہے گی اور علیٰ ہذا یہ کتاب دوسروں کو بھی پڑھ کر سنایئے تاکہ لوگ اسکو سن کر ہدایت پاویں اور نصیحت پکڑیں اور معاندین پر اللہ کی حجت پوری ہو کیونکہ یہ کتاب مستطاب اللہ کی نازل فرمودہ کتاب ہے جو دلائل توحید اور دلائل نبوت اور براہین پر مشتمل ہے اور اصول دین اور احکام شریعت اور مکارم اخلاق اور محاسن آداب کی حاوی اور ہادی ہے کیمیا سعادت اور کلید ہدایت ہے اور اگر یہ منکرین اسکو نہیں سمجھتے تو اہل علم اور اہل فہم اسکو سمجھ لیں گے۔

غرض یہ کہ اس آیت میں اُتْلُ سے مطلق تلاوت مراد ہے جو خود پڑھنے کو اور دوسروں کے سامنے پڑھنے کو بھی شامل ہے اسی لیئے اس آیت میں اُتْلُ علیهم نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہوجائے کہ مطلق تلاوت کا حکم ہے خواہ خود تلاوت کریں یا دوسروں کے سامنے تلاوت کریں۔

---

[۱] یہ عبارت اسلیئے لکھی گئی تاکہ اس آیت کا گذشتہ آیت وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ سے ربط ظاہر ہوجائے ۱۲

اور آپ ان متکبرین اور معرضین سے اعراض فرمائیے اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیے اور نماز کو قائم کیجئے جو افضل ترین عبادت ہے اور تمام عبادات قولیہ اور فعلیہ کا لُبِّ لباب اور عطر ہے اور تسبیح اور تحمید اور تلاوت قرآن اور آداب عبودیت قیام اور رکوع اور سجود پر مشتمل ہے ابتداء نماز میں بصد خشوع و خضوع خدا کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا ہے اور اخیر نماز میں دو زانو خدا کے سامنے بیٹھنا اور مانگنا ہے اور بلاشبہ نماز جیسی عظیم عبادت بشرطیکہ وہ اپنے شرائط اور آداب کے ساتھ ادا کی جائے اور حقیقۃً وہ صحیح نماز ہو تو ایسی نماز بلاشبہ بے حیائی سے اور ہر ناپسندیدہ فعل سے روکتی اور باز رکھتی ہے جو شخص نماز پر مداومت کرے گا تو ایک نہ ایک دن نماز اسکو کھینچ کر ترک معاصی و سیئات کی طرف لے جائے گی جتنا نماز سے قریب ہوتا جائے گا اتنا ہی فحشاء اور منکر سے بعید ہوتا جائے گا کیونکہ نماز مقام مناجات ہے اور محل ادب ہے اور از اول تا آخر اللہ کی عظمت اور محبت اور عبودیت کے اقرار اور اعتراف پر مشتمل ہے لہٰذا ایسے اقرار و اعتراف کے بعد فحشاء اور منکر کا ارتکاب اپنے سابق اقرار و اعتراف کی تکذیب کے مترادف ہے اور علاوہ ازیں نماز کی حقیقت اور صورت از اول تا آخر ذکر الٰہی ہے۔

اور اللہ کا ذکر اور اس کی یاد سب سے برتر اور بڑھ کر ہے قلب کی ظلمتوں اور کدورتوں اور نجاستوں کے ازالہ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی دوا نہیں اور ذکر الٰہی نماز کا رکن اعظم ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى بلکہ تمام اعمال صالحہ کی روح ہے اب آگے طاعت کی ترغیب اور معصیت سے ترہیب کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو جیسا کرو گے اسکے مطابق جزا ملے گی

آیت اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کی تفسیر میں جو تقریر کی گئی اس سے وہ شبہ دور ہو گیا کہ جو لوگ کیا کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ باوجودیکہ نماز کے پابند ہیں مگر پھر بھی برے کاموں کے مرتکب ہیں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ آیت میں نماز کی خاصیت بیان کی ہے جیسے اطباء بیان کرتے ہیں کہ فلاں دوا کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بخار رک جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ دوا اپنے صحیح اور پورے اجزاء پر مشتمل ہو تو اس دوا کا استعمال بخار کے روکنے میں مؤثر ہوتا ہے بشرطیکہ ایک خاص مدت تک اس دوا کا استعمال جاری رکھا جائے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز استعمال نہ کی جائے جس کی خاصیت اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایک خوراک پینے ہی سے بخار رک جائے گا۔

تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ دوا کی تاثیر جب ہوتی ہے کہ جب نسخہ کے تمام اجزاء اصلی ہوں نقلی نہ ہوں اور ایک خاص مقدار کے ساتھ خاص مدت تک پابندی کے ساتھ نسخہ کا استعمال کیا جائے تب دوا کا اثر ظاہر ہوگا اور اسکے ساتھ یہ بھی التزام رکھا جائے کہ کوئی چیز ایسی استعمال نہ کی جائے کہ جس کی خاصیت دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔

اسی طرح سمجھو کہ طبیب روحانی نے تمہاری روحانی بیماریوں کے لیے نماز کا نسخہ جو تجویز کیا ہے اسکو پورے اجزاء اور صحیح اجزاء یعنی خشوع اور خضوع اور آدابِ عبودیت کے ساتھ ایک مدت تک استعمال کرو اور جو چیزیں روح کے لیے سمِ قاتل کا حکم رکھتی ہیں ان سے پرہیز رکھو اور نماز میں فقط ظاہری طور پر قیام اور رکوع اور سجود کر لینا یہ نماز کی حقیقت نہیں بلکہ نماز کی ظاہری صورت ہے اور ظاہر ہے کہ دوا کا نام اور اسکی محض ظاہری صورت بیماری کو دور نہیں کر سکتی اور نماز کی روح اللہ کا ذکر اور اسکی یاد ہے جب تک نماز میں اللہ کا جلال اور اسکی عظمت مستحضر نہ ہو وہ نماز بے جان ہے اس لیے امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ: صلاۃ سے مطلق نماز مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ جو شرعاً صحیح ہو اور عند اللہ قابلِ قبول ہو اور نماز کے لیے شرط ہے کہ کپڑے پاک صاف ہوں کما قال تعالیٰ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اسی طرح ضروری ہے کہ نمازی کا باطنی لباس یعنی لباس تقویٰ بھی طاہر و مطہر اور نظیف ہو اور اس پر فحشاء و منکر کی نجاست اور گندگی لگی ہوئی نہ ہو اور جب اللہ اکبر کہہ کر نماز کے لیے کھڑا ہو تو دل سے یہ سمجھتا ہو کہ میں دربار خداوندی میں احکم الحاکمین کے سامنے کھڑا ہوں معاذ اللہ میں بھنگی نہیں ہوں کہ جو بیت الخلاء کی نجاستوں کو اپنی بالٹی میں جمع کرتا ہے پس جو شخص نماز کی حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لے گا تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد فحشاء اور منکر کی جانب جانے سے ایسی ہی نفرت کرے گا جیسا کہ ایک عاقل شہنشاہ کے دربار سے نکلنے کے بعد بیت الخلاء اور کوڑی کے دیکھنے سے بھی نفرت کرتا ہے غرض یہ کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ میں صلاۃ سے مطلق صلاۃ مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ شرعاً صحیح ہو اور آدابِ عبودیت اور شروط ظاہری اور باطنی کی جامع ہو بلاشبہ ایسی نماز کا اثر یہ ہے کہ فی الحال یا فی المآل بدیر یا بسویر فحشاء اور منکر سے ضرور روک دے گی حق جل شانہٗ نے اس آیت میں تین باتوں کا ذکر فرمایا ایک تلاوت کتاب کا اور ایک اقامت صلاۃ کا اور پھر ذکر اللہ کا اور ذکر اللہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ذکر الٰہی سب سے بڑھ کر ہے جس سے اللہ کی کمال عظمت اور کمال محبت کی طرف اشارہ ہے کما قال تعالیٰ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا یعنی جس طرح عظمت اور محبت کے ساتھ تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر کرتے ہو اسی طرح عظمت اور محبت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرو بلکہ اس سے بڑھ کر۔

(دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی ص۵۳۲ ج ۵)

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص رات میں نماز پڑھتا ہے اور دن میں چوری کرتا ہے اور برے کام کرتا ہے آپ نے فرمایا عنقریب نماز اسکو اس چیز سے روک دے گی جو تو کہہ رہا ہے چنانچہ کچھ روز نہ گذرے تھے کہ اس شخص نے توبہ کی اور اس کا حال درست ہو گیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص۳۴۷ ج ۱۳)

مطلب یہ تھا کہ یہ ضروری نہیں کہ دوا پیتے ہی شفا ہو جائے بعض مرتبہ کچھ عرصہ بعد بیماری کا ازالہ ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دوا کا استعمال نہ چھوڑے اگرچہ بد پرہیزی بھی کرتا رہے۔

فائدہ | جاننا چاہیئے کہ ہر عمل کی ایک خاص خاصیت ہوتی ہے قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جو دل کو منور کرتا ہے اور دل سے جہالت کی ظلمت کو دور کرتا ہے اور نماز دل میں اللہ کی محبت اور عظمت پیدا کرتی ہے اور معصیت سے متنفر اور بیزار کرتی ہے جس کا ثمرہ قرب الٰہی ہے اور ذکر الٰہی دل سے اللہ کی غفلت کو دور کرتا ہے اور دل کی اصل بیماری خدا تعالیٰ سے غفلت ہے۔

(ربط) گذشتہ آیات میں اہل شرک سے مجادلہ کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں اہل کتاب سے مجادلہ کا ذکر فرماتے ہیں اور اصل قابل مجادلہ اہل کتاب ہیں جو اصل اور بنیاد تو رکھتے ہیں اور آسمانی کتاب اور پیغمبر برحق کے قائل ہیں برخلاف مشرکین اور مجوس کے کہ وہ اصل ہی سے باطل محض ہیں۔

اور اے مسلمانو اگر اہل کتاب تمہاری کتاب کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کریں تو اہل کتاب کے ساتھ مجادلہ اور مباحثہ نہ کرو مگر بطریق احسن یعنی اس طریقہ کے ساتھ کہ جو بہتر ہو دلائل اور براہین سے ان پر حق واضح کرو کیونکہ اہل کتاب فی الحال اگرچہ گمراہ ہیں مگر ایک اصل تو رکھتے ہیں آسمانی کتاب اور نبی برحق کے قائل ہیں بخلاف مشرکین اور مجوس کے کہ انکی اصل بنیاد ہی غلط ہے وہ قابل مجادلہ اور مباحثہ نہیں لہٰذا اہل کتاب سے مجادلہ میں نرمی برتو وہ اگر خشونت اور سختی کریں تو تم ان کے ساتھ نرمی کرو اور اگر وہ بدمزاجی کریں تو اس کے مقابلہ میں خوش خوئی کرو مطلب یہ ہے کہ گفتگو میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین کا سا معاملہ نہ کرو اسلیئے کہ مشرکین کا دین اصل سے ہی غلط ہے اور اہل کتاب کا دین اصل میں سچا تھا بعد میں بگڑا نیز اہل کتاب اہل علم ہیں کسی درجہ میں توحید کا اقرار کرتے ہیں اور انبیائؑ کی نبوت کے قائل ہیں مگر ان میں سے جو ضدی اور بے انصاف ہیں اور کھلے طور پر عناد پر اُترے ہوئے ہیں اگر ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرو اور ترکی بترکی اُن کو جواب دو تو ایسا کر سکتے ہو اور وہ طریقہ احسن یہ ہے کہ مثلاً تم ان سے یہ کہو کہ ہم اس کتاب پر ایمان لاتے کہ جو من جانب اللہ ہماری طرف اتاری گئی اور ہم ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو من جانب اللہ تم پر نازل کی گئیں کیونکہ مدار ایمان کا منزل من اللہ ہونا ہے پس جس طرح اللہ کی طرف سے توریت اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیائؑ سابقین پر لوگوں کی ہدایت کے لیے اتریں اسی طرح سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر من جانب اللہ یہ قرآن نازل ہوا جو کتاب حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوئی وہ حرف بحرف حق تھی ان سب پر ہمارا ایمان ہے مگر وہ آسمانی کتابیں اب اپنی اصل صورت اور حقیقت پر باقی نہیں رہیں بکثرت ان میں تغیر و تبدل واقع ہوا اور بہت سی جھوٹی باتیں ان میں خلط ملط ہو گئیں جن کے معلوم ہونے کی اب کوئی صورت نہیں ہم موجودہ توریت و انجیل کی نہ تصدیق کرتے ہیں اور

نہ تکذیب کرتے ہیں اور ہم صرف اس توریت و انجیل پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھیں۔

پس جس دلیل سے تم توریت اور انجیل کو منزل من اللہ مانتے ہو اسی دلیل سے قرآن بھی منزل من اللہ ہے لہٰذا تم کو قرآن پر بھی ایمان لانا چاہیئے اور اے مسلمانو بوقت مباحثہ اہل کتاب سے یہ بھی کہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان توحید الٰہی مسلّم ہے اور تم تسلیم کرتے ہو کہ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے سو جب توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہے تو پھر تم حضرت مسیحؑ اور حضرت عزیرؑ کو کیوں خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہو اور ہم تو اسی ایک خدائے برحق کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں جسکی وحدانیت تم کو بھی تسلیم ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ ایک ہی خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرو اور اپنی مسلمہ بات سے انحراف نہ کرو اور اے نبی جس طرح ہم نے آپؐ سے پہلے رسولوں پر کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ پر یہ کتاب (قرآن) اتاری جو تمام کتب سماویہ کا خلاصہ اور لب لباب اور تمام علوم ہدایت کا عطر ہے پس اس کتاب پر ایمان لانا درحقیقت تمام کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے اور اس کا انکار درپردہ تمام کتب الٰہیہ کا انکار ہے بس جن لوگوں کو ہم نے توریت اور انجیل دی اور انہوں نے اپنی کتاب کو ٹھیک سمجھا اور ضدی اور عنادی نہیں وہ آپ والی کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں کیونکہ انہوں نے جان لیا کہ قرآن کریم علوم ہدایت میں توریت و انجیل سے بہت بلند ہے پس کیا وجہ ہے کہ ایسی لاجواب کتاب پر ایمان نہ لایا جائے۔

پس علماء اہل کتاب میں سے عبداللہ بن سلامؓ اور سلمان فارسیؓ جیسے تو فوراً اس قرآن پر ایمان لے آئے اور ان اہل عرب میں سے بھی بعضے ایسے ہیں جو اس کو مانتے ہیں اور ہماری اس کتاب کی آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ کہ جو بڑے سخت کافر ہیں اور ہٹ دھرمی پر اترے ہوئے ہیں جحودؑ لغت میں اس انکار کو کہتے ہیں کہ جو ہٹ دھرمی کی بنا پر ہو اور اس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اے نبی آپ نزول قرآن سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے یعنی نہ آپؐ لکھنا جانتے تھے اور نہ پڑھنا جانتے تھے اگر ایسا ہوتا تو ایسی صورت میں یہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے اور یہ کہتے کہ یہ تو لکھے پڑھے ہیں آسمانی کتابوں کو دیکھ کر یہ مضامین بیان کرتے ہیں اور جب سب کو معلوم ہے کہ حضور پرنورؐ اُمّی ہیں تو اب اسکے کہنے کی بھی گنجائش نہ رہی بجز اس کے کہ یہ کتاب وحی الٰہی اور منزل من السماء ہے کسی بندہ کی بنائی ہوئی اور لکھی ہوئی نہیں۔

غرض یہ کہ اس قرآن کے بارہ میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں بلکہ یہ قرآن تو کتاب الٰہی کی روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں بالفرض اگر دنیا کے تمام قرآن گم ہو جائیں تو ہر شہر میں حافظوں کے سینوں سے دوبارہ لکھا جا سکتا ہے اسی وجہ سے اس امت کے اوصاف میں یہ آیا ہے صدورھم اناجیلھم یعنی انکے سینے ہی انکی انجیل ہوں گے یعنی نبی آخر الزمانؐ پر جو کتاب نازل ہوگی وہ اس امت کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور ہر حافظ کا سینہ ہی انجیل ہوگا چنانچہ زمین کے

ہر خطہ میں اس کے بے شمار حافظ موجود ہیں اور پورا قرآن لفظ بلفظ ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور توریت وانجیل کے تو کسی ایک باب کا بھی آج تک روئے زمین پر کوئی کچا پکا حافظ بھی نہیں ہوا چودہ سو سال سے اب تک قرآن کے الفاظ اور معانی حفاظ اور قراء اور علماء کے سینوں میں محفوظ چلے آرہے ہیں جو چیز کاغذ میں لکھی ہوئی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ پانی سے اسکے حروف دُھل جائیں یا مٹ جائیں یا آگ سے جل جائیں لیکن جو چیز ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں محفوظ ہو اسکے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں علماء اہل کتاب میں کچھ ہمت ہے تو روئے زمین پر توریت وانجیل کا ایک ہی کچا پکا حافظ دنیا کے سامنے پیش کر دیں قرآن تو حافظوں کے سینوں میں محفوظ ہے یہود اور نصاریٰ بتلائیں کہ توریت وانجیل کس کے سینہ میں محفوظ ہے بالفرض والتقدیر اگر صفحۂ ہستی سے توریت کے تمام نسخے اور قرآن مجید کے تمام نسخے گم ہو جائیں تو مسلمان تو اپنا قرآن حافظوں کے سینوں سے دوبارہ کتابت کر کے شائع کر دیں گے اور یہود اور نصاریٰ کس سینہ سے توریت اور انجیل لکھوا کر شائع کریں گے۔

پس یہ قرآن بارگاہ الٰہی سے نازل ہوا ہے معاذ اللہ حضور پُر نورؐ کا بنایا ہوا نہیں اور ہماری نازل کردہ آیتوں کا نہیں انکار کرتے مگر وہی لوگ کہ جو بڑے بے انصاف اور ہٹ دھرم ہیں یہاں تک اہل کتاب کے ساتھ بطریق احسن مجادلہ تھا اور ان کے ظلم اور عناد کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ یہ ظالم ہٹ دھرمی سے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اسکے پروردگار کی طرف سے وہ نشان کیوں نہیں اتارے گئے جو پہلے پیغمبروں پر اتارے گئے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء کا نشان دیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ اور ابراء اکمہ وابرص کا معجزہ دیا گیا آپ انکے جواب میں کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں جس نے اپنی حکمت سے انکو انبیاء میں تقسیم کیا جیسے رزق کو اپنی حکمت سے بندوں میں تقسیم کیا ہر نبی کو ایک خاص نشان دیا جو دوسرے نبی کو نہیں دیا ورنہ یہ باطل پرست یہ کہتے کہ ایک ہی سحر ہے جو بطور میراث مسلسل چلا آرہا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے بہت سے معجزات مجھ کو عطا کیئے کہ جو انبیاء سابقین کو عطا نہیں ہوئے مثلاً شق قمر اور تسلیم شجر و حجر وغیرہ وغیرہ جن کی تفصیل کتب حدیث میں مذکور ہے۔

غرض یہ کہ اے نبی آپؐ ان معاندین سے یہ کہہ دیجئے کہ معجزات اور نشانات میرے قبضۂ قدرت میں نہیں وہ سب کے سب اللہ کے اختیار میں ہیں اور میں تو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور حق کو ظاہر کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی صداقت کے لیے نشان دکھلائے ہیں اور میری صداقت کے لیئے بھی بہت سے نشان دکھلائے ہیں اور کیا منکرین کے لیے یہ نشان کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب مستطاب نازل کی جو دن رات انکے سامنے پڑھی جاتی ہے جس کا اعجاز روز روشن کی طرح واضح ہے عرب اور عجم اسکی ایک آیت کا مثل لانے سے عاجز رہے اور یہ نشان تو قیامت تک باقی رہے گا آپؐ کی نبوت کی یہ نشانی تو دائمی ہے کیا یہ نشان ان کے لیئے کافی نہیں اس سے بڑھ کر اور کیا نشان ہوگا۔

بے شک اس کتاب معجز میں رحمت ہے اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لیے جو کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو اس کا اتباع کرے گا وہ اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور ہوگا اور یہ کتاب سرتاپا نصیحت ہے بری باتوں سے منع کرتی ہے اور اگر کسی بدبخت کو یہ کتاب ہدایت سراپا نصیحت کافی نہ ہو تو پھر اس کے لیے کوئی معجزہ کافی نہیں ہو سکتا اور اے نبی اگر یہ منکرین نبوت اس کتاب معجز کو بھی آپ کی رسالت کے ثابت کرنے کے لیے کافی نہ سمجھیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کا گواہ ہونے کے لیے بس اللہ کافی ہے وہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے پس جس ذات نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اس پر میری رسالت پوشیدہ نہیں اس نے میری رسالت پر ہزارہا دلائل قائم کیے وہ سب من جانب اللہ میری نبوت کے گواہ ہیں اور وہ خوب جانتا ہے کہ تم حق بات کا انکار کرتے ہو اور باطل کا اقرار کرتے ہو اور جو لوگ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ سے منکر ہوئے ایسے ہی لوگ خسارہ میں پڑنے والے ہیں کہ انہوں نے حق کے بدلہ میں باطل کو اختیار کیا اور اب انکی بے باکی کا یہ عالم ہے کہ اے نبی آپ جب انکو اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں تو یہ لوگ بطور تکذیب واستہزاء آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جس عذاب سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں وہ ابھی لے آؤ دیکھیں وہ کیسا عذاب ہے اور کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یعنی یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ اگر یہ دین اور یہ قرآن تیرے پاس سے ہے اور حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی دردناک عذاب نازل فرما اس طرح اللہ کے عذاب کا استہزاء اور تمسخر یہ بھی انکے خسران کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور اگر انکے عذاب کی میعاد مقرر نہ ہوتی تو ابھی انکو عذاب آپہنچتا لیکن خدا تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت معین ہے وہ اپنے وقت پر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وقت موعود تک مہلت دیتا ہے اور گھبرائیں نہیں وہ عذاب ان پر اچانک آئے گا اور انکو اس کی آمد کی خبر بھی نہ ہوگی اور یہ بے شعور اور بے عقل اپنی جہالت اور حماقت سے آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ حق پر ہیں تو اپنے منکرین پر فوراً عذاب لے آئیے اور اس میں شک نہیں کہ دوزخ کافروں کو اپنے احاطہ اور گھیرے میں لیئے ہوئے ہے دنیا میں کفر کے اسباب انکو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور آخرت میں تو اس کا مشاہدہ ہو جائے گا کہ کافروں کو عذاب کس طرح اپنے گھیرے میں لیتا ہے جس دن وہ عذاب ان کے سروں کے اوپر سے بھی انکو گھیرے گا اور پیروں کے نیچے سے بھی گھیرے گا جو لوگ ملائکہ اور کواکب اور ارواح کی پرستش کرتے تھے ان پر اوپر سے عذاب آئے گا اور جو لوگ شجر و حجر کی پرستش کرتے تھے اور سفلی خواہشوں میں گرفتار تھے ان پر نیچے سے عذاب آئے گا اور اللہ تعالیٰ خود یا فرشتہ کے ذریعہ دوزخیوں سے کہے گا چکھو مزہ اس چیز کا جو تم دنیا میں کرتے تھے دنیا میں تم نے جو کفر کیا تھا ابھی تک تم نے اس کا مزہ نہ چکھا تھا اب چکھ لو کہ کفر ایسا ہوتا ہے اور یہ وہی عذاب ہے جس کو دنیا میں

جلدی طلب کر رہے تھے۔

لطائف ومعارف

گزشتہ آیات میں یہ بتایا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اہل کتاب حضور پُرنور کے اُمّی ہونے کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ تعلیم یافتہ اور لکھے اور پڑھے تھے۔ جواب یہ کہ اچھا اگر ایسا ہے تو آپ تاریخی حیثیت سے اس استاد اور معلمؐ کا نام بتلایئے کہ جس نے آپؐ کو ان علوم ومعارف کی تعلیم دی جن سے قرآن اور حدیث بھرا پڑا ہے۔

(۱) عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ چار دانگ عالم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور حکمت کا تو ڈنکا بج جاتے اور جس فاضل اور کامل استاد نے آپؐ کو یہ علوم سکھائے اس کو دنیا تو کیا جانے وہ دشمن بھی نہ جان سکے جو آپؐ کے ہمعصر تھے اور آپکی زندگی میں آپؐ پر یہ طعن کرتے تھے کہ آپ یہ باتیں کسی سے سیکھ کر آتے ہیں تعلیم کے لیے یہ ضروری ہے کہ متعلم معلم کے پاس بار بار حاضر ہو اور پابندی کے ساتھ اسکی خدمت میں حاضر ہوتا رہے اور ظاہر ہے کہ اس کے لیے ایک مدت مدید چاہیئے مقام حیرت ہے کہ اہل مکہ کو ساری عمر اس کا پتہ نہ چلا کہ آپؐ کس سے یہ علم حاصل کرکے آتے ہیں اور مجلس میں آکر اپنی وحی کہہ کر سناتے رہتے ہیں آخر مکہ میں وہ کون سا پوشیدہ مکان یا تہ خانہ تھا جس میں آپ نے جاکر اور چھپ کر تعلیم پائی جس کا ساری عمر ابوجہل اور ابولہب اور امیہ بن خلف کو پتہ نہ چلا اور نہ اس راستہ کا کسی کو علم ہوا کہ آپ فلاں راستہ اور فلاں گلی کوچہ سے فلاں شخص کے پاس فلاں وقت علم سیکھنے جاتے ہیں اور نہ یہ پتہ چلا کہ اس زمین دوز تہ خانہ میں کون سا فاضل چھپا بیٹھا ہے جو آپؐ کو تنہائی میں یہ عجیب وغریب علوم سکھا دیتا ہے اور خود اس تہ خانہ سے باہر قدم نہیں نکالتا اور نہ سوائے محمد رسول اللہؐ کے کسی کو اس تہ خانہ کے اندر قدم رکھنے کی اجازت دیتا ہے آخر وہ معلم کہاں چھپا ہوا تھا کہ ساری عمر کسی نے اسکی صورت نہ دیکھی۔

(۲) اور اگر بالفرض اس فاضل معلم نے کسی مصلحت سے اپنے آپ کو مکہ کے کسی خانہ یا تہ خانہ میں رکھا تو اہل مکہ کو کیا ہوا کہ ہلّہ بول کر اس کے مکان میں گھس جاتے اور اس سے کہتے کہ آپ تشریف لایئے غرض یہ کہ ایسے فاضل استاد کا جس نے بزعم دشمنانِ اسلام محمد رسول اللہ کو تعلیم دی ہو تاریخ عالم میں نام ونشان نہ ملنا سراسر خلاف عقل ہے۔

(۳) پھر یہ کہ جس معلم نے آپؐ کو اولین اور آخرین کے علوم کی اور توریت اور انجیل کی باتیں اور انبیاء سابقین کی شریعتوں کی تعلیم دی لامحالہ اس کے پاس بڑا عظیم کتب خانہ بھی ہوگا نہ معلوم وہ کتب خانہ مکہ کے کس مکان میں چھپا ہوا تھا جس کا آج تک کسی کو پتہ نہیں چلا۔

(۴) نیز اس معلم کو کیا داعی پیش آیا جس سے ساری عمر اس نے اپنی تعلیم کو مخفی رکھا اور کسی متنفس پر یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ محمدؐ مجھ سے تعلیم پاتے ہیں اور میرے شاگرد ہیں فضلاء ہمیشہ اس پر فخر کرتے آئے کہ فلاں اور فلاں نے مجھ سے علم حاصل کیا ہے اس معلم نے کبھی اس پر فخر نہ کیا کہ "محمد صاحب" میرے شاگرد ہیں اور کیا اس فاضل معلم کا کوئی اور شاگرد نہ تھا کہ جو برسر مجلس آپ سے یہ کہتا کہ آپ جو یہ کہتے ہیں کہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے غلط ہے یہ ساری باتیں آپ فلاں شخص سے سیکھ کر آئے ہیں۔

(۵) پھر یہ کہ وہ معلم اگر مشرکین میں سے تھا تو اس نے آپؐ کو توحید کے علوم اور اسکے دلائل کی اور شرک کے ابطال اور اس کے دلائل کی اور مشرکین کی تحمیق اور تجہیل کی تعلیم کیسے دی جس سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے اور اگر وہ معلم یہودیوں سے تھا تو اس نے حضرت مسیحؑ کی منقبت اور فضیلت کی اور انکی والدہ مطہرہ مریم صدیقہؑ کی براءت اور نزاہت اور طہارت کی کیسے تعلیم دی اور علماء یہود کو توریت کی تحریف پر کیسے ملامت کی اور انکی غلط بیانیوں پر کیسے انکو فضیحت کی اور اگر وہ معلم نصرانی تھا تو اس نے تثلیث اور حضرت مسیح بن مریمؑ کے الوہیت کے ابطال کی کیسے تعلیم دی اور حضرت مسیح کے قتل اور صلب کی تردید اور انکے رفع الی السماء کی تعلیم کیسے دی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تاریخی حیثیت سے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا روز روشن کی طرح ایسا واضح ہے کہ جس میں ذرہ برابر انکار بلکہ تردد کی بھی گنجائش نہیں۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ

اے بندو میرے جو یقین لاتے ہو میری زمین کشادہ ہے

فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

سو مجھی کو بندگی کرو جو جی ہے سو چکھے گا

الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے اور جو لوگ یقین

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا

لائے اور کیے بھلے کام اُن کو ہم جگہ دیں گے بہشت میں جھروکے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ

نیچے بہتی ہیں نہریں سدا رہیں ان میں خوب نیگ ملا

الْعٰمِلِيْنَ ۝۵۸ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۵۹

کام والوں کا جو ٹھہرے رہے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا

اور کتنے جانور ہیں جو اُٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ روزی دیتا ہے انکو

وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۰ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ

اور تم کو اور وہی ہے سنتا جانتا اور جو تو لوگوں سے پوچھے

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

کس نے بنائے آسمان و زمین اور کام لگائے سورج

وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۶۱ اَللّٰهُ

اور چاند تو کہیں اللہ نے پھر کہاں سے اُلٹ جاتے ہیں اللہ

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ

پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۲ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

جسکو چاہے بے شک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے اور جو تو پوچھے اُن سے کس نے

نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ

اُتارا آسمان سے پانی پھر جلا دیا اُس سے زمین کو اسکے

بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ

مرے پیچھے تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر بہت

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۶۳﴾ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ

لوگ نہیں بوجھتے اور یہ دنیا کا جینا تو بس ہے جی بہلانا

إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ

اور کھیلنا اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے جینا

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَإِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ

اگر یہ سمجھ رکھتے پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ

اللہ کو نرے اسی پر رکھ کر نیت پھر جب بچا لایا انکو زمین کی طرف اسی وقت لگے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ

شریک پکڑنے مکرتے رہیں ہمارے دیئے سے اور برتتے رہیں اب آگے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ

جان لیں گے کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اچکے

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ

جاتے ہیں انکے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا احسان

اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

نہیں مانتے اور اس سے بے انصاف کون جو باندھے اللہ

اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ

پر جھوٹ یا جھٹلادے سچی بات کو جب اس تک پہنچے کیا دوزخ

مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا

میں بسنے کی جگہ نہیں منکروں کی اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾

سوجھاویں گے ان کو اپنی راہیں اور بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے

ترغیب ہجرت و ذکر بقائے عالم آخرت

و بیان حقارت دنیا و فناء و زوال او

قال اللّٰہ تعالیٰ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ ... اِلٰی ... وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ

(ربط) جب کفار مکہ مسلمانوں کی ایذاء رسانی پر تل گئے اور مسلمانوں کو احکام اسلام بجا لانا دشوار ہو گیا تو حکم نازل ہوا کہ مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائیں اور جہاں ارکانِ اسلام آزادی کے ساتھ ادا کر سکیں وہاں چلے جائیں کافروں کی زمین میں کافروں کے ساتھ رہنا درست نہیں چنانچہ صحابہؓ نے اول حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر بعد چندے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی زجاجؒ کہتے ہیں کہ جس جگہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت نماز روزہ ممکن نہ ہو یا جس جگہ علی الاعلان اللہ تعالیٰ کی معصیت ہونے لگے اور اس کا تغیر کرنا ممکن نہ ہو وہاں سے ہجرت واجب ہے ورنہ مستحب ہے اور چونکہ ترک وطن اور ہجرت اور خویش و اقارب سے مفارقت ابتلاء عظیم ہے اور بہت بھاری چیز ہے اس لیے مہاجرین کی تسلی کے لیے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں یہ دنیا فانی ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ہر شخص کو ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے فرض کرو کہ آج ہجرت نہ کی تو ایک نہ ایک روز اس دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے اور اس دنیا کو چھوڑنا ہے اگر خدا کے لیے تم وطن اور خویش و اقارب کو چھوڑو گے وہ تم کو اسکے بدلہ میں اس سے بہتر عطا کرے گا رزق کسی مکان کے ساتھ مخصوص نہیں چوپاؤں سے عبرت حاصل کرو کہ وہ بھی تو اپنی روزی ساتھ لیے نہیں پھرتے مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزی پہنچاتا ہے۔

اے مسلمانو! اس دنیا کو لہو و لعب سمجھو اور آخرت کی جد و جہد میں لگے رہو اللہ تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو خدا کی راہ میں مجاہدہ کریں اور اس کے احکام کی تعمیل میں محنتیں اور مشقتیں اٹھائیں چنانچہ فرماتے ہیں اے میرے ایمان والے بندو اگر اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو میرے دشمنوں سے الگ ہو جاؤ اور ان کے درمیان سے نکل جاؤ اور جس جگہ تم علانیہ میری عبادت نہیں کر سکتے وہاں سے ہجرت کر جاؤ البتہ میری زمین کشادہ ہے یہاں سے دوسری جگہ چلے جاؤ پس وہاں جا کر خالص میری ہی عبادت کرو وطن مالوف کی اقامت کو اللہ کی عبادت کے مقابلہ میں ترجیح نہ دو یعنی میرے بندوں کو چاہیئے کہ عبادت الٰہی کو مقصود اصلی سمجھیں اور آخرت کو

اپنا وطن اصلی جانیں جہاں عبادت میسر نہ آسکے وہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جاویں جہاں اللہ کی عبادت میسر آسکے اور اگر اہل وعیال کی محبت کی وجہ سے اپنا شہر نہیں چھوڑ سکتے تو ایک نہ ایک دن اس دنیا سے مفارقت ضروری ہے کیونکہ ہر نفس ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر بالآخر سب کو چھوڑ کر ہماری ہی طرف واپس آنا ہے تو بہتر یہ ہے کہ ابھی سے ہمارے پاس آنے کی فکر کر لو اور وطن اصلی کی تیاری کرو اور پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا رُخ کرو ان پر ایمان لاؤ اور ان کی ہدایت کے مطابق اعمال صالحہ بجا لاؤ اور جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کیے ہم انکو ضرور بالضرور جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے جو تمہارے متروکہ محلوں سے لاکھوں درجہ بہتر ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی دنیا کی منازل فانیہ کے بدلہ میں انکو یہ منازل عالیہ اور باقیہ عطا کریں گے وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کیا ہی خوب ثواب ہے نیک کام کرنے والوں کا یعنی ہجرت کرنے والوں کا جنہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر اور ہجرت کے مصائب پر اور خویش واقارب اور وطن کی مفارقت پر صبر کیا اور رزق کے بارہ میں وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہر جگہ رزق دینے والا ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وطن میں تو اسباب معیشت مہیا ہیں باہر جا کر کیا ہوگا تو خوب سمجھ لے کہ زمین پر چلنے والے کتنے جانور ہیں کہ اپنا رزق اپنے ساتھ اٹھائے اور لادے نہیں پھرتے اللہ ہی اپنے فضل سے رزق دیتا ہے ان کو بھی اور تم کو بھی اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے جو خدا چرند اور پرند کو روزی دے سکتا ہے وہ مہاجرین کو بھی روزی دے سکتا ہے لہٰذا ہجرت کے بارہ میں یہ اندیشہ نہ کرو کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں گے تو ہم روزی کہاں سے پائیں گے تم تو اہل ایمان ہو تمہارا درجہ جانوروں سے کہیں بلند ہے جب خدا تعالیٰ جانوروں کو روزی دیتا ہے تو اسکی راہ میں ہجرت کرنے والے اہل ایمان کو کیوں روزی نہ دے گا لہٰذا مہاجرین کو چاہیئے کہ آسمان وزمین کے خالق پر بھروسہ رکھیں کیونکہ رزق کا اصل سرچشمہ زمین اور آسمان ہے اور خدا ہی ان سب کا خالق ہے جس میں کسی کو انکار نہیں چنانچہ اگر آپ مکہ کے کافروں سے دریافت کریں کہ بتاؤ کس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا کہ آسمان سے تمہارے لیے پانی برستا ہے اور زمین سے تمہارے لیے غلہ پیدا ہوتا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا سورج کی روشنی سے پھل اور کھیتیاں پکتی ہیں اور چاند کی روشنی سے بڑھتی اور ابھرتی ہیں اگر چاند اور سورج ایک ہی جگہ پر ٹھہرے رہتے اور حرکت نہ کرتے تو نہ دن ہوتا اور نہ رات ہوتی اور نہ موسم بدلتا اور نہ گرمی اور سردی ہوتی لیل ونہار کا اختلاف اور موسم سرما اور گرما کا اختلاف شمس وقمر کی حرکت سے ہے جو اللہ کے حکم سے ہے تو جواب میں سب کے سب ضرور یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے تو پھر کہاں بہکے جاتے ہیں اور اس اقرار کے بعد کیوں شرک میں مبتلا ہیں اور غیر اللہ سے کیوں مرادیں مانگتے ہیں کیا یہ شمس وقمر کی حرکت انکے مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے یا کسی قادر مختار کی قدرت کا کرشمہ ہے سب جانتے ہیں کہ اسباب رزق اسی کے پیدا کیئے ہوتے ہیں پھر بھی اس پر بھروسہ نہیں کرتے

اور جس طرح اصل رزق اور اصل روزی اس کے ہاتھ میں ہے اسی طرح رزق کی کمی اور زیادتی اور فراخی اور تنگی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے خدا تعالیٰ ہی فراخ اور کشادہ کرتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی سب اللہ کی مشیت اور حکمت پر ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے تنگی اور فراخی کی مصلحت اس پر پوشیدہ نہیں لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہجرت سے رزق کی وسعت ختم ہو جائے گی خیالِ خام ہے حسب الحکم اور حسب الہدایت تدبیر میں لگے رہو مگر نظر اور بھروسہ ہماری تقدیر پر رکھو۔

اور اگر آپ مشرکین عرب سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے اتارا پھر کس نے اس پانی کے ذریعہ زمین کو مردہ اور افسردہ ہونے کے بعد اسکو زندہ اور سرسبز و شاداب کیا تو جواب میں ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کہیے الحمد للہ یعنی شکر ہے خدا کا سب نے اس بات کا اقرار کیا کہ آسمان سے لے کر زمین تک رزق اور سامانِ رزق سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے پس عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب اسکی خالقیت اور رازقیت کا اقرار کرتے بلکہ معاملہ برعکس ہو گیا کہ اکثر کافر باوجود دنیا کے ہوشیار ہونے کے آخرت کے بے عقل ہو گئے اور آخرت کو چھوڑ کر دنیا کے شیدائی بن گئے اور دارِ بقاء کو چھوڑ کر دارِ فنا اور فانی حیات پر فریفتہ ہونا بھی بے عقلی کی دلیل ہے اور مادہ پرستوں کا عجب حال ہے کہ ان باتوں کو سمجھتے ہیں اور نہیں سمجھتے دیکھتے ہیں اور نہیں دیکھتے ہر وقت اینھر کے چکر اور بھنور میں ہیں اللہ انکو عقل دے۔

دار دنیا کی حقارت اور دار آخرت کی فضیلت

قال اللہ تعالیٰ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ... الی .... وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ یعنی اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے دنیا کی ظاہری آرائش پر مفتون ہیں اگر عقل سے کام لیں تو سمجھ جائیں کہ دنیا کا تمام کارخانہ فناء اور زوال اور ضعف اور اضمحلال پر مبنی ہے تو جان لیں کہ یہ دنیا بالکل بے حقیقت ہے اور سراسر فانی ہے جس سے ایک دن کوچ قطعی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں ہے یہ دنیاوی زندگانی جس پر یہ بے عقل فریفتہ ہیں مگر طفلانِ بے شعور کے دل بہلانے کا ایک مشغلہ ـــ جیسے بچے لاٹھی کو گھوڑا بنا کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں اسکو بازیٔ طفلاں کہتے ہیں اور محض ایک کھیل اور تماشا ہے جیسے گانا بجانا اور پتنگ بازی اور کبوتر بازی جس میں بسا اوقات جوان بھی شریک ہو جاتے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے دنیا کی حقارت بیان کرنے کے لیے دو لفظ اختیار فرمائے ایک لہوٌ اور ایک لعبٌ اور دونوں کے مفہوم میں لغت کے اعتبار سے کچھ

فرق ہے لہو اس مشغلہ کو کہتے ہیں جس سے دل بہل جاتے اور لعب کھیل تماشہ کو کہتے ہیں جو تھوڑی دیر رہ کر ختم ہو جائے مگر اس پر کوئی معتد بہ ثمرہ مرتب نہیں ہوتا یہی حال دنیا وی زندگی کا ہے مقصود یہ ہے کہ دنیا کی حقیقت صرف اتنی ہے جو اس قابل نہیں کہ اس سے دل لگایا جائے اور تحقیق دار آخرت وہی حقیقی زندگی ہے جو ہر قسم کے تکدر سے پاک اور منزہ ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے جہاں موت نہیں پس جس جگہ ہر وقت کوچ کا طبل بجتا رہتا ہو وہ جگہ جی لگانے کے قابل نہیں کاش کہ لوگ دنیا اور آخرت کے فرق کو سمجھتے تو دنیا میں اس قدر محو نہ ہوتے اور سمجھ لیتے کہ قابل توجہ اور التفات دار آخرت ہے لہذا اگر کچھ عقل ہے تو اصل فکر آخرت کی کرو اور دنیا کو اس کا وسیلہ اور ذریعہ بناؤ پس یہ شیدایان جلوۂ دنیا جب کبھی دریا کا سفر کرتے ہیں اور کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور انکو غرق ہونے کا ڈر ہوتا ہے تو اس وقت اس دنیا کے لہو ولعب کو بھول جاتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھی بھول جاتے ہیں اور اللہ کو پکارتے ہیں درآنحالیکہ خالص اللہ کی عبادت کی نیت کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں اور خوف اور اضطراب کو دفع کرنے کے لیے اللہ کو پکارتے ہیں اور اسکی پناہ ڈھونڈتے ہیں جب اللہ کا نبی توحید کی طرف بلاتا ہے تو صاف انکار کر دیتے ہیں اور جب سر پر مصیبت آپڑتی ہے تو توحید اور اخلاص کے نعرے لگانے لگتے ہیں پھر جب خدا انکو اس مصیبت سے نجات دیتا ہے اور سلامتی کے ساتھ دریا سے خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو کشتی سے اترتے ہی حسب عادت پھر شرک کرنے لگتے ہیں جب آفت سر پر آپہنچی تو اللہ کو پکارنے لگے پھر جب وہ آفت سر سے ٹلی تو پھر وہی کفر اور شرک اور بتوں کو پکارنا شروع کر دیا گویا کہ کفر و شرک سے انکی غرض یہ ہوئی کہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں سو عنقریب جان لیں گے کہ ناشکری کا کیا انجام ہوتا ہے

اب آیندہ آیت میں انکے نامعقول حیلہ اور بہانہ کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہتے تھے اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا یعنی اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی ہدایت کا اتباع کریں تو لوگ ہم کو اچک لیں اور مار ڈالیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس بہانہ کی لغویت مشاہدہ سے ثابت ہے کیا ان کفار نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو ان کے لیے مقام امن بنایا اور انکے ارد گرد کے لوگ اچک لیے جاتے ہیں یعنی لوٹ لیے جاتے ہیں اور مار دیے جاتے ہیں اور حرم

ٰلہ اشارہ اس طرف ہے کہ لِیَکْفُرُوْا کا لام، لام عاقبت ہے اس لیے کہ کفار کا یہ قصد نہ تھا بلکہ ان کے فعل کا نتیجہ تھا جیسا کہ لِیَکُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں لام۔ لام عاقبت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے کفران نعمت کا قصد نہیں کیا تھا مگر نجات کی نعمت کا انجام یہ ہوا کہ بجائے شکر کے کفر اور شرک کرنے لگے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

کہ قتل وغارت سے بالکل مامون اور محفوظ ہے اور یہ لوگ اس میں بے خوف وخطر زندگی بسر کر رہے ہیں لہٰذا ایمان سے تخلف کے لیے تخطف کو عذر قرار دینا غیر معقول ہونے کے علاوہ مشاہدہ کے بھی خلاف ہے اور یہ نعمت حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اس میں انکے معبودوں کو ذرہ برابر دخل نہیں پس کیا یہ لوگ اس درجہ ضد اور عناد پر اتر آئے ہیں کہ باطل اور جھوٹ بات کا تو یقین کرتے ہیں اور باطل معبودوں پر ایمان لاتے ہیں اپنے ہاتھ کے تراشیدہ بت کو تو خدا ماننے کے لیے تیار ہیں مگر خدا کے برگزیدہ بندہ کو خدا کا رسول ماننے پر تیار نہیں اور اللہ کے احسان کو نہیں مانتے کہ اس کی رحمت سے حرم میں امن کے ساتھ بے خوف وخطر بیٹھے ہوتے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا کہ اللہ نے بتوں کو اور دوسرے معبودوں کو کارخانہ کا مختار کار بنا دیا ہے یا اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا کہ جس کے پاس حق پہنچا اور اس نے اسکو جھٹلا دیا کیا ان کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں یعنی ضرور ہے یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جو اس سرائے فانی پر شیدا اور فریفتہ ہوں اور وہ لوگ جو دار آخرت کے دلدادہ اور شیدائی ہیں جنہوں نے ہماری راہ میں جان ومال سے جہاد کیا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور علم کے مطابق عمل کیا اور نفسانی خواہش کو شریعت کے تابع کر دیا ہم انکو اپنے تک پہنچنے کی راہیں دکھاویں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے یعنی مجاہدوں کے ساتھ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور خدا جس کے ساتھ ہو اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ اسے کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے مجاہدہ یعنی ظاہری اور باطنی جہاد اور جدوجہد ضروری ہے اور لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں سُبُل سے خدا تعالیٰ کے قرب اور رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مآل بہشت ہے۔

اگر در جستجوئے من شتابی

مرادِ خود بزودی باز یابی

الحمد للہ آج بتاریخ ۵ جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ بروز پنج شنبہ بعد از اذان عصر جامعہ اشرفیہ لاہور میں خدا تعالیٰ کی رحمت سے سورۂ عنکبوت کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی جس کے ختم سے بفضلہ تعالیٰ تفسیر کے دو ثلث اختتام کو پہنچے وللہ الحمد والمنۃ اور اللہ کے فضل وکرم سے اور اس کی رحمت سے امید ہے کہ باقی ماندہ ایک ثلث کے اتمام اور اکمال کی توفیق عطا فرمائیں گے اور اپنے قبول سے نوازیں گے اور اپنی ہدایت اور معیت خاصہ دائمہ سے سرفراز فرمائیں گے آمین یا رب العالمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین وعلینا معہم یا ارحم الراحمین الی یوم الدین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ الرُّوۡم

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام سورت بالاتفاق مکی ہے اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

(ربط) گزشتہ سورت کے اخیر میں آپؐ کی نبوت کی دلیل کا ذکر تھا اب اس آیت کے شروع میں بھی آپؐ کی نبوت کی ایک اور دلیل کا ذکر ہے وہ یہ کہ آپؐ نے غلبۂ روم کی پیش گوئی فرمائی اور پھر وہ اسی طرح ہو بہو ظاہر ہوئی جس طرح آپؐ نے خبر دی تھی۔

نیز گزشتہ سورت کے آخر میں حیوٰۃ دنیا کا لہو ولعب ہونا بیان کیا اب اس سورت کے شروع میں یہ بتلاتے ہیں کہ حیات دنیا ہیچ ہے خدا تعالیٰ جب چاہتا ہے تو کسی کو غلبہ دیتا ہے اور پھر اسی غالب کو مغلوب کر دیتا ہے اور معلوم ہوا کہ دنیوی غلبہ حقانیت کی دلیل نہیں پھر یہ کہ جب دنیا کی عزت اور ذلت سب خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو یہ نادان کیوں جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کی اس وقتی فقیری اور درویشی کو دیکھ کر مسلمانوں کو کیوں حقیر سمجھ رہے ہیں اہل اسلام اس وقت ابتلاء کی منزل سے گزر رہے ہیں عنقریب یہ متکبرین دیکھ لیں گے کہ یہی درویشانِ اسلام قیصر وکسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے کچے صحن میں بیٹھ کر تقسیم کریں گے۔

نیز گزشتہ سورت میں ہجرت کی ترغیب اور ہجرت کے مصائب پر صبر کی تلقین تھی کہ کربت غربت پر صبر کریں اب اس سورت میں اسکی دلیل بیان کرتے ہیں کہ تغیرات عالم اور سلطنتوں کے انقلابات سب خدا کے ہاتھ میں ہیں۔

یہ سورت مکی ہے اس میں ساٹھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ھُمۡ

دب گئے ہیں روم ملتے ملک میں اور وہ

مِّنۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُوۡنَ ۝٣ فِيۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ ۬ؕ
اس دبنے پیچھے اب غالب ہوں گے کئی برس میں
لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَيَوۡمَئِذٍ يَّفۡرَحُ
اللہ کے ہاتھ ہیں کام پہلے اور پچھلے اور اس دن خوش ہوں گے
الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝٤ بِنَصۡرِ اللّٰهِ ؕ يَنۡصُرُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ
مسلمان اللہ کی مدد سے مدد کرے جس کی چاہے اور وہی
الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۝٥ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ
ہے زبردست رحم والا اللہ کا وعدہ ہوا خلاف نہ کرے گا اللہ اپنا وعدہ
وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝٦ يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا
لیکن بہت لوگ نہیں جانتے جانتے ہیں اوپر اوپر
مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ
دنیا کا جینا اور وہ لوگ آخرت سے خبر
غٰفِلُوۡنَ ۝٧
نہیں رکھتے

پیشین گوئی غلبۂ روم برایران وبشارت فتح ونصرت

وفرحت ومسرت برائے اہل ایمان

قال اللہ تعالیٰ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ..... اِلیٰ .... وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ

شان نزول | ہجرت سے قبل جب حضور پر نور مکہ مکرمہ میں تھے تو فارس اور روم میں جنگ ہوئی اور اہل فارس بمقابلہ اہل روم غالب آئے مشرکین مکہ اس بات کو محبوب

رکھتے تھے کہ فارس روم پر غالب ہوں کیونکہ اہلِ فارس اہلِ مکہ کی طرح مشرک تھے اہلِ مکہ بت پرست تھے اور اور اہلِ فارس آتش پرست تھے اور مسلمان اس بات کو پسند کرتے تھے کہ اہلِ روم فارس پر غالب ہوں اس لیے کہ اہلِ روم نصرانی تھے انبیاءؑ کے ماننے والے اور دینِ اسلام کے قریب تھے فارس کی فتح سے کفار قریش کو بہت خوشی ہوئی اور مسلمانوں سے یہ کہنا شروع کیا کہ تم بھی اہلِ کتاب ہونے کے مدعی ہو اور رومی بھی اہلِ کتاب ہیں اور اہلِ فارس تمہارے نزدیک مشرک ہیں اور ہم بھی مشرک ہیں اور ہم دونوں اُمّی ہیں اس سے ہم یہ فال نکالتے ہیں کہ جس طرح آج ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آ گئے اسی طرح ہم بھی ایک دن تم پر غالب آئیں گے حق تعالیٰ نے کفار قریش کا منہ بند کرنے کے لیے اس سورت کی شروع کی آیتیں نازل فرمائیں اور دو پیشین گوئیاں فرمائیں پہلی پیشین گوئی تو فارس اور روم کی سلطنتوں کے متعلق فرمائی کہ رومی فی الحال اگرچہ مغلوب ہو گئے مگر چند سالوں میں یعنی نو سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ جائیں گے اس پیشین گوئی سے مسلمانوں کو ایک قسم کی ڈھارس بندھ گئی اور یہ پیشین گوئی کوئی معمولی پیشین گوئی نہ تھی اس کا تعلق دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتوں سے تھا پھر یہ کہ یہ پیشین گوئی ظاہر حالت کے بھی خلاف تھی جو کسی کی عقل میں نہیں آ سکتی تھی اس لیے کہ روم کی سلطنت فارس کی سلطنت کے مقابلہ میں چھوٹی تھی اور جدید اور حادث بھی تھی اور فارس کی سلطنت بہت بڑی تھی اور بہت قدیم تھی ہزارہا سال سے ایک ہی خاندان میں چلی آ رہی تھی خزانے معمور تھے اور فوج اور لشکر کی کوئی انتہا نہ تھی لہٰذا ایسی عظیم الشان سلطنت کے متعلق یہ پیشین گوئی کرنا کہ ایک چھوٹی اور شکست خوردہ سلطنت سے یہ عظیم الشان سلطنت مغلوب ہو جائے گی کوئی معمولی پیشین گوئی نہیں بلکہ بہت بڑی پیشین گوئی ہے پھر پیشین گوئی بھی ایسی کہ جو بالکل واضح اور صاف ہے جس میں کسی قسم کا اجمال اور ابہام نہیں نجومیوں کی پیشین گوئی کی طرح گول مول نہیں پھر سَیَغْلِبُوْنَ پر سین داخل کرکے اسکے قرب کو بتلا دیا کہ عنقریب رومی غالب آ جائیں گے پھر بِضْعِ سِنِیْنَ کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ نو سال کے اندر اندر ایسا ہو جائے گا دوسری پیشین گوئی حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق فرمائی کہ چند سال میں مسلمان مظفر و منصور ہوں گے اور کافروں پر غالب آ جائیں گے اس طرح مسلمانوں کو فتح اور نصرت نصیب ہونے کی بشارت دے دی۔

پھر صاف طور پر یہ فرما دیا وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے کہ چند روز میں مسلمانوں کو دونوں قوموں پر غالب کر دے گا لیکن اکثر لوگ ظاہری اسباب کے سوا کچھ نہیں جانتے یہ پیشین گوئی پہلی پیشین گوئی سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت اس درجہ کمزور اور پست تھی کہ کوئی عقل مند ان کے لیے معمولی ریاست کا بھی تصور نہیں کر سکتا تھا روم کی سلطنت اگرچہ فارس کی سلطنت کے اعتبار سے چھوٹی تھی مگر فی حد ذاتہٖ ایک سلطنت تو تھی بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اس وقت اس درجہ کمزور تھے کہ عقل انکے لیے کسی معمولی عزت و وجاہت کا بھی تصور نہیں کر سکتی تھی ایسی قوم کے لیے

پیشین گوئی کرنا کہ وہ قیصر وکسریٰ جیسی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی یہ تو خدائے توانا اور قادر مطلق ہی کا کام ہے اور ایسی محیّر العقول پیشین گوئی خدا ہی کا کلام ہو سکتی ہے۔

چنانچہ خدائے علیم وحکیم اور قدیر وخبیر کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور دنیا نے اس کی صداقت کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرلیا اس سے بڑھ کر قرآن مجید کے من جانب اللہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے اس قسم کا قطعی فیصلہ سنا دینا کسی بشر کا کام نہیں عالم الغیب ہی اس کی خبر دے سکتا ہے۔

حق جل شانہ نے مشرکین مکہ کی فال کا اور انکے استدلال سراپا خیال وخبال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس کے برعکس دو پیشین گوئیاں فرما دیں اس لیے کہ ایک قوم کے دوسری قوم پر غالب آجانے سے عقلاً یہ ضروری نہیں کہ اس قوم کی نظیر بھی دوسری قوم کی نظیر پر غالب آجائے اور پھر ان دو پیشین گوئیوں کے ساتھ ایک بشارت اور خبر مسرت بھی سنا دی کہ جس دن تم اپنی فتح اور غلبہ کی خوشی اور مسرت میں مشغول ہو گے اسی دن تم کو یہ خوشی کی خبر بھی پہنچے گی کہ روم فارس پر غالب آگئے اور یہ دونوں مسرتیں تم کو ایک ہی دن میں حاصل ہوں گی چنانچہ مسلمان بدر کے میدان میں مشرکین مکہ پر فتح اور نصرت کی خوشیاں منا رہے تھے اسی دن یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل فارس پر غالب آگئے چنانچہ فرماتے ہیں۔
وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ یعنی ایک ہی دن میں دو مسرتیں حاصل ہوں گی ایک خوشی غلبۂ روم کی فارس پر اور دوسری خوشی غلبۂ اہل اسلام کی کفار مکہ پر اور مسلمانوں کو جو خوشی حاصل ہوگی وہ حقیقی خوشی ہوگی بخلاف کفار مکہ کے کہ وہ اس وقت جو کچھ خوشی منا رہے ہیں وہ سب خیالی ہے اور انجام اس کا ذلت اور ندامت ہے اور ان نادانوں کو انجام کی خبر نہیں چنانچہ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ میں اس طرف اشارہ فرمایا جس کا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری آرائش اور زیبائش اور آسائش کو دیکھ کر مفتون ہو گئے اور اصل حقیقت کا ان کو علم نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ پیشین گوئی حضور پر نور ﷺ کا معجزہ تھی اور معجزہ کا فائدہ یہ ہے کہ معجزہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کا تعلق عالم غیب اور علام الغیوب سے ہے جس کے لیے یہ معجزات ظاہر کیے جا رہے ہیں اب اس تمہید کے بعد آیات کی تفسیر پڑھیے اور دیکھیے الم اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں اے رسول آج عرب کی قریبی سرزمین میں ایک موقع پر یعنی مقام اذرعات اور بصریٰ میں اہل روم فارس کے مقابلہ میں مغلوب ہو گئے اور اہل فارس ان پر غالب آگئے جس سے مشرکین مکہ خوش ہو گئے ولیکن انکو اس فی الحال فتح سے خوش نہ ہونا چاہیے اہل روم کی یہ مغلوبی عارضی ہے اور وہ رومی اپنے اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال کے اندر یعنی تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر ضرور غالب آجائیں گے اور اس طرح مغلوب اور کمزور ہو جانے کے بعد پھر غالب آجانا مشرکین

کے لیے اور زیادہ باعث رنج و غم ہوگا خصوصًا جب کہ قریبی مدت میں ایک شکست خوردہ ضعیف و کمزور ایک قوی اور فاتح پر غالب آجائے اور یہ غالب اور مغلوب ہو جانا سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے سب اختیار اللہ ہی کو ہے اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی جس کو چاہتا ہے وہ غالب کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مغلوب کرتا ہے غالب کو مغلوب کر دینا اور مغلوب کو غالب کر دینا سب اسی کے اختیار میں ہے لہٰذا کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جو شخص ایک مرتبہ مغلوب ہو گیا اور کمزور پڑ گیا وہ دوبارہ اپنے سے زیادہ قوی اور زور آور پر کیسے غالب آسکتا ہے۔

اور اس روز یعنی جب اہل روم اہل فارس پر غالب آئیں گے مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی امداد سے کہ اہل کتاب کو مشرکین کے مقابلہ میں فتح ہوئی اور خوشی کی ایک وجہ یہ ہوگی کہ اہل کتاب دینِ اسلام کے قریب ہیں اور نبوت اور رسالت اور حشر و نشر اور قیامت کے قائل ہیں اور دوسری وجہ یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اس کا صدق ظاہر ہوگا اور مشرکین ذلیل و خوار ہوں گے مسلمانوں سے مشرکین کو غلبۂ روم کی خبر دی تھی تو اس کا صدق ظاہر ہونا یہ اللہ کی مدد ہے چنانچہ جس روز بدر میں مسلمانوں کو کفار مکہ پر فتح نصیب ہوئی اسی روز جبریل امینؑ نے آکر رومیوں کے فتح کی خبر دی تو مسلمانوں کی خوشی دوچند ہو گئی ایک خوشی تو جنگِ بدر میں اپنے مظفر و منصور ہونے کی تھی اور دوسری خوشی اس کے ساتھ یہ مل گئی کہ اہل کتاب (رومی) مجوس یعنی اہلِ فارس پر غالب آگئے اور قرآن کریم نے جو پیشین گوئی کی تھی اس کا صدق ظاہر ہو گیا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی زبردست ہے اور رحم والا ہے جس کو چاہے عزت اور غلبہ دے اور جس پر چاہے مہربانی کرے حکومت اسی کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے فتح دے اور جس کو چاہے شکست دے۔

زجاج کہتے ہیں کہ یہ آیت منجملہ ان آیتوں کے ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے کیونکہ اس نے ایسی بات کی خبر دی کہ جو آئندہ واقع ہوگی جس کا علم سوائے اللہ پاک کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔

ف علماء تفسیر کا کثیر گروہ یہ کہتا ہے کہ غلبۂ روم کی خبر بدر کے دن آئی جیسا کہ ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے اور ابن عباسؓ اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خبر صلح حدیبیہ کے دن آئی جس سے آپؐ اور آپ کے ہمراہ مسلمان خوش ہوئے دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۴۲۶ ج ۳ و تفسیر قرطبی ص۳ ج ۱۴۔

بہرحال اللہ نے وعدہ کیا ہے غلبۂ روم کا یا مسلمانوں کی خوشی کا یا ان کی نصرت اور مدد کا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا ولیکن اکثر لوگ اللہ کے تصرفات کو جانتے اور سمجھتے نہیں اکثر لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر ہوتی ہے خدا پر ان کا بھروسہ نہیں ہوتا اور ایسے

لوگ صرف دنیوی زندگی کی کچھ ظاہری سطح اور ظاہری زیبائش اور آرائش کو کچھ جانتے ہیں باقی دنیا کی حقیقت اور اس کے باطن کو کچھ نہیں جانتے اور یہ لوگ آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر اور بے فکر ہیں دنیا انکے قریب ہے اور انکی نظروں کے سامنے ہے اس لیے اس کے ظاہر سے کچھ واقف ہوگئے اور آخرت تو دور ہے اور انکی نظروں سے اوجھل ہے اس میں تو کبھی غور و فکر بھی نہیں کرتے اسی لیے آیندہ آیت اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ میں تفکر کی ترغیب دیتے ہیں کہ خیر اور کچھ نہیں تو اپنے اندر ہی غور کر لو تاکہ تم پر خدا کی قدرت واضح ہو۔

لطائف و معارف

(۱) اس آیت یعنی الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ: میں دو قراءتیں ہیں مشہور قراءت میں غُلِبَتْ بصیغۂ مجہول اور سَيَغْلِبُوْنَ بصیغۂ معروف ہے اور یہی جمہور کی قراءت ہے اور گذشتہ تمام تفسیر اسی مشہور قراءت کی بنا پر تھی۔

اور ایک قراءت شاذہ میں غَلَبَتْ بصیغۂ معروف اور سَيُغْلَبُوْنَ بصیغۂ مجہول وارد ہوا ہے اور یہ قرآت پہلی قرآت کے بالکل برعکس ہے اس لیے کہ مشہور قرآت میں رومیوں کے مغلوب ہونے کا ذکر ہے اور دوسری قرآت میں رومیوں کے غالب ہونے کا ذکر ہے بظاہر دونوں قرآتیں ایک دوسرے کا بالکل عکس ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں قرآتوں میں اختلاف اور تفاوت ضرور ہے لیکن تناقض اور تضاد نہیں ہر قرآت میں ایک نئی بشارت کا ذکر ہے جو اپنے اپنے وقت میں ظاہر ہوئی اور پوری ہوئی۔

مشہور قرآت (یعنی غُلِبَتْ بصیغۂ مجہول اور سَيَغْلِبُوْنَ بصیغۂ معروف) پر آیت کا مطلب یہ ہے کہ رومی قریبی زمین میں اگرچہ فی الحال مغلوب ہو گئے ہیں مگر چند سال بعد رومی اہل فارس پر غالب آئیں گے اور اس روز مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اور ہماری گذشتہ تفسیر اسی قرآت مشہورہ اور متواترہ کی بنا پر تھی۔

اور دوسری قرآت شاذہ (جس میں غَلَبَتْ بصیغۂ معروف اور سَيُغْلَبُوْنَ بصیغۂ مجہول پڑھا گیا ہے) کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ رومی غالب آگئے مگر اس غالب آنے کے بعد رومی عنقریب مغلوب ہوں گے۔

پہلی قرآت میں رومیوں کے مغلوب ہونے کے بعد ان کے غالب ہونے کی خبر کا ذکر ہے اور دوسری قرآت میں رومیوں کے غالب ہونے کے بعد ان کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی ہے رومیوں کی یہ دوسری مغلوبی مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوگی جیسا کہ تفسیر ابوالسعود ص ج ۶

اور تفسیر بیضاوی اور حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص۱۱۳ ج ۷ میں ہے

تو[1] جاننا چاہیئے کہ ان دونوں قرأتوں کے معنی اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان دونوں معنی میں تناقض اور تضاد نہیں اسلیئے کہ ہر قرأت میں ایک نئی چیز کی خبر دی گئی ہے اور عقلاً اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک فریق ایک زمانہ میں مغلوب ہو اور دوسرے زمانہ میں غالب ہو مشہور قرأت میں تو یہ خبر دی گئی ہے کہ رومی یعنی اہل کتاب اگرچہ ایرانیوں کے ہاتھ سے مغلوب ہو گئے ہیں مگر عنقریب چند سال میں رومی (اہل کتاب) ایرانیوں پر غالب آئیں گے اس خبر کا ظہور بدر کے دن ہوا جیسا کہ اسکی تفصیل گذر چکی گذشتہ تمام تفسیر اسی مشہور قرأت کی بنا پر تھی یعنی جب کہ غُلِبَتْ بصیغۂ مجہول اور سَيَغْلِبُوْنَ بصیغۂ معروف پڑھا جاوے اور دوسری قرأت میں یعنی جب کہ غَلَبَتْ بصیغۂ معروف اور سَيُغْلَبُوْنَ بصیغۂ مجہول پڑھا جاوے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ رومی غالب آئے مگر اس غالب آنے کے بعد رومی مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے یعنی مسلمان ان پر غالب ہوں گے اس قرأت میں مسلمانوں کا روم پر فتحیاب ہونے کا ذکر ہے کہ مسلمان عنقریب سلطنت روم کو فتح کرلیں گے اور اس پر غلبہ پاویں گے یہ دوسری بشارت ہے جس کا اسی قرأت میں ذکر ہے اور یہ بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ سعادت میں واقع اور ظاہر نہیں ہوئی بلکہ شیخین (صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ) کے زمانۂ سعادت میں واقع اور ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ خلیفۂ دوم یعنی فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر پورا ہوا مشہور قرأت میں جس پیشین گوئی کا ذکر تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ سعادت میں پوری ہوئی اور قرأت شاذہ میں جس پیشین گوئی کا ذکر ہے وہ فاروق اعظمؓ کے زمانۂ خلافت میں پوری ہوئی۔

بہرحال آیت میں دو قرأتیں ہیں اور ہر قرأت میں نئی بشارت کا ذکر ہے پہلی بشارت یعنی رومیوں کا اہلِ فارس پر غلبہ یہ بشارت بدر کے دن پوری ہوئی اور دوسری بشارت یعنی رومیوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہونا یہ بشارت فاروقِ اعظمؓ کے زمانۂ خلافت میں پوری ہوئی کہ مسلمان رومیوں اور فارسیوں پر بیک وقت غالب آئے اور اللہ کی ہر خبر اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوئی غرض یہ کہ چند روز بعد دونوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں اور ہر پیشین گوئی آپؐ کی نبوت کی دلیل تھی کہ مسلمان بے سروسامان تھے مگر قیصر و کسریٰ جیسی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

تنبیہ ان دو مختلف قرأتوں میں یہ تطبیق و توفیق جو ہم نے ہدیۂ ناظرین کی ہے وہ سب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ کے کلام کی تشریح ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفاء میں ذکر کی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں دو قرأتیں ہیں اور ہر قرأت میں ایک نئی پیشین گوئی کا ذکر ہے اور ہر

---

[1] یہاں سے لیکر اخیر تک تمام کلام حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی ازالۃ الخفاء سے ماخوذ ہے۔

پیشین گوئی قرآن کریم کے منجانب اللہ تعالیٰ ہونے کی بھی دلیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بھی دلیل ہے کہ بغیر وحی الٰہی کے اس قسم کی پیشین گوئی ناممکن اور محال ہے۔

چنانچہ علاء بن زبیر کلابی اپنے باپ زبیر کلابی سے راوی ہیں کہ میرے باپ زبیر نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ یہ تینوں غلبے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اوّل بار فارس کا غلبہ روم پر دیکھا دوسری بار روم کا غلبہ فارس پر دیکھا تیسری بار مسلمانوں کا غلبہ روم اور فارس دونوں پر دیکھا اور یہ سب کچھ پندرہ سال کے اندر اندر ہوا رواہ ابن ابی حاتم دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۴۲۶ ج ۳۔

(۲) يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ کا مطلب[1] یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری آرائش اور آسائش کو دیکھ کر مفتون ہوگئے اور اصل حقیقت کا انکو علم نہیں یہ دنیا ایک ایسی چڑیل بڑھیا کے مشابہ ہے جس کو ریشمی لباس پہنا کر بٹھا دیا گیا ہے اور منہ پر نقاب ڈال دیا گیا ہے جب نقاب اٹھا کر دیکھوگے تب حقیقت معلوم ہوگی۔

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد ؛ چوں باز کنی مادرِ مادر باشد

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

عارفے خواب رفت در فکرے ؛ دید دنیا بصورت بکرے
کرد ازوے سوال کاے دلبر ؛ بکر چونی بایں ہمہ شوہر
گفت یک حرف باتو گویم راست ؛ کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست
وآنکہ نامرد بود خواست مرا ؛ زاں بکارت ہمیں بجاست مرا

(۳) اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ روم مغلوب ہونے کے بعد عنقریب پھر اہل فارس پر غالب آئیں گے لوگوں نے اس پیشین گوئی کو عجیب سمجھا اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ ان لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر ہے اور مسبب الاسباب سے غافل ہیں اس لیے جب وہ اس قسم کی پیشین گوئیاں سنتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ ہر چیز کا اصلی سبب حق تعالیٰ کا ارادہ ہے وہی فتح و نصرت کا مالک ہے اس لیے وعدہ میں تخلف ممکن نہیں اس لیے اخیر سورت تک دلائل قدرت کو بیان کیا تاکہ ان دلائل قدرت میں غور کریں اور ہوش میں آجائیں کہ سب کچھ اللہ ہی کی قدرت اور اختیار میں ہے عزت اور غلبہ ذلت اور مغلوبی سب اس کے اختیار میں ہے لہٰذا مسلمانوں کا اس وقتی فقر اور درویشی کو دیکھ کر مسلمانوں کو حقیر نہ سمجھیں اہل اسلام کو اس وقت ابتلاء کی منزل سے گذارا جارہا ہے جیسا کہ گذشتہ سورت میں گذرا الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ عنقریب یہی درویشان اسلام قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو مسجد نبوی کے کچے صحن میں بیٹھ کر تقسیم کریں گے۔

---

[1] ماخوذ از ہمّ الآخرۃ ص۲۲ وعظ دہم از سلسلۃ البلاغ۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيٓ أَنفُسِهِم ۗ مَا خَلَقَ

کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں ؟ اللہ نے جو بنائے

اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَ

آسمان و زمین اور جو اُنکے بیچ ہے سو ٹھیک سادہ کر اور

أَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ

ٹھہرے وعدہ پر اور بہت لوگ اپنے رب کا ملنا نہیں

لَكٰفِرُونَ ﴿٨﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا

مانتے کیا پھرے نہیں ملک میں جو دیکھیں

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوٓا أَشَدَّ

آخر کیسا ہوا اُن سے اگلوں کا اُن سے زیادہ تھے

مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَآ أَكْثَرَ مِمَّا

زور میں اور زمین اُٹھائی اور بسائی اُن کے بسانے

عَمَرُوهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنٰتِ ۖ فَمَا كَانَ

سے زیادہ اور پہنچے اُن پاس رسول اُنکے لے کر کھلے حکم اور اللہ نہ تھا

اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ ثُمَّ

اُن پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنا آپ برا کرتے تھے پھر

كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَٰٓـُٔوا السُّوٓأَىٰٓ أَن كَذَّبُوا

ہوا آخر برا کرنے والوں کا برا اس پر کہ جھٹلائیں

بِـَٔايٰتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِءُونَ ﴿١٠﴾ اللَّهُ يَبْدَؤُا

باتیں اللہ کی اور اُن پر ٹھٹھے کرتے تھے اللہ بناتا ہے

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ

ہے پہلی بار پھر اسکو دہراویگا پھر اسی کی طرف پھر جاؤ گے اور جس دن

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ

اُٹھے گی قیامت آس تُوٹے رہ جاویں گے گنہ گار اور نہ ہوں گے انکے

مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

شریکوں میں کوئی انکی سفارش والے اور یہ ہو جاوینگے اپنے شریکوں سے منکر

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا

اور جس دن اُٹھے گی قیامت اس دن لوگ بھانت بھانت ہوں گے سو جو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ

یقین لائے اور کیئے بھلے کام سو باغ میں ہیں اُنکی

يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

آؤ بھگت ہوتی ہے اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں

وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ملنا پچھلے گھر کا سو عذاب میں پکڑے آتے ہیں

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

سو پاک اللہ کی یاد ہے جب شام کرو اور صبح کرو

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ

اور اسی کی خوبی ہے آسمان وزمین میں اور پچھلے وقت اور جب

تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

دوپہر ہو نکالتا ہے جیتا مردے سے اور نکالتا ہے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَ

مردہ جیتے سے اور جلاتا ہے زمین کو اُسکے مرے پیچھے اور

كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٩﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ

اسی طرح تم نکالے جاؤ گے اور اسکی نشانیوں سے کہ تم کو بنایا مٹی

تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ

سے پھر اب تم انسان ہو پھیل پڑے اور اسکی نشانیوں

أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

سے یہ کہ بنا دیئے تم کو تمہاری قسم سے جوڑے کہ چین پکڑو ان کے پاس

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

اور رکھا تمہارے بیچ پیار اور مہر اس میں بہت پتے ہیں

لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَ

اُنکو جو دھیان کرتے ہیں اور اسکی نشانیوں سے ہے آسمان اور

الْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

زمین کا بنانا اور بھانت بھانت بولیاں تمہاری اور رنگ اس میں بہت پتے

لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَ

ہیں بوجھنے والوں کو اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات میں اور

النَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

دن میں اور تلاش کرنی اس کے فضل سے اس میں بہت پتے ہیں اُنکو جو

لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا

سنتے ہیں اور اس کی نشانیوں سے یہ کہ دکھاتا ہے تم کو بجلی، ڈر

وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ

اور امید اور اُتارتا ہے آسمان سے پانی پھر جلاتا ہے اس سے زمین

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

کو مرگئے پیچھے اس میں بہت پتے ہیں اُن کو جو بُوجھتے ہیں

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ

اور اسکی نشانیوں سے یہ کہ کھڑا ہے آسمان و زمین اسکے علم سے پھر

اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین میں سے تبھی تم نکل پڑو گے

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اسی کے ہیں جو کوئی ہیں آسمان اور زمین میں سب اسکے حکم کے تابع ہیں

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ

اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے اور پھر اسکو دہرا دے گا اور وہ آسان ہے

عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

اس پر اور اسکی کہاوت سب سے اوپر آسمان و زمین میں

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع

اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا

ذکر دلائل قدرت و عظمت برائے اثبات الوہیت و اثبات قیامت

قال اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ... اِلیٰ ...... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(ربط) گذشتہ آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا کہ جو دنیا کی ظاہری زیبائش اور آرائش پر فریفتہ ہیں اور آخرت

سے غافل ہیں اب آئندہ آیات میں غافلان آخرت کی تنبیہ کے لیے آیات قدرت کو ذکر کرتے ہیں جن کے ذکر سے الوہیت اور وحدانیت کا بھی ثابت کرنا ہے اور قیامت اور جزاء اور سزا کا بھی ثابت کرنا ہے تاکہ منکرین آخرت کو ایمان اور کفر کا مآل معلوم ہو جاتے نیز ان دلائل قدرت میں غور کر کے سمجھ جائیں کہ یہ اسباب ظاہری اعتماد اور بھروسہ کے لائق نہیں۔

اخیر سورت تک آیات قدرت کا ذکر چلا گیا ہے اور ان دلائل قدرت میں چھ جگہ لفظ آیت استعمال کیا گیا ہے جس کا منتہیٰ اِذَآ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ہے اور ان دلائل قدرت[1] کا آغاز انسان کی پیدائش سے کیا پھر عالم علوی اور عالم سفلی کی پیدائش کو بیان کیا اس لیے کہ کائنات عالم سے نفع اٹھانے والا وہ انسان ہے چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان لوگوں نے جو دنیا کے ظاہر پر فریفتہ ہیں اور آخرت سے غافل ہیں اپنے ضمیر میں اور دل میں یہ نہیں سوچا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو اور انکے درمیان کی چیزوں کو نہیں پیدا کیا مگر حکمت کے ساتھ عالم کی ہر چیز حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے کوئی کھیل اور تماشا نہیں اور فقط ایک مدت معینہ اور وقت مقرر تک کے لیے یعنی آسمان و زمین ایک مدت معینہ کے لیے پیدا کیے گئے اس مدت کے گزرنے کے بعد انکو فنا کر دیا جائے گا ان کا وجود دائمی نہیں لہٰذا منکرین توحید اور منکرین نبوت اور منکرین قیامت کو ہوش میں آجانا چاہیئے کہ وہ فنا سے بچ نہیں سکتے۔

(شیخزادہ ص۲۱ ج ۴)

اگر یہ لوگ خدا کی قدرت کی نشانیوں میں تفکر کرتے تو اسباب ظاہری پر اعتماد نہ کرتے بلکہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کرتے غرض یہ کہ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی کے قید سے یہ بتلا دیا کہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں ازلی اور ابدی نہیں بلکہ ایک مدت معینہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے انکو پیدا کیا ہے اسکے بعد انکو فنا کر دیا جائے گا پس اب حشر و نشر ہیں اور خدا کے سامنے پیش ہونے میں کیا شبہ رہا اور تحقیق بہت سے لوگ جو دنیا کے علم کے مدعی ہیں وہ خدا کے سامنے پیش ہونے کے منکر ہیں اور انکا یہ انکار غفلت عن الآخرۃ اور عدم تفکر پر مبنی ہے کیا یہ شیدائیان آرائش دنیا اور غافلان آخرت زمین میں پھرے نہیں اور کیا اثنائے سفر میں عاد اور ثمود کی بستیوں پر سے نہیں گذرے پس دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزر گئے کہ انکار نبوت اور انکار آخرت کی وجہ سے کیسے تباہ اور برباد ہوئے وہ لوگ ان لوگوں سے قوت میں بہت زیادہ تھے اور انہوں نے زمین

---

[1] قال الصاوی فی حاشیتہ علی تفسیر الجلالین قولہ تعالیٰ وَمِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ الخ شروع فی ذکر جملۃ من الآیات الدالۃ علی وحدانیتہ سبحانہ وتعالیٰ و ذکر لفظ من آیاتہ ستمرات تنتہی عند قولہ اِذَآ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ وابتدأھا بذکر خلق الْاِنۡسَانَ ثم بخلق العالم علویا وسفلیا اشارۃ ان الانسان ھو المنتفع بھا والحکمۃ فی ذکر تلک الآیات لیھتدی من اراد اللہ ھدایتہ ولتقوم الحجۃ علی من لم یھتد (حاشیہ الصاوی ص۲۴۲ ج ۳)

کو ان سے زیادہ جوتا یعنی ان سے زیادہ کھیتی باڑی کی اور ہل چلاتے اور زراعت کو ترقی دی وہ لوگ زرعی ترقیات میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے اور ان لوگوں نے ان سے زیادہ زمین کو آباد کیا جتنا کہ ان لوگوں نے آباد کیا ان گذشتہ کافروں نے دنیا کی آرائش اور زیبائش میں اور زرعی اور تعمیری ترقی میں ان موجودہ کافروں سے زیادہ کوششیں صرف کیں اور انہی لوگوں کے پاس اللہ کے رسول معجزات لے کر آتے اور انکو آخرت کی دعوت دی مگر وہ لوگ دنیا کی ظاہری آرائش وزیبائش پر ایسے فریفتہ ہوتے کہ رسول کے اور اہل ایمان کے دشمن ہو گئے بالآخر عذاب الٰہی سے تباہ اور برباد ہوئے پس اس ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا لیکن یہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے کہ خدا کے رسولوں کا مقابلہ کیا اور اس پر قائم رہے اور اس جرم کی پاداش میں ہلاک ہوئے پھر ان بدکاروں کا انجام بھی بہت ہی بُرا ہوا بروں کا انجام بھی برا ہی ہوتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہوئی کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور انکی ہنسی اڑاتے تھے استہزاء اور تمسخر کا درجہ تکذیب اور انکار سے بڑھ کر ہے اور یہ استہزاء انکی عادت بن گئی تھی۔

ذکر مبدأ و معاد برائے تہدید اہل عناد

اب آئندہ آیات میں غافلانِ آخرت اور منکرین قیامت کی تہدید کیلئے مبدأ و معاد کا ذکر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا پھر تم سب حساب وکتاب کے لیے اسی کی جانب لوٹائے جاؤ گے تاکہ اس روز اپنے برے انجام کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو اور تم کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے تمام اعمال محض جرم تھے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز یہ تمام مجرم ناامید اور حیرت زدہ رہ جائیں گے اس لیے کہ جرم ثابت ہو جائے گا اور انکار کی مجال نہ ہوگی اور حجت منقطع ہو جائے گی اور انکے خود ساختہ شریکوں میں سے جن کو انہوں نے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا ان میں سے کوئی انکی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا یہ کافر دنیا میں یہ کہا کرتے تھے کہ یہ شرکاء ہماری شفاعت کریں گے اس دن ظاہر ہو جائے گا کہ جن کو ہم نے شرکاء سمجھا تھا وہ مجبور محض ہیں الوہیت کا ان میں نام ونشان بھی نہیں اور بلکہ اس وقت یہ مشرکین خود اپنے شرکاء کے منکر ہو جائیں گے اور ان سے بَری اور بیزار ہو جائیں گے کما قال تعالیٰ قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز متفرق ہو جائیں گے ہر فریق دوسرے فریق جیسا ہو جائے گا ایک گروہ اعلیٰ علیین کی طرف جائے گا اور ایک گروہ اسفل السافلین کی طرف۔

یکے خنداں بصد عشرت یکے نالاں بصد حسرت

یکے در راحت و صلت یکے در شدت ہجراں

اہل جنت اہل جہنم سے جدا کر دیئے جائیں گے پس جو لوگ دنیا میں ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح کیئے تو وہ لوگ باغ جنت میں ایسے مسرور ہوں گے کہ سُرور کا اثر ان کے چہروں سے ظاہر ہوگا اور جن لوگوں نے

دنیا میں کفر کیا اور ہماری قدرت کی نشانیوں کو یا قرآن کی آیتوں کو جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا ایسے لوگ پابجولاں عذاب میں حاضر کیے جائیں گے اس طرح اہل سعادت اہل شقاوت سے جدا ہو جائیں گے اس امتیاز کا دارومدار ایمان اور کفر ہے۔

فائدہ جمہور علماء تفسیر کے نزدیک فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ سے جنت کی خوش حالی مراد ہے۔

اور یحییٰ بن ابی کثیرؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے خوش الحانی کے ساتھ تسبیح و تحمید اور تہلیل کا سماع مراد ہے جسکو سن کر اہل جنت مسرور ہوں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اہل جنت کو میری تسبیح و تحمید و تہلیل کا گیت سناؤ پس فرشتے ایسی خوش الحانی کے ساتھ اللہ کی تسبیح و تحمید کا گیت سناویں گے کہ کسی سننے والے کے کان نے کبھی نہ سنا ہوگا اور فرشتوں کو یہ حکم ہوگا کہ میری تسبیح و تحمید کا گیت ان لوگوں کو سناؤ جنہوں نے دنیا میں اپنے کانوں کو شیطانی باجوں سے محفوظ رکھا تفصیل کیلئے تفسیر قرطبی ص ۱۳ ج ۱۴ دیکھیں اور تفسیر مظہری ص ۲۴۳ ج ۷ دیکھیں۔

مسئلہ کسی خوش الحان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کا سماع یا کسی ایسے اشعار کا سماع جو یادِ آخرت میں ممد ہوں وہ جائز ہے بشرطیکہ وہ خوش الحان اور غزل خواں اجنبی عورت یا امرد لڑکا نہ ہو اور بشرطیکہ طبلہ اور سارنگی نہ ہو اس لیے کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے غزل کا تو ذکر ہی کیا ہے اور طبلہ اور سارنگی اور اس قسم کے گانے بجانے کے آلات تمام انبیاءؑ کی شریعتوں میں حرام رہے ہیں البتہ اگر کسی کی بیوی خوش الحان ہو تو فقط اسکو اپنی بیوی کا سماع جائز ہے بشرطیکہ وہ خلوت اور تنہائی میں ہو اور کوئی نا محرم مرد اور نا محرم عورت وہاں موجود نہ ہو اور جو سماع قواعدِ شریعت کے تحت جائز ہو اس کے متعلق حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ فتویٰ ہے۔

"زندہ دلاں مردہ تناں را رواست
مردہ دلاں زندہ تناں را خطاست"

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بگویم سماع اے برادر کہ چیست	مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گراں برج معنی بود طیر او	فرشتہ فرو ماند از سیر او
دگر مرد لہو ست وبازی دلاغ	قوی تر شود لہوش اندر دماغ

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ میں سماع کی حقیقت جب بیان کروں کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ مستمع (سننے والا) کون ہے آیا وہ سماع کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں اگر بوقت سماع مستمع کا مرغ روح عالم بالا کی طرف ایسی پرواز کرے کہ جہاں تک پہنچنے سے فرشتہ بھی عاجز ہو جائے تو اس کا حکم دوسرا ہے یہ شخص سماع کا اہل ہے اور نا اہل وہ ہے کہ سماع سے اس کے لہو ولعب اور نفسانیت میں

اور اضافہ اور ترقی ہو جائے تو ایسا سماع بلاشبہ حرام ہے خاص کر جب کہ گانے والی کوئی خوبصورت عورت ہو یا کوئی حسین لڑکا ہو اور طبلہ اور سارنگی بھی ہو اور شیرینی اور مٹھائی کی ٹوکریاں بھی ہوں اور طبلہ بجانے والی چھوکریاں بھی ہوں تو اس کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قیامت کے دن ہر فریق کو دوسرے فریق سے ممتاز اور جدا کر دیا جائے گا دنیا میں اہل سعادت اور اہل شقاوت مخلوط تھے دنیا میں فریقین کا امتیاز ایمان اور کفر تھا مگر ظاہری طور پر مجتمع تھے آخرت میں بھی اول سب مجتمع ہوں گے پھر سب کو الگ الگ کر دیا جائے گا اہل سعادت منزل سعادت میں چلے جائیں گے اور اہل شقاوت منزل شقاوت میں چلے جاویں گے اور اہل سعادت کی صفت ایمان اور عمل صالح ہے اور منجملہ اعمال صالحہ کے محبوب ترین عمل اللہ کے نزدیک تسبیح و تحمید ہے اسی لیے جنت میں اہل سعادت کو تسبیح و تحمید کا گیت سنایا جائے گا اس لیے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کو بیان کرتے ہیں جب تم کو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور مبداء و معاد کا علم ہو گیا تو تم نعمت ایمان کے شکر میں اللہ کی تسبیح و تحمید میں لگے رہو یعنی اسکی تنزیہ و تقدیس بیان کرتے رہو کہ وہ خداوند قدوس جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور جس نے ہم کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق عطا کی وہ تمام عیبوں سے پاک اور منزہ ہے غرض یہ کہ تم ہر وقت اللہ کی تسبیح و تحمید میں لگے رہو خاص کر شام کے وقت میں اور صبح کے وقت میں یہ دونوں وقت اللہ کے خاص انوار و تجلیات کے ہیں اور اللہ ہی کے لیے حمد و ثنا ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اخیر دن میں اور جس وقت کہ تم (ظہیرہ) دوپہر کے وقت میں داخل ہوتے ہو ان اوقات میں خدا کا ذکر اور اسکی تسبیح و تحمید عذاب دوزخ سے رہائی کا ذریعہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب تم کو آسمان اور زمین کی پیدائش سے اللہ کی قدرت اور عظمت کا علم ہو گیا تو پھر صبح و شام اسکی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تمجید میں لگے رہو ظاہری اسباب پر بھروسہ مت کرو حق عبودیت تو یہ ہے کہ بندہ کسی وقت بھی اللہ کی تسبیح و تحمید سے غافل نہ ہو لیکن صبح و شام اور دوپہر اور سہ پہر کے وقت خاص طور پر تسبیح و تحمید کا اہتمام ضروری ہے کہ ان اوقات میں خاص طور پر اللہ کی قدرت اور عظمت کے آثار خوب ظاہر ہوتے ہیں اس لیے ان اوقات میں خاص طور پر تسبیح کیا کرو نیز ان اوقات میں اللہ کی نعمتوں کا بھی خاص طور پر ظہور ہوتا ہے اس لیے ان اوقات میں بھی تسبیح و تحمید مناسب ہوئی پس اگر تم ان اوقات میں تسبیح و تحمید کرتے رہے تو تمہارا حشر اہل سعادت کے زمرہ میں ہو گا اور جنت کے باغوں میں تم کو حبور اور سرور نصیب ہو گا۔

جمہور علماء اسلام کے نزدیک یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں جب کہ پانچ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں اس لیے ان آیات میں مطلق تسبیح و تحمید مراد ہے کہ ان اوقات مذکورہ میں خاص طور پر اللہ کی تسبیح و تحمید کا اہتمام کریں اس وقت تک چونکہ پانچ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں اس لیے اوقات مذکورہ میں اللہ کی تسبیح و تحمید کافی تھی جس کی کوئی تعداد معین نہ تھی اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان اوقات مذکورہ سے نماز پنجگانہ مراد ہیں

جیساکہ ابن عباسؓ سے منقول ہے دیکھو تفسیر قرطبی ص۱۴ ج۱۴ و روح المعانی ص۲۵ ج ۲۱ ۔

حِیْنَ تُمْسُوْنَ سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ سے صبح کی نماز مراد ہے اور عَشِیًّا سے نماز عصر مراد ہے اور حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ سے نماز ظہر مراد ہے غرض یہ کہ اس آیت میں نماز کے اوقات پنجگانہ کی طرف اشارہ ہے۔

عَشِیًّا کا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے آخر روز سے کیا ہے اور شاہ رفیع الدینؒ نے تیسرے پہر سے اور شاہ عبدالقادرؒ نے پچھلے وقت سے کیا ہے اس لیے عَشِیًّا سے عصر کی نماز مراد لینا صحیح اور درست ہے۔

اور ان تینوں ترجموں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ عصر کا وقت تیسرے مثل سے شروع ہوتا ہے جیساکہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کیونکہ عُرف میں آخر روز اور پچھلا وقت اور تیسرا پہر کا لفظ تو تیسرے ہی مثل پر صادق آتا ہے جو دن کا آخری حصہ ہے جیساکہ سورۂ آل عمران میں ہے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ بظاہر اس آیت میں وجہ النہار سے صبح کی نماز کا وقت مراد ہے اور آخر النہار سے عصر کی نماز کا وقت مراد ہے جو دن کا آخری حصہ ہے۔

بہرحال اس آیت یعنی فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ کی تفسیر میں دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ آیت میں عام اور مطلق تسبیح و تحمید کی تلقین و ترغیب مراد ہے کہ اوقات مذکورہ میں تسبیح و تحمید کرنی چاہیے اسی قول کو امام رازیؒ نے اختیار فرمایا اس لیے کہ اس سے پہلی آیت فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ میں نعمائے جنت کا ذکر ہے جو ہر لمحہ تسبیح و تحمید سے معمور اور منور ہے اسلئے مناسب ہے کہ آیت کو مطلق تسبیح و تحمید کے حکم پر محمول کیا جائے اور علامہ آلوسیؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے دیکھو تفسیر روح المعانی ص۲۵ ج ۲۱

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں نماز پنجگانہ کی طرف اشارہ ہے جیساکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے دیکھو تفسیر روح المعانی ص۲۵ ج ۲۱ ۔

اور دوسرا قول پہلے قول کے منافی نہیں اس لیے کہ نماز کا افتتاح بھی تسبیح و تحمید سے ہوتا ہے — سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك الی آخرہ لہذا نماز کی تسبیح و تحمید بھی عام تسبیح و تحمید میں داخل ہے اسلئے کہ عام میں خاص بھی داخل ہوتا ہے۔

ذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

بہر حال اور بہر تقدیر حق تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول رہنا چاہیئے اُخروی سعادت اور شقاوت کا دار و مدار اسی پر ہے اور وہ بلاشبہ اسی کا مستحق ہے اور خداوند قدوس کی قدرت کا عجیب حال ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جیسے نطفہ سے انسان کو اور بیضہ سے چوزہ کو اور مردہ کو یعنی بے جان کو زندہ سے نکالتا ہے جیسے انسان سے نطفہ اور مرغی سے بیضہ اور ہزاروں حشرات الارض کا یکلخت زمین سے وجود میں آتے رہنا اور پھر انکا مٹی میں مل جانا اور خاک ہو جانا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے اور زمین کو اسکے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے یعنی وہ نباتات سے ہری بھری ہو جاتی ہے پس قیامت میں یہی ہوگا اور قیامت کے دن اسی طرح تم زندہ کر کے زمین سے نکالے جاؤ گے انسان صبح کے وقت نیند سے بیداری کی طرف نکلتا ہے حدیث میں ہے کہ النوم اخو الموت نیند موت کا بھائی ہے اور بیداری زندگی کے مشابہ ہے تو صبح کے وقت نیند سے بیداری کی طرف نکلنا گویا کہ موت سے حیات کی طرف نکلنا ہے اور عشاء کے بعد سو جانا یہ زندگی سے مردگی کی طرف نکلنا ہے لہٰذا صبح کی بیداری اور عشاء کے بعد کی نیند یہ موت سے حیات کی طرف اور حیات سے موت کی طرف نکلنے کا نمونہ ہے جس کا انکار ناممکن ہے لہٰذا اس کے مماثل پیش آنے والے واقعہ کا کیوں انکار کرتے ہو اور کیوں اسکو محال بتاتے ہو لہٰذا اس انکار اور اصرار کو چھوڑو اور خدا کی آیات قدرت پر نظر ڈالو صبح و شام اور دوپہر اور سہ پہر کے وقت میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور ہوتا ہے اور ان اوقات میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی ظہور ہوتا ہے لہٰذا ان وقتوں میں خاص طور پر تسبیح و تحمید کا اہتمام کرو تاکہ قیامت کے دن تم کو کام آئے اس لیے اب آئندہ آیات میں دوبارہ زندگی کے اثبات کے لیے دلائل قدرت بیان کرتے ہیں اور ان سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ تسبیح و تحمید کی وہی ذات مستحق ہے کہ جو کمال قدرت کے ساتھ موصوف ہے اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے چھ دلائل بیان کیے۔

دلیل اوّل

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ

اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک امر یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اچانک تم

آدمی ہو کر زمین میں پھیل پڑے اور اسباب معاش کے پیدا کرنے کے لیے چلنے پھرنے لگے انسان کی جسمانی صورت اور اسکی روحانی حقیقت جس سے وہ اشیاء کا ادراک کرتا ہے حکمت کاملہ کا مخزن ہے کہ یہ جسم خاکی کس طرح عناصر اربعہ سے مرکب ہو کر علم وحکمت کا چشمہ بن گیا ظاہر ہے کہ نہ تو خود بخود ایسا ہو گیا اور نہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا ہے بلکہ کسی قدیر و علیم کے علم و قدرت کا کرشمہ ہے اسی طرح قیامت کے دن اجزاء منتشرہ کو جمع کرکے دوبارہ زندگی بخش جاتے گی۔

ف بنی آدم کی اصل اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں جو مٹی سے پیدا ہوئے اور انسان کی قریبی اصل نطفہ ہے جو غذا سے بنتا ہے اور غذائیں سب زمین سے پیدا ہوتی ہیں اس لیے قرآن مجید میں کہیں خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ آیا ہے اور کہیں خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا اور مِن مَّاءٍ مَّهِينٍ آیا ہے سب درست ہے کسی جگہ انسان کے مادۂ بعیدہ کی طرف اشارہ ہے اور کسی جگہ مادۂ قریبہ کی طرف اشارہ ہے انسان کی اصل اول مٹی ہے اور اصل ثانی پانی ہے۔

دلیل دوم

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

اور منجملہ اسکی آیات قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے یعنی تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کیے یعنی عورتیں تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے انکی طرف میل کرو اور ان سے مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو اس لیے کہ ہم جنس ہونا میلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا نفرت کا باعث ہے۔ نظم ؎

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ — ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ
بجنس خویش دارد میل ہر جنس — فرشتہ با فرشتہ انس با انس

اور رکھ دیا تمہارے درمیان باہمی محبت والفت عقد تزویج ہوتے ہی آپس میں محبت اور الفت ہو جاتی ہے حالانکہ بسا اوقات پہلے سے کوئی جان پہچان ہی نہیں ہوتی اور تمہارے درمیان مہربانی رکھ دی کہ ایک دوسرے پر رحم کرتا ہے بے شک ان باتوں میں یعنی انسان کے مٹی سے پیدا کرنے میں اور پھر اسکی جنس سے ایک جوڑا پیدا کرنے میں اور پھر باہم محبت اور الفت پیدا کرنے میں خدا کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فکر کرتے ہیں اور صنائع الٰہیہ میں غور کرتے ہیں غرض یہ کہ زن وشوہر کی محبت صرف خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ دو چیزوں کو جوڑ کر ایک بنا دیا اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ قیامت کے دن پراگندہ اجزاء کو جوڑ دے۔

دلیل سوم

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ

اور منجملہ اسکی قدرت کی نشانیوں کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے کہ آسمان تو غایت درجہ بلند اور زمین غایت درجہ پست اور زمین کے قطعات باہم مختلف اور من جملہ دلائل قدرت کے تمہاری زبانوں کا اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے ہر خطہ کی زبان الگ کوئی عربی کوئی فارسی اور کوئی ترکی اور کوئی ہندی وغیرہ وغیرہ اور ہر ایک کا لب ولہجہ مختلف اور کسی کا رنگ سرخ اور کسی کا سفید اور کسی کا کالا وغیرہ وغیرہ یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ خداوند عالم کی کاریگری ہے بے شک اس میں یعنی زبانوں اور لہجوں اور رنگتوں کے مختلف ہونے میں اس کی قدرت وحکمت کی بہت سی نشانیاں ہیں علم والوں کے لیے اور جس کو یہ دلائل قدرت نظر نہ آئیں وہ قطعاً جاہل ہے آسمان وزمین کی عظمت پر نظر ڈالو اور اپنی مختلف قسم کی بولی اور اپنی صورتوں اور شکلوں کی رنگا رنگی پر نظر ڈالو کیا یہ چیزیں خدا کی غیر متناہی قدرت پر دلالت نہیں کرتیں پس جس طرح دنیا میں صفات اور حالات مختلف ہیں اسی طرح اگر آخرت میں بھی درجات مختلف ہوں تو کیا استبعاد ہے۔

دلیل چہارم

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ

اور من جملہ اس کی آیات قدرت کے تمہارا رات میں اور دن میں سونا ہے کہ سونے سے قوائے بدنیہ کو راحت اور سکون حاصل ہوتا ہے اور منجملہ دلائل قدرت کے اللہ کے فضل کو یعنی رزق کو تلاش کرنا ہے کہ اس کی تلاش میں محنت اور مشقت اٹھاتے ہو اس میں یعنی سونے میں اور طلب معاش میں بہت سی آیات قدرت ہیں ان لوگوں کے لیے جو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور جو بدبخت نیچر کے سامنے گونگے اور بہرے بنے ہوتے ہیں وہ کچھ نہیں سنتے۔

یہاں تک دلائل انفس کا ذکر تھا اب آگے دلائل آفاق کا ذکر ہے۔

دلیل پنجم

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ

فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

اور منجملہ دلائل قدرت کے نشانیوں کے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے ڈر کے لیے اور امید کے لیے بجلی کے گرنے سے تم کو جان کا ڈر ہوتا ہے اور بارش کی طمع ہوتی ہے خدا کی قدرت کو دیکھو کہ اس نے ایک چیز میں بیک وقت دو متضاد صفتوں کو جمع کر دیا برق ایک ہے کوئی اس سے ڈر رہا ہے اور کوئی اس سے امید لگا رہا ہے اور آسمان کی طرف سے یا بادل سے پانی نازل کرتا ہے پھر اسکے سبب سے زمین کو مردگی اور پژمردگی کے بعد زندہ کرتا ہے یعنی اسکو سرسبز اور شاداب کر دیتا ہے بے شک اس برق اور باراں میں قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب خدا کی قدرت کے کرشمے ہیں کسی نیچر اور ایتھر کا اثر نہیں اور اگر کسی کا گمان یہ ہے کہ یہ سب ایتھر اور نیچر کا اثر ہے تو بتلائے اور سمجھائے کہ کس طرح سے ہے محض زبان سے کہہ دینا کافی نہیں ابر کو دیکھو کہ آب اور ہوا کا مجموعہ ہے یا خالص پانی ہے جو آگ کا دشمن ہے خدا کی قدرت کو دیکھو کہ وہ آب خالص میں سے ہوا اور پانی میں سے آگ نکال رہا ہے ضد میں سے ضد کا نکالنا اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دلیل ششم

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ ۔

اور منجملہ اس کی قدرت کی نشانیوں کے یہ ہے کہ آسمان بدون ستون کے قائم ہے اور زمین پانی پر ٹھہری ہوئی ہے اور یہ سب اللہ کے حکم سے ہے اس میں کسی ایتھر اور نیچر کو ذرہ برابر دخل نہیں۔

یہاں تک دلائل قدرت کا بیان ختم ہوا ظاہر میں یہ دلائل چھ ہیں لیکن درحقیقت دس سے زیادہ ہیں ایک مِنْ اٰیٰتِہٖ کے ساتھ ایک دوسری دلیل بھی مذکور ہے ان سب دلائل کا حاصل یہ ہے کہ یہ تمام نظام عالم جس کا ان آیاتِ قدرت میں ذکر ہوا وہ سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے چل رہا ہے اور ایک دن یہ سارا نظام درہم و برہم ہو جائے گا پھر اس وقت یہ ہوگا کہ وہ جب تم کو پکار کر زمین کے اندر سے بلا وے گا تو تم سب ایک بارگی زمین سے یعنی اپنی قبروں سے نکل پڑو گے تو اس وقت دوسرا نظام شروع ہو جائے گا اور یہ بھی اسکی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ آیات قدرت تمہارے سمجھانے کے لیے بیان کی گئیں ورنہ بات یہ ہے کہ قیامت کے دن ایک خدائی ندا ہوگی جس کو سنتے ہی تم کھڑے ہو جاؤ گے اور قبروں سے نکل کر ہمارے سامنے حاضر ہو جاؤ گے اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی اور اسی کے لیے مسخر ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے وہ سب کا خالق اور مالک اور رب ہے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اس

کے حکم سے سرکشی کرسکے اور وہی اللہ عزّ وجل ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر مار ڈالتا ہے پھر اس کو وہ دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ دوبارہ زندہ کرنا اس پر بہت آسان ہے تو پھر تم دوبارہ پیدا کرنے کے کیوں منکر ہو اور اسی کے لیے شان اور صفت سب سے اعلیٰ اور برتر ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی غالب ہے عاجز اور مغلوب نہیں اور وہی حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں جن کے دل زنگ آلودہ نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں اور اسکا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ

بتائی تم کو ایک کہاوت تمہارے اندر سے تمہارے

لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ

جو ہاتھ کے مال ہیں اُن میں کوئی

شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ

ساجھی تمہارے ہماری دی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر رہو خطرہ

كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

رکھو انکا جیسے خطرہ رکھو اپنوں کا یوں کھولتے ہیں ہم پتے اُن لوگوں کو جو بوجھتے

يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ

ہیں بلکہ چلے ہیں یہ بے انصاف اپنے چاؤ پر بن سمجھے سو کون

عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

سوجھاوے جس کو اللہ نے بہکایا اور کوئی نہیں اُن کے

نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ

مددگار سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر وہی تراش

اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ

اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں اللہ کے بنائے کو

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

یہی ہے دین سیدھا لیکن بہت لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا

سمجھتے سب رجوع ہو کر اسکی طرف اور اس سے ڈرتے رہو اور کھڑی رکھو

الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ

نماز اور مت ہو شریک والوں میں جنہوں نے پھوٹ

فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ

ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت جتھے ہر فرقہ جو اپنے پاس ہے اس

فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ

پر ریجھ رہے ہیں اور جب لگے لوگوں کو کچھ سختی پکاریں اپنے رب کو

مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا

اسکی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھائی انکو اپنی طرف سے کچھ مہر تبھی

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ

ایک لوگ اُن میں اپنے رب کا شریک لگے بتانے کہ منکر ہو جاویں ہمارے دیئے سے

فَتَمَتَّعُوْا ۫ وقفة فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا

سو کام چلا لو اب آگے جان لوگے کیا ہم نے اُن پر اتاری ہے کوئی سند

فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا

سو وہ بولتی ہے جو یہ شریک بتاتے ہیں اور جب چکھادیں ہم

النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا

لوگوں کو کچھ مہر اس پر ریجھنے لگیں اور اگر آپڑے ان پر کوئی برائی اپنے

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

ہاتھوں کے بھیجے پر تبھی آس توڑ دیویں کیا نہیں دیکھ چکے

اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ

کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی جس پر چاہے اور ماپ کر دیتا ہے اس

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى

میں پتے ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں سو تو دے ناتے والے کو

حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ

اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو یہ بہتر ہے انکو

لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور وہی جن کا بھلا ہے

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا

اور جو دیتے ہو بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں وہ نہیں

يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ

بڑھتا اللہ کے ہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر

وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

منہ اللہ کا سو وہی ہیں جن کے دونے ہوئے اللہ وہی ہے

خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ

جس نے تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو جلا دے گا کوئی

مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ

ہے تمہارے شریکوں میں جو کرسکے ان کاموں میں ایک

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۰﴾

وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے جو شریک بناتے ہیں

بیان مثال برائے اظہار جہالت اہل شرک وضلال

قال اللہ تعالیٰ ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ... الٰی ... سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے وحدانیت کے دلائل ذکر کیے۔ اب مشرکین کی جہالت اور ضلالت ظاہر کرنے کے لیے خود انہی کے احوال میں سے ایک مثال بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے خود تمہارے ہی احوال میں سے شرک کی برائی ظاہر کرنے کے لیے ایک مثال بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ کیا اے آزاد لوگو تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ جس چیز کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی تمہارے لونڈی غلام جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں اور محض ظاہری اور مجازی طور پر تم انکے مالک ہو اور یہ ملک مجازی بھی دائمی اور مستقل نہیں بیع اور ہبہ کے ذریعہ سے دوسرے کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔ بخلاف ملک خداوندی کے کہ وہ حقیقی اور دائمی ہے خدا کا بندہ کسی طرف بھی خدا کی ملک سے نکل نہیں سکتا پس کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ ان مجازی غلاموں میں سے کوئی تمہارا اس مال و دولت میں شریک اور ساجھی اور حصہ دار بن جائے جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے یعنی وہ رزق جو تمہارے پاس ہے وہ ہمارا ہی عطا کردہ ہے تمہارا پیدا کردہ نہیں جیسے مشترک جائداد میں کئی بھائی حصہ دار ہوتے ہیں پھر تم اور وہ سب اس میں مساوی اور برابر ہو جائیں یعنی اس مال و دولت کے تصرف میں سب یکساں ہو جائیں حاصل یہ کہ تم میں سے کوئی اس پر راضی نہیں کہ اس کا مجازی غلام اس کے مال و دولت میں برابر کا ساجھی اور شریک ہو جائے تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم اپنے مملوک غلاموں سے ایسا ڈرتے ہو جیسے تم اپنے جیسوں آزاد بھائیوں اور خویش واقارب سے ڈرتے ہو پس جب تم اپنے مجازی غلاموں کو ہمارے دیئے ہوئے رزق میں اپنا شریک بنانا پسند نہیں کرتے تو بندوں کا مالک حقیقی کے ساتھ شریک کرنا کیسے پسند کرتے ہو جس کی ملکیت ایسی دائم اور قائم ہے کہ کوئی کسی طرح بھی اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہو سکتا پس جب کہ مملوک مجازی مالک مجازی کے برابر نہیں ہو سکتا تو مملوک حقیقی مالک حقیقی کے کیسے برابر ہو سکتا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی قباحت اور برائی ظاہر کرنے کے لیے ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے جو انکے احوال کے مناسب ہے اور درحقیقت وہ وحدانیت کی دلیل ہے اور مسکت دلیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تم اپنے حال اور مآل کی خبر رکھتے ہو تو ذرا دیکھو تو سہی تم بھی بزعم خود غلاموں کے مالک ہو گو یہ ملکیت محض اضافی

اور مجازی ہے اور چند روزہ ہے جس کو خدا کی ملکیت سے کوئی نسبت نہیں یہ غلام تمہارے پیدا کردہ نہیں اور یہ مال و دولت جو ہم نے تم کو دے رکھا ہے وہ بھی تمہارا پیدا کردہ نہیں تم سب اللہ ہی کی روزی کھاتے ہو پس جب تم اپنے مجازی غلاموں کا اپنا شریک ہونا پسند نہیں کرتے تو خدا کے مخلوق کا خالق حقیقی اور مالک حقیقی کے ساتھ شریک گردانا کیسے پسند کرتے ہو اور جب تم اپنے مجازی غلاموں کی پرواہ نہیں کرتے جو تمہارے ہم جنس ہیں تو مالک حقیقی تمہاری کیا پرواہ کرے۔

اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں دلائل قدرت و وحدت کو اس گروہ کے واسطے جو عقل سے کام لیتے ہیں مگر ظالم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ ان مشرکوں نے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا بجائے عقل سے کام لینے کے بغیر جانے اور بغیر سمجھے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے اور گمراہ ہوتے پس اس شخص کو کون ہدایت دے جس کو اللہ نے گمراہ کیا ہو اور نہ ایسوں کا کوئی مددگار ہے کہ جو عذاب دوزخ سے ان کو بچا سکے۔

دین فطرت پر قائم رہنے کی ہدایت

پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ دین اسلام حق ہے اور عین عقل اور فطرت سلیمہ کے مطابق ہے تو اے طالب ہدایت سب ادیان باطلہ سے ہٹ کر اپنا چہرہ اور اپنا رخ سیدھا دین حق کی طرف کر دے اور ہر دین باطل سے منہ پھیر کر اور منہ موڑ کر دین اسلام کی طرف جھک جا جو دین توحید ہے اور دین فطرت ہے سب کو چھوڑ کر فطرت الٰہی کو لازم پکڑو اور اس پر قائم ہو جاؤ جس پر اللہ نے بنی آدم کو پیدا کیا ہے فطرت کے معنی خلقت کے ہیں اس جگہ "فطرت" سے مراد دین اسلام اور توحید ہے اور حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جو بچہ خواہ وہ مسلمان کا یا کافر کا نابالغی کی حالت میں مرجائے تو وہ مسلمان مرا اس پر عذاب نہ ہوگا۔

اور علماء محققین یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے عین اسلام مراد نہیں بلکہ استعداد اور صلاحیت اور قابلیت مراد ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ فطری اور طبعی طور پر اسلام کے طریقہ پر پیدا ہوتا ہے اور اسکی فطرت میں اسلام قبول کرنے کا مادہ رکھا جاتا ہے کہ اگر اسکو مانع پیش نہ آئے تو وہ بلاشبہ اسلام ہی کو قبول کرے لیکن ماں باپ اسکو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں یعنی جس دین پر اس کے ماں باپ ہوتے ہیں اسی پر اس مولود کو کر لیتے ہیں لیکن اس سے اسکی اصل استعداد اور صلاحیت زائل نہیں ہو جاتی بلکہ وہ ہمیشہ اسکی طبیعت میں قائم رہتی ہے لیکن عوارض اور موانع کی وجہ سے مستور ہو جاتی ہے اور جب وہ مانع اور عارض دور ہو جاتا ہے تو وہ استعداد پھر ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ آئندہ آیت یعنی لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ میں اسکی طرف اشارہ ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ

کی بنائی فطرت اور پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ جملہ خبریہ ہے کہ انسان کی اصل فطرت اور اصل طبیعت میں قبول حق کی صلاحیت اور استعداد رکھی گئی ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اللہ کی فطرت اور خلقت میں تغیر و تبدل کر سکے یہودی اور نصرانی ہو جانے کے بعد بھی قبول حق کی استعداد اور صلاحیت باقی رہتی ہے ورنہ اگر فرض کرو کہ فرعون اور ہامان اور ابوجہل اور ابولہب میں قبول حق اور قبول اسلام کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہوتی تو وہ ایمان اور اسلام کے مکلف ہی نہ ہوتے اینٹ اور پتھر یا جانور کی طرح ہوتے اور اتباع شریعت کے مکلف نہ ہوتے۔

اور اس آیت یعنی لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جملہ انشائیہ ہے یعنی لا تبدیل سے نفی کے معنی مراد نہیں بلکہ نہی کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کفر و شرک کر کے اللہ کی فطرت کو متغیر اور متبدل نہ کرو جس فطرت پر اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہ ایک تخم ہدایت ہے اسکو تم اپنے اختیار سے خراب نہ کرو اور بے توجہی سے اسکو ضائع نہ کرو یہ فطرت سلیمہ حق جل شانہ کا خاص عطیہ ہے اسکی پوری پوری حفاظت کرو اندیشہ ہے کہ شیاطین الانس والجن اسکو خراب نہ کردیں یہی دین جس کی طرف تم کو منہ سیدھا کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہی سیدھا اور درست دین ہے جو عین خداداد فطرت کے مطابق ہے جس میں کجی کا نام و نشان نہیں سیدھا خدا تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے اور اس کے سوا جو اور دین ہیں وہ سب ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشوں کے پیدا کئے ہوتے ہیں ولیکن بہت سے لوگ جانتے اور سمجھتے نہیں کج طبعی کی وجہ سے سیدھی راہ کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہ پر جا رہے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا میں فطرت سے عہد الست مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ عہد الست اور اقرار ربوبیت پر پیدا ہوتا ہے اور یہ اقرار ربوبیت ہر شخص کی فطرت میں راسخ ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ لیکن شریعت میں اس ایمان فطری کا اعتبار نہیں اس لئے کہ یہ امر محض اضطراری ہے اور شریعت میں اس ایمان کا اعتبار ہے جو اختیاری ہو یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے حق کو قبول کرے اور احکام خداوندی کی تصدیق کرے اور اس تحقیق سے پہلے قول والوں کا بھی جواب ہو گیا کہ جو یہ کہتے ہیں کہ فطرت سے عین اسلام مراد ہے اس لیے کہ وہ ایمان فطری ہے جس میں شعور اور اختیار کو کوئی دخل نہیں اور نجات اخروی کا دار و مدار ایمان اختیاری پر ہے۔

(شیخزادہ حاشیہ تفسیر بیضاوی ص۲ ج ۴)

خلاصۂ کلام یہ کہ اے لوگو فطرت اسلامی کو مضبوط پکڑو اور عہد الست اور اقرار ربوبیت پر قائم رہو درآنحالیکہ تم سب سے منہ موڑ کر بالکلیہ اور ہمہ تن اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور متوجہ ہونے والے ہو جاؤ تاکہ تمہاری فطرت سلیمہ خراب نہ ہو اور اقرار ربوبیت کے بعد اپنے عہد اور اقرار سے رجوع نہ کرو

اور اسکے عذاب سے ڈرتے رہو اور اسکی نافرمانی سے بچتے رہو اور نماز کو قائم رکھو جو دین کا ستون ہے اور شرک کرنے والوں میں سے مت ہو ہر عمل خالص اللہ کے لیے کرو اعتقاداً اور عملاً کسی کو اس میں شریک نہ کرو کفر اور شرک سے عہد الست اور اقرار ٹوٹ جاتا ہے اور جس فطرت سلیمہ پر اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے وہ خراب یا ضائع ہو جاتی ہے خداداد فطرت کی اگر حفاظت مطلوب ہے تو ان باتوں کو ملحوظ رکھو۔

اخلاصؔ اور تقویٰؔ اور نمازؔ

گذشتہ آیت یعنی وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ میں یہ ارشاد فرمایا کہ شرک کرنے والوں کی جماعت میں نہ داخل ہونا اب آئندہ آیت میں اس جماعت کی تشریح فرماتے ہیں یعنی ان لوگوں کی جماعت میں سے نہ ہو جانا کہ جنہوں نے اپنے اصلی دین کے یعنی دین فطرت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور جس دین فطرت پر انکو قائم رہنے کا حکم تھا اس پر تو قائم اور متفق نہ رہے بلکہ اپنی خواہشوں اور خیالات کی بنا پر گروہ گروہ بن گئے اور شیعہ ہو گئے اور ہر گروہ اور ہر فرقہ اس چیز پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے ہر فرقہ اپنے خیال پر ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اسے اپنی غلطی کے امکان کا تصور بھی نہیں اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ لوگوں نے دنیا میں نئے نئے مذہب نکال لیئے ہیں لیکن دین اسلام اور دین توحید یہی دین، فطرت سلیمہ کے مطابق ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور دلیل اس کی کہ توحید اسلام دین فطرت ہے یہ ہے کہ جب لوگوں کو کوئی سختی اور شدت اور مصیبت پہنچتی ہے اور ظاہری اسباب جواب دے دیتے ہیں تو اس وقت فطرت اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے اور فطرت کا جو ذاتی اقتضا ہے وہ ظاہر ہونے لگتا ہے بایں طور کہ جب اس شدت اور سختی میں پھنس جاتے ہیں تو بے اختیار ہو کر اپنے اسی رب کو پکارتے ہیں جس کی ربوبیت کا عہد الست کے وقت اقرار کر چکے ہیں اور یہ اقرار ربوبیت اس درجہ طبیعت میں راسخ ہو چکا ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو بے قرار ہو کر اسی رب کی طرف رجوع کرنے والے ہو جاتے ہیں جس کی ربوبیت کا ازل میں اقرار کر چکے ہیں اس وقت خدا کے سوا جن کو مشکل کشا سمجھے ہوئے تھے انکو بھول جاتے ہیں مصیبت کے وقت نفسانی خواہشیں دور ہو جاتی ہیں اور فطرت اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتی ہے۔

مثل مشہور ہے کہ "مصیبت کے وقت خدا یاد آتا ہے" مگر پھر قریب ہی میں انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انکو اپنی طرف سے کسی مہربانی کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ پھر خدا کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے گویا کہ انکے اس طرز عمل کا حاصل یہ ہے کہ تاکہ ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے انکو عطا کی یعنی ہم نے تو ان کو اپنی رحمت سے بلا سے نجات دی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے شکر اور اطاعت کے کفران نعمت اور معصیت کرنے لگے اچھا اے لوگو! چند روز مزے اڑا لو عنقریب جان لو گے کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے کیا ہم نے ان لوگوں پر کوئی دلیل اور برہان اتاری ہے پس وہ دلیل بولتی ہو اس چیز کے متعلق جو یہ شرک کرتے ہیں یعنی وہ دلیل

ان کو شرک کی تعلیم دیتی ہو یہ تو کھلے مشرکوں کے حال کا بیان تھا اب آیندہ آیت میں عام انسانی جبلت کا حال بیان کرتے ہیں خواہ وہ علانیہ طور پر مشرک ہوں یا نہ ہوں اسلیئے کہ بعض ضعیف الایمان اور ناقص الایمان اللہ کے فضل ہونے سے خوش ہوجاتے ہیں اور اترانے لگتے ہیں اور سختی اور مصیبت کی حالت میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں چونکہ یہ مایوسی بھی ایک قسم کا کفر ہے اس لیے خاص مشرکین اور کافرین کے حال کے بعد عام لوگوں کا حال بیان فرمایا تاکہ اس ضمن میں اہل ایمان کو تنبیہ ہوجائے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو خوش ہوجاتے ہیں اور اگر ان کے اعمالِ بد کے بدلہ میں جو ان کے ہاتھوں نے کیئے ہیں انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بس وہ فوراً مایوس ہوجاتے ہیں بخلاف اہلِ ایمان کے کہ وہ فراخی میں نہ اتراتے ہیں اور نہ تنگی میں ناامید ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ رزق کی وسعت اور تنگی سب اللہ کی تقدیر اور اسکی مشیت اور حکمت سے ہے کیا ان کافروں نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے اس کے رزق میں وسعت دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کرتا ہے بے شک اس میں ایمان والوں کے لیئے ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں دونوں صورتیں اللہ کی حکمت او مشیت سے ہیں رزق کی وسعت کا دارو مدار کسی کے ذاتی استحقاق پر نہیں لہٰذا اہل ایمان کو چاہیئے کہ تنگی میں پریشان اور ناامید نہ ہوں اور فراخی میں مغرور اور مست ہو کر خدا کو نہ بھول جائیں لہذا فطرت سلیمہ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ ہی کو رازق سمجھے اسباب ظاہری پر اعتماد نہ کرے پس مؤمن کو چاہیئے کہ تنگی ہو یا فراخی ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہے اور اسکی رضا و خوشنودی کا طلب گار رہے اپنے فائدہ پر نظر نہ رکھے پس اے انسان جب تجھے یہ معلوم ہوگیا کہ اصل رزق دینے والا حق تعالیٰ ہے تو تجھ کو چاہیئے کہ خدا کے دیئے ہوئے رزق کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کرے لہٰذا صاحب قرابت کو حق قرابت دے اور اسکے ساتھ صلہ رحمی کر اور مسکین اور مسافر کو انکا حق دے یعنی اگر اللہ تجھ کو فراخی دے تو یہ تین کام کر۔ شریعت نے اقرباء اور فقراء کے ساتھ جس طرح تم کو سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اس کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کر یعنی شریعت کے مطابق مالی حقوق ادا کرنا بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کے طلب گار ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو محض اللہ کی خوشنودی کیلیئے خرچ کرتے ہیں نہ کہ نام آوری اور کسی دنیاوی غرض کے لیے اور خویش واقارب اور فقراء ومساکین کی اعانت اور امداد محض اللہ کی رضامندی کیلیئے یہی اعلیٰ ترین تمدن ہے۔

اہل زمانہ چونکہ سودی کاروبار میں مبتلا تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سود سے مال میں زیادتی اور ترقی ہوتی ہے اور صدقہ وخیرات سے مال میں کمی آجاتی ہے اسلیئے آئندہ آیات میں متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ مت سمجھنا کہ اقرباء اور فقراء کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے سے مال میں کمی آجائے گی سلوک اور احسان سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ سود سے کم ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو تم سود دیتے ہو

تاکہ لوگوں کے مال میں زیادتی ہو جائے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا حرام کے ذریعہ سے جو مال آئے وہ ظاہر میں بڑھتا ہے مگر حقیقت میں گھٹتا ہے جیسے رشوت سے بظاہر مال بڑھتا نظر آتا ہے مگر درحقیقت وہ مال پیشاب اور پاخانہ کا سنڈاس ہے نجاست کے سنڈاس کو ترقی سمجھنا حماقت ہے فطرت سلیمہ اس حرص اور طمع کی اجازت نہیں دیتی اور سارا قرآن اور حدیث اسی سے بھرا پڑا ہے نجاست کے کیڑے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر سودی کاروبار بند ہو جائے تو ہم سب پر موت آجائے گی اسلئے کانفرنسیں کرتے ہیں اور علماء سے کہتے ہیں کہ سود کی حرمت ترقی کی راہ میں مزاحم ہے سبحان اللہ فطرت سلیمہ کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ پیشاب کو عرق گلاب کہنے لگے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں ربا سے سود بیاج مراد نہیں بلکہ ربا سے وہ ہدیہ اور ہبہ مراد ہے جو کسی کو اس نیت سے دیا جائے کہ وہ شخص اس سے بڑھ کر احسان کر دے گا تو ایسا احسان اللہ کے نزدیک موجب خیر و برکت نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ایسا مال اللہ کے نزدیک پھلتا اور پھولتا نہیں کسی شخص کو کوئی چیز اس نیت سے دینا کہ وہ مجھے اس سے زیادہ دیدے گا بظاہر اگرچہ یہ ربا حرام نہیں مگر نیت اور ارادہ کے اعتبار سے یہ بھی ایک قسم کا ربا ہے۔

آیت کی یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور امام شافعیؒ سے منقول ہے خوب سمجھ لو شریعت کی نظر میں جس طرح ظاہری ربا حرام ہے اسی طرح باطنی اور پوشیدہ ربا بھی حرام ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ کسی کی حرمت اور نجاست ظاہر ہے اور کسی کی پوشیدہ ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ سود سے مال میں ترقی اور زیادتی نہیں ہوتی اب آگے اس کے بالمقابل زکوٰۃ اور صدقات کو بیان کرتے ہیں کہ خدا کی راہ میں خدا کی خوشنودی کے لیے خرچ کرنے سے مال میں برکت اور ترقی اور زیادتی ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو تم زکوٰۃ اور خیرات دو جس سے تمہارا مقصود محض اللہ کی رضامندی اور خوشنودی ہو تو سمجھ لو کہ ایسے ہی لوگ اپنے مال کو اضعافاً مضاعفۃ (زیادہ در زیادہ) کرنے والے ہیں ایک کے کم از کم دس بنانے والے ہیں ترقی تو یہ ہے حدیث میں ہے کہ صدقہ اللہ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے اور پھر اللہ اسکو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

اب آگے پھر مشرکین کی تنبیہ کے لیے توحید کو بیان کرتے ہیں خدائے برحق وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، تم کو روزی دی تاکہ تم اسکی روزی سے زندہ رہ سکو پھر تم کو موت دے گا پھر قیامت کے دن تم کو زندہ کرے گا بھلا تمہارے شرکاء میں سے بھی کوئی ایسا ہے کہ جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے یا مار سکے یا جلا سکے اور ظاہر ہے کہ کوئی کچھ نہیں کر سکتا پس ثابت ہو گیا کہ وہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں کوئی اس کا شریک نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ

کھل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی

اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

کمائی سے چکھایا چاہیے اُنکو کچھ مزہ اُن کے

عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي

کام کا کہ شاید یہ پھر آویں تو کہہ پھرو

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ

ملک میں تو دیکھو آخر کیسا ہوا پہلوں کا

قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿٤٢﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ

بہت ان میں تھے شریک والے سو تو سیدھا کر اپنا منہ

لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ

سیدھی راہ پر اس سے پہلے کہ آپہنچے ایک دن جس کو پھرنا نہیں

مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿٤٣﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ

اللہ کی طرف سے اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے جو منکر ہوا سو اُس پر پڑے

كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ لا

اس کا منکر ہونا اور جو کرے بھلے کام سو اپنی راہ سنوارتے ہیں

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ

کہ وہ بدلہ دے اُنکو جو یقین لائے اور بھلے کام کیئے اپنے فضل سے

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ

بے شک اسکو نہیں بھاتے انکار والے اور اسکی نشانیوں میں ایک یہ کہ چلاتا ہے

الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ

بادیں خوشخبری لانے والی اور تا چکھادے تم کو کچھ مزہ اپنی مہر کا اور تا چلیں

الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

جہاز اس کے حکم سے اور تلاش کرو اسکے فضل سے اور شاید تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى

حق مانو اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی

قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ

قوم پاس پھر آئے ان پاس پتے لے کر پھر بدلہ لیا ہم نے اُن سے جو

اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

گنہگار تھے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی

ذکر وبال و نحوست کفر و معصیت در دار دنیا

قال اللہ تعالیٰ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ...... الی ... وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ

ربط) گذشتہ آیات میں کفر اور شرک اور معصیت پر تہدید تھی اب ان آیات میں کفر اور معصیت کی نحوست کو بیان کرتے ہیں کہ یہ ایسی منحوس چیزیں ہیں کہ بسا اوقات دنیا ہی میں بداعمالی کی وجہ سے طرح طرح کی بلائیں اور آفتیں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں جیسے قحط اور سیلاب اور طاعون وغیرہ اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سزا کا کچھ مزا چکھا دیا جاتا ہے باقی پوری سزا تو آخرت میں ملے گی اور ان دنیاوی مصائب و آفات کے نازل کرنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی بداعمالی پر متنبہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرے دنیا میں چل پھر کر دیکھ لے کہ دنیا کی بڑی بڑی قومیں کفر اور معصیت کے جرم میں کیسی تباہ اور برباد ہوئیں کہ آج صفحۂ ہستی پر کہیں ان کا نام و نشان نظر نہیں آتا چنانچہ فرماتے ہیں خشکی اور تری میں جنگل اور دریا میں یعنی تمام دنیا میں لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے فساد اور تباہی ظاہر

ہو گئی کہیں قحط اور وبا ہے اور بیماری ہے اور کہیں طوفان اور سیلاب ہے ہر طرف لوٹ مار ہے یہ ساری بلائیں لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ظاہر ہو رہی ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو انکے اعمال کا کچھ مزہ دنیا ہی میں چکھا دے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی شاید وہ سزا کا کچھ مزہ چکھنے سے اپنے کفر اور معصیت سے باز آجائیں یعنی وباؤں اور بلاؤں کو دیکھ کر غفلت سے بیدار ہوں اور شرک اور بداعمالیوں کو چھوڑ دیں اور توحید اور طاعت کی طرف رجوع کریں۔

ابو العالیہؒ فرماتے ہیں کہ جس نے زمین میں اللہ کی نافرمانی کی اس نے زمین میں فساد پھیلایا اور جس نے طاعت کی اس نے زمین کو درست کیا۔

اے نبی اگر مشرکین کو اس بارہ میں کچھ تردد ہے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جاؤ اور زمین میں چلو پھرو پھر آنکھیں کھول کر دیکھو کہ پچھلے لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا ان ہلاک ہونے والوں میں اکثر مشرک ہی تھے سوائے مخاطب تو اپنا رخ اسی دین راست یعنی توحید اسلام کی طرف کر لے قبل اس کے خدا کی طرف سے وہ دن آئے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا جب وہ دن آئے گا تو لوگ الگ الگ ہو جائیں گے ہر فریق دوسرے فریق سے جدا ہو جائے گا فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ بایں طور کہ جس نے دنیا میں کفر کیا تو اس پر کفر کا وبال ہوگا اور جن لوگوں نے نیک کام کیے ہیں وہ اپنی ہی راحت کا سامان کر رہے ہیں اور قیامت کے دن ہر فریق کا جدا ہونا اس لیے ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان لوگوں کو جزاء خیر دے جو اول ایمان لاتے اور پھر جنہوں نے نیک کام کیے اس لیے کہ بغیر ایمان کے کوئی عمل خیر معتبر نہیں بالیقین اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا اس لیے کافروں کو جدا کر کے دوزخ میں بھیجے گا وہ فضل کے مستحق نہیں دن رات خدا کی قدرتوں کا اور اسکی نعمتوں کا مشاہدہ کرتا رہا پھر بھی ایمان نہ لایا اور نہ خدا کی نعمتوں کی قدر کی چنانچہ فرماتے ہیں اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ باران رحمت کی خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور تاکہ تم کو اپنی رحمت کا کچھ مزہ چکھائے تاکہ تمہاری کھیتیاں اور باغات سرسبز و شاداب ہوں اور تم ان کا پھل کھاؤ اور تاکہ ان ہواؤں کے ذریعہ کشتیاں اللہ کے حکم سے رواں ہوں اور تم بسہولت سفر کر سکو اور تاکہ تم دریا کا سفر کر کے اللہ کے فضل کی جستجو اور تلاش کر سکو یعنی کشتیوں کے ذریعہ تجارت کر سکو تاکہ سمجھ لو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا ظہور اسباب کے پردہ میں ہوتا ہے اور تاکہ تم اللہ کی ان نعمتوں کا شکر کرو اور کفر اور معصیت کو چھوڑو اللہ نے تمہارے لیے یہ سامان راحت مہیا کیے تاکہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اسکی نعمتوں کا شکر کرو اور ہمارے رسول کی ہدایت کے مطابق ہماری اطاعت کرو اور اے نبی ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا پس وہ رسول اپنی قوموں کے پاس معجزات واضحہ لے کر آئے اور انکو اللہ کا پیغام پہنچایا پس بعض ان میں سے ایمان لاتے اور بعض نے کفر اور انکار کیا اور مجرم بنے اور رسول کی اور اہل ایمان کی عداوت اور ایذا رسانی پر تل

گئے پس ہم نے مجرمین سے رسول کا اور اہل ایمان کا انتقام لے لیا مجرموں کو ہلاک کیا اور اہل ایمان کی مدد کی اور ہم پر اہل ایمان کی مدد کرنا حسب وعدہ لازم تھا مطلب یہ تھا کہ محمد رسول اللہؐ ہی نئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے آپؐ سے پہلے جن لوگوں نے انبیاءؑ سے سرکشی کی ہم نے انکو سزا دی ان آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے آپؐ انکی تکذیب اور عداوت سے رنجیدہ نہ ہوں یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہم سب سابق آپ کی اور اہل ایمان کی مدد کریں گے اور ان مجرموں سے آپ کا انتقام لیں گے اور اہل ایمان کی نصرت منجملہ آثار رحمت کے ہے اور سب چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اس لیے آئندہ آیات میں پھر اپنے آثار قدرت اور آثار رحمت کو ذکر کرتے ہیں کہ مختلف قسم کی ہوائیں اور مختلف قسم کے بادل اور مختلف قسم کی بارشیں سب اسکی قدرت کے کرشمے ہیں

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی

اللہ ہے جو چلاتا ہے باویں پھر ابھارتیاں ہیں بدلی پھر پھیلاتا ہے اسکو

السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ

آسمان میں جس طرح چاہے اور رکھتا ہے اس کو تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ

یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ

نکلتا ہے اسکے بیچ سے پھر جب اُس کو پہنچایا جس کو چاہے اپنے

عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ

بندوں میں تبھی وہ لگے خوشیاں کرنے اور پہلے ہو رہے تھے

اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ

اس کے اترنے سے پہلے ہی نا امید سو دیکھ

اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

اللہ کی مہر کے نشان کیونکر جلاتا ہے زمین کو اسکے مرے پیچھے

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ

بے شک وہ ہے مردے جلانے والا اور وہ ہر چیز کر

قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا

سکتا ہے اور اگر ہم بھیجیں ایک باؤ پھر دیکھیں وہ کھیتی زرد پڑ گئی

مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿٥١﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا

تو لگیں اس پیچھے ناشکری کرنے سو تو سنا نہیں سکتا مُردوں کو اور نہیں

تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَآ اَنْتَ

سنا سکتا بہروں کو پکارنا جب پھریں پیٹھ دے کر اور نہ تو راہ

بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ

سوجھا دے اندھوں کو ان کے بھٹکنے سے تُو تو سناوے اسکو جو یقین مانے

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٥٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

ہماری باتیں سو وہ مسلمان ہوتے ہیں اللہ ہے جس نے بنایا تم کو

ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ

کمزوری سے پھر دیا کمزوری پیچھے زور پھر دے گا

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَ

زور پیچھے کمزوری اور سفید بال، بناتا ہے جو چاہے اور

هُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿٥٤﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ

وہ ہے سب جانتا کر سکتا اور جس دن اٹھے گی قیامت قسمیں کھاویں گے

الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا

گنہگار کہ ہم نہیں رہے ایک گھڑی سے زیادہ اسی طرح تھے

يُؤْفَكُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ

الٹے جاتے اور کہیں گے جن کو ملی سمجھ اور یقین

لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا

تمہارا ٹھہراؤ تھا اللہ کے لکھے ہیں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ

يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَيَوْمَئِذٍ

ہے جی اٹھنے کا دن پر تم نہ تھے جانتے سو اس دن

لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

کام نہ آوے گی ان گنہگاروں کو تقصیر بخشوانی اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے

ذکر بعض دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

قال اللہ تعالیٰ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ...... اِلٰى ..... وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں زیادہ تر ایسے دلائل قدرت ذکر کیے جو الوہیت اور وحدانیت کے مثبت تھے اب ایسے چند دلائل قدرت ذکر کرتے ہیں کہ جو قیامت اور فناء عالم اور بعث بعد الموت اور حیات ثانیہ کے لیے مثبت ہوں اور بعد ازاں کچھ احوال قیامت کو بیان کیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں خدا برحق وہ ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں پھر اٹھاتی ہیں وہ ہوائیں ابر کو پھر پھیلاتا ہے اللہ اس ابر کو آسمان کی جانب میں جس طرح چاہے کہیں کم اور کہیں زیادہ اور کہیں سفید اور کہیں سیاہ پھر اسکو تہ بر تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس ابر کے درمیان سے نکلتی ہے اور جہاں جتنی بارش چاہتا ہے اتنی ہی بارش ہوتی ہے پھر جب خدا اس بارش کو اپنے بندوں میں سے جس کو پہنچاتا ہے تو ناگاہ وہ خوش ہو جاتے ہیں اور انکو قحط کے دور ہونے کی امید ہو جاتی ہے اور تحقیق وہ اس بارش کے نازل ہونے سے پہلے ناامید تھے بارش کے نازل ہونے سے انکی ناامیدی امید میں بدل گئی باران رحمت کے نزول کا اصلی سبب اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہے اور فلاسفہ جو یہ کہتے ہیں کہ سمندر سے بخارات بذریعہ ہوا بلند ہو کر سحاب بن کر برستے ہیں اگر یہ امر کسی دلیل قطعی سے ثابت بھی ہو جائے تو یہ محض ایک ظاہری سبب ہے اور ظنی ہے قطعی نہیں یہ سب چیزیں اللہ کے فضل کے ظہور کے اسباب ہیں بالذات مؤثر نہیں ان میں سے بندہ کے اختیار میں کوئی چیز نہیں لہذا چاہیے کہ خدا کی قدرت کاملہ پر نظر رکھیں اور اسی پر اعتماد کریں۔ بندوں کا کبھی خوش ہونا اور کبھی رنجیدہ ہونا یہ اس بات کی علامت ہے کہ ان کی نظر اسباب ظاہری پر ہے اللہ کی قدرت

کاملہ پر نظر نہیں اور اسکی رحمت پر اعتماد نہیں ۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے اہل وعیال بھوکے ہیں آپؐ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر باران رحمت نازل فرمائے آپؐ نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی حضرت انسؓ کہتے ہیں واللہ اس وقت سوائے آفتاب کی تمازت کے آسمان میں ابر کا نام ونشان نہ تھا ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا فرمائی کہ یکایک کوہِ سلع کی طرف سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور پھیل کر آسمان کو محیط ہو گیا اور بارش شروع ہو گئی اور نماز سے فارغ ہو کر اسی بارش میں ہم اپنے گھروں کو واپس ہوتے اسی طرح وہ پانی آٹھ روز تک مسلسل برستا رہا یہاں تک کہ دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص اثناء خطبہ کھڑا ہوا جس نے پہلے جمعہ کو بارش کی التجاء کی تھی اس نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کثرت بارش سے راستے بند ہو گئے اور مکانات منہدم ہو گئے آپؐ نے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللّٰھم حوالینا ولا علینا اے اللہ ہمارے اردگرد پہاڑوں اور ٹیلوں پر بارش ہو اور ہم پر نہ ہو اسی وقت بادل کھل گیا اور بارش بند ہو گئی ۔

معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری جن کے فلاسفہ مدعی ہیں اگر ثابت ہو جائیں تو کوئی مستقل اور قطعی چیز نہیں اصل سبب اللہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور مشیت ہے ۔

پس اے ظاہر بین اللہ تعالیٰ کے آثار رحمت کی طرف نظر کر اور دیکھ کہ وہ خدا کس طرح زمین کو مردگی اور افسردگی کے بعد زندہ کر دیتا ہے تحقیق جو ذات پاک زمین کو مردگی کے بعد زندہ کرتی ہے وہی ذات قیامت کے دن مردوں کو زندہ کرے گی اور وہ تو ہر چیز پر قادر ہے اسکی قدرت تمام مخلوقات کے ساتھ یکساں ہے اور بارش کا بہرہ مند اور سودمند ہونا اس کی طبیعت کا ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ ہماری مشیت کے تابع ہے اس لیئے کہ اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں جو کھیتوں کو ہلاک کرنے والی ہو تو یہ اپنے کھیتوں کو زرد دیکھیں کہ وہ کھیتی خشک ہو جاتے اور اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو اس کے بعد وہ ناشکری کرنے والے ہو جائیں اور کیا کیا باتیں منہ سے بکنے لگیں غرض یہ کہ اللہ کی قدرت طرح طرح کے رنگ دکھاتی ہے کبھی مبشرات کے رنگ میں اور کبھی آفات کے رنگ میں پس اے نبیؐ جس شخص نے ان واضح آیات قدرت اور صریح آثار رحمت کا انکار کیا اور مردہ زمین کے زندہ ہونے کا انکار کیا تو ایسا شخص خود مُردہ ہے آپؐ اسکے انکار سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوجیئے تحقیق آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز اور پکار سنا سکتے ہیں خاص کر جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں بہرا اول تو کسی کی پکار نہیں سنتا اور اس پر مزید یہ کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو ایسی حالت میں اس کا سننا اور بھی ناممکن ہو جاتا ہے اس لیئے کہ اگر بہرے کا منہ پکارنے والے کی طرف ہو تو ممکن ہے کہ لب ودہان کی یا سر کی حرکت سے یا ہاتھ کے اشارہ سے کچھ

سمجھے لیکن جب بہرے نے بات کرنے والے کی طرف پشت کر دی تو اس سے بھی محروم ہو گیا اے نبی آپؐ میں یہ قدرت نہیں کہ آپ ان اندھوں کو راہ دکھا سکیں اور انکی گمراہی سے انکو ہٹا سکیں پس اگر ایسے مُردے اور اندھے اور بہرے ان آیات قدرت پر ایمان نہ لائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں آپ ان ہی لوگوں کو سُنا سکتے ہیں جو ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں اور پھر وہ ہمارے مطیع اور فرمانبردار ہیں یعنی جن لوگوں کے دل زندہ ہیں وہ ہماری باتوں کو سنتے اور مانتے ہیں ۔

ف اس آیت میں ۔" الموتیٰ " سے کفار مراد ہیں مُردہ دل ہونے کی وجہ سے ان پر مَوتیٰ کا اطلاق کر دیا گیا یعنی جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں ان پر کلام ہدایت کچھ اثر نہیں کرتا باقی سماع موتی کی تحقیق سورۂ نمل کے آخری رکوع میں گذر چکی ہے سماع موتیٰ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے ۔

ف ظاہر اسباب میں مردہ کا سننا محال ہے اور بہرے اور اندھے کا سنانا کسی درجہ میں ممکن ہے اشارہ اس طرف ہے کہ بعض کافر تو بالکل مردہ ہو چکے ہیں اور بعضے بمنزلہ اندھے اور بہرے کے ہیں اگر توجہ کریں تو ممکن ہے کہ راہِ راست پر آجائیں یہ لوگ اگر اپنے جسمانی اور بدنی تغیرات اور انقلاب میں غور کریں تو وحدانیت کے بھی قائل ہو جائیں اور حشر و نشر کے بھی قائل ہو جائیں آئندہ آیت میں یہی مضمون ہے خداوند مطلق اور معبود برحق وہ ہے جسنے تم کو ناتوانی اور کمزوری سے پیدا کیا نطفہ سے لے کر بچپن تک زمانہ کمزوری کا ہے پھر کمزوری کے بعد اللہ نے تم کو قوت دی یعنی جوانی دی پھر قوت اور توانائی کے بعد تم کو کمزوری اور بڑھاپا دیا جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے کبھی کمزوری اور کبھی توانائی کبھی تندرستی اور کبھی بیماری اسی طرح قوت اور ضعف کے بیابانوں میں تمہیں پلٹیاں دے رہا ہے اور وہ علم والا اور قدرت والا ہے ضعف اور قوت کی پلٹیاں دے کر تمہیں اپنی قدرت اور تمہاری لاچارگی کا تماشا دکھا رہا ہے اور علیم و قدیر وہ ہے کہ جو صفتوں اور کیفیتوں کے بدلنے پر قادر ہو یہ مشرکین اور منکرین قیامت اگر اپنے جسمانی تغیرات میں ذرا غور کریں تو وحدانیت کے بھی قائل ہو جائیں اور قیامت کے بھی قائل ہو جائیں ۔

یہ تو کافروں کی دنیاوی حماقت اور جہالت کا بیان تھا کہ دنیا میں کفر اور شرک کیا اور انبیاءؑ کی دعوت کو رد کیا اب آیندہ آیت میں انکی اُخروی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو مجرمین قسم کھائیں گے کہ وہ دنیا میں یا عالم برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے اسی طرح دنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے یعنی انہوں نے اس وقت جھوٹ بولا جس طرح کہ اس سے پہلے دنیا میں جھوٹ بولا کرتے تھے عالم آخرت میں پہنچنے کے بعد دنیا یا برزخ کا رہنا ایسا معلوم ہو گا کہ گویا کہ دنیا میں ایک ساعت رہے ہے آخرت کی عقوبات اور آفات دیکھنے

کے بعد دنیا خواب وخیال ہو جائیگی اور جن کو علم اور ایمان دیا گیا وہ ان مجرمین سے کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو۔

البتہ تحقیق تم دنیا میں اللہ کے کہنے کے مطابق قیامت تک ٹھہرے ہو پس یہی وہ جی اٹھنے کا دن ہے جس کا پہلے تم انکار کیا کرتے تھے لیکن اب اس کا انکار نا ممکن ہے اس لیئے کہ وہ دن اب تمہارے سامنے آگیا اور مشاہدہ کے بعد انکار محال ہے لیکن تم تو پہلے ہی جاہل نادان تھے ایسی واہی تباہی باتیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔

پس آج کے دن ان ظالموں کو انکی معذرت یعنی عذر خواہی کوئی نفع نہ دے گی تاکہ عذر کریں کوئی عذر انکو فائدہ نہ دے گا اور ان کو خدا کی رضا جوئی کا کوئی موقعہ نہ دیا جائے گا بلکہ صرف جزاء اور سزا کا دن ہو گا اس دن نہ کسی کا کوئی عذر مقبول ہو گا اور نہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کا موقع ملے گا وہ اگر توبہ کریں اور آئندہ کے لیے ایمان اور طاعت کا وعدہ کریں اور یہ درخواست کریں کہ ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے تو یہ درخواست قبول نہ ہو گی

کما قال تعالیٰ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ

اور ہم نے بٹھائی ہے آدمیوں کو اس قرآن میں ہر طرح کی کہاوت

وَلَئِن جِئْتَهُم بِآيَةٍ لَّيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنتُمْ

اور جو تو لاوے ان پاس کوئی آیت تو مقرر کہیں وہ منکر جھوٹ

إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿٥٨﴾ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ

بناتے ہو یوں مہر کرتا ہے اللہ اُن کے دلوں پر جو

لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ وَلَا

سمجھ نہیں رکھتے سو تو ٹھیرا رہ بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور

يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿٦٠﴾

اچھال نہ دیں تجھ کو جو یقین نہیں لاتے

خاتمۂ سورت براعجاز قرآن

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔ الیٰ ۔ وَلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ

(ربط) سورت کا آغاز ایک دلیل نبوت سے فرمایا اب اس سورت کو پھر ایک دلیل نبوت پر ختم کرتے ہیں کہ یہ قرآن عجیب وغریب کتاب حکمت اور دستور ہدایت ہے اسکی خوبی پر نظر کرو تم پر واضح ہو جائے گا کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے جو قیامت تک باقی رہے گی انبیاء سابقین کے معجزات ختم ہو گئے مگر قرآن ایسا معجزہ ہے کہ قیامت تک باقی رہے گا اور ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپؐ ان مشرکین کے عناد اور جہالت پر صبر کیجئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے جو فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اپنے وقت پر ظاہر ہو گا چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اتمام حجت کے لیئے لوگوں کے واسطے اس قرآن میں جا بجا ہر قسم کی مثال بیان کر دی جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہو جاتے اور غافلوں کو تنبیہ ہو جائے یہ قرآن انکی ہدایت کے لیئے کافی تھا مگر غایت عناد کی وجہ سے اس حجت واضحہ کو قبول نہ کیا اور اے نبی اگر آپ انکے پاس کیسی ہی واضح اور روشن نشانی لے کر آئیں تو یہ کافر غایت عناد اور عداوت اور سرکشی کے باعث یہی کہیں گے کہ نہیں ہو تم یعنی پیغمبر اور اہل ایمان مگر بے ہودہ گو اور جھوٹے دیکھ لو کہ اسی طرح اللہ مہر لگاتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے اور بے عقلی اور بد عقلی سے انکار کرتے ہیں جن لوگوں کے دلوں پر خدا مہر لگا دیتا ہے وہ ایسے ہو جاتے ہیں پس اے نبی ان معاندین کی ایذا رسانی پر صبر کیجئے بے شک اللہ نے اظہار دین کا جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ حق ہے اللہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا اور جو لوگ خدا کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے چاہیئے کہ وہ آپ کو یقین اور اذعان سے جنبش نہ دے سکیں اللہ نے آپؐ سے جو وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق اور درست ہے یقیناً ضرور پورا ہو گا مبادا یہ بے یقین لوگ آپؐ کو گھبراہٹ میں ڈال دیں اور آپؐ کو ہلکا بنا دیں آپ بالکل مطمئن رہیں مبادا یہ بے یقین آپ کو اضطراب میں نہ ڈال دیں ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آج بروز یکشنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۱۶ رجب الحرام ۱۳۹۲ھ سورۂ روم کی تفسیر سے فراغت ہوئی اے اللہ اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما اور باقی تفسیر کے اِتمام کی توفیق عطا فرما۔

آمین یارب العالمین

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۂ لقمان

سورۂ لقمان مکی ہے اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں تفصیل کے ساتھ لقمان حکیمؒ کا قصہ مذکور ہے اس لیے یہ سورت "لقمانؑ" کے نام سے موسوم ہوئی جمہور علماء اسلام اور سلف صالحین کا متفقہ قول یہ ہے کہ لقمان حکیم اور دانا تھے مگر نبی نہ تھے صرف عکرمہؓ سے نقل کیا جاتا ہے کہ وہ نبی تھے مگر سند اسکی ضعیف ہے سوڈان کے رہنے والے تھے نجاری ان کا پیشہ تھا بعض کہتے ہیں کہ وہ خیاط (درزی) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے واللہ اعلم بعض کہتے ہیں کہ وہ ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ انکے خالہ زاد بھائی تھے اور ایوب علیہ السلام سے علم حاصل کیا طویل عمر پائی یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بنی اسرائیل کے قاضی اور مفتی تھے جب داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے تو فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا کہ نبی کا وجود باجود کافی ہے۔

ربط (۱) گذشتہ سورت کے اخیر میں یعنی وَلَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ میں قرآن کے اعجاز اور حقانیت کی طرف اشارہ تھا اب اس سورت کے شروع میں پھر قرآن کی حقانیت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ کتاب کتاب رحمت ہے اور کتاب ہدایت اور کتاب حکمت ہے اس کو قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا باعث سعادت ہے اور اس کتاب حکمت کو چھوڑ کر لہو الحدیث یعنی گانے بجانے اور ناولوں اور قصے اور کہانیوں کی طرف مائل ہونا شقاوت کی علامت ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے سفہاء اور اشقیاء کا حال بیان کیا کہ جو لوگ قرآن کو چھوڑ کر گانے بجانے کی طرف مائل ہیں اور دین کی باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں یہ لوگ بدنصیب اور محروم ہیں اور پھر اس کے مقابلہ میں عقلاء اور سعداء کا حال بیان کیا جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ربط (۲) حق جل شانہٗ نے اس سورت میں لقمان حکیم کی حکیمانہ اور عاقلانہ نصائح کا ذکر فرمایا جو توحید کی دعوت اور شرک کی مذمت پر اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی ترغیب پر اور اخلاق ذمیمہ اور افعال قبیحہ سے ترہیب پر مشتمل ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ توحید اور مکارم اخلاق تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک مستحسن ہیں اور یہ تمام امور فطری ہیں عقل سلیم اور فطرت سلیمہ ان کو قبول کرتی ہے اور شرک عقلاً قبیح ہے اور خلاف فطرت ہے اور گزشتہ سورت میں فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّیۡنِ میں جس دین قیم پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ یہی دین توحید ہے جس کی لقمان حکیمؒ نے اپنے

بیٹے کو وصیت کی لوگوں کو چاہیے کہ ان نصیحتوں کو حرز جان بنائیں

ربط (۳) نیز گذشتہ سورت میں مبداء اور معاد کا ذکر تھا اس سورت میں مبداء اور معاد کا اور دلائل قدرت کا ذکر ہے۔

ربط (۴) نیز گذشتہ سورت کے اول میں ان لوگوں کی مذمت تھی کہ جو اللہ کے وعدہ پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ اسباب ظاہری پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس سورت کے شروع میں ان لوگوں کی مدح ہے جو آخرت پر اور اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔

ربط (۵) نیز گذشتہ سورت کے اخیر میں قیامت کا ذکر تھا اور اس سورت کے اخیر میں یہ بتلایا کہ قیامت کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس سورت کی شروع آیات میں اللہ تعالیٰ نے سعداء اور اشقیاء کے مراتب اور مقامات کا فرق بیان کیا اور چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لئے نزول آیات کے وقت دونوں فریق موجود تھے لہذا سعداء کا مصداق اولین مہاجرین اولین ہوں گے اور وہی اس سے مراد ہوں گے (ازالۃ الخفاء)

آیاتها ۳۴ ۳۱ سُورَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ۵۷ رکوعاتها ۴

سورۂ لقمان مکی ہے اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا

الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً

یہ باتیں ہیں پکی کتاب کی سوجھ ہے اور مہر نیکی

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

والوں کو جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى

زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت کو وہ یقین کرتے ہیں یہ ہیں سوجھ پر

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ

اپنے رب کی طرف سے اور وہ ہیں جن کا بھلا ہے اور ایک

النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ

لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تا بچلا دیں اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ

کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہراویں اسکو ہنسی وہ جو ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى

انکو ذلّت کی مار ہے اور جب سُنایئے اسکو ہماری باتیں پیٹھ دے

مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ

جاوے غرور سے گویا ان کو سنا ہی نہیں گویا اس کے دو کان بہرے ہیں

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سو خوشخبری دے اس کو دکھ والی مار کی جو لوگ یقین لائے اور کیئے

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۞ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ

بھلے کام ان کو ہیں نعمت کے باغ رہا کریں اُن میں وعدہ

اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

ہو چکا اللہ کا سچا اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا بنائے آسمان

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ

بن ٹیکے اُسے دیکھتے ہو اور ڈالے زمین پر بوجھ

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا

کہ تمکو لے کر جھک نہ پڑے اور بکھیرے اس میں سب طرح کے جانور اور اُتارا ہم نے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۞

آسمان سے پانی پھر اُگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ

یہ کچھ بنایا ہے اللہ کا اب دکھاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو

دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١١﴾

اسکے سوا ہیں کوئی نہیں پر بے انصاف صریح بھٹکتے ہیں

آغاز سورت بمدح کتاب ہدایت وحکمت

وبیان حال ومآل سعداء مفلحین واشقیاء خاسرین

قال اللہ تعالیٰ الٓمّٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(ربط) یہ سورت "سورۂ لقمان" کے نام سے موسوم ہے جس میں لقمان حکیمؒ کے کلمات حکمت وموعظت مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا ذکر ہے اس لیئے سورت کا آغاز قرآن کریم کی مدح اور توصیف سے کیا گیا کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب حکمت وہدایت ہے جس سے بڑھکر کوئی کتاب نہیں گذشتہ سورت کے اخیر میں قرآن کریم کے اعجاز اور اسکے مکذبین کا ذکر تھا اور اس سے ذرا پہلے اہل علم اور اہل ایمان کا ذکر تھا اسلیئے اس سورت کے شروع میں اول قرآن کی مدح اور توصیف ذکر فرمائی اور اس کے بعد سعداء[1] مفلحین اور اشقیاء خاسرین کا حال اور مآل اور ان کے مراتب اور مقامات کو بیان کیا تاکہ دونوں فریق میں کمال تباین ظاہر ہو جائے جیسا کہ گذشتہ سورت کی آیت وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ میں ذکر تھا کہ قیامت کے دن نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔

اور چونکہ سورۂ لقمان مکیہ ہے لہٰذا ان سعداء مفلحین کا مصداق مہاجرین اولین ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں الٓمّٓ اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یہ سورت آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی درآنحالیکہ وہ مشعل ہدایت اور عظیم رحمت ہیں نیکوکاروں کے لیئے جو خدا کی اس طرح عبادت کرنے ہیں گویا کہ وہ اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہیں جو نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ آخرت کا قطعی یقین رکھتے ہیں آخرت ہر وقت ان کے پیش نظر رہتی ہے اور وہ دنیا کو سرائے فانی سمجھتے ہیں ہدایت اور صلاح اور فلاح کی اصل جڑ آخرت کا یقین ہے ورنہ سب ہیچ ہے ایسے ہی بندے اپنے رب کی طرف سے عظیم ہدایت پر ہیں اور ایسے ہی بندے فلاح پانے والے ہیں یعنی رضائے الٰہی او

[1] یہ نکتہ ازالۃ الخفاء مصنفہ شاہ ولی اللہؒ سے لیا گیا ہے۔

نعمائے غیر متناہی سے سرفراز ہوں گے جو کسی بشر کے وہم وگمان میں نہیں آسکتیں یہاں تک سُعدا یعنی محسنین مفلحین کا بیان تھا اب آگے ان کے بالمقابل اشقیاء کا حال بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ان سُعداء مفلحین کے بالمقابل کچھ لوگ ایسے ہیں جو قرآن سے اعراض کر کے کھیل کی باتوں کے یعنی قصے کہانیوں اور خرافات اور گانے بجانے والی لونڈیوں کے خریدار ہیں تاکہ یہ قصے سنا کر محفل گرم کریں اور لوگوں کو خدا کی راہ سے یعنی اس کے دین سے بے سمجھے بوجھے یعنی بوجہ بے علمی اور جہالت کے گمراہ کریں خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں ہیں اور یہ گمراہ اس فکر میں ہے کہ اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑا دے یعنی بالکل جاہل ہے نیک و بد کو کچھ نہیں سمجھتا آیات الٰہی کا لہو الحدیث سے مقابلہ کرتا ہے اور راہِ حق کا ٹھٹھا بناتا ہے اور اللہ کی باتوں کے ساتھ تمسخر کرتا ہے ایسے ہی لوگوں کیلئے ذلت اور رسوائی کا عذاب ہے آپ انکو اسی عذاب کی خبر سنا دیجئے اور اس شخص کی حالت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ شخص مغرور بن کر پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے گویا کہ اسنے آیات کو سنا ہی نہیں گویا کہ اس کے کانوں میں سخت گرانی یعنی بہرہ پن ہے آیات الٰہی کی عظمت کا حق تو یہ تھا کہ ان کے سامنے سر جھکاتا اور بصد تواضع و ادب ہدایت و معرفت کا خواستگار ہوتا لیکن اس نے بجائے توجہ کے بے التفاتی برتی اور بجائے عاجزی کے تکبر کیا اور بجائے مدح کے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا اور عین ہدایت و حکمت کے مقابلہ میں لہو الحدیث یعنی لغو اور باطل کو لایا پس آپ ایسے شخص کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے کیونکہ ایسا شخص خدا کا اور اس کے دین کا دشمن ہے اور دشمن ایسی ہی بشارت کا مستحق ہے ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ سے فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ تک نضر بن حارث کے بارہ میں نازل ہوئی جو تجارت کرتا تھا اور حیرہ وغیرہ سے قصص اور اخبار کی لغو کتابیں خرید کر لایا کرتا تھا جس میں اکاسرۂ ایران اور رستم اور اسفندیار کی داستانیں ہوتی تھیں اور قریش اور اہل مکہ کو قرآن سے روکنے کے لیے یہ داستانیں سناتا اور کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تم کو رستم اور اسفندیار اور شاہانِ فارس کے قصے سناتا ہوں اور کچھ گانے والی لونڈیاں بھی خرید لایا تھا جس کو اسلام کی طرف راغب دیکھتا تو اس کو بلا کر لاتا اور شراب پلاتا اور گانا سنواتا اور کہتا کہ بتلا یہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جس کی طرف تم کو محمدؐ بلاتے ہیں کہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو اور اس کے ساتھ ہو کر اپنی جان کھپاؤ یعنی جہاد کرو مقصود اس کا یہ تھا کہ لوگ قرآن چھوڑ کر یہ قصے سنیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور جابر بن عبداللہؓ وغیرہم سے یہی منقول ہے کہ یہ آیت گانے بجانے اور لغو کہانیوں کے بارہ میں نازل ہوئی ۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص۵۱ ج ۱۴)

اور عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ اور مجاہدؒ اور مکحولؒ اور عمرو بن شعیبؒ اور علی بن بذیمہؒ اور حسن بصریؒ (علماء تابعین) سے بھی منقول ہے کہ یہ آیت غنا مزامیر کے بارہ میں نازل ہوئی ۔

دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۴۴۲ ج ۳

اور جو غنا تحریک اصوات اور تحسین نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو وہ بالاتفاق حرام ہے ۔

غرض یہ کہ اس آیت میں لہو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان مراد ہے جیسے باجا اور بانسری اور موسیقی اور ستار اور سارنگی اور خرافات اور مضحکہ خیز باتیں اور ناول اور افسانہ جات اور گانے بجانے والی لڑکیاں یہ سب چیزیں لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہیں اور یہ سب چیزیں باجماع صحابہ و تابعین و باتفاق ائمہ مجتہدین حرام ہیں جن کے حرام ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں اور گانا بجانا تو تمام ملتوں اور دینوں میں حرام رہا ہے یہ نفسانی اور شہوانی چیز ہے کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوئی اور غنا اور مزامیر کی حرمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کو علامہ ابن حجر مکیؒ نے کتاب الزواجر میں ذکر کیا ہے ۔

جاننا چاہیئے کہ اس قسم کے ہفوات اور خرافات اور ناولوں اور افسانوں کا پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور جب کہ اس سے مقصود استماع حق اور سماعت قرآن سے روکنا ہو تو وہ بلاشبہ کفر ہے دشمنانِ حق کا طریقہ ہی یہ ہے کہ استماع حق سے باز رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی مشغلہ نکال کھڑا کرتے ہیں اور حق کا مذاق اڑاتے ہیں اور جب انکو حق بات سنانے کی کوشش کی جاتی ہے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں ۔ گویا کہ انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں اور مغرورانہ گردن ہلاتے ہوئے چلتے ہو جاتے ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اسی قسم کے لوگوں کا حال بیان کیا اور وعید اور عذاب کی بشارت دی ہے ۔

اہلِ ایمان اور عاشقانِ قرآن کیلئے بشارت

اب آئندہ آیات میں اہلِ ایمان کا حال اور مآل کا ذکر کرتے ہیں کہ اہلِ ایمان کا حال ان کے برعکس ہے کہ وہ لوگ جب آیاتِ قرآنی کو سنتے ہیں تو گردن جھکا دیتے ہیں اور ہمہ تن گوش بن جاتے ہیں ان کا انجام وہ ہے جس کو آئندہ آیت میں بیان کرتے ہیں بالیقین جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیئے ان کے لیئے نعمتوں کے باغ ہیں جنمیں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ عز و جل نے ان سے پکا وعدہ کیا ہے جو پورا ہو کر رہے گا اور وہ خدا تعالیٰ عزت والا اور حکمت والا ہے اور اگر تم اس کی شان عزت و حکمت کو پہچاننا چاہتے ہو تو اس کے عجائب قدرت میں غور کرو تحقیق اسی نے آسمانوں کو بلاستون کے پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ آسمان بلا عمود کے قائم ہیں یہ اس کی کمال صنعت کی دلیل ہے کہ اس نے اتنا بلند اور طویل و عریض جسم بغیر عمود کے پیدا کر دیا اور

بلا ستون اور سہارے کے ایسے قائم کر دیا جس کو تم ہر وقت اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہو دیکھ لو کہ یہ آسمان خود بخود باقتضاء طبیعت موجود نہیں ہو گئے بلکہ خدا کی قدرت سے وجود میں آئے ہیں اور فضاء اور خلاء میں بغیر کسی ستون کے قائم ہیں اور ان آسمانوں کا کوئی مکان بھی نہیں کہ جہاں یہ سات آسمان مستقر اور متمکن ہیں اگر ہر جسم اور ہر مکان کیلئے مکان لازم ہو تو تسلسل لازم آئے اور اس نے زمین میں بڑے بھاری پہاڑ ڈال دیئے کہ زمین تم کو لے کر جنبش نہ کرے یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی پشت پر پہاڑوں کو اس لیے جما دیا تاکہ وہ تم کو لیکر جھک نہ پڑے زمین پانی کی پشت پر قائم ہے اور اوپر سے ہوائیں ہیں اگر اس کے اوپر پہاڑوں کا ثقل اور بوجھ نہ ہوتا تو مخلوق ارضی اس کی جنبش اور اضطراب سے تہ و بالا ہو جاتی اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ثقل سے زمین کو ثابت اور مستقر کر دیا۔

زمین از تپ ولرزہ آمد ستوہ فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

فلاسفۂ عصر کہتے ہیں کہ زمین پہلے گیلی مٹی کی طرح دلدل تھی جب اس نے ذاتی قوت سے حرکت شروع کی تو سخت پڑ گئی یہ سب اٹکل کی باتیں ہیں جن پر دلیل کوئی نہیں پہاڑ تو گہرے سمندروں کے اندر بھی موجود ہیں جن سے بعض مرتبہ جہاز ٹکرا کر تباہ ہو جاتا ہے معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ کی صنعت ہے زمین کی حرکت اور اس کے اجزاء کی باہمی کشش کو اس میں دخل نہیں اور زمین کیلئے کشش ثابت کرنے کے لیے پہاڑ جیسی دلیل تو کہاں سے آئے ایک ڈھیلے کے برابر بھی فلاسفۂ عصر کے پاس دلیل نہیں اور اس نے اپنی قدرت سے زمین میں ہر قسم کے جانور بکھیر دیئے جنکی صورتیں اور شکلیں مختلف ہیں اور ہر ایک کے اعضاء دوسرے سے متمیز ہوئے کوئی جانور کسی زمین میں پیدا ہوتا ہے اور کوئی کسی زمین میں زمین ساکن ہے اور جانور اس پر چلتے پھرتے ہیں اگر زمین میں تزلزل اور اضطراب ہوتا تو اس پر ٹھہرنا اور چلنا مشکل ہو جاتا بقول فلاسفۂ عصر اگر زمین متحرک ہوتی تو ہندوستان کی زمین حرکت کرکے امریکہ کی جگہ اور امریکہ حرکت کرکے ہندوستان کی جگہ آجاتا اور ہندوستان کا طلوع و غروب اور موسم امریکہ جیسا ہو جاتا اور ہم نے اپنی قدرت سے آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا اور نجاستوں کے دور کرنے کا سامان ہے اور پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ عمدہ نباتات اگائے جن کے فوائد اور منافع کو کوئی شمار نہیں کر سکتا زمین میں تخم ریزی ہوتی ہے اور آسمان سے پانی برستا ہے اگر بارش نہ ہوتی تو زمین سے پیداوار کس طرح ہوتی مطلب یہ ہے کہ آسمان سے زمین پر بارش ہوتی ہے اور اس علوی اور سفلی کے امتزاج سے قسم قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں دیکھ لو کہ یہ سب چیزیں اللہ ہی کی پیدا کی ہوتی ہیں آسمان اور زمین اور پہاڑ اور حیوانات اور نباتات یہ سب اللہ ہی کی مخلوقات ہیں پس اے مشرکین مجھے دکھاؤ تو سہی کہ جن کو تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو انہوں نے خدا کے سوا کون سی چیز پیدا کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ

یہ چیز تمہارے معبودوں کی پیدا کی ہوئی ہے مگر یہ لوگ زینہار کوئی ایسی چیز پیش نہیں کر سکتے جو ان کے مزعوم معبودوں نے بنائی ہو بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں اور گمراہی کا ازالہ کلمات حکمت وہدایت ہی کے سننے سے ہو سکتا ہے اس لیے آیندہ آیات میں لقمان حکیمؑ کی نورانی حکمت کا نمونہ ذکر کرتے ہیں تاکہ ان ظالموں اور گمراہوں کو تنبیہ ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ اَنِ اشْکُرْ

اور ہم نے دی ہے لقمان کو عقلمندی، کہ حق مان

لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ

اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو

وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۱۲﴾

اور جو کوئی منکر ہوگا تو اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا

اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اسکو سمجھانے لگا اے بیٹے

تُشْرِکْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّیْنَا

شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا بے شک شریک بنانا بڑی بے انصافی ہے اور ہم نے تقید

الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّ

کیا انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اسکو اس کی ماں نے تھک تھک کر

فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ؕ اِلَیَّ

اور دودھ چھڑانا ہے اسکا دو برس میں کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی

الْمَصِیْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰکَ عَلٰۤی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا

تک آنا ہے اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس پر کہ شریک مان میرا جو

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي

تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہا نہ مان اور ساتھ دے ان کا

الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ

دنیا میں دستور سے اور راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف پھر

اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ

میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتادوں گا تم کو، جو کچھ تم کرتے تھے اے بیٹے

اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ

اگر کوئی چیز ہو وے برابر رائی کے دانے کے پھر رہی ہو کسی پتھر میں یا

صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ

آسمانوں میں یا زمین میں لا حاضر کرے اسکو اللہ

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ

بے شک اللہ چھپے جانتا ہے خبردار اے بیٹے کھڑی رکھ نماز اور سکھلا

بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ

بھلی بات اور منع کر برائی سے اور سہار جو تجھ پر پڑے

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ

بے شک یہ ہیں ہمت کے کام اور اپنے گال نہ پھلا

لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اتراتا بے شک اللہ کو نہیں

يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ

بھاتا کوئی اتراتا بڑائیاں کرتا اور چل بیچ کی چال اور

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ

نیچی کر اپنی آواز بے شک بُری سے بُری آواز گدھوں

الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾

کی آواز ہے

ذکر نصائح لقمان علیہ السلام سراپا حکمت و عرفان

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ

(ربط) گذشتہ آیات میں مشرکین کے فساد اعتقاد کو بیان کیا اور بتلایا کہ جہالت اور عناد کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہیں اور یہ کتاب حکمت وہدایت لوگوں کو جہالت سے نکالنے کے لیے نازل ہوئی ہے جس کا حق یہ تھا کہ اس نعمت کا شکر ادا کرتے مگر کفر اور کفران میں مبتلا ہو گئے اب آئندہ آیات میں لقمان حکیمؒ کے کلمات حکمت وموعظت کو ذکر کرتے ہیں کہ لقمان حکیم نے کس طرح اپنے بیٹے کو توحید اور اخلاص اور شکر اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی وصیت اور نصیحت کی اور یہی امور، امور حکمت ہیں اور مدار سعادت و فلاح ہیں اور بلاشبہ یہ وصیتیں اور نصیحتیں لوح قلب پر کندہ کرنے کے قابل ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اپنے بندہ لقمان کو علم وحکمت یعنی دانائی عطا کی جو تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور یہ نعمت ہمارا عطیہ ہے لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ لقمان حکیم کی حکمتوں اور نصیحتوں کو یاد رکھیں اور ان پر عمل کریں وہ حکمتیں ہماری الہام کردہ ہیں۔

"حکمت" کی تفسیر میں بہت سے قول ہیں، حکمت اس علم صحیح اور فہم صحیح کا نام ہے جس کے ساتھ عمل بھی مقرون ہو اس مجموعہ کا نام حکمت ہے ورنہ علم خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو لیکن اگر عمل صحیح اسکے ساتھ نہ ہو تو وہ حکمت کا مصداق نہیں ہو سکتا اسی لیے اللہ تعالیٰ حکمت کی شان میں فرماتا ہے وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا یعنی حکمت بڑی خیر کثیر ہے ورنہ علم بے عمل ہیچ ہے حکمت کا جزء اول علم صحیح اور فہم صحیح ہے اور جزء دوم عمل صحیح ہے اور جو حکمت کی باتیں لقمان کو عطاء کی گئیں وہ بطور الہام کے عطا کی گئیں لقمان نبی نہ تھے حکیم تھے اور مُلہَم من اللہ تھے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی رحمت اور عنایت سے لقمان کو علم اور حکمت کی نعمت عطا کی اور اس کو حکم دیا کہ اے لقمان اللہ کا شکر کر کہ جس نے تجھ کو علم و حکمت اور فہم و فراست جیسی عظیم نعمت عطا کی اس لیے مقتضائے حکمت یہ ہے کہ محسن اور منعم کا شکر ادا کیا جائے

جس درجہ کی نعمت ہو اسی درجہ کا شکر بھی ہونا چاہیئے پس اے لقمان جب ہم نے تم کو حکمت جیسی نعمت سراپا کرامت عطا کی تو تمہارا
پہلا کام یہ ہے کہ جس نے تم کو یہ نعمت عطا کی اس کا شکر بجالاؤ کہ اس نے تم کو خیر کثیر عطا کی خوب سمجھ لو کہ جو شکر کرتا ہے وہ اپنے
ہی فائدہ اور بھلے کیلئے کرتا ہے شکر سے نعمت باقی رہتی ہے اور اس میں زیادتی ہوتی ہے یہ نفع شکر کرنے والے کو پہنچتا ہے خدا کو کسی
کے شکر کی ضرورت نہیں اور نہ بندوں کے شکر سے اسے کوئی فائدہ اور جو ناشکری کرتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے پس
تحقیق اللہ تعالیٰ تو بالکل بے نیاز ہے اور بذاتِ خود ہر حال میں ستودہ ہے خواہ کوئی اسکی ستائش کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں
سے غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات و افعال میں بذاتِ خود حمید اور پسندیدہ ہے اسکا کمال و جمال کسی کی حمد اور ستائش کا محتاج نہیں

ع زعشق ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است

اور حکمت اور دانائی کا تقاضہ یہ ہے کہ اول خود اپنے منعم اور محسن کا شکر گذار بنے اور پھر اپنے اہل
وعیال کو شکر کی تعلیم دے اور شرک سے منع کرے اس لیے آئندہ آیات میں لقمان حکیم کی ان نصیحتوں کو
ذکر کرتے ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کو کیں تاکہ لوگ ان سے ہدایت اور نصیحت پکڑیں چنانچہ فرماتے
ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ لقمان نے اپنے فرزند دلبند کو کہا درآنحالیکہ وہ اپنے بیٹے کو نصیحت
کر رہا تھا اے میرے پیارے بیٹے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک بڑی بے انصافی ہے
منعم اور غیر منعم کو اور حقیر اور کبیر کو اور ذلیل اور جلیل کو اور قادر اور عاجز کو اور مخلوق اور خالق کو برابر کرنا
صریح ظلم ہے مطلب یہ ہے کہ یہ وہ نصیحت ہے کہ جو حکیم لقمان نے اپنے فرزند دلبند کو کی تھی کسی غیر
کو نہیں کی تھی کہ جس میں کوئی وہم پرست یہ شبہ کر سکے کہ شاید کسی دوسرے کو بہکا دیا ہو معلوم نہیں کہ لقمان
کا بیٹا مشرک تھا کہ اسکو سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا کہ اسکو توحید پر مستحکم اور مضبوط
کرنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی دور تک لقمان حکیم کے کلمات حکمت کا ذکر چلا گیا ہے لقمان
نے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے جو وصیت اور نصیحت کی تو وہ اللہ کے حق کے متعلق تھی شرم کے مارے
لقمان نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی وصیت اور نصیحت نہیں کی جس میں اپنی غرض کا احتمال تھا
تو اللہ تعالیٰ نے وصایائے لقمان کے ضمن میں بطور جملہ معترضہ والدین کی شکر گذاری کا ذکر فرمایا تاکہ
لقمان کی نصیحت مکمل ہو جائے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ہم نے انسان کو وصیت کی ماں
باپ کے ساتھ احسان کرنے کی کہ انسان کو لازم ہے کہ حق تعالیٰ کے بعد والدین کا حق جانے
جنہوں نے اس کو پرورش کیا ہے والد کے احسانات ہوش اور شعور کے زمانہ میں ہوتے ہیں
بخلاف ماں کے کہ اس کے احسانات بیخبری کے عالم میں ہوتے ہیں اس لیئے ماں کے احسانات
کو خاص طور پر یاد دلایا کہ ماں نے انسان کو پیٹ میں رکھا سستی پر سستی اور ناطاقتی پر ناطاقتی
یعنی بچہ کے حمل میں ضعف پر ضعف کی حالت میں مشقت پر مشقت اٹھائی رہی اور دو برس میں
اس کا دودھ چھڑانا ہوا حمل سے تمہارے وجود کی ابتداء ہوئی اور دودھ پلانے سے تمہاری
تربیت ہوئی اور تمہارے وجود کو بقا حاصل ہوئی اور ان تین سال کے عرصہ میں ماں نے جو

تمہاری خدمت گذاری اور بیماری میں مشقتیں اٹھائیں جو طرح طرح کے دکھ اور درد اٹھائے وہ بیان سے باہر ہیں غرض یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ماں نے ضعف کی حالت میں اسکی پرورش میں بڑی مشقت اٹھائی اس لیئے ہم نے اپنے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ وصیت کی کہ اے انسان اول میرا شکر کر کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا اور پھر اپنے والدین کا شکر گذار بن جو تیرے پیدا ہونے کا ظاہری سبب بنے حقیقی مربی تو میں ہوں اور والدین کی تربیت میری تربیت کا نمونہ ہے ان کے سامنے اُف بھی نہ کرنا یہ چند روزہ زندگی ہے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس دن شکر اور شرک کی جزا دوں گا یعنی میں تیرے اصل وجود کا مبداء اور منتہیٰ ہوں اور ماں باپ محض تیرے وجود مجازی کے سبب ہیں بقدر نعمت ہر ایک کا شکر تجھ پر واجب ہے اور باوجودیکہ ہم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا اور ان کی خدمت اور اطاعت کا اور انکے حق تربیت کے فکر کا تجھ کو تاکیدی حکم دیا ہے ولیکن اگر تیرے والدین کوشش کر کے تجھے اس بات پر آمادہ کریں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی صحت اور حقیقت کا نہ تجھے کچھ علم ہے اور نہ تیرے پاس کوئی دلیل ہے تو ایسی صورت میں ماں باپ کی فرمانبرداری نہ کرنا خالق کے مقابلہ میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کو ترجیح نہیں ہو سکتی اور البتہ دنیاوی زندگی میں والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو حتی کہ اگر والدین کافر ہوں تو کھانے پینے کی ضرورت سے انکی خبر گیری کرو اور انکو کوئی جسمانی تکلیف نہ پہنچاؤ غرض یہ کہ دنیاوی زندگی میں انکی خدمت اور راحت رسانی میں کمی نہ کرو بہر حال دنیا میں والدین کے ساتھ ادب اور مروت کا برتاؤ ضروری ہے اور دین کے بارہ میں اس شخص کی راہ پر چلو جو ہمہ تن میری جانب جھکا ہوا ہے یعنی دین کے بارہ میں عباد صالحین اور ائمہ دین کی تقلید کرو جو خدا کے سامنے سرافگندہ ہیں ماں باپ کی تقلید اور اطاعت نہ کرو خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ یعنی اہل انعام کی پیروی ہے والدین تیرے جسم کے مربی ہیں اور ائمہ دین تیری عقل کے مربی ہیں لہٰذا جو شخص منیبین کے پیچھے پیچھے چلے گا وہ ہی انشاء اللہ تعالیٰ خدا تک پہنچ جاتے گا پھر اس دنیوی زندگی گذارنے کے بعد تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے پس اس وقت میں تم کو آگاہ کروں گا کہ تم کیا عمل کرتے تھے پس جسنے میرے حکم کی فرمانبرداری کی اور میرے حکم کے مقابلہ میں والدین کی اطاعت نہیں کی اسکو جزاء جمیل عطا کروں گا اور والدین کے ساتھ سلوک اور احسان کا بھی بدلہ دوں گا یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں گذرا۔

فائدہ

والدین کے ساتھ احسان کرنے میں والدین کیلیئے دعاء مغفرت کرنا بھی جائز ہے۔

نکتہ

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اللہ تعالیٰ نے والدین کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا کیونکہ والدین انسان کے وجود مجازی کے اصل ہیں جیسا کہ وجود حقیقی کی اصل اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے حقیقی شکر اللہ کے لیے ہے اور مجازی شکر غیر اللہ کے لیئے ہے۔

(روح البیان صث ج ۷)

تنبیہ سلسلۂ کلام کا آغاز لقمان حکیم کی نصیحتوں اور وصیتوں سے ہوا پھر درمیان میں بطور جملہ معترضہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی نصیحت اور وصیت کا ذکر فرمایا جسکی ابتداء وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ سے ہوئی وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ سے لے کر یہاں تک اللہ تعالیٰ کا کلام تھا اب اسکے بعد پھر لقمان کی وصیتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کو کی تھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں لقمان کی وصیتوں اور نصیحتوں کا اس لیئے ذکر فرمایا کہ لوگ خود بھی ان پر عمل کریں اور اپنی اولاد کو بھی ان باتوں کی نصیحت اور وصیت کریں چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تو اس نے اپنے باپ سے عرض کیا کہ اگر میں ایسے مقام پر گناہ کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو تو کیا اللہ اسکو جان لے گا اور اس پر مواخذہ کرے گا تو لقمان نے کہا بیٹا اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہو نیک ہو یا بد ہو اور پھر وہ عمل جو رائی کے دانہ کے برابر ہے کسی سخت پتھر کے اندر چھپا ہوا ہو اور وہ پتھر ایسا ہو کہ جس میں کوئی سوراخ بھی نہ ہو یا وہ عمل آسمانوں میں ہو جہاں عام طور پر کسی کی رسائی نہیں یا وہ عمل زمین کی تہ میں کہیں چھپا ہوا ہو آسمان سے زیادہ بلند کوئی چیز نہیں اور زمین سے زیادہ پست کوئی چیز نہیں اور اندرون صخرہ سے زیادہ کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں اس لیے ان تین چیزوں کا ذکر کیا اور رائی کے دانہ سے بڑھ کر کوئی چھوٹی چیز نہیں غرض یہ کہ عمل کتنا ہی چھوٹا اور پوشیدہ کیوں نہ ہو قیامت کے دن حساب وکتاب کے وقت اللہ تعالیٰ اسکو لا حاضر کرے گا اور کرنے والے سے اس کا حساب لے گا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے اس کا علم دقیق اور غیر متناہی ہے اور ذرہ ذرہ کو محیط ہے چٹان ہو یا آسمان ہو یا زیر زمین کوئی تہ خانہ ہو باریک سے باریک چیز بھی اللہ کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو پہلی نصیحت اور وصیت یہ کی کہ کفر اور شرک نہ کرنا جس کا حاصل توحید اور اخلاص تھا اور دوسری نصیحت اور وصیت یہ کی کہ ہر عمل کے وقت خدا تعالیٰ کو حاضر وناظر سمجھنا اور یہ یقین رکھنا کہ بندہ کا کوئی عمل اللہ سے مخفی نہیں اور یہ تصور اور استحضار کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں گناہوں سے بچنے میں تریاق کا حکم رکھتا ہے بندہ پر پہلا فرض توحید اور اخلاص ہے اور دوسرا فرض اللہ کے علم وحکمت اور اللہ کی عظمت اور قدرت اور ہیبت کا استحضار ہے اور اس کے بعد درجہ ہے اطاعت اور عبودیت کا اس لیے لقمان حکیم نے اپنے فرزند کو اول دو بنیادی فرض بتلاتے بعد ازاں اپنے فرزند کو طاعت اور عبودیت اور چند فضائل اعمال ادا کرنے اور چند رذائل افعال سے باز رہنے کی نصیحت کی اس لیے کہ اعتقاد بمنزلہ بنیاد کے ہے اور عمل بمنزلہ عمارت کے ہے اس لیے آئندہ آیات میں اعمال کے متعلق نصیحتوں کا بیان ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ بیٹا نماز کو ٹھیک ادا کرتے رہنا یعنی نماز کو اپنے حدود اور آداب اور اوقات کے

ساتھ قائم رکھنا نماز دین کا ستون ہے اسکے قائم رہنے سے دین قائم رہتا ہے نماز کے قائم کرنے سے
تو خود تمہاری تکمیل ہوگی اور اسکے بعد درجہ دوسروں کی تکمیل کا ہے وہ یہ ہے کہ دوسروں کو نیک باتوں
اور پسندیدہ باتوں کا حکم کر اور بری اور ناپسندیدہ باتوں سے ان کو منع کر اور اس خصوص میں یعنی امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر کے بارہ میں تجھ کو جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر بے شک ایذاؤں پر صبر کرنا بڑے ہمت
کے کاموں میں سے ہے جو شخص صبر نہ کرے وہ اس لائق نہیں کہ اسکو امام اور پیشوا بنایا جائے اول
شکر کی تعلیم دی جس کا تعلق نعمتوں سے ہے اور پھر اخیر میں صبر کی تعلیم دی جس کا تعلق مصیبتوں سے
ہے خاص کر نصیحت کے وقت صبر کرنا بہت مشکل کام ہے صبر ایسا جامع اور کامل مقام ہے کہ جو تمام
فضائل اور شمائل کو شامل ہے اور تمام اخلاق فاضلہ کا سرتاج ہے اب صبر کی تاکید کے بعد بعض اخلاق
رذیلہ سے منع کیا جن کا تعلق حقوق عامہ سے ہے اور جن آنے والے رذائل سے اپنے بیٹے کو منع
کیا ان سب کا اصل مادہ تکبر اور تفاخر ہے چنانچہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی اور اے
بیٹے جب تو لوگوں سے ملاقات کرے تو ان کو حقیر سمجھ کر ان سے اپنا رخسار نہ موڑنا جیسا کہ متکبرین کا طریقہ
ہے کہ وہ منہ اور گردن موڑ کر بات کرتے ہیں ادب اور تواضع کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی طرف متوجہ
ہو کر بات کرو اور اے بیٹے زمین پر اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے مت چلنا بے شک اللہ
ہر تکبر کرنے والے اور شیخی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا زمین جو کہ نہایت پست جگہ ہے وہاں
کے باشندہ کے لیے تو تواضع ہی مناسب ہے بڑائی اور شیخی اسکو زیب نہیں دیتی مختال کا لفظ لَا تَمْشِ
فِي الْأَرْضِ مَرَحًا کے مقابلہ میں ہے اور فخور کا لفظ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ کے مقابلہ میں ہے اور
اے بیٹے اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر یعنی بیچ کی چال چل اور فروتنی سے قدم رکھ اور اے بیٹے جب
بولے تو اپنی آواز کو نرم اور پست کردے بے ضرورت آواز کو بلند کرنا برا ہے سخت اور کرخت آواز لوگوں
پر گراں ہوتی ہے اور باعث ایذا ہے بے شک تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھوں کی ہے
لہٰذا تجھ کو چاہیئے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ آواز بلند کر کے گدھوں کے مشابہ نہ بنے

نکتہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں حیوانات میں گدھے کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ ہر حیوان
کی آواز اللہ کی تسبیح ہے مگر گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے کے سبب سے ہوتی
ہے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب گدھے کی آواز سنو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
پڑھو اس لیے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے (اس لیئے وہ چیخ رہا ہے) اور بعض بزرگوں نے یہ کہا ہے
کہ گدھے کا چیخنا اور چلانا گھاس اور دانی کے لیے ہوتا ہے یا شہوت جھاڑنے کے لیئے ہوتا ہے یا
دوسرے گدھے سے لڑنے کیلئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو آواز بہیمیت اور سبعیت کے سبب سے پیدا ہوگی
وہ سب آوازوں سے بدتر ہوگی اور اسی وجہ سے حدیث میں گدھے کے نمازی کے سامنے سے گذرنے
کو قاطع صلاۃ قرار دیا ہے نیز قرآن کریم میں جہنمیوں کے چیخنے اور چلانے کے متعلق لَهُمْ

فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ آیا ہے اور زفیر اور شہیق لغت میں گدھے کی باریک آواز اور بلند آواز کو کہتے ہیں اسی وجہ سے شاہ ولی اللہؒ نے لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

(ایشاں را آں جا مانند زیر و بم خر باشد)

یہاں تک لقمانؑ کا کلام حکمت التیام ختم ہوا اب آیندہ آیات میں حسب سابق پھر اپنی عظمت وجلال اور جُود و نوال کا ذکر کر کے شکر اور توحید کی طرف متوجہ کرتے ہیں چنانچہ اسکے بعد کی آیتوں میں اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً میں اپنی قدرت کی نشانیوں کو اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو ذکر کرتے ہیں تاکہ بندے اپنے منعم حقیقی کو پہچانیں اور اس کا شکر کریں اور تمام حکمتوں کا سر اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے امام غزالیؒ فرماتے ہیں جس نے سب چیزوں کو پہچان لیا مگر خدا کو نہ پہچانا تو وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں۔

لطائف و معارف

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں جن وصایا لقمان کا ذکر کیا ہے ان کا ثبوت تو لقمان سے قطعی اور یقینی ہے اور ان کے علاوہ جو دیگر کلمات حکمت و نصیحت لقمان سے روایت کیے گئے ہیں اگرچہ ان کا ثبوت قرآن کی طرح قطعی تو نہیں مگر ان میں سے بعض چیزیں احادیث میں مذکور ہیں اور بعض بزرگوں کے کلام میں مذکور ہیں اس لیے بطور نمونہ کچھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں حق جل شانہٗ نے وصایائے لقمان میں ایک وصیت یہ ذکر فرمائی ہے وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ جس کا مقتضا یہ ہے کہ عباد صالحین اور ربانیین سے اگر کوئی کلمۂ حکمت و نصیحت سنے تو اس کی پیروی کرنی چاہیئے ناقص پر کامل اور غافل پر عاقل کی تقلید عقلاً و شرعاً واجب ہے۔

(۱) عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان حکیم یہ کہا کرتا تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے (رواہ احمد) لہٰذا مسلمان کو چاہیئے کہ اپنا ایمان اور اسلام اللہ کے پاس ودیعت رکھ دے تاکہ وہ شیطان کی دستبرد سے محفوظ ہو جائے۔

(۲) قاسم بن مخیمرہؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ اے بیٹے تقنّع سے بچنا تقنع کے معنی سر کے اوپر اس طرح چادر لپیٹنا کہ گھونگٹ کی طرح ہو جائے) اس لیے کہ تقنع سے رات میں ٹھوکر کھا جانے کا ڈر ہے اور دن میں مذمت کا ڈر ہے کہ لوگ اس ہیئت کو برا سمجھیں گے اور برا کہیں گے۔

اخرجہ ابن ابی حاتم و رجالہ ثقات ولکنہ مرسل۔

(۴) عون بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تو کسی مجلس میں جائے تو ان پر اسلام کا تیر چلا یعنی ان پر سلام کر پھر ایک گوشہ میں خاموش بیٹھ جا اور ان کو دیکھتا رہ پس جب وہ بولیں تو اگر ذکر الٰہی کی باتیں شروع کریں تو تو بھی ان میں حصہ لے اور اگر ادھر ادھر کی باتیں کریں تو وہاں سے نکل کر اور اٹھ کر کہیں اور چلا جا (ابن ابی حاتم) یہ تینوں روایتیں تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۳ سے لی گئی ہیں۔

امام خلیل بن احمدؒ کی دعا

امام نحو یہ دعا مانگا کرتے تھے اللّٰهم اجعلنی عندك من ارفع خلقك واجعلنی فی نفسی من اوضع خلقك وعند النّاس من اوسط خلقك تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۸ ج ۳

(ترجمہ) اے اللہ مجھ کو اپنے نزدیک بلند ترین مخلوق میں سے بنا اور میرے نفس میں مجھ کو کمتر ین مخلوق میں سے بنا کر میں اپنے دل میں اپنے آپ کو حقیقۃً سب سے حقیر اور کمتر جانوں (نہ یہ کہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ اور ناچیز کہوں) اور اے اللہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک متوسط درجہ کی مخلوق میں سے بنا۔ آمین،

خطیب شربینیؒ نے اپنی تفسیر سراج منیر میں مختصر طریق پر بلا سند کے ان نصائح کو ذکر کیا ہے کہ جو لقمان حکیم کی طرف منسوب ہیں جو بلاشبہ خزینۂ حکمت اور گنجینۂ معرفت ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطیب شربینی کی طرح ہم بھی ان نصائح کا ترجمہ اپنی تفسیر میں ذکر کریں۔

(۱) اے پسر اللہ کے تقویٰ کو اپنی تجارت بنا بغیر سرمایۂ مال کے تجھ کو نفع حاصل ہوگا۔

(۲) اے پسر جنازوں پر حاضر ہوا کر اور شادیوں کی محفل میں مت جایا کر کیونکہ جنازے تجھ کو آخرت یاد دلائیں گے اور شادی کی محفلیں تجھ کو دنیا یاد دلائیں گی کہ دنیا ایسی ہوتی ہے۔

(۳) اے پسر پیٹ بھر کر نہ کھانا، کتے کے سامنے ڈال دینا زیادہ کھانے سے بہتر ہے۔

(۴) اے پسر مرغ کو دیکھ کہ صبح کو اٹھ کر اذان دیتا ہے اور تو بستر پر سویا ہوا ہوتا ہے لہٰذا مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن۔

(۵) اے پسر توبہ میں تاخیر نہ کر کیونکہ موت اچانک آتی ہے خبر کر کے نہیں آتی۔

(۶) اے پسر تو مرد جاہل سے دوستی کرنے کی طرف راغب نہ ہو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ تو بھی اس کے عمل اور طریقہ سے راضی ہے تو تیری وجہ سے لوگ دھوکہ میں پڑیں گے۔

(۷) اے پسر اللہ سے ڈرتا رہ اور اس کے تقویٰ کو لازم پکڑ مگر اس طرح رہ کر لوگوں پر تیرا تقویٰ ظاہر نہ ہو اور لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے اسلئے تیرا اکرام کریں اور حالانکہ اندر سے تیرا دل بدکار ہو۔

(۸) اے پسر خاموشی کو لازم پکڑ خاموشی پر کبھی تجھ کو ندامت نہ ہوگی کیونکہ اگر تیرا کلام چاندی کا ہے تو تیری خاموشی خالص سونا ہے

(۹) اے پسر شر سے علیحدہ اور دور رہ ایک شر دوسرے شر کا خلیقہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اے پسر شدت غضب سے پرہیز کرنا، شدت غضب دل کو خراب کر دیتا ہے اور شدت غضب سے حکیم کے دل کا نور مٹ جاتا ہے۔

(۱۱) اے پسر علماء کی مجلس کو لازم پکڑ اور حکماء کا کلام سُنا کر کیونکہ اللہ تعالیٰ نور حکمت سے مردہ دل کو زندہ کر دیتا ہے جیسا کہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اور جو جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور بدخلق آدمی کو غم بہت لاحق ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے پتھر لانا آسان ہے بہ نسبت نادان اور بے عقل کے سمجھانے کے۔

(۱۲) اے پسر کسی نادان اور بے عقل کو ایلچی بنا کر نہ بھیج اور اگر تجھ کو کوئی دانا میسر نہ آوے تو خود چلا جا۔

(۱۳) اے پسر کسی کی باندی سے نکاح نہ کرنا کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کی غلامی کے غم میں ڈال دے۔

(۱۴) اے پسر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں علم اور حلم والے کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہو گی۔

(۱۵) اے پسر وہ مجلس اختیار کر جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہو کیونکہ ان پر جو اللہ کی رحمت آوے گی اس میں سے تو بھی حصّہ پاویگا اور اس مجلس میں نہ بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو کیونکہ اگر ان پر کوئی غضب الہٰی آیا تو تو بھی ان کے ساتھ اس میں پس جائیگا۔

(۱۶) اے پسر چاہیئے کہ تیرا کھانا صرف متقی اور پرہیزگار لوگ کھائیں برے لوگوں کو کھانا نہ کھلا۔

(۱۷) اہلِ علم اور اہلِ فہم سے مشورہ کر

(۱۸) اے پسر دنیا بحر عمیق ہے یعنی بڑا گہرا دریا ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو گئے پس اگر تو نجات چاہتا ہے تو اللہ کے تقویٰ کو اپنی کشتی بنا اور اسکو ایمان کے سامان سے بھر لے اور اللہ پر توکل اسکا لنگر بنا دے تو امید ہے کہ تو ڈوبنے سے بچ جائے گا۔

(۱۹) اے پسر میں نے بڑے بڑے پتھر اور بڑے بڑے لوہے اٹھائے ہیں مگر بُرے پڑوسی سے زیادہ کسی کو ثقیل اور بوجھل نہیں پایا۔

(۲۰) اور میں نے بڑی بڑی تلخیاں چکھی ہیں مگر فقیری اور محتاجی سے بڑھ کر کوئی تلخ چیز نہیں دیکھی۔

(۲۱) اے پسر علم اور حکمت نے فقراء اور مساکین کو ملوک اور سلاطین کی جگہ پر بٹھلا دیا۔

(۲۲) اے پسر تو ان لوگوں میں سے نہ ہونا کہ جو اپنی تعریف کے طلب گار رہتے ہیں۔

(۲۳) اے پسر جب علم حاصل کرو تو اس پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کرو (علم بغیر عمل کے ہیچ ہے)

(۲۴) اے پسر علماء اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑ اور دو زانوں انکے سامنے بیٹھا کر۔

(۲۵) اے پسر جب کسی سے دوستی کرنا مقصود ہو تو اس کا امتحان کر لو اسکو غضب ناک کرو اور دیکھو کہ وہ اس غصہ کی حالت میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے اگر وہ انصاف کرتا ہے تو وہ دوستی کے لائق ہے ورنہ اس سے پرہیز کرنا۔

(۲۶) اے پسر قرضہ سے بچنا قرضہ دن میں ذلت ہے اور رات میں فکر اور غم ہے۔

(۲۷) اے پسر جب سے تو دنیا میں اترا ہے تو تیری پشت دنیا کی طرف ہے اور منہ تیرا آخرت کی طرف ہے پس جس گھر کی طرف تو جا رہا ہے وہ اس گھر سے کہیں زیادہ قریب ہے جس سے تو دور ہوتا جا رہا ہے۔

(۲۸) اے پسر اپنی زبان کو اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کا عادی اور خوگر بنالے کیونکہ دن رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں دعا رد نہیں ہوتی۔

(۲۹) اے پسر اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رکھ مگر ایسی امید نہ ہو کہ جو تجھے گناہوں پر جری اور دلیر بنا دے اور اللہ سے ڈرتا رہ مگر وہ خوف ایسا نہ ہو کہ جو تجھ کو اللہ کی رحمت سے ناامید بنا دے۔

لقمان حکیم کی حکمتوں اور نصیحتوں کی تو کوئی شمار نہیں یہ چند نصائح میں نے تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی صفحہ ۳ج۳ اور حاشیہ صادی علی تفسیر الجلالین صفحہ ۲۵۵ ج ۳ سے نقل کردی ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو اور ناظرین کو ان سے نفع دے آمین یارب العالمین۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کام لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان و

وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ

زمین میں ، اور بھر دیں تم کو اپنی نعمتیں کھلی اور

بَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ

چھپی اور ایک آدمی وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں

عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ۝۲۰ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ

نہ سمجھ رکھیں نہ سوجھ نہ کتاب چمکتی اور جب انکو کہیے

اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

چلو اس حکم پر جو اُتارا اللہ نے کہیں نہیں ! ہم تو چلیں گے اس پر

عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰى

جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اور جو شیطان بلاتا ہو اُن کو دوزخ

عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٢١﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَ

کی مار کو تو بھی ، اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف اور

هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَاِلَى اللّٰهِ

وہ ہو نیکی پر سو اس نے پکڑا محکم کڑا اور اللہ کی

عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا

طرف ہے آخر ہر کام کا اور جو کوئی منکر ہوا تو تو غم نہ کھا اسکے انکار سے ہماری طرف

مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

پھر آنا ہے انکو پھر ہم جتا دینگے انکو جو انہوں نے کیا ہے مقرر اللہ جانتا ہے جو بات ہے

الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ

جیوں میں کام چلا دینگے ہم انکا تھوڑے دنوں پھر پکڑ بلا دینگے انکو گاڑھی

غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

مار میں اور جو تو پوچھے اُن سے کس نے بنائے آسمان و زمین

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾

تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں بے شک اللہ ہی ہے بے پرواہ سب

الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ

خوبیوں سراہا اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور

الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ

سمندر ہو اسکی سیاہی اس کے پیچھے سات سمندر نہ نبڑیں باتیں

اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ

اللہ کی بے شک اللہ زبردست ہے حکمتوں والا تم سب کا بنانا اور مرے پر جلانا

اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٨﴾ اَلَمْ تَرَ

وہی جیسا ایک جی کا بے شک اللہ سنتا ہے دیکھتا تونے نہیں

اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي

دیکھا کہ اللہ پیٹھاتا ہے رات کو دن میں اور پیٹھاتا ہے دن کو

الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ

رات میں اور کام لگائے ہیں سورج اور چاند ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہرے ہوئے

مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

وعدہ تک اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے جو کرتے ہو یہ اس پر کہے کہ

اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ

اللہ وہی ٹھیک ہے اور جو پکارتے ہیں اسکے سوا

الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٣٠﴾ اَلَمْ تَرَ

وہی جھوٹ ہے اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا تو نے نہ دیکھا

اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ

کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں اللہ کی نعمت لے کر کہ دکھاوے تم کو

مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣١﴾

کچھ اپنی قدرتیں البتہ اس میں پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے حق بوجھنے والے کو

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

اور جب سر پر آوے انکے لہر جیسے بدلیاں پکاریں اللہ کو نری کر کر

لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ

اسی کو بندگی پھر جب بچا دیا ان کو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

بیچ کی چال پر اور منکر ہوتے ہیں ہماری قدرتوں سے جو قول کے جھوٹے ہیں حق نہ بوجھنے والے

تہدید مجادلین بر انکار توحید

مع مشاہدۂ آثار قدرت وانواع واقسام نعمت

قال اللہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ ... الیٰ ..... اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۔

(ربط) امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابتداء سورت میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد تھا اور دلائل توحید کے ذکر فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ: میں مشرکین کی توبیخ اور سرزنش تھی اور بعد ازاں وصایائے لقمان کو ذکر کیا جس میں سب سے اہم اور مقدم توحید کی وصیت تھی اس لیے اب ان آیات میں پھر توحید کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور منکرین توحید پر تہدید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کے آثار تمہارے سامنے ہیں لہذا تم کو خدا سے ڈرنا چاہیئے اسلئے تقویٰ کا حکم دیا اور دن رات تم اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں میں پلٹیاں کھا رہے ہو پھر بھی اپنے خالق کو نہیں پہچانتے اور اپنے منعم اور محسن کے شکرگذار نہیں بنتے کہ ان نعمتوں کا پیدا کرنے والا اور دینے والا کون ہے ذرا سوچو تو سہی اپنے خالق اور مربیّ کی معرفت اپنے منعم اور محسن کی شکرگذاری عین عقل اور عین حکمت اور عین فطرت ہے یہ باتیں عقل سے بھی سمجھ میں آسکتی ہیں ان کا جاننا نبوت اور بعثت پر موقوف نہیں توحید باری اور شکر خداوندی کو عقل سلیم اور فطرت سلیمہ قبول کرتی ہے اور شرک اور ناشکری عقلاً قبیح ہے اور خلاف فطرت ہے انبیاء کرامؑ تم کو انہی عقل وحکمت اور امور فطرت کی دعوت دیتے ہیں پھر اعراض کی کیا وجہ۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اشارہ اس طرف ہے کہ الوہیت اور وحدانیت کی معرفت نبوت اور بعثت پر موقوف نہیں انسان اگر ذرا غور کرے اور عقل سے کام لے تو اپنے خالق اور منعم کو پہچان سکتا ہے دیکھو تفسیر کبیر ص۲۷۰ ج ۶ وحاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص۳۸ ج ۴۔

نعمت کو دیکھ کر فقط نعمت میں مشغول نہ ہو جاتے بلکہ منعم جس کی طرف سے یہ نعمت آئی ہے اس کی

معرفت اور اسکی اطاعت کی فکر کرے اور ہر وقت اپنے منعم سے ڈرتا رہے کہ مبادا منعم میری نافرمانی سے ناراض ہو کر اپنی نعمتیں واپس نہ لے لے حکمت اور عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے منعم اور محسن سے غافل نہ ہو حماقت اور بے فائدہ شور و شغب گدھوں کی خاصیت ہے انسان کو چاہیئے کہ عقل سے کام لے چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں جیسے چاند اور سورج اور ستارے اور بادل کہ ان سے نفع اٹھاتے ہو اور مسخر کر دیا تمہارے لیے ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں حیوانات اور نباتات اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں ظاہری اور باطنی ظاہری نعمت صورت ظاہرہ کی درستی کا سبب ہے اور باطنی نعمت، سیرت کی درستی کا سبب ہے ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں کہ جو حواس ظاہری سے محسوس اور مُدرَک ہیں جیسے کھانا اور پینا اور پہننا اور باطنی نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جو عقل سے دریافت ہوں جیسے ایمان اور علم دین اس طرح ظاہری اور باطنی اور آسمان اور زمین کی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور باوجود اس کے بعضے آدمی ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ کی شان توحید میں جھگڑتے ہیں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے علم سے مراد دلیل عقلی ہے اور ہُدیٰ سے دلیل کشفی اور الہامی مراد ہے جو کسی ہادی نبی یا ولی کے ذریعہ سے بذریعہ وحی اور الہام معلوم ہوئی ہے اور کتاب منیر سے کتاب آسمانی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اس بارہ میں ان لوگوں کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی ہے محض آباء و اجداد کی تقلید کی بناء پر شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہیں پس جب ان کے پاس کسی قسم کا علم نہیں تو اہل علم سے مجادلہ کیوں کرتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے اور اس پر ایمان لاؤ جو عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی روش پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو چلتے پایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگرچہ شیطان انکو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو تب بھی یہ لوگ انہی کی پیروی کیئے جائیں گے اور جہاں جاکر وہ گریں گے وہیں یہ بھی گریں گے مطلب یہ ہے کہ ان کے آباء و اجداد کا راستہ درحقیقت شیطان کا راستہ ہے شیطان ان پر غالب تھا اس نے انکو مشرک اور گمراہ بنایا اور ایسی گمراہی کی ان کو دعوت دی جس کا انجام عذاب دوزخ ہے پس یہ لوگ درحقیقت اس شیطان کی پیروی کر رہے ہیں کہ جس نے انکے آباء و اجداد کو دوزخ کے عذاب کی طرف دعوت دی ہے۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کا اتباع بلاشبہ فرض ہے لیکن اسکے اتباع کی دو صورتیں ہیں ایک بالذات اور ایک بالغیر جو شخص خود عالم اور فاہم ہو اور قواعد عربیت اور قواعد شریعت سے واقف ہو وہ بذات خود کتاب الٰہی کا اتباع کرے اور جو شخص خود عالم نہ ہو اور نہ وہ عربی زبان جانتا ہو تو وہ اہل علم سے پوچھ کر حکم خداوندی کا اتباع کرے کما قال تعالیٰ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور یہ اتباع درحقیقت اس عالم کا اتباع نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اور اسکے رسول کا اتباع ہے مگر عالم کے واسطہ سے ہے تو یہ بھی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا اتباع ہے لیکن بالغیر ہے یعنی

خود نہیں بلکہ بواسطہ عالم شریعت کے ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید کے یہی معنی ہیں کہ اللہ اور اسکے رسول کی پیروی ان علماء ربانیین کے علم اور فہم کے مطابق کی جاتی ہے معاذ اللہ معاذ اللہ کسی حنفی اور شافعی نے ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کو اپنا رب قرار نہیں دیا جو یہ کہا جاتا ہے کہ مقلدین اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ کے مصداق ہیں منکرین تقلید کا عجب حال ہے کہ تقلید کے معنی تو سمجھتے نہیں اور بے سوچے سمجھے مشرکین کی آیات مقلدین پر چسپاں کرتے ہیں سب کو معلوم ہے کہ ہر شخص عربی زبان نہیں جانتا اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو مرتبۂ اجتہاد کی اس میں صلاحیت نہیں تو پھر وہ بذات خود کتاب وسنت کو سمجھ کر کیسے اللہ اور اسکے رسول کا اتباع کر سکتا ہے لا محالہ کسی عالم دین سے پوچھ کر ہی کرے گا اور ظاہر ہے کہ وہ عالم دین اس جاہل کو یہ نہیں بتلا سکتا کہ یہ آیت قطعی الدلالت یا ظنی الدلالت ہے اور یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا غریب ہے یا شاذ ہے یا منکر ہے لا محالہ وہ جاہل بغیر دلیل معلوم کئے ہی اس عالم کا اتباع کرے گا اور اسی کا نام تقلید ہے عجب نہیں کہ منکرین تقلید کی اس قسم کی بے سروپا باتیں وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ میں داخل ہوں۔

یہ تو مجادلین اور شیطان کے متبعین کا ذکر تھا اب آگے اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار بندوں کا ذکر ہے اور جو شخص اپنا منہ اللہ کی طرف متوجہ کر دے اور اپنے تمام امور اللہ کے سپرد کر دے اور دین اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑ لے درآنحالیکہ وہ مخلص ہو تو سمجھو کہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ پکڑ لیا اور ایسا سہارا پالیا جس کے ذریعہ وہ بالا سے بالا تر ہوتا چلا جائے گا اور وہ حلقہ اور رسی نہایت مضبوط ہے جس کے ٹوٹ جانے کا امکان نہیں البتہ ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے برخلاف جھوٹے معبودوں کے کہ ان کا رشتہ تارِ عنکبوت ہے اور سب کاموں کا اخیر انجام اللہ ہی کی طرف ہے اور جو شخص کافر اور منکر ہوا اور عروۃ وثقیٰ کو اس نے ہاتھ بھی نہ لگایا تو اسے نبی اس کا انکار آپ کو رنج اور غم میں نہ ڈالے آپ اپنے کام میں لگے رہیئے اور انکو ہم پر چھوڑ دیجیئے انہیں ہم خود سمجھ لیں گے ہماری ہی جانب سب کو لوٹ کر آنا ہے پس ہم ان کو آگاہ کر دیں گے اس چیز سے جو انہوں نے کیا بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے بھیدوں کو جانتا ہے ظاہری اعمال کا تو کیا ذکر اور اگر یہ لوگ اپنی اس دنیا کی عیش پر پھول رہے تو یہ انکی نادانی ہے ہم چند روز انکو فائدہ پہنچا دیں گے پھر انکو مجبور کر کے سخت عذاب کی طرف لے جاویں گے جس میں کبھی تخفیف نہ ہوگی بلکہ دن بدن اس میں ترقی ہوتی رہے گی اور اگر آپ ان منکرین توحید سے سوال کریں کہ بتلاؤ، ان آسمانوں کو اور اس زمین کو کس نے پیدا کیا تو جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے معلوم ہوا کہ انکار عدم علم کی بنا پر نہیں بلکہ عناد کی بنا پر ہے اس اقرار پر آپ یہ کہیئے کہ الحمد للہ کہ ان پر الزام قائم ہو گیا اور خود اقرار کر لیا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں بلکہ ان میں کے اکثر بے علم اور بے عقل ہیں کہ سمجھتے نہیں کہ ہمارے اس اقرار کا مقتضا یہ ہے کہ ہم شرک سے باز آجائیں اور جان لیں کہ جب وہی تمام اشیاء کا خالق ہے تو وہی عبادت کا مستحق ہے اس کے سوا کوئی کسی چیز کا مالک نہیں اللہ ہی کی ملک ہے

جو چیز بھی آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے غیر سے بے نیاز ہے اور وہی
اپنی ذات اور صفات میں ستودہ ہے خواہ کوئی حمد کرے یا نہ کرے اس لیے کہ وہ بذات خود، خود بخود صفات
کمال کے ساتھ موصوف ہے آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آسمان اور زمین اگرچہ محدود اور متناہی ہیں مگر
اللہ کا علم اور اسکی قدرت غیر محدود اور غیر متناہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر بالفرض زمین کے درخت
قلم ہو جائیں اور بحرِ محیط سیاہی ہو جاتے اور بعد ازاں سات سمندر اور اسکی مدد کریں اور وہ بھی مِدَاد
یعنی سیاہی بن جائیں اور پھر ان سے اللہ کی باتیں لکھی جائیں تو یہ تمام قلم اور روشنائی سب ختم ہو
جائیں اور اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں سات سمندروں کا ذکر بطور حصر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ علم الٰہی کے
مقابلہ میں سات سمندر بلکہ سات ہزار سمندر بھی بمنزلہ ایک قطرہ کے ہیں کسی مخلوق کی مجال نہیں کہ وہ
کلمات الٰہیہ کا اندازہ کر سکے دنیا کے تمام درخت اور تمام سمندر محدود اور متناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے
کلمات علم و حکمت یا اس کے عجائب قدرت و صنعت یا اس کی معلومات غیر محدود اور غیر متناہی
ہیں اللہ کی معلومات اور اس کی مقدورات کی کوئی حد نہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کلمات اللہ سے
وہ کلمات قدسیہ مراد ہیں جو اللہ کی ذات مقدس کے ساتھ قائم ہیں وہ حصر اور شمار سے باہر ہیں اور
قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔

فائدہ مفسرین نے لکھا ہے کہ سات سمندر یہ ہیں (۱) دریائے حبشہ (۲) دریائے روم (۳) دریائے ہند (۴) دریائے قلزم جدہ جس کے کنارے پر ہے (۵) دریائے چین (۶)
دریائے فارس تا بہ بصرہ (۷) بحیرۂ طبریہ۔

بے شک غالب ہے اور حکمت والا ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو
بیان کیا کہ نہ اس کے علم کی کوئی حد اور نہایت ہے اور نہ اسکی قدرت کی کوئی حد اور غایت ہے اب آئندہ
آیات میں منکرین قیامت کے استبعاد کا رد فرماتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد حشر و نشر کیسے ہو گا
نہیں ہے تمہارا پیدا کرنا اور نہیں ہے موت کے بعد تمہارا اٹھانا مگر مثل ایک جان کے پیدا کرنے
اور جِلانے کے ــــ اسکی قدرت کے اعتبار سے سب لوگوں کا پیدا کرنا اور ایک جان کا پیدا کرنا سب
برابر ہے اسکی قدرت ازلیہ میں قلیل و کثیر سب برابر ہیں اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ بے شک اللہ تعالیٰ بیک وقت تمام عالم کی آوازیں سننے والا ہے اور بیک وقت تمام
کائنات کو دیکھنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے قادرِ مطلق کی قدرت کاملہ میں عجز کا دخل نہیں ایسی ذات کو
سارے عالم کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس طرح سمع اور بصر سے اشیاء کا ادراک دفعۃً ہوتا ہے اسی
طرح خدا کے لیے سارے عالم کا دفعۃً اِحیاء (دوبارہ زندہ کرنا) بھی ممکن ہے۔

اے منکر قدرت کیا تو نے دیکھا نہیں اور کیا تو نے جانا نہیں کہ اللہ ہی داخل کرتا ہے رات کو دن
میں اور دن کو داخل کرتا ہے رات میں گرمیوں میں رات کا حصہ دونوں طرف سے کم ہو کر دن میں داخل

ہو جاتا ہے اور جاڑوں میں دن دونوں طرف سے کم ہو کر رات میں داخل ہو جاتا ہے اور ہر ایک کی ایک مدت مقرر ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اس عالم کی بھی ایک مدت مقرر ہے اور اللہ ہی نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ ہر وقت اسکے حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں ہر ایک وقت مقرر تک یعنی قیامت تک اسی طرح چلتا رہے گا اس دن اس کا چلنا بند ہو جائے گا کسی کی مجال نہیں کہ اس میں تغیر و تبدل کر سکے یہ سب اللہ کی قدرت کی رنگا رنگی ہے نہ بالذات ہے اور نہ آفتاب اور زمین کی گردش کا نتیجہ ہے اور بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے یہ سب نظام عالم اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی موجود برحق اور واجب الوجود اور موجود بالذات ہے جس کے اشارہ سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے اور اسکے سوا جس چیز کو یہ پکارتے ہیں وہ سب بے اصل اور بے حقیقت ہے کسی کا وجود بالذات اور خود بخود نہیں اور بے شک اللہ ہی عالیشان اور سب سے بڑا ہے اس سے بڑا کوئی نہیں اے مخاطب کیا نہیں دیکھا تونے یا نہیں جانا تونے کہ یہ کشتیاں دریا میں چلتی ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے کہ نیچے پانی ہے اور اوپر ہوا ہے یا یہ معنی ہیں کہ کشتیاں سامان نعمت کو لے کر چلتی ہیں تاکہ وہ تم کو اپنی قدرت اور نعمت کی کچھ نشانیاں دکھا دے کہ پانی میں اس نے یہ قوت رکھی کہ وہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکے کی طرح اٹھائے پھرتا ہے بے شک اس کشتی اور دریا میں اس کے کمال قدرت اور کمال حکمت اور کمال نعمت کی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے دریا کے سفر میں محنت اور مشقت بھی ہے اور بہت سے فوائد اور منافع بھی ہیں مؤمن کے لیے یہ سفر باعث صبر بھی ہے اور موجب شکر بھی ہے اور صبر اور شکر کے جمع ہو جانے سے ایمان کامل ہو جاتا ہے اور من جملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ جب ان کشتی والوں کو دریا کی کوئی موج مثل سائبانوں کے ڈھانک لیتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں ایسی حالت میں کہ خالص اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہوتے ہیں یعنی ایسی حالت میں خالص اللہ ہی کو پکارتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو اس ہولناک موج کی غرقابی سے نجات دے اور سارا شرک بھول جاتے ہیں جب موت سامنے آتی ہے تب توحید نظر آنے لگتی ہے پھر حق تعالیٰ ان کو غرق سے نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو بعض تو ان میں سے بیچ کی راہ پر چلتے ہیں اور اکثر منکر ہو جاتے ہیں اور نہیں منکر ہوتا ہماری آیتوں کا مگر ہر بدعہد اور ناشکرا ختّار کے معنی غدار اور مکار کے ہیں جو عہد کر کے توڑ دیتا ہے اور کفور اس کو کہتے ہیں کہ جو جان بوجھ کر ناشکری کرتا ہو مُقْتَصِدٌ کے معنی متوسط اور معتدل کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب طوفان سے نجات پا کر خشکی پر آ گئے تو جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا باقی نہ رہا البتہ بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ اگرچہ اس حالت پر نہ رہے مگر بالکل بھول بھی نہیں جاتے ایسے کم ہیں کہ نجات پانے کے بعد انکے شر میں ذرا کمی آجاتی ہے اور اکثر تو ایسے ہوتے ہیں کہ دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مقتصد کے معنی یہ ہیں کہ نجات پانے کے بعد سیدھی راہ پر آجاتا ہے

اور کفر اور شرک کو چھوڑ دیتا ہے اور اس حالت میں جو دعا کی تھی اور خدا سے جو توحید کا عہد کیا تھا نجات پانے کے بعد اس پر قائم رہتا ہے اور ایسے بہت کم ہیں اور اکثر وہ ہیں جو نجات پانے کے بعد پھر شرک اور ناشکر ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ مقتصد کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ نجات پانے کے بعد اسکے کفر اور شرک میں کمی آگئی اور ایک معنی یہ ہیں کہ نجات پانے کے بعد سیدھی راہ پر تو آگیا مگر اخلاص اور اعمال صالحہ میں کچھ کمی رہی ایسا شخص مقتصد ہے اور جو شخص ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ میں برق رفتار ہو جاتے وہ سابق بالخیرات ہے اور جو شخص نجات پانے کے بعد حسب سابق پھر کفر و شرک پر اتر آئے وہ ظالم لنفسہ اور ختار اور کفور ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا

لوگو! بچتے رہو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے

لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ

کہ کام نہ آوے کوئی باپ اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو جو

جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا

کام آوے اپنے باپ کی جگہ کچھ بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو تم

تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

کو نہ بہکاوے دنیا کا جینا اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے

الْغَرُوْرُ ۝۳۳ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ

وہ دغا باز اللہ جو ہے اس پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے

الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ

مینہ اور جانتا ہے جو ہے ماں کے پیٹ میں اور کوئی جی نہیں جانتا

نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ

کیا کرے گا کل اور کوئی جی نہیں جانتا کس

أَرْضٍ تَمُوتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

زمین میں مرے گا تحقیق اللہ ہی سب جانتا ہے خبردار

خاتمۂ سورت بر حکم تقویٰ و تذکیر آخرت

قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۔۔۔۔ الی ۔۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

(ربط) گذشتہ آیات میں دلائل قدرت اور مبداء اور معاد کی تفصیل تھی اب سورت کو تقویٰ کی نصیحت اور وصیت پر ختم کرتے ہیں کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ یعنی صرف ایک خدا سے ڈرو اور قیامت کے دن سے ڈرو کہ جس دن سوائے تقویٰ کے کوئی قرابت اور مودت کام نہ آئے گی تقویٰ کی وصیت اور نصیحت سے بڑھ کر کوئی وصیت اور نصیحت نہیں اور آخرت کیلئے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی توشہ نہیں

بعد ازاں یہ بتلایا کہ روز جزاء کا کسی کو علم نہیں اور کسی کو خبر نہیں کہ میری موت کب آئے گی خوب سمجھ لو کہ جس طرح کسی کو مبداء کا علم نہیں اسی طرح کسی کو معاد کا بھی علم نہیں ۔

اور اس آخری آیت میں یہود اور نصاریٰ کے عقائد باطلہ کے رد کی طرف بھی اشارہ فرما دیا یہود اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اسلیئے ہم پر کوئی عذاب نہ ہوگا اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ سب کی طرف سے کفارہ ہوگئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نجات کا دارومدار ایمان اور تقویٰ اور عمل صالح پر ہے نہ کہ ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے انسانو خواہ تم کشتی میں ہو یا خشکی میں اپنے پروردگار کے قہر سے ڈرو اور اسکی نافرمانی سے بچو وہ بر اور بحر سب کا مالک ہے اسکی قدرت سب جگہ یکساں ہے اور اس دن سے ڈرو کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا اس دن تو نفسی نفسی ہوگی بے شک اللہ نے جو یوم حساب کے آنے کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل سچا اور پکا ہے اور یقیناً تمہارے سامنے آنے والا ہے اللہ کے وعدہ پر بھروسہ کرو جنات اور شیاطین اور نجومیوں اور کاہنوں کے وعدوں کے چکر میں نہ پڑو سو یہ دنیاوی زندگی اور اسکی آرائش و نمائش تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور یہ شیطان تم کو اللہ کے بارہ میں دھوکہ نہ دے کہ تم کو لمبی لمبی امیدوں اور آرزوں میں مبتلا کرے اور کہے کہ جو کچھ مزہ اڑانا ہے وہ یہیں اڑالو اس دنیا کے سوا اور کوئی جہان نہیں اور اگر مسلمان ہو تو شیطان اسے یہ دھوکہ دیتا ہے کہ خوب مزے اڑاؤ اللہ بڑا غفور رحیم ہے یہ سب دھوکہ ہے کسی کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کب پکڑ لے دن رات مصیبتیں اور آفتیں آتی رہتی ہیں مگر پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور دن رات موت اور بیماری کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ یکایک آجاتی ہے اور پہلے سے

کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو یوم حساب کا وعدہ کیا ہے وہ بالکل حق اور صدق ہے مگر تم کو اسکا وقت نہیں بتلایا وہ ایسا امر غیب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کسی چیز کا وقت نہ معلوم ہونے سے اس کے وقوع کا انکار کر دینا سراسر خلافِ عقل ہے اسلیئے کہ دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں واقعات ایسے ہیں کہ واقع ہو رہے ہیں مگر پہلے سے ان کا وقت معلوم نہیں معلوم ہوا کہ وقت کے نہ معلوم ہونے سے کسی چیز کے وقوع کا انکار جہالت اور حماقت ہے چنانچہ فرماتے ہیں بے شک اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے کہ کب قائم ہو گی قیامت قائم ہونے کا وقت نہ کسی پیغمبر کو معلوم ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کو البتہ قیامت کی کچھ علامتیں جو احادیث سے ثابت اور معلوم ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا ہے جو لوگوں کے رزق کا سامان ہے اور جس پر لوگوں کی حیات اور بقاء موقوف ہے بارش نازل ہونے کا وقت بھی پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا اور بادل دیکھنے کے بعد بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ بادل کہاں برسے گا اور کتنا پانی برسائے گا اور کس طرح برسائے گا اور اس بادل میں کتنے مَن پانی ہے بارش تیز ہو گی یا ہلکی ہو گی اور کتنی دیر تک بارش ہو گی اور رات کو ہو گی یا دن کو ہو گی اور کس وقت پر ہو گی ٹھیک وقت کوئی بھی نہیں بتلا سکتا اور اگر کسی فلسفی صاحب کو کچھ بخارات زمین سے یا پہاڑ سے اٹھتے ہوئے نظر آ گئے تو فلسفی صاحب کو ان بخارات کی نہ کمیت معلوم اور نہ کیفیت معلوم اور نہ وقت اور ساعت معلوم فلسفی صاحب جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب انکے قیاسات ہیں جن کو علم قطعی اور یقینی ہرگز نہیں کہا جا سکتا دوسروں کو تو کیا یقین آئے خود فلسفی صاحب کو بھی اپنے قیاسات پر یقین نہیں ہوتا۔

اور اللہ ہی کو معلوم ہے جو رحم مادر میں ہے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے ناقص ہے یا پورا ہے کالا ہے یا گورا ہے نیک ہے یا بد ہے عاقل ہے یا غافل ہے آئندہ چل کر وہ وزیر ہو گا یا فقیر ہو گا بڑا ہو کر امیری کرے گا یا مزدوری اور اسکی عمر کیا ہو گی جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے تو اللہ کو اسکے تمام احوال کا بتمام وکمال علم ہوتا ہے یہ علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں انسان کو جب اپنے محل ولادت اور مکان خلقت کا علم نہیں تو قیامت کا علم اسکے لیئے کیسے ممکن ہے۔

اور کسی نفس کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا بھلائی کرے گا یا برائی اور اگر بالفرض کمائی کی کوئی خاص عادت تھی تو معلوم نہیں کہ صبح کو اٹھ کر تندرست ہو گا یا بیمار ہو گا اور اگر تندرست ہوا تو معلوم نہیں کیا مزدوری کرے گا اور کس کی اور کس قسم کی نوکری یا چاکری کرے گا بندہ کو تو اپنے افعال واعمال کا بھی علم نہیں کہ کل کو کیا کرے گا اور کون سا کام کس وقت کرے گا حالانکہ بندہ جو کماتا ہے اس میں اسکی قدرت اور اختیار کو دخل ہوتا ہے تو پھر قیامت کا علم اسکو کیسے ہو سکتا ہے جس میں اس کے علم اور قدرت کو بھی دخل نہیں۔

اور کسی نفس کو تو اپنی صفات اور اپنی موت وحیات کا بھی علم نہیں اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کس زمین میں مرے گا اور کس وقت مرے گا اور کس حالت میں مرے گا بسا اوقات ایسی جگہ جاکر

مرتا ہے کہ جہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا پس جب تجھے اپنے بچہ کی ولادت کا زمانہ معلوم نہیں اور نہ تجھے اپنی موت کا زمانہ معلوم ہے اور نہ تجھے اپنے آیندہ کے امور معاش کا علم ہے کہ کل کو کیا کرے گا اور کیا کماوے گا تو سارے عالم کی موت وحیات کا زمانہ تو کیسے جان سکتا ہے بندہ تو مخلوق اور محدود ہے تو لامحالہ اس کا علم بھی محدود ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب چیزوں کا جاننے والا ہے اور خبردار ہے ہر چیز کا ظاہر و باطن اسکی نظروں کے سامنے ہے ان پانچ چیزوں کو جن کا ذکر آیت میں ہے انکو مفاتیح الغیب کہتے ہیں یعنی غیب کی کنجیاں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ پانچ باتیں ایسی ہیں کہ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پھر یہ آیت یعنی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اخیر تک پڑھی رواہ احمد باسناد صحیح اور عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا پھر یہی آیت پڑھی۔

(رواہ البخاری باسنادین واحمد باسانید)

مقاتلؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک اعرابی کے بارہ میں نازل ہوئی جس کا نام وارث بن عمرو بن حارثہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے مجھے خبر دیجئے کہ وہ کیا جنے گی اور ہمارے بلاد قحط زدہ ہیں مجھے خبر دیجئے کہ بارش کب ہوگی مجھے معلوم ہے کہ میں کب پیدا ہوا مجھے خبر دیجئے کہ میں کب مروں گا مجھے معلوم ہے کہ میں نے آج کیا کام کیا مجھے خبر دیجئے کہ کل آیندہ میں کیا کام کروں گا اور مجھے خبر دیجئے کہ قیامت کب قائم ہوگی اس پر یہ آیت نازل ہوئی دیکھو تفسیر قرطبی ص۸۲ ج ۱۴ اور تفسیر ابن کثیر ص۴۵۵ ج ۳ مگر تفسیر ابن کثیر میں بجائے مقاتلؒ کے مجاہدؒ کا نام ہے۔

نکتہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا اول کی تین چیزیں نہایت عظیم تھیں (یعنی قیام قیامت اور نزول غیث اور ما فی الارحام) اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کی اسناد اور نسبت اپنی طرف فرمائی اور اخیر کی دو چیزیں بندہ کی صفات اور افعال سے متعلق تھیں یعنی کسب اور موت اس لیے ان دو چیزوں کی نسبت بندوں کی طرف فرمائی۔

(صاوی حاشیہ جلالین ص۲۶۱ ج ۳)

فائدہ آیت میں پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا مگر مقصود حصر نہیں غالباً چونکہ سوال انہی پانچ چیزوں کے متعلق تھا اسلیے آیت میں انہی پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا۔

(یا یوں کہو) کہ يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ سے انسان کے مبدا حیات کی طرف اشارہ ہے اور يُنَزِّلُ الْغَيْثَ سے انسان اور حیوان کے سامان حیات کی طرف اشارہ ہے اور وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا سے انسان کے امور معیشت کی طرف اشارہ ہے اور وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ سے انسان کے منتہائے حیات کی طرف اشارہ ہے اور عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ سے تمام عالم کے

معاد کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کل عالم کے مبداء اور معاد اور معاش کا علم کلی اور تفصیلی اور بہمہ وجوہ محیط اور قطعی اور یقینی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں اکوان غیبیہ کا علم کلی اور تفصیلی اور محیط اللہ رب العزۃ کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر کسی نبی کو بذریعہ وحی کے اور کسی ولی کو بذریعہ الہام کے اور کسی مرد صالح کو بذریعہ خواب کے کسی کی موت اور حیات کا کچھ علم ہو جاتے تو وہ ایک علم جزئی اور ناتمام ہے جس کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہو اور بعض اوقات کافروں کو بھی بذریعہ خواب یا کشف کچھ امور دکھلا دیئے جاتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوتے ہیں جیساکہ دجال کی حدیث میں اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے تو وہ بطور استدراج ہے نہ کہ بطریق کرامت۔

حکایت شاہ منصور خلیفۂ عباسی نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ میری عمر کتنی ہے تو ملک الموت نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کر دیا بادشاہ جب خواب سے بیدار ہوا تو معبرین سے اسکی تفسیر پوچھی کسی نے پانچ برس اور کسی نے پانچ مہینہ — اور کسی نے پانچ دن اسکی تعبیر دی امام ابوحنیفہؒ نے اسکی یہ تعبیر دی کہ پانچ انگلیوں کے اشارہ سے اس آیت یعنی اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الیٰ آخرہ کی طرف اشارہ ہے جس میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں تفسیر مظہری صفحہ ۲۸۰ ج ۷۔

الحمد للہ آج بروز شنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۶ رجب الحرام ۱۳۹۲ھ بمقام جامعہ اشرفیہ لاہور سورۂ لقمان کی تفسیر سے فراغت ہوئی وللہ الحمد اولا واخرا وظاھرًا وباطنا اے اللہ اپنی رحمت اور توفیق اور عنایت سے باقی قرآن کریم کی تفسیر بھی اس حقیر سراپا تقصیر کے ہاتھ مکمل فرما ربّنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انّک انت التواب الرّحیم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ سجدہ

سورۂ سجدہ مکی ہے اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے الٓمّٓ تَنْزِیْلُ السجدۃ اور تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ پڑھ لیا کرتے تھے (اخرجہ الامام احمد والترمذی والنسائی وغیرھم عن جابرؓ۔)

(ربط) گذشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید اور دلائل حشر ونشر ذکر کیئے اس سورت کا آغاز بھی قرآن کی حقانیت سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید و دلائل حشر ونشر ذکر کے پہلی سورت کی طرح سعداء اور اشقیاء کا حال اور مآل ذکر کیا اور پھر حسب سابق اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے ادلہ توحید کا ذکر شروع کیا اسی طرح سلسلۂ کلام اخیر سورت تک چلا گیا۔

(یا یوں کہو) کہ سورۂ لقمان میں آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر تھا اور اس سورت میں تدبیر عالم اور انتظام خلائق کا ذکر ہے۔

آیاتہا ۳۰ ۳۲ سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ ۷۵ رکوعاتہا ۳

سورۂ سجدہ مکی ہے اس میں تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ

اُتارا کتاب کا ہے اس میں کچھ دھوکا نہیں جہان کے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ

صاحب سے کیا کہتے ہیں یہ باندھ لایا؟ کوئی نہیں! وہ ٹھیک ہے

مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ

تیرے رب کی طرف سے کہ تو ڈر سنا دے ایک لوگوں کو جن کو نہیں آیا کوئی ڈرانے والا

قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾

تجھ سے پہلے شاید وہ راہ پر آویں

آغاز سورت بحقانیت قرآن برائے اثبات رسالت محمدیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی الٓمّٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ... اِلٰی ... لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ

الٓمّٓ: اس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں یہ نازل کردہ کتاب ہے جس میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے جس کا ظاہری اور معنوی اعجاز اسکی دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتری ہے بتائیں کہ کیا وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکو خود بنالیا ہے اور خدا کی طرف اسکو منسوب کر دیا ہے یہ قول بالکل غلط ہے بلکہ وہ سچی کتاب ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے تاکہ آپ اس کتابِ حکمت کے ذریعہ ایسی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ لوگ راہِ راست پر آجائیں آپ سے پہلے جس قدر نبی گذرے اگرچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے مگر وہ بنی اسحاق اور بنی اسرائیل میں سے تھے جو قریش کے بنی الاعمام تھے اور آپؐ بنی اسماعیل میں پیدا ہوتے آپؐ سے پہلے اس قوم میں کوئی نبی نہ آیا تھا اس لیئے آپؐ کو بھیجا تاکہ اللہ کی حجت اور ہدایت ان پر پوری ہو جائے ۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اللہ ہے جس نے بنائے آسمان و زمین

وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

اور جو اُن کے بیچ ہے چھ دن میں پھر قائم ہوا

عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ

عرش پر کوئی نہیں تمہارا اس کے سوا

وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ

حمایتی نہ سفارشی پھر تم کیا سوچ نہیں کرتے تدبیر سے اتارتا ہے کام

مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ

آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اسکی طرف ایک دن

كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤ ذٰلِكَ

میں جس کا پیمانا ہزار برس ہیں تمہاری گنتی میں یہ ہے

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٦ الَّذِي
جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا جس نے

أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ
خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش

مِن طِينٍ ۝٧ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ
ایک گارے سے پھر بنائی اس کی اولاد نچڑے پانی

مَّهِينٍ ۝٨ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ
بے قدر سے پھر اسکو برابر کیا اور پھونکی اس میں اپنی جان میں سے اور بنادیئے

لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا
تم کو کان اور آنکھیں اور دل تم تھوڑا

تَشْكُرُونَ ۝٩
شکر کرتے ہو

دلائل توحید

قَالَ اللہ تعالیٰ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... اِلیٰ ... قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ

(ربط) اب اثبات رسالت کے بعد دلائل توحید بیان کرتے ہیں اللہ ہی ہے وہ جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین اور جو کچھ انکے درمیان میں ہے دنیا کے دنوں کے اعتبار سے چھ دن کی مقدار میں پھر وہ قائم اور جلوہ افروز ہوا عرش پر جو اسکی شان الوہیت ہے امت محمدیہ کے تمام سلف اور خلف کا اس پر اجماع ہے کہ عرش اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے نہیں کیونکہ اللہ رب العزت ازلی ہے اور وہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے سے موجود ہے اور عرش اللہ کا مخلوق ہے عقلاً یہ محال ہے کہ کوئی عرش اور تخت اللہ کو اپنے اوپر اٹھا سکے اور تھام سکے اللہ تعالیٰ کون و مکان سے بے نیاز ہے اور بے مثل اور بے چون و چگون لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ پس جس طرح

خدا تعالیٰ کا سمیع اور بصیر ہونا اسکی شان کے لائق ہے جس شان بے چونی وچگونی پر وہ عرش کے پیدا کرنے سے پہلے تھا اسی شان پر عرش کے پیدا کرنے کے بعد بھی ہے وہ مخلوق کے خیال سے بالا اور برتر ہے مخلوق کا خیال بھی مخلوق ہے۔

ہرچہ اندیشی پذیرائے فناست — وآنکہ در اندیشہ ناید آں خداست

"عرش" لغت میں سریر الملک یعنی بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں اور شریعت میں عرش ایک جسم نورانی ہے جو تمام عالم کو محیط ہے قرآن کریم میں سات جگہ استواء علی العرش کا ذکر آیا ہے اس پر تو اجماع ہے کہ استواء علی العرش سے ظاہری اور حسّی معنی یعنی تمکن استقرار کے معنی مراد نہیں اس لئے کہ اللہ مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہے جیساکہ مجسمہ اور مشبہ کہتے ہیں سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش بلاکیف اور بلامکان اور بلاجہت کے حق اور ثابت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور یہ اعتقاد رکھنا فرض ہے کہ وہ بے چون وچگون ہے جیساکہ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا قول سورۂ اعراف کی تفسیر میں ہم نقل کر چکے ہیں باقی تفصیل وہاں دیکھ لی جائے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش تدبیر الٰہی کا مظہر ہے یعنی وہ ایسا مقام ہے کہ جہاں سے تدابیر الٰہیہ اور احکام خداوندی جاری ہوتے ہیں غرض یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کو بیان کیا کہ عرش سے لے کر فرش تک سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے اور اوپر سے لے کر نیچے تک ہر کون ومکان اور ہر زمین وزمان میں اسی کا حکم جاری ہے پس اپنی قدرت کاملہ کے بیان کرنے کے بعد آئندہ آیت میں مشرکین کو تہدید فرماتے ہیں کہ جب تمہیں معلوم ہوگیا کہ خدا کی یہ شان ہے تو سمجھ لو کہ تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی سفارشی پس کیا تم سوچتے بھی نہیں اور ان کلماتِ حکمت کے سننے اور دیکھنے سے اندھے اور بہرے بن گئے ہو سب کو چھوڑو اور خدائے برحق کی طرف رجوع کرو یہاں تک آسمان اور زمین کی خلقت کو بیان کیا اب آئندہ اسکی تدبیر کو بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے یعنی اپنی حکمت تقدیر کے موافق حکم قضاء جاری کرتا ہے — کوئی ذرہ اس کے حکم قضاء سے باہر نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تم دوسروں کی عبادت کرتے ہو اور ان پر بھروسہ کرتے ہو ذرا اپنی جہالت پر غور تو کرو پھر وہ امر الٰہی جو اللہ کی طرف سے اترا تھا لوٹ کر پھر اللہ ہی کیطرف چڑھ جاتا ہے ایک ہی دن میں جس کی مقدار تمہاری شمار کے حساب سے ایک ہزار سال ہے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم عرش سے اترتا ہے اور ساتویں زمین تک پہنچتا ہے کما قال تعالیٰ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ اور پھر وہ متعلقہ کارروائی مکمل ہونے کے بعد دفتر اعمال میں درج ہونے کیلئے زمین سے آسمان دنیا پر جاتی ہے اور جو فرشتہ اس کام کے لیے معین تھا بجا لانے کے بعد آسمان کی طرف چڑھ جاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اسکو پیش کرتا ہے اور آسمان سے

لے کر زمین تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار کے لحاظ سے پانسو برس کا ہے اور آمدورفت اور اترنے اور چڑھنے کے لحاظ سے ایک ہزار سال کی مسافت ہے جس کو آدمی ایک ہزار سال سے کم عرصہ میں قطع نہیں کر سکتا اگرچہ فرشتے اس مسافت کو چشم زدن سے بھی کم وقت میں طے کر لیتے ہیں اسلئے ایک ہزار سال حق تعالیٰ کے یہاں ایک دن قرار دیا گیا بہرحال مسافت تو اتنی ہے اگرچہ فرشتہ اس کو چند منٹ ہی میں طے کرلے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اس آیت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں یعنی "اگر مردمان نزول تدبیر و عروج او تصور کنند در کم از ہزار سال خیال نمایند و ایں ہمہ پیش خدا تعالیٰ دریک روز تمام می شود غرض آنست کہ اوہام ایشاں بقدرت او نمی رسند۔ واللہ اعلم (فتح الرحمٰن)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم سے یوم قیامت مراد ہے جس دن تمام امور خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے کما قال تعالیٰ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ گو تم اس وقت نہ ہمارا شکر کرتے ہو اور نہ ہماری طرف رجوع کرتے ہو لیکن قیامت کے دن تم اور تمہاری ہر بات ہمارے حضور میں پیش ہونے والی ہے خوب سمجھ لو کہ عرش سے لے کر فرش تک اسکی تدبیر جاری ہے پھر ایک وقت آئے گا کہ دنیا کا یہ سارا کارخانہ ختم ہو جائے گا اور سارا معاملہ اسکے حضور میں پیش ہوگا اور وہی اس کا فیصلہ کرے گا اور وہ قیامت کا دن ہے جو ایک ہزار سال کے برابر ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اپنی سرکشی سے باز آجاؤ اور اس دن کے آنے سے ڈرو۔

ایک شبہ اس آیت میں تو یہ آیا ہے فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کہ اس دن کی مقدار ایک ہزار سال کے برابر ہے اور دوسری آیت تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے علماء نے اس شبہ کے کئی جواب دیئے ہیں۔

جواب ایک جواب یہ ہے کہ روز قیامت کی مقدار دنیا کے دنوں کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہوگی لیکن صعوبت اور شدت اور سختی اور مصیبت کے اعتبار سے مثل پچاس ہزار سال کے ہوگی۔

جواب دیگر قیامت کے دن کا طول لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا کسی کے حق میں پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور کسی کے حق میں ایک ہزار سال کے برابر ہوگا اور کسی کے حق میں دنیا کے دن کے برابر ہوگا اور حدیث میں ہے کہ وہ دن مؤمن کے حق میں فرض نماز کے وقت کے برابر ہوگا۔ کما اخرجہ ابو یعلی وابن حبان والبیہقی بسند حسن عن ابی سعید رضی اللہ عنہ تفسیر مظہری ص ۲۸۴ ج ۷

جواب دیگر ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ یہ دنیا میں ہے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد۔ فِيْ يَوْمٍ

كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ یہ آخرت میں ہے تفسیر مظہری ص۲۸۵ ج۷۔

تفسیر دیگر

اس آیت کی دو تفسیریں ہو چکی ہیں اس آیت کی ایک تیسری تفسیر یہ بھی ہے جو مجاہدؒ سے مروی ہے اور اس کو حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو ایک ہزار سال کیلئے دنیا کے انتظامات اور تدبیرات کی بابت احکام عطا کرتا ہے اور یہ ایک ہزار سال اللہ کے نزدیک بمنزلہ ایک دن کے ہیں جب یہ ایک ہزار سال گذر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے ہزار سال کیلئے دوسرے احکام عطا کر دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح سلسلہ جاری رہتا ہے دیکھو تفسیر روح المعانی ص۱۲۰ ج ۲۱ وزاد المسیر لابن الجوزی ص۳۳۴ ج ۸ اور دیکھو حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص۵۴ ج ۴ و تفسیر قرطبی[1] ص۸۶ ج ۱۴۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بڑے بڑے کام کا حکم عرش سے مقرر ہو کر نیچے اترتا ہے سب اسباب اس کے آسمان و زمین سے جمع ہو کر بن جاتا ہے پھر ایک مدت تک جاری رہتا ہے پھر اٹھ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں تک رہا یا بڑی قوم میں سرداری جو عمروں چلی وہ ہزار برس اللہ کے یہاں ایک دن ہے (موضح القرآن)

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہدؒ کا قول اختیار فرمایا۔

یہی ذات والا صفات جس کا حکم اور جس کی تدبیر عرش سے لے کر فرش تک جاری ہے وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور غالب ہے اور مہربان جس کی پیدائش فقط آسمان و زمین تک محدود نہیں بلکہ جس نے ہر چیز کو خوب بنایا جو چیز بھی اس نے پیدا کی وہ نہایت خوب ہے اور انسان کی پیدائش کو گارے مٹی سے شروع کیا اس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے خلاصہ سے یعنی نطفہ سے بنایا نطفہ کو سلالہ اسلیئے کہا کہ وہ سارے بدن سے کھینچا جاتا ہے پھر رحم مادر میں اس کا قالب درست کیا اور اس کے اعضاء میں خاص تناسب رکھا پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تمہارے فائدہ کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بناتے تاکہ کانوں سے سن سکو اور آنکھوں سے دیکھ سکو اور دل سے

---

[1] قال القرطبی المعنی انه یقضی امر کل شئ لالف سنة فی یوم واحد ثم یلقیه الی ملائکته فاذا مضت قضی لالف سنة اخری ثم کذالك ابدا قاله مجاهدؒ (تفسیر قرطبی ص۸۶ ج۱۴)

سمجھ سکو اللہ نے اپنی رحمت سے یہ نعمتیں تم میں جمع کر دیں افسوس کہ تم ایسی عظیم نعمتوں کی بھی برائے نام قدر کرتے ہو بجائے منعم حقیقی کے ایتھر اور نیچر کا نام لیتے ہو کیا یہ کان اور آنکھ اور دل کسی ایتھر اور نیچر کا عطیہ ہیں فلاسفۂ عصر کا اقرار ہے کہ ایتھر اور نیچر کے نہ کان ہیں اور نہ آنکھ ہے اور نہ دل ہے پس سوال یہ ہے کہ اس اندھے اور بہرے اور بے شعور مادہ اور ایتھر نے اس فلسفی کو کہاں سے کان اور آنکھ اور دل عطا کر دیئے جو خود فقیر اور لنگڑا ہے وہ دوسرے کو کیا دے گا۔

پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا وہ ہے کہ جو کمال قدرت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور کان اور آنکھ اور دل جیسی نعمتیں تم کو عطا کیں مگر تم اپنی جہالت سے خدا کی نعمتوں میں غور نہیں کرتے اور خدا کو ناقص سمجھ کر مادہ اور ایتھر کا محتاج بتاتے ہو عنقریب مرنے کے بعد جان لوگے کہ حقیقت کیا ہے۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِي الۡاَرۡضِ ءَاِنَّا
اور کہتے ہیں کیا جب ہم رُل گئے زمین میں کیا ہم کو

لَفِيۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ بَلۡ هُمۡ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝۱۰
نیا بننا ہے؟ کوئی نہیں! وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں

قُلۡ يَتَوَفّٰىكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِيۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ
تو کہہ بھر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر تعینات ہے پھر

اِلٰى رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ۝۱۱ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ
اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے اور کبھی تو دیکھے جس وقت منکر

نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا
سر ڈالے ہوں گے اپنے رب کے پاس اے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا

فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ۝۱۲ وَلَوۡ شِئۡنَا
اب ہم کو پھر بھیج ہم کریں بھلائی ہم کو یقین آیا اور اگر ہم چاہتے

لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ

تو دیتے ہر جی کو سوجھ اپنی راہ کی لیکن ٹھیک پڑی میری کہی

مِنِّىْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾

بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ

سو اب چکھو مزہ، جیسے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کا ملنا ہم نے بھلا دیا تم کو

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا

اور چکھو مار سدا کی بدلہ اپنے کیے کا ہماری

يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا

باتوں کو ماننے وہ ہیں کہ جب اُن کو سمجھایئے اُن سے، گر پڑیں سجدہ کر کر

وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ السجدۃ تَتَجَافٰى

اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں سے اور وہ بڑائی نہیں کرتے الگ رہتی

جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ

ہیں انکی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور

طَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ

لالچ سے اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں سو کسی جی کو معلوم نہیں

مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا

جو چھپا دھرا ہے اُن کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی۔ بدلہ اس کا جو کرتے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا

تھے بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر اسکے جو بے حکم ہے نہیں

يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

برابر ہوتے وہ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے

فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ

تو اُن کو باغ ہیں رہنے کے مہمانی اس پر جو کرتے ہیں اور

اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ

وہ جو بے حکم ہوئے سو اُن کا گھر ہے آگ جب چاہیں کہ نکل پڑیں

يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ

اس میں سے اُلٹے جاویں پھر اس میں اور کہیے اُن کو چکھو آگ کی

النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ

مار جس کو تم جھٹلاتے تھے اور البتہ چکھاویں گے ہم انکو

الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ

تھوڑا سا عذاب ورے اس بڑے عذاب سے کہ شاید وہ پھر

يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ

آویں اور کون بے انصاف اس سے جس کو سمجھایا اسکے رب کی باتوں سے

اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھر اُن سے منہ موڑ گیا مقرر ہم کو ان گناہگاروں سے بدلہ لینا ہے

منکرین قیامت کا رد اور مجرمین کی ذلت اور رسوائی کا اجمالی حال

قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۔۔ الی ۔۔ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں منکرین وحدانیت اور منکرین رسالت کا رد تھا اب ان آیات میں منکرین بعث

وجزا وسزا کا رد ہے جو احیاء موتی کے منکر تھے اور دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یہ اہلِ شقاوت کا گروہ ہے پھر اس کے بالمقابل اہل ایمان اور اہل سعادت کا حال اور مآل ذکر کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ مؤمن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسۡتَوٗنَ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر زمین میں رل مل گئے اور اس میں غائب اور گم ہو گئے اور ہمارے اعضاء اور زمین کے اجزاء میں کوئی تمیز نہ رہی تو کیا ہم نئی پیدائش میں ہوں گے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ منکرین بعث کا یہ قول محض تعجب کی بناء پر نہیں بلکہ یہ لوگ از راہ عناد خدا کے سامنے پیش ہونے کے بالکل منکر ہیں آپ ان منکرین آخرت کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تم لوگ محض اس جسم خاکی کو آدمی سمجھتے ہو کہ جب وہ مر گیا تو مٹی میں رل مل کر نیست و نابود ہو گیا بلکہ تم جسم اور روح سے مل کر بنے ہو اور اصل حقیقت تمہاری وہ روح یعنی جان ہے اور یہ پیکر جسمانی روح انسانی کا لباس ہے اصل انسان وہ جان ہے مرنے کے وقت موت کا فرشتہ تمہاری روح اور جان کو تمام اعضاء بدن سے پوری طرح قبض کر کے اور اس جسم خاکی سے نکال کر دوسرے عالم میں لے جاتا ہے اور یہ موت کا فرشتہ وہ ہے جو تمہاری جان نکالنے ہی کے لیے تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری جان نکال کر لے جاتا ہے اور جسم کو یہاں چھوڑ جاتا ہے موت سے بظاہر جسم اور روح الگ الگ ہو گئے جسم یہاں رہ گیا اور مٹی بن گیا اور روح دوسرے عالم میں چلی گئی پھر جب قیامت آئے گی تو تمہاری اس مٹی میں پھر روح پھونک دی جائے گی اور تم دوبارہ زندہ ہو جاؤ گے اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اسکے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے جس خدا نے تم کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا اور تم میں روح ڈالی وہی خدا پھر تمہارے خاکی اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ ان میں روح ڈال دیگا خلاصۂ کلام یہ کہ موت سے انسان بالکل فنا اور نیست نہیں ہو جاتا بلکہ انسان کی روح کو فرشتہ لے جاتا ہے اور جسم خاکی یہاں رہ جاتا ہے اور حسب سابق مٹی بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان خاکی اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے پھر ان میں روح ڈال دے گا۔

اب آئندہ آیات میں کافروں کا وہ حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ جو قیامت کے دن خدا کی طرف رجوع ہونے کے بعد ظاہر ہو گا چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مجرمین کے دیکھنے والے اگر تو اس وقت کو دیکھے کہ جب یہ مجرمین حشر[1] کے منکر اپنے پروردگار کے سامنے کمال خجالت و ندامت کے ساتھ سر جھکائے ہوتے ہوں گے تو اس وقت عجیب خوفناک کیفیت دیکھے گا جس کی شدت کا اندازہ نہیں ہو سکتا اس وقت یہ مجرمین نہایت ذلت و خواری اور غایت شرمساری سے یہ کہیں گے اے پروردگار ہم نے دیکھ لیا کہ تیری لقاء اور جزاء حق ہے اور انکار حشر پر تیری توبیخ اور ملامت کو اپنے کانوں سے سن لیا اور معلوم

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ مجرمین سے ءَاِذَا ضَلَلۡنَا فِي الۡاَرۡضِ ءَاِنَّا لَفِيۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ کہنے والے لوگ مراد ہیں۔

ہو گیا کہ تیرے پیغمبروں نے جو کہا تھا وہ حق تھا پس اب ہماری درخواست یہ ہے کہ ہم کو دنیا میں پھر واپس بھیج دے ہم وہاں جا کر تیری ہدایت کے مطابق نیک عمل کریں گے ہم اب خوب یقین کیے ہوئے ہیں اور اب ہمیں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور دنیا میں ہم کو جو شکوک و شبہات تھے وہ سب زائل ہو گئے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اگر ہم اس طرح تم کو ہدایت دینا چاہتے تو پہلے ہی سے دنیا میں ہر نفس کو اسکی ہدایت دے دیتے یعنی اگر ہم کو اس طرح برأی العین ہدایت دینی منظور ہوتی تو ہم پہلے ہی سے یہ سب کچھ برأی العین دکھلا دیتے اور سب کے سب راہ یاب ہو جاتے پھر کوئی ان میں سے کافر نہ رہتا ولیکن ہمیں یہ منظور نہ تھا کہ مشاہدۂ حقیقت کے بعد مجبور ہو کر ہدایت کو قبول کریں بلکہ ہم نے بندہ کو قدرت واختیار دیا کہ وہ اپنے اختیار سے ہدایت کو قبول کرے میری بارگاہ میں جزاء وسزا کا دارومدار اختیاری ایمان اور عمل صالح پر ہے نہ کہ اضطراری ایمان پر مگر میں نے اپنے علم ازلی سے جان لیا تھا کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے اختیار سے ایمان لائیں گے اور بعض اپنے اختیار سے کفر اور انکار کریں گے اور میری طرف سے یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ میں دوزخ کو کافروں سے بھروں گا خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے ہوں سب سے دوزخ کو بھر دوں گا یعنی میری قضاء وقدر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ بعضوں کو ہدایت دوں گا اور ان کو جنت میں داخل کروں گا اور بعضوں کو گمراہ کروں گا اور ان کو جہنم میں داخل کروں گا اور جنت اور جہنم دونوں سے میرا وعدہ ہے کہ میں تم کو رزق دوں گا میں سب کا رزاق ہوں اور سب کا مالک ہوں بلا وجہ بھی دوزخ میں ڈال سکتا ہوں پس اے کافرو تم سب جہنم کا ایندھن ہو اس میں جاؤ اور عذاب کا مزہ چکھو بوجہ اس کے کہ تم مجرم ہو اس لیے کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا پس ہم نے بھی تم کو فراموش کر دیا یعنی آج ہم تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو فراموش کے ساتھ ہوتا ہے اور چکھو دائمی عذاب کو بوجہ اسکے کہ جو عمل تم کرتے تھے کہ بجائے پیغمبروں کے تم نے شیطان کی پیروی اختیار کی یہ تو ان لوگوں کا حال بیان کیا کہ جنہوں نے دنیا میں رہ کر دار آخرت کو بھلا دیا اور اپنے اصل گھر کو یاد نہ کیا اب آئندہ آیات میں ان لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جو دنیا میں رہ کر بھی دار آخرت کی فکر میں اور مولائے برحق کی طاعت میں لگے رہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اہل ہدایت کا حال اہل ضلالت کے برعکس ہے کہ کفار فجار اپنے رب سے منحرف اور برگشتہ ہیں اور اہل ایمان دن رات اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں جس طرح دنیا میں فریقین کا حال مختلف ہے اسی طرح آخرت میں دونوں کا مآل مختلف ہے چنانچہ فرماتے ہیں جز ایں نیست ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں اور ان کو سچا سمجھتے ہیں کہ جب ان کو ہماری آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد و تسبیح کرنے لگتے ہیں اور وہ ایمان لانے سے تکبر نہیں کرتے اور طاعت سے سرکشی نہیں کرتے اور ان کے کمال ایمان کی صفات میں ایک صفت یہ ہے کہ ان کے پہلو انکی خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں خواہ فرض

عشاء کیلئے یا تہجد کے لیے یا مغرب اور عشاء کے درمیان صلاۃ الاوابین کے لیے اس حالت میں خوف اور امید کے ساتھ اپنے رب سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہتے ہیں یہ ہیں خدا تعالیٰ کے کامل الایمان بندے جو امید وبیم کی حالت میں اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جان ومال سے اسکی فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں پس کوئی نہیں جانتا کہ ان مومنین کاملین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان پوشیدہ رکھا گیا ہے بمقابلہ اس مخلصانہ بندگی کے جو یہ لوگ عمل میں لاتے ہیں "قُرَّةِ اَعْیُنٍ" سے وہ انعامات مراد ہیں جن کو دیکھ کر انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اللہ تعالیٰ نے ان انعامات کو لوگوں کی نظر سے مخفی رکھا ہے اس لیئے کہ یہ عباد مخلصین اپنے اعمال کو لوگوں سے مخفی رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انکی جزاء کو مخفی رکھا کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اس کا خطرہ گذرا بھلا بتلاؤ سہی کہ جو شخص ایمان رکھتا ہے کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو نافرمان ہے مومن اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے ضدین اور نقیضین کا برابر ہونا عقلاً محال ہے جس طرح دنیا میں مختلف تھے آخرت میں بھی مختلف رہیں گے ایمان نور ہے اور کفر ظلمت ہے پس مومن اور کافر کیسے برابر ہو سکتے ہیں سو جو لوگ ایمان لاتے اور انہوں نے نیک کام بھی کیئے بطریق مہمانی ان کے لیئے دائمی باغات ہوں گے جہاں وہ ٹھکانا پکڑیں گے بعوض ان اعمال کے جو وہ دنیا میں کرتے رہتے نُزُلاً کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ پیش کش ہوگی وہ بطور ماحضر ہوگی جیسا کہ مہمانوں کے سامنے لائی جاتی ہے اور کلی نعمتیں تو جنت میں داخل ہونے کے بعد عطا ہوں گی اور یہ لوگ ایمان اور عمل صالح کی بنا پر اس عزت وکرامت کے مستحق ہوں گے اور جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا دائمی ٹھکانا دوزخ ہے اور جب کبھی دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر ذلت وخواری کے ساتھ زبردستی اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے اور کہا جاتے گا ان سے کہ چکھو مزہ اس عذاب نار کا جس کو تم جھٹلاتے تھے یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا اور البتہ تحقیق ہم ان اہل مکہ کو دنیا ہی میں قریبی عذاب چکھائیں گے یعنی قتل اور قحط کا اور دنیاوی آفات اور مصائب کا عذاب ان کو چکھائیں گے جو بڑے عذاب سے کم ہوگا یعنی عذاب دوزخ سے کم ہوگا شاید یہ لوگ اس قریبی اور ہلکے عذاب کو دیکھ کر راہ حق کی طرف پھر جاویں اور کفر سے باز آجاویں مگر یہ ظالم باز آنے والے نہیں اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جسے اپنے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جاتے یعنی بطریق وعظ ونصیحت اسکو اللہ کی آیتیں سنائی جائیں پھر وہ ان سے منہ پھیر لے اور انکی طرف التفات بھی نہ کرے تو ایسے شخص کے مجرم ہونے میں کیا شبہ ہے بے شک ہم مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے اور ان کے جرم کی ضرور ان کو سزا دیں گے جس درجہ کا جرم ہوگا اسی درجہ کا انتقام ہوگا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ

اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب، سو تو مت رہ دھوکے میں اس کے

لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَ

ملنے سے اور وہ کی ہم نے سوجھ بنی اسرائیل کو اور

جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۛ وَ

کیے ہم نے اُن میں سردار جو راہ چلاتے ہمارے حکم سے جب وہ ٹھہرے رہے اور

كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ

رہے ہماری باتوں پر یقین کرتے تیرا رب جو ہے وہی چکادے گا ان میں

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ

دن قیامت کے جس بات میں کہ وہ پھوٹ رہے تھے کیا اُن کو سوجھ

لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ

نہ آئی اس سے کہ کتنی کھپادیں ہم نے اُن سے پہلے سنگتیں، پھرتے ہیں ان کے

فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

گھروں میں اس میں بہت پتے ہیں کیا سنتے نہیں

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ

کیا دیکھا نہیں انہوں نے؟ کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی ایک زمین چٹیل کو پھر نکالتے

بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا

ہیں اُس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں سے ان کے چوپائے اور آپ پھر کیا

يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ

دیکھتے نہیں؟ اور کہتے ہیں کب ہے یہ فیصلہ؟ اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ

تم سچے ہو تو کہہ دن فیصلہ کے کام نہ آوے گا

الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۲۹﴾

منکروں کو ان کا ایمان لانا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ ﴿۳۰﴾

سو تو خیال چھوڑ ان کا اور راہ دیکھ وہ بھی راہ دیکھتے ہیں

رجوع بہ مضمون رسالت محمدیہ وتہدید مکذبین ومعاندین

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ ..... الیٰ .... وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ

(ربط) شروع سورت میں رسالت اور توحید اور بعث بعد الموت کا ذکر تھا اب اخیر سورت میں پھر مضمون رسالت کی طرف رجوع فرماتے ہیں جس کا شروع سورت لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ میں ذکر تھا اور آپؐ کی تسلی کیلئے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہدایت کا ذکر کرتے ہیں کہ باوجود واضح اور روشن کتاب ہونے کے مجرمین نے کس طرح اس سے اعراض کیا اور کس کس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایذائیں پہنچائیں اور موسیٰ علیہ السلام نے ان پر صبر کیا آپؐ کا حال ان کے مشابہ ہے آپؐ صبر کیجئے اور انکے ظلم اور اعراض سے دلگیر نہ ہوں آپؐ ان معاندین اور مجرمین سے اعراض کیجئے اور اللہ کی فتح کا انتظار کیجئے۔

توریت کی طرح آپؐ کی کتاب بھی کتاب ہدایت وحکمت ہے اور جس طرح ہم نے بنی اسرائیل میں ایمۂ ہدایت بناتے اسی طرح ہم آپ کے اصحاب اور آپ کے متبعین میں ایمۂ ہدیٰ اور نجوم ہدایت بنائیں گے اور ساتھ ساتھ اس پر متنبہ کر دیا کہ مقام امامت صبر اور استقامت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اصحاب کے لیئے مقدور کیا ہے اور اس تمام مضمون سے آپ کی تسلی اور آپ کے منکرین کی تہدید و وعید مقصود ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور تحقیق ہم نے اپنے بندہ اور رسول موسیٰ کو توریت جیسی عظیم کتاب دی جیسے آپ کو قرآن عظیم جیسی کتاب حکیم دی پس آپ اسکے ملنے سے کسی شک اور شبہ میں نہ رہیئے یعنی آپؐ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملنے کے بارہ میں کوئی شک اور تردد نہ کریں یہ معنی مجاہدؒ اور زجاجؒ سے منقول ہیں (تفسیر قرطبی) [1] یعنی موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے

---

[1] قال القرطبی قیل فلا تکن فی شك من لقاء موسیٰ الکتاب بالقبول قاله مجاهد والزجاج تفسیر قرطبی ص ۱۰۸ ج ۱۴

اللہ نے ان پر ایک کتاب اتاری اسی طرح تم بھی خدا کے پیغمبر ہو لہٰذا تم پر کتاب کا اتارا جانا کوئی امر جدید اور عجیب نہیں کما قال تعالیٰ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ اس آیت میں بظاہر خطاب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہے کہ آپ شک میں نہ پڑیں لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ وہ ان کی نبوت میں شک نہ کریں معاذ اللہ نبی کریم کو کوئی شبہ نہ تھا لوگوں کے سنانے کیلئے کہا گیا کہ شبہ مت کرو (دیکھو حاشیہ قنوی علی تفسیر البیضاوی صفحہ ۱۰ ج ۶)

یا مطلب یہ ہے کہ آپ نے آسمان اور زمین میں شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اس سے آپ شک میں نہ پڑیئے وہ ایک حقیقت تھی کوئی دھوکہ اور فریب نہ تھا اشارہ اس طرف تھا کہ آپ کی امت میں بھی موسیٰ علیہ السلام کی امت کی طرح ایمۂ ہدایت ہوں گے جیسے خلفاء راشدین سرخیل ایمۂ ہدایت تھے اور صحابہ کے بعد طبقۂ تابعین میں ائمۂ اجتہاد اور ایمۂ حدیث اور ایمۂ علم کلام پیدا ہوتے ۔

یا مطلب : یہ ہے کہ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اپنی زندگی میں موسیٰ علیہ السلام سے ضرور ملاقات کریں گے مگر سیاق آیت کے ساتھ زیادہ مربوط پہلے ہی معنی ہیں ۔

اور کر دیا ہم نے اس کتاب کو جو موسیٰ علیہ السّلام کو عطا کی تھی بنی اسرائیل کے لیئے ذریعۂ ہدایت اسی طرح ہم نے آپ کی کتاب کو لوگوں کے لیے ذریعۂ ہدایت بنایا اور پھر ہم نے بنی اسرائیل میں سے مقتدا اور پیشوا بنائے کہ جو لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے جب کہ انہوں نے صبر کیا اور خدا کی راہ میں ان کو جو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچیں انکو برداشت کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے اس آیت میں حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سے تشبیہ دیتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ اے پیغمبر جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی اسی طرح ہم نے تم کو قرآن دیا اور امت مرحومہ کے لیئے ذریعۂ ہدایت ٹھہرایا اور جس طرح انکے اصحاب کو ایمۂ ہدایت بنایا اسی طرح ہم نے آپ کے اصحاب کو ایمۂ ہدایت بنایا جیسا کہ حدیث میں ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم رواہ الدار قطنی وابن عبد البر من حدیث ابن عمر وقد روی بمعناہ من حدیث انس وفی اسانیدہٖ مقال لکن یشتد بعضھا بعضا کذا فی ظفر الامانی بشرح مختصر الجرجانی للشیخ عبد الحی اللکھنوی ؒ صفحہ ۱۸۰ ۔

ف خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے بعد ایمۂ مجتہدین بلاشبہ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا کا مصداق تھے ان کا اتباع موجب رشد و ہدایت ہے اور خود رائی تو رائی کے دانہ کے برابر بھی مہلک ہے نیز اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ امامت کے استحقاق کیلئے صبر کامل اور یقین کامل ضروری ہے بغیر اس کے پیشوائی کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا ۔

غرض یہ کہ ایمۂ ہدایت لوگوں کو حق کی طرف بلائیں گے کوئی سنے گا اور کوئی نہیں سنے گا قیامت

تک اختلاف کا سلسلہ جاری رہے گا البتہ تیرا رب ہی قیامت کے دن انکے اختلاف کا فیصلہ کرے گا حق کو باطل سے جدا کر دے گا اور ہر ایک کو اسکے مناسب حال جزاء دے گا اب آیندہ آیت میں منکرین نبوت کی تہدید فرماتے ہیں کیا ان عذابوں کی تکذیب کرنے والوں کیلئے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ہم اس سے پہلے کتنی قوموں اور امتوں کو آسمانی اور زمینی عذابوں سے ہلاک کر چکے ہیں حالانکہ یہ لوگ انکے گھروں میں چلتے پھرتے ہیں اور اثناء سفر میں ان پر سے گذرتے ہیں اور دیکھتے ہیں مگر اپنی تیرہ بختی اور شامت اعمال کی وجہ سے عبرت پذیر نہیں ہوتے بے شک اس میں ہمارے قہر و غضب کی نشانیاں موجود ہیں کہ یہ قومیں پیغمبروں کے جھٹلانے کی وجہ سے غضب الٰہی سے ایسی تباہ اور برباد ہوئیں کہ ان میں سے کسی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور یہ ان کی بلند عمارتیں ہیں جن پر انکو غرور تھا وہ ان کو چھوڑ کر چلے گئے کیا یہ لوگ انکے قصے بھی نہیں سنتے جو زبان زد خلائق ہیں اب اس کے بعد منکرین قیامت کی تہدید فرماتے ہیں کیا یہ منکرین حشر و نشر دیکھتے نہیں کہ ہم پانی یعنی بادل کو بنجر اور خشک زمین کی طرف ہانکتے ہیں پھر ہم اس کے ذریعہ کھیتی نکالتے ہیں جس سے ان کے چوپاۓ اور وہ خود کھاتے ہیں سو کیا یہ لوگ اس نشان قدرت کو نہیں دیکھتے پس جو خدا خشک زمین سے گھاس اُگانے پر قادر ہے وہ انسانوں کو مٹی ہو جانے کے بعد بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے بوقت زراعت ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ دانہ زمین میں دفن ہو گیا مگر اسکی باطنی کیفیت نہیں جانتے کہ وہ دانہ کس طرح غلہ اور پھل کی شکل میں نمودار ہوا اور انسان خود اپنی پیدائش میں اصلی کیفیت کو نہیں جانتا کہ غذا جسم میں مستحیل ہو کر کس طرح خون بنی اور کس طرح قطرۂ منی پیدا ہوا اور کس طرح رحم مادر میں پہنچ کر نو ماہ میں ولادت کی منزلیں کس طرح طے ہوئیں اور پھر ولادت سے لے کر لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں کس طرح طے ہوئیں اور یہ سب باتیں نظروں کے سامنے ہیں مگر باطنی کیفیت اور اندرونی حقیقت کسی فلسفی کو بھی معلوم نہیں پس اگر کسی کو دوبارہ زندہ ہونے کی کیفیت اور حقیقت معلوم نہ ہو سکے تو اس سے دوبارہ زندہ ہونے کا محال ہونا لازم نہیں آتا دنیا کی ہزارہا چیزیں محسوس ہیں مگر عقل ان کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے تو فقط اتنی بات سے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب احیاء موتی کے نمونے تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں تو پھر دوبارہ زندگی کا کیوں انکار کرتے ہو۔

اب آگے مشرکین مکہ کے ایک اور شبہ کا جواب دیتے ہیں اور یہ لوگ بطور استہزاء اور تمسخر مسلمانوں سے کہتے ہیں بتلاؤ تمہاری فتح اور غلبہ کا دن کب آئے گا اگر تم اپنے دعوے اور دعوے میں سچے ہو کہ اللہ دین اسلام کو اور مسلمانوں کو فتح اور غلبہ دے گا بتلاؤ وہ دن کب آئے گا اور بعض کہتے ہیں کہ فتح سے فیصلہ کا دن یعنی قیامت کا دن مراد ہے منکرین قیامت مسلمانوں سے کہتے کہ تم قیامت

قیامت کیسے جاتے ہو یہ تو بتلاؤ کہ قیامت کا دن کب آئے گا اے نبی آپؐ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ وہ یوم فتح ایسا دن ہے کہ اس دن کافروں کو ایمان لانا بالکل نفع نہ دے گا کہ نجات پا جائیں اور نجات تو درکنار انکو تو مہلت بھی نہ ملے گی یعنی آپ ان لوگوں کو آگاہ کر دیجئے کہ "یوم الفتح" کے سوال سے تمہاری کیا غرض ہے اگر یہ مطلب ہے کہ اس دن کے عذاب اور قہر کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو یہ غلط ہے موت کو یا نزول عذاب کو دیکھ کر ایمان بے سود ہے دیکھ کر تو سب ہی ایمان لے آئیں گے اور اگر اس سوال سے تمہاری غرض یہ ہے کہ آخرت کوئی چیز نہیں تو بے شک عالم آخرت اور عالم جاودانی کے سامنے تمہاری دنیاوی زندگانی پلک مارنے کے برابر بھی نہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ وہ وقت یقیناً آکر رہیگا تمہاری ان باتوں سے اس کا آنا ٹل نہیں سکتا۔

اور اگر "یوم فتح" سے فتح مکہ کا دن یا بدر کا دن مراد ہو تو پھر اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے عام کافر مراد نہ ہوں گے بلکہ وہ خاص مقتولین بدر اور مقتولین فتح مکہ مراد ہوں گے کہ جو بدر کے دن یا فتح مکہ کے دن مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے تو حالتِ قتل اور حالتِ موت میں ایمان لانا انکو نفع نہ دے گا جیسے فرعون کو حالت غرق میں ایمان لانے سے کچھ نفع نہ ہوا۔

دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص۲۵ ج ۴ وحاشیہ قنوی علی تفسیر البیضاوی ص۱۷۰ ج ۶۔

پس اے نبیؐ آپ ان ہنسی کرنے والوں سے منہ پھیر لیجئے اور ان کی باتوں کا خیال نہ کیجئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور آپ اس وقت کے منتظر رہیئے تحقیق وہ بھی اس کے منتظر ہیں یعنی آپؐ قیامت کے دن کا بھی انتظار کریں جس دن سب کا فیصلہ ہو جائے گا اور فتح مکہ اور بدر کے دن کا بھی انتظار کریں وہ دن بھی عنقریب آرہا ہے اس دن یہ استہزاء کرنے والے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے لہٰذا یہ بداندیش جو آوازے کس رہے ہیں آپؐ اس کی پرواہ نہ کیجئے یوم فتح کا انتظار کیجئے اور ان کی تباہی کے منتظر رہیئے جیسے یہ لوگ اپنے زعم میں آپکی تباہی کے منتظر ہیں یہ لوگ باطل کے منتظر ہیں آپؐ حق کا انتظار کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ حق اپنے وقت پر ظاہر ہو جائے گا اور یہ لوگ ناحق بات کے منتظر ہیں۔

الحمد للہ آج بروز چہارشنبہ بوقت چاشت بتاریخ ۱۸ شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ سورۂ سجدہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی و للہ الحمد اولا و اخرا یا اللہ جس طرح تو نے اپنے فضل و کرم سے یہاں تک لکھنے کی توفیق دی اسی طرح اپنے فضل و کرم سے باقی قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کی بھی توفیق عطا فرما اور قبول فرما اور مجھ کو اور میری اولاد کو اور اقارب اور احباب کو دین و دنیا میں اس سے نفع دے اور ہر شر اور فتنہ سے محفوظ رکھ آمین یا رب العالمین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تفسیر سُورَۃ الاَحزَاب

اس سورت کا نام سُورۃ الاحزاب ہے اَحۡزَاب حِزۡبٌ کی جمع ہے جس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں چونکہ ہر طرف سے مشرکین کی مختلف جماعتیں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوتی تھیں اسلئے اس غزوہ کو غزوۃ الاحزاب کہتے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی ہوا سے اور فرشتوں سے مدد کی اس لیے یہ سورت، سورت الاحزاب کے نام سے موسوم ہوئی اور اس جہاد کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ نے اس وقت مدینہ کے گرد خندقیں کھود کر کفار کا مقابلہ کیا تھا۔

یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں حق جل شانہٗ نے اس سورت میں صادقین اور مخلصین کی مدح فرمائی اور منافقین کی مذمت اور شناعت بیان کی اور منافقین کی مختلف قسم کی ایذاؤں کا ذکر کر کے ان کا جواب دیا اور آپؐ کو تسلی دی کہ آپؐ مخالفین کی ایذاؤں اور دھمکیوں کی پروا نہ کریں اللہ پر بھروسہ رکھیں۔

(ربط) یہ سورت گزشتہ سورت کا تتمہ ہے گذشتہ سورت کے اخیر میں کافروں کی ایذاؤں پر صبر کا حکم دیا اور سب سے فتح کا وعدہ فرمایا کافروں اور منافقوں نے بطور طعن کہا مَتٰى هٰذَا الۡفَتۡحُ کہ وہ فتح کب ہوگی اللہ نے اجمالی جواب تو پہلے ہی دے دیا تھا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَانۡتَظِرۡ اِنَّهُمۡ مُّنۡتَظِرُوۡنَ اب اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں غزوۂ احزاب کا ذکر فرمایا جس میں اللہ کی فتح اور نصرت کا ظہور اس طرح ہوا کہ جس میں اسباب ظاہری کو دخل نہ تھا اور نصرت خداوندی کے جو غیبی کرشمے اس غزوہ میں ظاہر ہوئے وہ سب آپؐ کے معجزے تھے اور آپؐ کی نبوت و رسالت کی دلیل تھے اور ابتدائے سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو چند ہدایتیں اور نصیحتیں فرمائیں جن پر اللہ کی فتح اور نصرت کا مدار ہے کہ تقویٰ[1] اور صبر[2] اور توکل[3] پر قائم رہیں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہ ڈریں اور نہ کسی چیز کی جانب التفات کریں اور بالکلیہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اللہ نے کسی کے دو دل نہیں بنائے کہ جو بیک وقت دو جانب متوجہ ہو سکے اور آغاز سورت میں ایک حکم[4] یہ دیا کہ وحی الٰہی کا اتباع کریں اور ایک حکم[5] یہ دیا کہ کافرین اور منافقین کے مشوروں اور ان کے کہنے پر نہ چلیں کافروں اور منافقوں کے کہنے پر چلنا سخت خطرناک ہے اس طرح یہ پانچ حکم ہو گئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح گذشتہ سورت کے آغاز میں اور خاتمہ میں آپؐ کی نبوت و رسالت

کو اور آپ کی محبوبیت اور منصوریت کو بیان کیا اسی طرح اس سورت کے آغاز اور خاتمہ میں آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کی محبوبیت اور منصوریت کو بیان کیا از اول تا آخر اس بات کو واضح کیا کہ خدا کے رسول کو ایذا پہونچانا قطعاً حرام ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اور اپنی جان سے زیادہ نبی کا احترام فرض ہے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ اس لیے اس سورت میں کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں اور انکی طعن آمیز باتوں کا جواب دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ انکی دھمکیوں اور ایذاؤں سے گھبرا کر اسلام کی تبلیغ اور دعوت میں کوئی کمی نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں (یا یوں کہو) کہ گذشتہ سورت کے اخیر میں کفار کو قریبی عذاب کی دھمکی دی گئی تھی وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ اس سورت میں اسی قریبی عذاب کا ذکر ہے یعنی غزوۂ احزاب میں کفار کی شکست کا بیان ہے جو عذاب ادنیٰ کا ایک ادنیٰ مصداق ہے یہ سورت جب ابتداء میں نازل ہوئی تو قریب قریب سورۂ بقرہ کے تھی اور اس میں آیت رجم بھی تھی یعنی اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یعنی بیاہا ہوا مرد اور بیاہی ہوئی عورت یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ضرور بضرور انکو سنگسار کر دو اللہ کی طرف سے بطور عقوبت یہ حکم ہے بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمتوں والا ہے پھر اللہ نے اس سورت میں سے جس قدر حصہ چاہا اٹھا لیا رواہ احمد والنسائی عن ابی بن کعبؓ واسنادہ حسن تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۵ ج ۳ ۔

یعنی اس سورت کا بیشتر حصہ عہد رسالت میں اٹھا لیا گیا اور سینوں میں سے نکال لیا گیا اور انکی تلاوت منسوخ ہو گئی مگر اس میں سے ایک آیت رجم تو ایسی ہے کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہو گئی مگر اسکا حکم تا ہنوز باقی ہے اور اس پر عمل جاری ہے اور تا قیامت اس پر عمل جاری رہے گا ۔

چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر حمد و صلاۃ کے بعد اپنے خطبہ میں یہ فرمایا اے لوگو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا اور آپ پر کتاب مجید نازل کی پس اس میں آیت رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور خوب یاد کیا اور یہ آیت پڑھی ۔ اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو قطعاً دونوں کو سنگسار کر ڈالو اللہ کے حکم سے بطور عقوبت وسزا کے بے شک اللہ عزیز اور حکیم ہے ۔

حضرت عمرؓ نے بر سر منبر یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد ایسے زانی اور زانیہ کا رجم کیا پر مجھے خوف ہے کہ جب لوگوں پر زمانہ دراز گذر جائے تو کوئی کہنے والا یہ نہ کہنے لگے کہ ہم کتاب الٰہی میں آیت الرجم

نہیں پاتے اور پھر اللہ کے اس فریضہ کے (یعنی رجم کے حکم قطعی کے) چھوڑنے سے گمراہ ہو جائیں
رواہ البخاری ومسلم وغیرہما

چنانچہ حضرت عمرؓ کا خوف بجا نکلا اس زمانہ میں بہت سے نام کے مسلمان رجم کے حکم کا یہ کہہ کر انکار کرتے ہیں کہ ہم آیت کو قرآن میں نہیں پاتے اس لیئے ہم رجم کے حکم کو نہیں مانتے یہ سب بہانہ ہے اس قسم کے لوگ تو سرے سے مطلق زنا ہی کو حرام نہیں سمجھتے اور اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ کے قائل نہیں اس قسم کے لوگوں کا اسلام قومی ہے شرعی نہیں برسر منبر حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو چکی ہے اور اسی وجہ سے وہ قرآن میں نہیں لکھی گئی مگر اس کا حکم بلاشبہ باقی ہے اور واجب العمل ہے خود حضور پرنورؐ نے اس پر عمل کیا اور اپنے قول اور عمل سے یہ بتلا دیا کہ یہ حکم منزل من اللہ ہے اگرچہ اسکی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے مگر یہ حکم تا قیامت باقی ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ عمرؓ نے کتاب اللہ میں ایک آیت بڑھا دی تو میں آیت الرجم کو مصحف میں لکھوا دیتا اس خوف کی وجہ سے حضرت عمرؓ آیت الرجم کو مصحف میں نہ لکھوا سکے۔

حضرت عمرؓ کے اس طرح برسرمنبر فرمانے سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کے نزدیک یہ امر مسلّم تھا کہ آیت الرجم کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے اور اس کا حکم باقی ہے اور تمام صحابہ اس پر متفق تھے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہوا اس کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو چکی ہے مگر رجم کا حکم بلاشبہ باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

حضرت عمرؓ کو یہ ڈر تھا کہ خدانخواستہ آیندہ چل کر مسلمان بھی یہود کی طرح رجم کے حکم پر عمل کرنا نہ چھوڑ دیں توریت میں رجم کا حکم صراحۃً مذکور تھا لیکن یہود نے یہ خیال کیا یہ حکم سخت ہے عوام اس کو قبول نہ کریں گے اس لیے عوام کی رعایت سے یہود نے اس حکم کو بدل دیا اور بجائے رجم کے کالا منہ کرنے کی سزا جاری کر دی حضرت عمرؓ نے بار بار برسرمنبر اس کا اعلان کیا تاکہ عام وخواص سب پر یہ بات واضح ہو جائے کہ آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو چکی ہے مگر اس کا حکم تا ہنوز باقی ہے وہ منسوخ نہیں ہوا وہ قیامت تک رہے گا اور تمام صحابہ کرام نے حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سرا پا رشاد کو دل و جان سے قبول کیا اور صحابہ کرامؓ کا اجماع باتفاق علماء حجت قطعیہ ہے اور اس کا منکر کافر ہے یا قریب بکفر ہے منکر اجماع کا حکم اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے اس میں شک نہیں کہ رجم کا حکم سخت ہے لیکن زنا کا جرم اس سے کہیں زیادہ سخت ہے مدعیان تہذیب کے نزدیک رجم کا حکم تو خلاف تہذیب ہے مگر شادی شدہ کے زنا کی بربریت اور بہیمیت اور بے ضرورت اور کھلی بے حیائی ان کے نزدیک خلاف تہذیب نہیں جو شخص اپنے لیے دوسرے کی بیوی یا بیٹی سے زنا کو جائز سمجھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی بیوی یا بیٹی سے بھی دوسرے شخص کیلئے

زنا کو جائز سمجھتا ہے بلکہ اپنی ماں اور بیٹی سے بھی دوسرے کے لیے زنا کو جائز سمجھتا ہے آخر جس عورت سے یہ زنا کرتا ہے بلاشبہ وہ عورت بھی تو کسی کی بیوی یا بیٹی ہوگی ایسے بے غیرت کو غیرت کا مسئلہ کس طرح سمجھایا جائے اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ۔

ایک شبہ مع جواب روافض خوافض اس قسم کی روایات سے (جیساکہ آیت رجم کے بارہ میں حضرت عمرؓ سے ذکر کی گئی) اہل سنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن محرف ہے سو یہ الزام بالکل بے بنیاد ہے اس لیے کہ تحریف تو جب ہوتی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپؐ کے املاء فرمودہ قرآن میں کمی ہو جاتی یا بغیر آپ کی اجازت کے لوگ اس میں تغیر و تبدل کر ڈالتے لیکن بحکم خداوندی بذریعہ وحی کے قرآن کا کوئی حصہ کم کر دیا گیا یا بحکم خداوندی اسکی تلاوت منسوخ کر دی گئی تو اسکو تحریف نہیں کہا جا سکتا تحریف اور نسخ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے آپ کے حکم سے عرضۂ اخیرہ کے مطابق جس قدر قرآن لکھا گیا وہ سب کا سب بالکل محفوظ ہے اس میں سے ایک حرف کی کمی نہیں ہوئی اور نہ ایک حرف اور ایک نقطہ کی اس میں زیادتی ہوئی اور اللہ تعالیٰ جس آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ فرما دیتے ہیں وہ آیت قراء اور حفاظ کے سینہ سے بالکل محو ہو جاتی ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کی قدرت اور مجال باقی نہیں رہتی اور یہ [1] کہا جاتا ہے کہ وہ زیادتی ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی حضرت عائشہؓ کے گھر میں پلی ہوئی بکری اس کو کھا گئی سو یہ بات ملاحدہ اور روافض کی تراشیدہ اور من گھڑت ہے تفسیر قرطبی ص۱۱۳ ج ۱۴۔

سورۂ احزاب مدینے میں نازل ہوئی اور اسمیں ۷۳ آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ

اے نبی ! ڈر اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا اور

[1] قال القرطبی واما ما یحکی من ان تلک الزیادۃ کانت فی صحیفۃ فی بیت عائشۃ فاکلتھا الداجن فمن تالیف الملاحدۃ والروافض تفسیر قرطبی ص۱۱۳ ج ۱۴۔

الْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ۙ وَّاتَّبِعْ مَا
دغابازوں کا مقرر اللہ ہے سب جانتا حکمتوں والا اور چل اسی پر جو
يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے مقرر اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے
خَبِيْرًا ۝ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝
اور بھروسا رکھ اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا
مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ
اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اس کے اندر اور نہیں کیا
اَزْوَاجَكُمُ اڿ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ
جوروؤں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچ تمہاری مائیں اور نہیں کیا
اَدْعِيَاۗءَكُمْ اَبْنَاۗءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ
يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ
کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سوجھاتا ہے راہ پکارو لے پالکوں کو انکے باپ
هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ
کا کر کر یہی پورا انصاف ہے اللہ کے ہاں پھر اگر نہ جانتے ہو اُن کے باپ کو تو
فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں اور گناہ نہیں تم پر جس
فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ
چیز میں چوک جاؤ پر وہ جو دل سے ارادہ کیا اور ہے

اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ

اللہ بخشنے والا مہربان نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ

اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ

اپنی جان سے اور اسکی عورتیں انکی مائیں ہیں اور ناتے والے ایک دوسرے

اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ سب ایمان والوں اور وطن چھوڑنے

اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ

والوں سے مگر یہ کہ کیا چاہو اپنے رفیقوں سے احسان یہ ہے

فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

کتاب میں لکھا۔

آغاز سورت بحکم تقویٰ و توکل و تحذیر از موافقت کفار و منافقین

و تنبیہ بر کید و عداوت مخادعین و جواب از بعض مطاعن مخالفین برائے تسلیہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

قال اللّٰہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ... الی .... كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا

(ربط) گذشتہ سورت کے ختم پر کافروں سے اعراض کا اور انتظار کا حکم دیا گیا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ اور کافروں کو وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ کی دھمکی دی گئی اب اس سورت میں غزوۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ کی غیبی فتح و نصرت کا ذکر کرکے یہ بتلاتے ہیں کہ جس فتح و نصرت کے وعدہ کا آپ کو انتظار تھا وہ پورا ہوگیا اور وہ آپ کے سامنے آگیا اور کافروں کو اپنی ذلت کا انتظار تھا وہ بھی انکے سامنے آگئی اور روز روشن کی طرح نبی کریم کی نبوت اور صداقت کا ظہور ہوگیا اور شکستِ احزاب سے اس عذاب ادنیٰ کا ظہور ہوگیا جس کی دھمکی دی گئی تھی وہ عذاب ادنیٰ تو سامنے آگیا اور عذابِ اکبر قیامت کے بعد سامنے آئے گا نیز کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح سے

ایذائیں پہنچاتے تھے اس لیئے اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کو بیان کیا کہ نبی تمہاری جان سے زیادہ تمہارے قریب ہے اس لیے نبی کو ایذاء پہنچانا اور تکلیف دینا قطعاً حرام ہے اسلیئے اس ضمن میں منافقین اور مخالفین کی بعض ایذاؤں کا ذکر کرکے ان کا جواب دیا ہے جن کا ایک دل آزار طعنہ یہ تھا کہ حضور پُر نورؐ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی (زینبؓ) سے زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد نکاح کر لیا۔

اس سورت میں مختلف عنوانات سے یہ بتلایا گیا ہے کہ نبی کریمؐ کی تعظیم و تکریم فرض ہے اور نبی کریمؐ کو ایذاء پہنچانا بلاشبہ حرام اور موجب لعنت ہے اس لیئے اس سورت کا آغاز وصف نبوت سے فرمایا یعنی یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ کے عنوان سے آپؐ کو خطاب کیا گیا جو خطاب تشریف و تکریم ہے جس سے مقصود لوگوں کو تنبیہ ہے کہ آپؐ کو نبی برحق جانیں اور آپکی اطاعت کریں اور آپکی ایذاء سے بالکلیہ پرہیز کریں۔

شان نزول ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی یہ لوگ مکہ سے چل کر مدینہ آئے اور رأس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کے یہاں ٹھہرے اور گفتگو کے لیئے نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عمر بن الخطابؓ بھی آپؐ کی خدمت میں موجود تھے ان لوگوں نے حاضر ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیئے، ہم آپ کو آپ کے رب کے متعلق کچھ نہ کہیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی یہ بات نہایت شاق گذری حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ حکم دیجئے کہ انکو قتل کر دیا جائے آپؐ نے فرمایا انکو امان دے رکھی ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو مدینہ سے نکال دیا جائے چنانچہ وہ نکال دیئے گئے اس موقعہ پر مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں۔

(تفسیر قرطبی ص۱۱۴ ج ۱۴)

ان سرداران قریش کے ساتھ یہود بھی ملاقات کے لیئے حاضر ہوتے تھے انہوں نے اہل مکہ کی تائید کی اور دوستانہ لہجہ میں نہایت نرمی سے حضور پُر نورؐ کو مشورہ دینے لگے آپؐ سرداران قریش کے ساتھ نرمی کریں اور چرب لسانی سے آپؐ کو مشورہ دینے لگے کہ صلح اور آشتی میں خیر ہے اس ظاہری خیر خواہی میں مکر و فریب چھپا ہوا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرما کر آپؐ کو متنبہ کر دیا کہ اس ظاہری خیر خواہی کے اندر انکی عداوت اور مکر اور فریب چھپا ہوا ہے آپؐ انکے مشورہ پر ہرگز عمل نہ کریں کذافی البحر المحیط ص۲۱۱ ج ۷، مفصلاً والنہر المادص۲۰۹ ج ۷، مختصراً

عــه عبارة النهر هكذا سبب نزولها روى انه لما قدم المدينة وكان يحب اسلام اليهود فبايعه ناس فهم على النفاق وكان يلين لهم جانبه وكانوا يظهرون النصائح الودية فى طرق المخادعة ولخلقه الكريم وحرصه على اسلامهم ربما كان يسمع منهم فنزلت تحذيرا له منهم وتنبيها على عداوتهم كذا فى النهر المادص۲۰۹ ج ۷

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ اللہ سے ڈرتے رہیئے اور خشیت اور تقویٰ پر قائم رہیئے اور جو لباسِ تقویٰ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنایا ہے اسکو کافروں اور منافقوں کے گرد و غبار سے محفوظ رکھیئے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیئے یعنی جو لوگ کفر کو ظاہر کرتے ہیں اور جو لوگ کفر کو چھپاتے ہیں یہ سب مکار ہیں آپ ان سے مشورہ نہ لیجیئے اور نہ انکی بات سنیئے یہ لوگ آپ کو نرم کرنا چاہتے ہیں اور چالاکی کی باتیں کرتے ہیں مثلاً یہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر نہ کریں ہم آپ سے تعرض کرنا چھوڑ دیں گے یا مثلاً آپ ہماری فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ کے دین میں داخل ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ آپ انکی چالوں میں نہ آیئے یہ اسلام کے دشمن ہیں آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور انکی دھمکیوں کی مطلق پرواہ نہ کیجئے اور اللہ کی غیبی فتح و نصرت کا انتظار کیجیئے بے شک اللہ تعالیٰ انکی سازشوں سے خبردار ہے اور حکمت والا ہے جو کچھ ہو رہا ہے وہ ابتلاء ہے جو سراسر حکمتوں پر مبنی ہے وہ علیم و حکیم ہے اسے ہی سب کاموں کا انجام معلوم ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں لہٰذا اطاعت اس ذات کی کی جائے گی جو عواقب امور کو خوب جانتا ہو اور جو ذات ظاہر و باطن کی علیم و خبیر ہے اسی سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے خدا سے ڈرنے والوں کو دشمن ضرر نہیں پہنچا سکتے لہٰذا تم انکی قوت اور شوکت سے نہ ڈرو اللہ تمہارا ناصر اور معین ہے اور نہ ان کا کہنا مانو بلکہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے وحی کی گئی پورا پورا اس کا اتباع کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے اور تمہاری نیتوں سے خبردار ہے تمہارا ظاہر و باطن اس سے مخفی نہیں وحی الٰہی کے اتباع میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہونی چاہیئے اور کسی کے خوف سے وحی الٰہی کے اتباع کو نہ چھوڑو بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کافی کارساز ہے اسی کے کہنے پر چلو اور اسی پر بھروسہ رکھو وہ تمہارے سب کام بنادے گا دشمنانِ دین سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔

اب آئندہ آیات میں چند احکام اور ہدایات بیان کرتے ہیں اور چند باتوں کا رد کرتے ہیں جو وحی ربانی کے خلاف لوگوں میں شائع تھیں مثلاً زمانۂ جہالت میں اگر کوئی اپنی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو وہ ساری عمر کے لیے اس پر حرام ہو جاتی اور مثلاً اگر کوئی کسی کو بیٹا کہہ کر بولتا تو وہ اس کا سچا بیٹا بن جاتا اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ یہ باتیں غلط اور لغو ہیں جیسا کہ اہل جاہلیت کا یہ گمانِ غلط ہے کہ بعضے شخص کے اندر دو دل ہوتے ہیں پس جس طرح اہل جاہلیت کی یہ بات بالکل غلط اور لغو ہے اسی طرح جاہلیت کی پہلی دو باتیں بھی غلط اور لغو ہیں اس لیئے آئندہ احکام کے بیان سے پہلے بطور تمہید اسی کو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مرد کے اندر دو دل نہیں رکھے کہ ایک دل سے شک میں رہے اور ایک دل سے یقین کرے اور ایک دل سے ایمان لائے اور ایک دل سے کفر کرے ایک دل سے مسلمانوں کے ساتھ رہے اور ایک دل سے کافروں کے ساتھ رہے۔

کسی کے سینہ کو اگر چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا مطلب یہ ہے کہ دل تو ایک ہی ہوتا

ہے چاہے اس میں کسی کی محبت بھر لو یا نفرت بھر لو منافقین کو چاہیے کہ دو رُخی اور دو رنگی چھوڑ دیں منافقین دو طرفہ باتیں کیا کرتے تھے ان کی تنبیہ کیلئے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک دل میں دو باتیں جمع نہیں ہو سکتیں یا یہ مطلب ہے کہ سارے دل سے ایک اللہ ہی کا ہو رہ دوسری طرف دل نہ لگا کسی شخص کے اندر دو دل نہیں ہوتے اور اگر بالفرض کسی کے دو دل ہوں تو دل تو مدبّر بدن ہوتا ہے تو بتلایا جائے کہ اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے ایک دل تو ایک تدبیر کا خواہاں ہو اور دوسرا دل دوسری تدبیر کا خواہاں ہو تو بتلاؤ کہ نظام بدن میں دونوں دلوں کی تدبیر چلے گی یا ایک دل کی تدبیر چلے گی اگر دونوں کی تدبیر چلی تو نظام بدن فاسد اور درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ دلوں کی تدبیریں متضاد اور مختلف ہیں ایک دل چاہتا ہے کہ اعضاء حرکت کریں اور دوسرا دل سکون چاہتا ہے کہ اعضاء ساکن رہیں اور اگر کہو کہ ایک ہی دل کی تدبیر چلتی ہے تو دوسرا بیکار ہوا اور مدبر بدن نہ رہا۔

یہ آیت قریش کے ایک شخص کے بارہ میں نازل ہوئی جس کو قریش ذُو الْقَلْبَیْنِ کہتے تھے یعنی دو دل والا اس کا زعم یہ تھا کہ اس کے دو دل ہیں ایک دل تو تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا دل انکے ساتھ ہے گویا کہ وہ اس طرح اپنے نفاق اور دورنگی کی تاویل کیا کرتا تھا اسکے رد کے لیے یہ آیت نازل فرمائی جس سے جاہلیت کی ایک معروف و مشہور جہالت کا رد فرمایا اور اس کے بعد جاہلیت کی اور دو رسموں کو باطل فرمایا اور بتلایا کہ جس طرح ایک مرد کے دو دل نہیں ہوتے اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ بیوی کو بیوی بھی سمجھے اور ماں بھی جانے اور لے پالک کو لے پالک بھی جانے اور بیٹا بھی جانے انسان کا قلب یعنی اسکی قوت ادراکیہ تو ایک ہی ہے وقتِ واحد میں دو متضاد ادراک کیسے کر سکتا ہے۔

فائدہ قلب سے مراد قوت ادراکیہ ہے محض مضغہ گوشت مراد نہیں اور اگر بالفرض شاذ و نادر کسی کے اندر ظاہراً دو دل یعنی دو مضغہ لحم ہوں بھی تو وہ قرآن کے خلاف نہیں اس لیے کہ قوت ادراکیہ یعنی نفس ناطقہ تو ایک ہی ہوگا کیونکہ قلب تو تمام قوائے ادراکیہ کا منبع ہے اور سرچشمہ ہے اس کا متعدد ہونا ناممکن ہے اور یہی نفس ناطقہ تمام بدن انسانی کیلئے مدبر ہے۔

حکایت یہ آیت جمیل بن معمر فہری کے بارہ میں نازل ہوئی جو قریش میں بڑا ہوشیار اور قوی الحافظہ آدمی تھا اس لیے قریش یہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کے دو دل ہیں اور وہ خود بھی یہی کہتا تھا کہ میرے دو قلب ہیں اسی وجہ سے میں محمد سے زیادہ عقل رکھتا ہوں مگر بدر کے دن جب مشرکین میں بھگدڑ پڑی تو جمیل اس طرح بھاگا کہ ایک جوتی ہاتھ میں ہے اور ایک جوتی پیر میں ہے ابوسفیان نے دیکھ کر پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے کہ ایک جوتی ہاتھ میں ہے اور ایک جوتی پیر میں ہے کہنے لگا کہ میں تو یہی سمجھ رہا ہوں کہ دونوں جوتیاں پاؤں میں پہنا ہوا ہوں اس دن لوگوں کو معلوم ہوا کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اس طرح نہ بھولتا یہ آیت اس زعم باطل کی تردید کے لیے نازل ہوئی جس میں صراحۃً یہ بتلا دیا گیا کہ آدمی کے دو قلب (دو دل) نہیں ہوتے (تفسیر قرطبی ص۱۱۶ ج ۱۴) اور اسلام سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ جو شخص اپنی عورت کو یہ کہہ دیتا کہ تو مجھ پر ماں کے برابر ہے تو اس

کہنے سے اس عورت پر طلاق پڑجاتی اور وہ اس پر ہمیشہ کے لیئے حرام ہوجاتی گویا کہ اس لفظ کے کہنے سے وہ اس کی حقیقی ماں بن جاتی اور ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال اور اعتقاد جاہلانہ ہے اسکو ترک کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بناتے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری ان عورتوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو اور انکو ماں کہہ بیٹھتے ہو اللہ تعالیٰ نے انکو واقعی سچ مچ تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ماں کی اور بیوی کی حقیقت الگ الگ ہے دونوں ایک کیسے ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے اس قول زور کے لیے کفارہ مقرر کیا ہے جس کو کفارہ ظہار کہتے ہیں اس کفارہ کے دے دینے کے بعد بیوی حلال ہو جاتی ہے جسکی تفصیل سورۃ مجادلہ میں آئے گی غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ اہل عرب کا یہ خیال غلط ہے ماں تو وہ ہے کہ جس کے پیٹ سے یہ پیدا ہوا ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ دو عورتوں کے پیٹ سے پیدا ہو نیز زوجہ تو خادمہ ہوتی ہے اور ماں مخدومہ ہوتی ہے بیوی کا حقیقۃً والدہ ہوجانا عقلاً محال ہے نیز آدمی بیوی سے محبت کرتا ہے اور ماں سے بیوی جیسی محبت حرام ہے اور اگر کوئی ماں سے ایسی محبت جائز سمجھے تو وہ پرلے درجے کا بے غیرت اور بے حیا ہے لہذا ایسی بات زبان سے کہنا جہالت اور حماقت ہے اور زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم یہ تھی کہ اگر کسی نے کسی کو بیٹا کہہ لیا تو وہ اس کا سچ بیٹا سمجھ لیا جاتا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خیال اور اعتقاد بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولوں کو حقیقۃً تمہارا بیٹا نہیں بنایا انسان کا اصلی بیٹا وہ ہے جو اس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہو یہ کیونکر ممکن ہے کہ منہ بولا بیٹا حقیقۃً بیٹا ہو جائے عقلاً یہ بات محال ہے کہ حقیقۃً اس کے دو باپ ہو جائیں لہذا تم کو چاہیئے کہ اس مہمل خیال سے احتراز کرو یہ محض تمہارے منہ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں جن کی نفس الامر میں کوئی حقیقت نہیں منہ سے کسی کو بیٹا کہہ دینے سے حقیقۃً بیٹا نہیں بن جاتا ورنہ اگر منہ بولا بیٹا حقیقۃً بیٹا ہو جائے تو نسب درہم برہم ہوجاتے اور حقیقی بیٹے کا وراثت میں مزاحم ہوجاتے اور دیگر اقارب کا بھی شریک وراثت ہو جاتے اور اس طرح کسی کو بیٹا بنا لینا حقیقی اقارب پر صریح ظلم اور ستم ہے یہ سب جھوٹ اور لغو باتیں ہیں جو تمہارے منہ سے نکلی ہیں واقع میں انکی کوئی حقیقت نہیں حیوان کی آواز کے مشابہ ہیں اور اللہ ہی ٹھیک بات کہتا ہے اور وہی بندگی راہ بتاتا ہے جو حقیقت ہے اور واقع کے مطابق ہے اسی کی پیروی کرو تم کو چاہیئے کہ لے پالکوں کو انکے باپوں کی طرف نسبت کرکے پکارو یہی بات اللہ کے نزدیک پورا انصاف ہے منہ بولے کو بیٹا بنا لینا اور بیوی کو ماں بنا لینا صریح ظلم ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو کہ انکے باپوں کا کیا نام ہے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اس نسبت سے تم انہیں پکار سکتے ہو یعنی انکو بھائی اور دوست کہہ کر پکار سکتے ہو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور اگر تم اس حکم کے بعد بھی اپنی قدیم عادت کی بنا پر سہو اور خطا سے کسی کو اس کے فرضی باپ کی طرف نسبت کرکے پکارو تو تم پر اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو تم نے خطا سے کہہ دیا اور بلا اختیار سبقت لسانی

سے تمہاری زبان سے نکل گیا ولیکن گناہ اس چیز میں ہے کہ جس کا تمہارے دل قصد کریں یعنی اگر قصداً باپ کے سوا دوسرے کی جانب نسبت کرو گے تو تم پر گناہ ہوگا اور اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو معاف ہے اور اللہ تعالیٰ خطا کار کو بخشنے والا ہے اور مہربان ہے قصداً کہنے کے بعد جو توبہ اور استغفار کرلے اسے بھی معاف کر دیتا ہے ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رض کو اپنا متبنیٰ بنالیا تھا اس لیے لوگ اپنے دستور کے مطابق زید بن محمدؐ پکارنے لگے جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب زید بن حارثہؓ کہنے لگے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ زید بن حارثہؓ حقیقۃً آپؐ کے بیٹے نہیں اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ نبی کریم اگرچہ نسبی طور پر کسی مسلمان کے باپ نہیں لیکن روحانی طور پر سب کے باپ ہیں اور انکی جان سے زیادہ ان کے قریب ہیں اور نبی کی بیبیاں تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں اور نسبی ماؤں سے بڑھ کر واجب الاحترام ہیں اور نسبی باپ سے روحانی باپ کا درجہ بڑھا ہوا ہے نبی کی اور نبی کی ازواج مطہرات کی تعظیم اور احترام ماں باپ کی تعظیم سے زیادہ فرض ہے کیونکہ پیغمبر ہر کام میں اور ہر بات میں مسلمانوں پر انکی جان سے زیادہ قریب ہے نبی خدا کا نائب ہے لوگوں کا اپنی جان ومال میں اتنا تصرف نہیں چلتا جتنا کہ نبی کا چلتا ہے لوگ خود اپنے اتنے خیر خواہ نہیں جتنا کہ نبی ان کا خیر خواہ ہے انکے نفوس شر اور فساد کا حکم دیتے ہیں اور خیر اور صلاح سے روکتے ہیں اور نبی انکو ہر خیر کا حکم دیتا ہے اور ہر شر سے منع کرتا ہے جیسے مشفق باپ نادان بچے کے ساتھ معاملہ کرتا ہے بچہ خود اپنا خیر خواہ نہیں جتنا کہ باپ اس کا خیر خواہ ہوتا ہے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو آگ میں ڈال دے لیکن اگر نبی حکم دے تو آگ میں کودنا فرض ہے باپ جسمانی حیات کا سبب ہے اور نبی ایمانی اور روحانی حیات کا سبب ہے غرض یہ کہ گذشتہ آیت میں نسبی اُبُوّت کا مسئلہ بیان کیا اور اس آیت میں روحانی اُبُوّت کا مسئلہ بیان کیا اب آئندہ آیت میں ازواج مطہرات کا مسئلہ بیان کرتے ہیں جو گذشتہ مسئلہ کی فرع اور اس کا تتمہ ہے اور پیغمبر کی بیبیاں مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں ماؤں سے بڑھ کر انکی تعظیم فرض ہے اور یہ حکم باعتبار ادب اور احترام کے ہے پردہ اور میراث کے اعتبار سے نہیں ازواج مطہرات کی اُمُومت یعنی ان کی مائیں ہونا صرف ادب اور احترام اور حرمت نکاح کے اعتبار سے ہے باقی اور امور میں وہ بالکل اجنبی عورتوں کی مانند ہیں اور ابی بن کعبؓ اور ابن عباسؓ کی ایک قرآت میں اس طرح آیا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھَاتُھُمْ (تفسیر قرطبی ص ۱۲۳ ج ۱۴ و روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۲۱)

یعنی نبی کی عورتیں مسلمانوں کی مائیں ہیں اور نبی ان کے لیے باپ ہیں یعنی ان کے روحانی باپ ہیں اور ان کے مربی ہیں روحانی اعتبار سے نبی تمام مسلمانوں کا باپ ہے نبی نسبی باپ کی طرح نہیں کہ اس کے مال میں میراث جاری ہو سکے وہ روحانی اور ایمانی باپ ہے اور امت مسلمہ اسکی

روحانی اولاد ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے ایمانی بھائی ہیں اور جس طرح نبی تمام اہل ایمان کا روحانی باپ ہے اسی طرح نبی کی ازواج مطہرات تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں جو نسبی ماؤں سے بڑھ کر ہیں اور ان سے نکاح حرام ہے۔ جس طرح اپنی نسبی ماؤں سے نکاح حرام ہے اور ماں سے بڑھ کر ازواج مطہرات کا ادب اور احترام فرض ہے مقام حیرت و تعجب ہے کہ رافضی گروہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ کے حق میں زبان درازی کرتا ہے بلکہ حضرت خدیجہؓ کے سوا تمام ازواج مطہرات کی شان میں گستاخانہ الفاظ زبان سے نکالتا ہے اور اس طرح سے اللہ کے نبی کو اور تمام فرزندانِ اسلام کو ایذا پہنچاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہٗ نے ان آیات میں نبی کی جلالت شان اور اس کا واجب الاحترام ہونا بیان کیا اور بعدہٗ ازواج مطہرات کی کرامت وحرمت کو بیان کیا اب اسکے بعد اہل اسلام میں بحق قرابت حسب مرتبہ لحاظ رکھنے کا حکم دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ میراث کا دار و مدار قرابت پر ہے چونکہ ابتداء اسلام میں ہجرت اور دوستی اور بھائی چارہ کی وجہ سے میراث جاری ہوتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا اس بنا پر ایک دوسرے کا وارث ہوتا بعدہٗ جب مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان ہو گئے تب یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد قدرتی رشتہ داروں کو میراث وغیرہ میں بھائی چارہ سے مقدم کر دیا اور یہ حکم نازل ہوا کہ قرابت والے بحق قرابت حکم خداوندی میں میراث میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں بہ نسبت دوسرے مؤمنین اور مہاجرین کے جو قرابت نہ رکھتے ہوں "مؤمنین" سے انصار مراد ہیں، ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ کرا دیا تھا جس کی وجہ سے مہاجر اور انصاری مرنے کے بعد ایک دوسرے کی میراث پاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ حکم دے دیا کہ اب آئندہ سے میراث کا دار و مدار قدرتی رشتہ پر ہو گا نہ کہ اسلامی برادری پر مگر یہ کہ تم اپنی زندگی میں اپنے دوستوں کے ساتھ بطور وصیت کچھ سلوک اور احسان کرنا چاہو تو یہ جائز ہے اور تم کو اس کی اجازت ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنے رشتے داروں کے علاوہ کسی اور مسلمان مہاجر یا انصاری کے ساتھ سلوک کرنا چاہے اور اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے جس کی حد ثلث مال (تہائی مال) تک ہے جیسا کہ دوسری جگہ منصوص ہے یہ حکم لوح محفوظ میں یا قرآن میں لکھا جا چکا ہے کہ اب میراث کا دار و مدار قرابت اور رشتہ داری پر ہے اور اسی طرح ہمیشہ جاری رہے گا اور اب تک جو میراث کا حکم اسلام اور ہجرت اور مؤاخات کی بنا پر دیا گیا وہ ایک وقتی مصلحت اور ضرورت کی بنا پر تھا جو اب منسوخ ہو گیا صلہ رحمی اور سلوک اور احسان کا حکم اب بھی باقی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آتے تو مسلمان بھی اپنا گھر اور کنبہ جو کافر تھے سب کو چھوڑ کر مدینہ میں آ بسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں مؤاخات (برادری) کا رشتہ قائم کر دیا اور یہ منہ بولے بھائی ایک دوسرے کے وارث قرار دیئے گئے ایک عرصہ تک یہ دستور رہا کہ اس دینی اخوت کے دو بھائیوں (مہاجرین اور انصار) میں سے

اگر ایک کا انتقال ہو جاتا تو دوسرا بھائی اس کا وارث قرار پاتا اور عصبات کو کچھ نہ ملتا بعد میں مہاجرین کے خویش واقارب بھی مسلمان ہوکر مدینہ آگئے تو اس وقت ایمانی اخوت کے ساتھ قرابت نسبی بھی مل گئی تو اس وقت یہ آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ الخ نازل ہوئی اور حکم ہو گیا کہ اب میراث مسلمان اولوا الارحام کو یعنی ان خویش واقارب کو ملے گی جو مسلمان ہیں اور منہ بولے بھائیوں کو میراث نہیں ملے گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قرابت اور رشتہ داری توارث کا مدار قرار دی گئی اور توارث بالہجرۃ اور توارث بالمواخاۃ اور بالحلف سب منسوخ ہو گیا دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۲۴ ج ۱۴

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں یعنی صلۂ ارحام واجب است وتوارث بہجرت واسلام منسوخ شد بتوارث بقرابت وارحام انتہیٰ (فتح الرحمن)

ان آیات میں اول روحانی باپ کا حق بیان کیا پھر روحانی ماؤں کا حق بیان کیا پھر ایمانی بھائیوں کا حق اور حکم بیان کیا۔

نکتہ ازواج مطہرات کا امہات المؤمنین ہونا جسم ظاہری کے اعتبار سے نہیں اس لیے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ کل مؤمنین کی پیدائش انکے پیٹ سے نہیں ہوئی بلکہ روحانی اعتبار سے ہے اور روحانیت کا غلبہ صرف مؤمنین کاملین پر ہوتا ہے عام طور پر غلبہ جسمانیت ہی کا ہوتا ہے اسلئے کہ یہ دنیا عالم اجسام ہے اس حیات دنیاوی میں غلبہ جسم ظاہری اور محسوسات ہی کا ہے اور حقیقت روحانیہ نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہے اس لیے ازواج مطہرات ادب اور احترام میں اگرچہ جسمانی والدات سے کہیں بڑھ کر ہیں لیکن احکام ظاہری کے اعتبار سے مثلاً نظر اور خلوت کے لحاظ سے بمنزلہ اجنبیہ کے ہیں اس لیے کہ اندیشہ ہے کہ جسمانیت اور محسوسات کے آثار میں مبتلا ہو کر اپنے دین ودنیا کو نہ خراب کر بیٹھیں فافہم ذٰلک واستقم اس وجہ سے شیخ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یہ حکم تحریمی بالاجماع ازواج مطہرات کی لڑکیوں اور بہنوں کی طرف متعدی نہیں ہوتا حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے ہوا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ

اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا اقرار اور تجھ سے

وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ

اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے جو بیٹا

مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ

مریم کا اور لیا ہم نے اُن سے گاڑھا قرار تا پوچھے

الصّٰدِقِیْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا

اللہ سچوں سے اُن کا سچ اور رکھی ہے منکروں کو دکھ

اَلِیْمًا ۸ ع

کی مار

ع ۹ ۱ ۱۴

ذکر عہد انبیاء سابقین دربارۂ اتباع وحی تبلیغ دین

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ ... اِلیٰ ... وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا اَلِیْمًا ۔

گذشتہ آیات میں یہ ذکر فرمایا کہ ہم نے نبی کریم کو یہ حکم دیا کہ وحی خداوندی کا اتباع کرنا اور کافرین اور منافقین کے کہنے پر نہ چلنا آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ہم نے اسی قسم کا عہد انبیاء سابقین سے بھی لیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ لوگوں کے سامنے اس وقت کا ذکر کیجیے کہ جب ہم نے تمام پیغمبروں سے بوقت عطاء نبوت یا بوقت عہد الست عہد واثق لیا کہ تم ہماری وحی کا اتباع کرنا اور دعوت وتبلیغ میں ثابت قدم رہنا اور مخالفین کے طعن اور ایذاء کی پرواہ نہ کرنا اور کافروں اور منافقوں کے کہنے پر نہ چلنا اور نکاح وطلاق اور تبنّی اور میراث وغیرہ کے بارہ میں قومی رسموں کا خیال نہ کرنا بلکہ حکم خداوندی کی پیروی کرنا اور بعض آثار میں یہ آیا ہے کہ انبیاء سابقینؑ سے یہ عہد بھی لیا گیا کہ اپنی اپنی امتوں میں یہ اعلان کرنا کہ محمد رسول اللہؐ خدا کے آخری نبی ہیں انکے بعد کوئی نبی نہیں (روح المعانی ص ۱۲۹ ج ۲۱ وتفسیر قرطبی ص ۱۲۷ ج ۱۴) جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۔

اور بطور خاص ہم نے آپ سے اور نوحؑ سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے بھی یہی عہد لیا کہ اتباع وحی اور تبلیغ دین اور پیغام الٰہی کے پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد سب پیغمبروں سے لیا اور یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے ذکر کیے گئے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ اُولو العزم پیغمبر ہیں اور آیت میں سب سے مقدم آپؐ کا ذکر کیا اس لیے کہ آنحضرت

[1] اشارة الی ما قال ابن کثیر فهذا العهد والمیثاق اخذ علیهم بعد ارسالهم وقیل ان المراد بهذا المیثاق الذی اخذ منهم حین اخرجوا فی صورة الذر من صلب ادم علیه الصلوة والسلام الخ تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۹ ج ۳

صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور عالم شہادت میں آپ کا ظہور اگرچہ سب کے بعد ہوا لیکن درجہ اور مرتبہ میں آپ سب سے مقدم ہیں اور ہم نے ان پیغمبروں سے کوئی معمولی عہد نہیں لیا بلکہ نہایت محکم اور ایسا پختہ اور مضبوط عہد لیا کہ جس میں کسی قسم کا خلل نہ آوے اور یہ مضبوط عہد اس لیے لیا تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سچوں سے یعنی پیغمبروں سے اور اہل ایمان سے جو اپنے عہد اور میثاق میں سچے رہے ان کی راستی اور سچائی کے متعلق دریافت کرے تاکہ لوگوں پر ان کا صدق ظاہر ہو اور انکے نہ ماننے والوں اور نہ تصدیق کرنے والوں پر حجت قائم ہو اور کافروں سے اور انبیاء کی تکذیب کرنے والوں سے بھی سوال کرے گا تاکہ ان کا کذب ظاہر ہو جاتے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے سوال کرے گا کہ جب تم نے قوم کو ہمارا پیغام پہنچایا تو قوم کے لوگوں نے تمہیں کیا جواب دیا ہماری دعوت اور پیغام کو قبول کیا یا رد کیا بظاہر یہ سوال پیغمبروں سے ہوگا مگر اس سے مقصود قوم کی تصدیق و تکذیب کا حال ظاہر کرنا ہوگا اور ان لوگوں کی زجر و توبیخ مقصود ہوگی جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول نہیں کیا کما قال تعالیٰ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ اور يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ الاٰیۃ غرض یہ کہ اس عہد اور میثاق سے انبیاء پر دعوت اور تبلیغ فرض ہوئی تھی اور لوگوں پر ایمان اور تصدیق اور اطاعت فرض ہوگئی تھی پس جنہوں نے انبیاء کرام کی تصدیق کی اور ان کی صداقت پر ایمان لائے یہ صادقین کا گروہ ہے ان کے لیئے اللہ تعالیٰ نے نعیم مقیم تیار کی ہے اور جن لوگوں نے انبیا کی تکذیب کی اور انکی صداقت کے منکر ہوتے یہ کاذبین کا گروہ ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اس روز صادقین کو صدق کی جزاء اور کاذبین کو کذب کی سزا مل جائے گی۔

غرض یہ کہ روز ازل میں مؤمنین سے انبیاء کرامؑ کے اتباع کا عہد لیا اور انبیاء سے تبلیغ احکام کا عہد لیا اور علماء سے تبیین احکام کا عہد لیا (تفسیر عزیزی ص ۲۰۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اے ایمان والو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر

اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا

جب آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیجی اُن پر باؤ اور وہ فوجیں

۱؎ اشارہ اس طرف ہے کہ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ایک جملہ محذوفہ پر معطوف ہے یعنی فاثاب الصادقین پر معطوف ہے جو لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ سے مفہوم ہوتا ہے۔

لَمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ

جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھتا جب

جَاۗءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ

آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب ڈگنے لگیں

الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَـنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر

الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا

کئی کئی اٹکلیں وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور

شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

کا جھڑ جھڑانا اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں

مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ

روگ ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ اور اسکے رسول نے سب فریب تھا اور جب

قَالَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

کہنے لگے ایک لوگ ان میں اے یثرب والو! تم کو ٹھکانا نہیں

فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ

سو پھر چلو اور رخصت مانگنے لگے ایک لوگ اُن میں نبی سے کہنے لگے

اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ڐ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ڔ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ

ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے غرض اور نہیں

اِلَّا فِرَارًا ۝ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا

مگر بھاگنا اور اگر شہر میں کوئی بیٹھ آوے کناروں سے

ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا

پھر ان سے چاہے دین سے بچلنا تو لے لیں اور ڈھیل نہ کریں اس میں مگر

يَسِيْرًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا

تھوڑی اور اقرار کر چکے تھے اللہ سے آگے کہ نہ

يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ⑮ قُلْ

پھیریں گے پیٹھ اور اللہ کے اقرار کی پوچھ ہونی ہے تو کہہ

لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ

کام نہ آویگا تم کو بھاگنا اگر بھاگو گے مرنے سے یا

الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑯ قُلْ مَنْ

مارے جانے سے اور پھر بھی پھل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں تو کہہ کون ہے

ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا

کہ تم کو بچاوے اللہ سے اگر چاہے تم پر برائی

اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ

یا چاہے تم پر مہر اور نہ پاویں گے اللہ کے سوا

اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ⑰ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ

کوئی حمایتی نہ مددگار اللہ کو معلوم ہیں جو اٹکاتے

مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ

ہیں تم میں اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں

الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ⑱ۙ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ

نہیں آتے مگر کبھی ، دریغ رکھتے ہیں تمہاری طرف سے پھر جب آوے ڈر کا وقت

رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ تَدُوْرُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى

تو تو دیکھے تکتے ہیں تیری طرف ڈگراتی ہیں آنکھیں اُن کی جیسے کسی پر آوے بے ہوشی

عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ

موت کی پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ

بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولٰٓئِكَ لَمْ

بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈھکے پڑتے ہیں مال پر وہ لوگ یقین

يُؤْمِنُوْا فَأَحْبَطَ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى

نہیں لائے پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے انکے کیئے اور یہ ہے اللہ پر

اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَإِنْ

آسان جانتے ہیں فوجیں نہیں گئیں اور اگر

يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْأَعْرَابِ

آجاویں فوجیں تو آرزو کریں کسی طرح باہر گئے ہوں گاؤں میں

يَسْأَلُوْنَ عَنْ أَنْبَآئِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا

پوچھا کریں تمہاری خبریں اور اگر ہوویں تم میں، لڑائی نہ کریں

إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ

مگر تھوڑے تم کو بھلی تھی سیکھنی رسول کی چال جو کوئی

حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَ

اُمید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور

ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَأَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْأَحْزَابَ ۙ

یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا اور جب دیکھیں مسلمانوں نے فوجیں

قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ

بولے یہ وہی ہے جو وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اسکے رسول نے اور سچ کہا

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۲۲ؕ

اللہ نے اور اسکے رسول نے اور ان کو اور بڑھا یقین اور اطاعت کرنا

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا

ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس پر قول کیا

اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ

تھا اللہ سے پھر کوئی ہے ان میں کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے

مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۲۳ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ

ان میں راہ دیکھتا اور بدلا نہیں ایک ذرہ تا بدلہ دے اللہ

الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ

سچوں کو اُن کے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں کو اگر

شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

چاہے یا توبہ ڈالے انکے دل پر بیشک اللہ ہے بخشتا

رَّحِيْمًا ۲۴ ۚ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ

مہربان اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے

يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ

ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی اور آپ اُٹھالی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے

اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۲۵ ۚ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ

اللہ زور آور زبردست اور اتار دیا انکو جو انکے رفیق ہوئے تھے

مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ صَیَاصِیۡہِمۡ وَ قَذَفَ فِیۡ
کتاب والے انکی گڑھیوں سے اور ڈالی انکے دل ہیں

قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ فَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَ تَاۡسِرُوۡنَ فَرِیۡقًا ﴿۲۶﴾
دھاک، کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو بندی کیا

وَ اَوۡرَثَکُمۡ اَرۡضَہُمۡ وَ دِیَارَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ وَ اَرۡضًا
اور تمکو دلائی اُنکی زمین اور ان کے گھر اور اُن کے مال اور ایک

لَّمۡ تَطَـُٔوۡہَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ﴿۲۷﴾
زمین جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم، اور ہے اللہ سب چیز کر سکتا

ذکر قصہ غزوۂ احزاب و غزوۂ بنی قریظہ

قال اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ... الیٰ ... وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا

(ربط)[1] اس قصہ کے ذکر کرنے سے منافقین اور مخالفین کی ایذا رسانیوں اور دلخراش زبان درازیوں کا جواب دینا مقصود ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپؐ کس درجہ اللہ کے محبوب ہیں اور منصور اور مؤید من اللہ ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے رسول کی اس کے دشمنوں کے مقابلہ میں کس طرح مدد فرماتے ہیں اس غزوہ میں جو واقعات پیش آئے اس سے آپ کی نبوت و رسالت بھی ثابت ہوئی اور منافقین اور مخلصین کا امتیاز ظاہر ہوا منافقین جو کاذبین کا گروہ تھا ان کا کذب اور نفاق ظاہر ہوا اور آپؐ کے محبین صادقین کی صداقت اور استقامت ظاہر ہوئی اور خبیث اور طیب کی تمیز قرآن کریم کے اعظم مقاصد میں سے ہے۔

نیز اس غزوہ میں جو واقعات پیش آئے ان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا دور کوع تک یہی مضمون چلا گیا ہے جو قصہ ان آیات میں مذکور ہے وہ اللہ کی عجیب و غریب نعمتوں اور کرامتوں پر مشتمل ہے ان دونوں غزووں میں اللہ تعالیٰ نے غیبی طور پر آپؐ کو کامیابی عطا فرمائی جس سے آپ کی اور مسلمانوں کی پریشانی دور فرمائی اور احزاب کثیرہ جو مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے خدا تعالیٰ نے اپنے قہر سے بغیر قتال کے سب کو بھگا دیا اور گذشتہ سورت کے اخیر میں کافروں کا قول

---

[1] اس لفظ سے گذشتہ آیت لِیَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِیۡنَ عَنۡ صِدۡقِہِمۡ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

نقل کیا تھا وَيَقُولُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اس کا جواب ہو گیا اور اس فتح میں جن معجزات بدیعہ کا ظہور ہوا وہ کتب حدیث میں مفصل مذکور ہیں۔

اس غزوہ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال جب یہود بنی نضیر مدینہ سے نکالے گئے (جن کا ذکر سورۂ حشر میں آئے گا) تو یہ لوگ خیبر میں چلے گئے اور خیبر اس وقت یہود سے بھرا ہوا تھا اور وہاں ان کے بڑے قلعے اور باغات اور عمارتیں تھیں جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ سات ہجری میں فتح کیا ان لوگوں نے قبائل عرب میں پھر کر مشرکین کو مدینہ پر چڑھائی کے لیے آمادہ کیا تاکہ جب سب متحدہ قوت اور طاقت سے مدینہ پر حملہ کریں گے تو ضرور کامیاب ہوں گے اور مسلمانوں کا یکلخت خاتمہ ہو جاتے گا اور یہود مدینہ نے بھی باوجود آپؐ سے معاہدہ کے یہود بنی نضیر کا ساتھ دیا ان سب یہودیوں نے قریش کو اور دیگر قبائل عرب کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر اکسایا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یہاں تک کہ اس مدعی نبوت کا قضیہ پاک ہو جاتے چنانچہ بنی نضیر اور دیگر سرداران یہود کے بہکانے سے قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب بسرداری ابو سفیان بن حرب تقریبًا دس بارہ ہزار کی تعداد میں لشکر جرار لے کر اچانک مدینہ پر حملہ آور ہوتے اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا مسلمانوں نے جب اس کثیر تعداد فوج کو دیکھا تو پریشان ہوتے یہود بنی قریظہ جنکا ایک قلعہ مدینہ منورہ کے شرقی جانب میں تھا وہ پہلے سے آنحضرتؐ کے ساتھ معاہدہ کیتے ہوتے تھے بنو نضیر کی ترغیب و تحریص سے بنی قریظہ نے اپنے سابق معاہدہ کو بالاتے طاق رکھ دیا اور حملہ آوروں کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے منافقین اس حالت کو دیکھ کر طرح طرح کی بولیاں بولنے لگے اور کہنے لگے کہ نبیؐ جو یہ کہتے تھے کہ اللہ نے ان سے فتح اور نصرت کا وعدہ کیا تھا اور ہم کہتے تھے کہ فتح کا انتظار کرو کما قال تعالیٰ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ وہ جھوٹا ہوتا نظر آتا ہے اب مشرکین عرب مدینہ کو فتح کر کے ہم کو پامال کریں گے اور جو مخلص ایماندار تھے اور ایمان میں صادق اور سچے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ اللہ نے جو اپنے رسول سے وعدۂ نصرت کیا ہے وہ حق اور صدق ہے یہ ظاہری حالت من جانب اللہ آزمائش ہے تاکہ کھرا اور کھوٹا معلوم ہو جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے بالآخر سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے آپؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اس لیے یہ غزوہ غزوۂ خندق کہلایا سلمان فارسیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب ہم فارس میں محصور ہو جایا کرتے تھے تو اپنے گرداگرد خندق کھود لیا کرتے تھے تاکہ دشمن کے حملہ سے محفوظ ہو جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راتے کو پسند فرمایا

اور تمام مسلمانوں نے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شریک حال ہو کر خندق کھودی تقریبًا ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ رہا دشمنوں کا لشکر دونوں طرف سے مدینہ کو گھیرے ہوتے تھا دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی تھیں اور درمیان میں خندقیں حائل تھیں درمیان میں خندق حائل ہونے کی

وجہ سے کھل کر حملہ نہ ہو سکا اور باضابطہ قتل و قتال کی نوبت نہیں آئی دور سے تیر اندازی ہوتی رہتی تھی اور کبھی قریب سے بھی دو دو چار چار آدمیوں کا مقابلہ ہو جاتا تھا مسلمان سخت ابتلاء میں تھے کہ دشمن ہر طرف سے چھایا ہوا تھا بیس پچیس روز تک یہی کیفیت رہی اور بنی قریظہ جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد وپیمان تھا وہ آپؐ سے کنارہ کش ہو کر اپنے قلعہ میں محفوظ ہو گئے اور قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔

بالآخر حسب وعدۂ الٰہی غیبی مدد پہنچی اور خدا نے رات کے وقت ایسی شدت کی آندھی بھیجی کہ کافروں کے تمام ڈیرے اکھڑ گئے اور ریت اور سنگریزے اُڑ اُڑ کر کافروں کے منہ پر لگنے لگے اور انکے تمام چولہے بجھ گئے سواروں اور گھوڑوں کے بھی پیر اکھڑ گئے اور لشکر میں بھگدڑ پڑ گئی اور ہر طرف سے یہ آواز آنے لگی اٹھو اور چلو سردی اور ٹھنڈی اور تیز ہوا اور رات کی تاریکی کی وجہ سے ٹھہرنا مشکل ہو گیا اور بدحواس ہو کر کہنے لگے کہ واللہ محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے بالآخر ابوسفیان جس کے ہاتھ میں لشکر کی کمان تھی اس نے کوچ کا طبل بجا دیا جب صبح ہوئی تو وہی مدینہ جو شروع رات میں دشمنوں کے نرغہ میں تھا دشمنوں سے خالی ہو گیا اور جو بڑے دم خم اور دعووں سے آئے تھے سب بے نیل مرام واپس گئے اور ذلیل وخوار ہو کر کوچ کر گئے اور اس غیبی مدد سے مسلمانوں کی پریشانی دور ہوئی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تم جو کہتے تھے مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ صادقین کو اس طرح فتح دیتا ہے اور کاذبین کو ذلیل وخوار کر کے اس طرح بھگاتا ہے اس لیے تذکیر نعمت سے اس قصہ کا آغاز فرماتے ہیں اے ایمان والو! تم اس نازک وقت میں اپنے اوپر اللہ کا انعام یاد کرو کہ اس نے بغیر قتال ہی کے تم کو کافروں پر غلبہ دیا اور کافروں کو باوجود پورے ساز وسامان کے ذلت وخواری کے ساتھ میدان جنگ سے بھگایا اللہ تعالیٰ کا ایسا انعام ایسے ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوں اور اپنے وعدوں پر سچے ہوں اور منافقین کے کہنے پر نہ چلتے ہوں اور صرف اللہ سے ڈرتے ہوں اور اسی کے حکم پر چلتے ہوں جس وقت کہ دشمنوں کے لشکر اور انکی فوجیں تمہارے سر پر آپہنچیں قریش مکہ اور غطفان اور کنانہ اور بنو قریظہ اور بنو نضیر یہ تمام جماعتیں متفقہ طور پر تم پر آچڑھیں تو ہم نے دشمنان اسلام پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے انکے تمام خیمے اکھاڑ دیئے اور ان کے گھوڑے چھوٹ گئے اور آگیں بجھ گئیں اور مٹی انکے منہ پر آکر لگنے لگی اور کافروں کی فوجیں گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئیں اور وہ آندھی[1] باوجود اس زور اور شدت کے ان سے متجاوز نہیں ہوئی صرف کفار کے لشکر تک محدود رہی جیسا کہ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آندھی صرف کافروں پر بھیجی گئی تھی اور مسلمانوں پر نہیں بھیجی گئی تھی اور اہل اسلام کی مدد

---

[1] کما فی روایة حذیفة عند ابن کثیرؒ واذا الریح فی عسکرهم ما تجاوز عسکرهم شبرًا الخ تفسیر ابن کثیر ص ۴۷۲ ج ۳

کے لیے ہم نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جن کو تم نے نہیں دیکھا فرشتوں کے لشکروں نے اگرچہ جنگ بدر کی طرح کافروں سے قتال نہیں کیا مگر ان کے دل میں رعب ڈالتے تھے اور لشکر کے اطراف وجوانب میں باآواز بلند اللہ اکبر کہتے تھے دیکھو روح المعانی ص۱۳۹ ج ۲۱۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے لشکر میں یکلخت سراسیمگی پھیل گئی اور سراسیمگی اور پریشانی سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر قبیلہ کا سردار اپنے لوگوں سے کہنے لگا چلو چلو بھاگو بھاگو اور بعض بدحواس ہو کر یہ کہنے لگے کہ واللہ محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے اب تم یہاں نہیں ٹھہر سکتے لہٰذا کوچ کر جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والا تھا کہ آندھی سے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اپنے دوستوں اور وفاداروں یعنی صحابہ کرامؓ کو محفوظ رکھا لہٰذا اے مسلمانو! تم کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تازہ نعمت کا شکر کرو اور یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا کہ جب وہ احزاب یعنی کافروں کی مختلف جماعتیں ہر طرف سے تم پر چڑھ کر آئیں تمہارے اوپر کی جانب سے بھی اور تمہاری نیچی جانب سے بھی یعنی کوئی قبیلہ مدینہ منورہ کی اونچی جانب سے آیا اور کوئی نیچی جانب سے اور دونوں جانب سے تم کو محاصرہ میں لے لیا اور جب کہ انکی کثرت اور ہیبت دیکھ کر دہشت کے مارے نظریں خیرہ ہوگئیں اور خوف کے مارے دل حلقوم تک آگئے اور نکلنے کے قریب ہوگئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے اہل ایمان کا گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ لشکر اسلام کو ضرور فتح دے گا اور منافقوں کا گمان یہ تھا کہ اب اسلام اور مسلمان ختم ہوگئے ایسے ہی شدید وقت میں اہل ایمان کا امتحان کیا گیا تاکہ ثابت قدم اور متزلزل اور صادق اور منافق ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائے سو الحمد للہ مسلمان امتحان میں پورے اترے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہوگیا اور اس موقع پر اہل ایمان خوف اور دہشت کے ساتھ خوب ہلائے گئے اور جھڑ جھڑائے گئے مخلصین ثابت قدم رہے اور انکا صدق اور اخلاص ظاہر ہوا اور منافقوں کے اور کمزوروں کے قدم اکھڑ گئے اور اس شدت اور دہشت کو دیکھ کر منافقین اور جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اسکے رسول نے اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا مگر محض دھوکہ اور فریب کے طور پر یعنی یہ کہنا کہ اللہ نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے محض دھوکہ اور فریب ہے اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب اس واقعہ میں منافقین میں سے ایک گروہ نے دوسرے حاضرین معرکہ سے کہا اے اہل یثرب یعنی اے اہل مدینہ یہ تمہارے رہنے اور ٹھہرنے کی جگہ نہیں پس تم اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹ جاؤ یا اپنے سابق آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ یہ قول اوس بن قیظی کا تھا جس میں کچھ اور لوگ بھی اسکے ہمنوا تھے اور ان میں کا ایک فریق اللہ کے نبی سے گھر جانے کی اجازت مانگتا تھا یہ لوگ یہ کہتے تھے کہ ہمارے گھر بے پردہ اور غیر محفوظ ہیں حالانکہ ان کے گھر ان کے خیال میں بھی خالی اور غیر محفوظ نہ تھے ان کا ارادہ اور نیت محض لڑائی سے بھاگنے کی تھی اور ان کا اندرونی حال تو یہ ہے کہ اگر مدینہ میں لشکر کفار دفعۃً تمام اطراف اور جوانب سے داخل ہو جاتے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں محفوظ ہوں پھر ان سے فتنہ فساد یعنی مسلمانوں

سے لڑنے کی درخواست کی جاتے تو فوراً اس فتنہ اور فساد میں شرکت کو منظور کریں گے اور نہیں دیر کریں گے مگر بہت تھوڑی یعنی یہ سنتے ہی مسلمانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے تیار ہو جائیں گے اور دیر نہ کریں گے مگر صرف اتنی جتنی کہ سوال وجواب اور ہتھیار لگانے اور گھر سے نکلنے میں دیر لگتی ہے معلوم ہوا کہ ان کا دل اسلام اور مسلمانوں کی عداوت سے بھرا ہوا ہے یہ لوگ مسلمانوں کی فتح ونصرت ہرگز نہیں چاہتے اور البتہ تحقیق ان لوگوں نے اس واقعہ سے قبل جنگ اُحد میں اللہ سے پختہ اور مضبوط عہد کیا تھا کہ آیندہ ہم کافروں سے جہاد میں پشت نہیں پھیریں گے۔ بتلائیں کہ وہ عہد کہاں گیا اور اللہ کے عہد سے ضرور بازپرس ہوگی اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے موت کے ڈر سے ایسا کیا تو کہہ دیجیئے کہ اگر تم موت یا قتل سے بھاگنا چاہتے ہو تو یہ بھاگنا تم کو ہرگز نفع نہیں دے گا موت کا وقت مقرر ہے پھر اگر بھاگ کر موت یا قتل سے فی الحال بچ بھی گئے تو نہ فائدہ پہنچاتے جاؤ گے مگر تھوڑا زمانہ یعنی بقیہ عمر مقدار اس واسطے کہ آخر فنا ہے اور اگر ان کا گمان یہ ہے کہ انکے قلعے اور محلات انکے محافظ اور نگہبان ہیں تو اے نبی آپ ان سے کہہ دیجیئے کہ بتلاؤ کہ کون ہے جو تم کو اللہ کی گرفت سے بچاتے اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے یعنی وہ قادر مختار اگر تمہارے قتل کا یا شکست اور خواری کا ارادہ کرے تو کوئی قلعہ یا محل اسکو روک نہیں سکتا یا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کسی رحمت اور عنایت کا ارادہ فرما دے تو کون ہے جو اس کو روک دے اور سُن لیں کہ نہیں پائیں گے یہ لوگ اپنے لیئے اللہ کے سوا کوئی دوست جو انکو نفع پہنچاتے اور نہ کوئی یار و مددگار جو ان سے ضرر کو دفع کر سکے اثناء کلام میں مسئلہ قضا وقدر کو ذکر فرما دیا اب آیندہ آیات میں پھر منافقین کے وساوس اور بزدلی کو ذکر کرکے انکی تشنیع فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو دوسروں کو لڑائی میں جانے سے روکتے ہیں جو اپنے نسبی یا وطنی بھائیوں سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف نہ جاؤ بلکہ ہماری طرف آجاؤ سلامت رہو گے مسلمانوں کی طرف جاکر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور انکی بزدلی کا حال یہ ہے کہ نہیں آتے یہ منافق لڑائی میں مگر بہت تھوڑا کبھی کبھی دکھانے اور سنانے کے لیے آجاتے ہیں درآنحالیکہ یہ منافقین تمہاری جانی اور مالی مدد کرنے میں بڑے بخیل ہیں ان کے دل حرص اور طمع سے بھرے ہوتے ہیں کسی وقت اگر لڑائی میں شرکت کرتے ہیں تو اس طمع کی بنا پر شرکت کرتے ہیں کہ مال غنیمت کا ہم کو استحقاق — ہو جاتے پھر جب کبھی خوف کا موقع پیش آتے تو آپ انکو اس حالت میں دیکھیں گے کہ یہ لوگ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ انکی آنکھیں ان کے گڑھوں میں حیرت اور دہشت سے ایسی چکراتی ہیں جیسے وہ شخص کہ جس پر موت کی وجہ سے غشی طاری ہو گئی ہو تو اسکے ہوش وحواس جلتے رہتے ہیں اور اسکی نگاہ اوپر کو چڑھ جاتی ہے پھر وہ پلک نہیں مار سکتا اسی طرح لڑائی کے وقت نامردوں کا حال ہوتا ہے کہ خوف کی وجہ سے انکی آنکھیں اوپر کو چڑھ جاتی ہیں پھر جب وہ خوف چلا جاتا ہے اور ڈر کا وقت نکل جاتا ہے اور امن ہو جاتا ہے تو تیز

زبانوں سے تم پر زبان درازی کرتے ہیں درانحالیکہ مال غنیمت کے بارہ میں سخت حریص ہوتے ہیں یعنی فتح کے بعد اپنی بہادری جتلاتے ہیں اور چڑھ چڑھ کے باتیں کرتے ہیں کہ ہماری پشت پناہی سے تم کو فتح حاصل ہوئی لہٰذا مال غنیمت سے ہم کو بھی حصہ دو ان لوگوں کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں پس اللہ نے انکے اعمال کو ملیامیٹ کر دیا اور انکا جہاد اور ان کا کوئی عمل اللہ کے یہاں مقبول نہیں اور یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے جس کو چاہے توفیق دے اور جس کو چاہے محروم کرے ان آیات میں منافقین کی تیز زبانی کو بیان کیا اب آئندہ آیات میں مزید ان کی بزدلی اور نامردی کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ان کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ احزاب (کفار کی فوجیں) ناکام اور واپس جاچکی ہیں مگر یہ منافقین خوف اور دہشت کے مارے ابھی یہی گمان کیے ہوئے ہیں کہ وہ احزاب یعنی کافروں کی جماعتیں اور انکی فوجیں واپس نہیں گئیں اور اگر بالفرض کافروں کی یہ فوجیں دوبارہ چڑھ آئیں تو یہ منافقین خوف کے مارے یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم مدینہ میں نہ رہیں بلکہ جنگل میں جا کر بدویوں کی طرح صحرا نشین ہو جائیں اور وہاں بیٹھے بیٹھے تمہاری خبریں پوچھتے رہیں اور بغیر اس کے کہ لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھیں دور بیٹھے بیٹھے ہی آنے جانے والوں سے مسلمانوں کا اور لڑائی کا حال پوچھ لیا کریں کہ کیسا ہے اور وہاں کیا ماجرا گذرا ہے اور اگر اتفاق سے یہ لوگ دیہات میں نہ جائیں بلکہ تمہارے ہی درمیان یعنی مدینہ ہی میں رہیں اور دشمنوں سے مقابلہ ہو تو نہ قتال کریں مگر بہت تھوڑا سا یعنی برائے نام جس سے یہ کہہ سکیں کہ ہم نے بھی شرکت کی ۔

اب ان آیات میں منافقین کی بزدلی کو بیان کیا آگے بتلاتے ہیں کہ ہمت اور شجاعت رسول خدا کے اتباع سے حاصل ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول خدا کے اندر عمدہ نمونہ ہے کہ دیکھو رسول خدا ان سختیوں میں کیسے ثابت قدم رہے حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور خطرہ آپ ہی کو تھا مگر ان سختیوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہے اہل ایمان کو چاہیے کہ آپ کے نقش قدم پر چلیں پس رسول خدا ہی کی چال چلنی بہتر ہے اس شخص کے لیے کہ جو اللہ کے ثواب کی امید رکھتا ہو اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور اللہ کو بہت یاد رکھتا ہو یعنی اپنے خدا سے غافل نہ ہو تو ایسے شخص کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں حضور پرنور کی ذات بابرکات کی پیروی کرے اور شدائد اور مصائب میں صبر اور استقامت سے کام لے تو انشاء اللہ ضرور اسکو کامیابی ہوگی آخر دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام الٰہی کے پہنچانے میں مشرکین کی ایذاؤں پر کتنا صبر کیا اور پھر ہجرت کی خویش واقارب اور وطن سب کو چھوڑا اور پھر دشمنان خدا سے جہاد کیا اور طرح طرح کی ایذائیں برداشت کیں ۔

اب آگے ان منافقین کے مقابلہ میں مؤمنین مخلصین کے صدق اور اخلاص کا ذکر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کو یہ خبر دی تھی کہ احزاب یعنی کفار کے لشکر تم پر چڑھ کر آئیں گے جس سے تم پر کام سخت ہو جائے گا لیکن بالآخر تم ہی ان پر فتح پاؤ گے چنانچہ فرماتے ہیں اور جب مؤمنین مخلصین نے احزاب یعنی کفار کے لشکروں کو آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی شے ہے جس کا اللہ اور

اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور ان احزاب کے دیکھنے سے انکے ایمان اور تسلیم میں اور ترقی ہو گئی یعنی ان کا یقین بڑھ گیا اور فرمانبرداری اور جاں نثاری اور زیادہ ہو گئی اور کہنے لگے کہ یہ تو وہی بات ہے جس کی ہم کو اللہ اور اسکے رسول نے پہلے ہی سے خبر دے دی تھی آج ہم نے اس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا یہ حال دیکھ کر انکا ایمان استدلالی ایمان شہودی او عیانی بن گیا یہ تو عام مؤمنین مخلصین کا حال تھا اب آئندہ آیت میں بعض خاص الخاص مؤمنین صادقین کا حال ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں منجملہ ان مؤمنین مخلصین سے کچھ ایسے مردانِ خدا بھی ہیں کہ جنہوں نے سچ کر دکھایا اس بات کو جس کا انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا جیسے انس بن النضر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء جو اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوتے تھے تو ان کو اس کا بہت افسوس ہوا کہ میں پہلے غزوہ میں لڑائی سے غائب رہا اور کہنے لگے کہ اگر خدا تعالیٰ نے پھر کافروں سے جہاد کا موقعہ دیا تو خدا دیکھ لے گا کہ میں اسکی راہ میں کیا کرتا ہوں پھر ان معاہدین کی دو قسمیں ہو گئیں بعضے تو وہ ہیں کہ جو اپنی نذر کو پوری کر چکے اور خدا کی راہ میں ایسی جانبازی اور سرفروشی دکھلا کر شہید ہو گئے جیسے انس بن النضرؓ اور مصعب بن عمیرؓ اور حمزہؓ یہ لوگ تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے عہد کی وفا کی اور اپنی نذر سے فارغ ہوتے اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ جو وقت کے منتظر ہیں جیسے عثمانؓ اور طلحہؓ کہ ابھی شہید نہیں ہوتے مگر شہادت کے مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرہ برابر اپنا عہد بدلا نہیں اپنے عہد پر قائم ہیں اپنی بات سے پھرے نہیں ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہ توڑا اور نہ بدلا اہل صدق اور اہل وفا کا یہی حال ہوتا ہے بخلاف منافقین کے کہ وہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے جیسا کہ منافقین کے بیان میں گذر چکا ہے وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ۔

اب آئندہ آیت میں اس غزوہ کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوہ منجانب اللہ ابتلاء اور امتحان تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ محبین صادقین کو انکے صدق اور اخلاص کی جزاء دے اور منافقوں اور جھوٹوں کو عذاب دے اگر چاہے کہ وہ نفاق پر مریں یا ان کو توبہ کی توفیق دے اگر چاہے کہ انکی مغفرت کرے یہ سب لوگ اللہ کی زیر مشیت ہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے کہ جس کو چاہتا ہے توبہ کی توفیق عطا کر کے اسکی مغفرت کر دیتا ہے۔

اب آگے اس غزوہ کے انجام اور آخری حالت کو بیان کرتے ہیں اور اس لڑائی کا انجام یہ ہوا کہ بیس پچیس روز بعد ان تمام کافر جماعتوں کو جو مدینہ پر چڑھ کر آئے تھے اللہ تعالیٰ نے انکو انکے غیظ سمیت بے نیل مرام واپس کر دیا یعنی جس طرح غصہ میں بھرے ہوئے آئے تھے اسی طرح غصہ میں بھرے ہوئے ناکام واپس ہو گئے اور دل کی بھڑاس نہ نکال سکے اور کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکے اور اللہ تعالیٰ نے باد صبا اور فرشتوں کے ذریعہ اہل ایمان سے لڑائی کی کفایت فرمائی کہ بغیر لڑائی کے مسلمانوں کو فتح اور نصرت عطا کی اور بلا جنگ وجدال کے دشمنوں کو ان کے بلاد سے نکال باہر کیا اور اس آیت وَكَفَى اللّٰهُ

الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ میں اشارہ اس طرف ہے کہ اب مسلمانوں اور قریش کے درمیان لڑائی ختم ہوگئی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ احزاب کی واپسی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الآن نغزوھم ولا یغزوننا (بخاری) اب ہم مشرکین عرب پر چڑھ کر جائیں گے اور ان پر حملہ آور ہوں گے اب آیندہ ان میں اتنی طاقت اور ہمت نہیں رہی کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ان پر چڑھ کر گئے اور مکہ فتح کیا اور اس طرح کافروں کی جماعتوں کو ہٹا دیتے اور بھگا دینے کو عجیب نہ سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ زور آور اور زبردست ہے اسے یہ کام کوئی دشوار نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حول اور قوت سے انکو اس طرح خائب و خاسر پھیر دیا۔

ذکر غزوۂ بنی قریظہ

یہاں تک احزاب مشرکین کا حال بیان ہوا اب آیندہ آیات میں دشمنانِ اسلام کے دوسرے گروہ یعنی یہود بنی قریظہ کا حال بیان کرتے ہیں جس کا مختصر حال یہ ہے کہ یہود بنی قریظہ مدینہ کے قریب آباد تھے اور ان کا ایک مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیے ہوئے تھے جنگ احزاب کے موقعہ پر جب مشرکین عرب کے مختلف قبائل مدینہ پر چڑھ کر آتے تو یہود بنی قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی اور احزاب کی معاونت کی اور انکے ساتھ مل گئے جب اللہ تعالیٰ نے بادِ صبا اور فرشتوں سے اہل اسلام کی مدد کی اور احزاب کفار سراسیمہ ہو کر بھاگ گئے تو یہود بنی قریظہ جو احزاب کی مدد کر رہے تھے وہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے ان کے بارہ میں اللہ کا حکم نازل ہوا کہ احزاب کے چلے جانے کے بعد ان کا محاصرہ کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریلؑ تشریف لے آئے اور ان کے چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ نے ہتھیار اتار دیئے اور فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے اللہ کا حکم ہے کہ آپؐ بنی قریظہ پر حملہ کریں اور مجھ کو یہ حکم ہے کہ میں جا کر انکو متزلزل کروں اور انکے دلوں میں رعب ڈالوں حضور پُرنور کی طرف سے فوراً منادی ہوگئی اسلامی لشکر نے پہنچ کر ان بدعہدوں کے قلعہ کا محاصرہ کیا جو بیس یا پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا جب محاصرہ کی تاب نہ لا سکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کیئے آخر میں بات یہ ٹھہری کہ سعد بن معاذؓ (جو جاہلیت میں انکے حلیف تھے) ہمارے حق میں جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے سعد بن معاذؓ نے کہا کہ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں اور زن و فرزند کنیز و غلام بنائے جائیں اور انکے اموال اور جائیداد کے مسلمان مالک بنا دیئے جائیں اور کہا کہ وقت آگیا ہے کہ میں اللہ کے حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کروں یہاں تک احزاب کفار کا حال اور مآل بیان کیا جو بالذات مدینہ پر حملہ آور ہوئے اس کے بعد بنی قریظہ

کا حال بیان کرتے ہیں کہ جو حملہ آوروں کے معین اور مددگار بنے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جن اہل کتاب نے احزاب کی مدد کی اور انکی پشت پناہ بنے اور مسلمانوں سے جو عہد کیا تھا اسکو توڑا پچیس دن کے محاصرہ کے بعد اللہ تعالے نے انکو انکے قلعوں سے نیچے اتارا اور ان کے دلوں میں پیغمبر خدا اور لشکر اسلام کا خوف ڈال دیا باوجودیکہ انکے لڑنے والے جوان آٹھ سو اور نو سو کے درمیان ہر طرح سے مسلح تھے مگر سعد بن معاذؓ کے فیصلہ کے بعد جب انکی مشکیں باندھی گئیں اور انکی گردن زدنی کے لیے کھائیاں اور گڑھے کھودے گئے تو اللہ نے انکے دلوں میں ایسا رعب بھر دیا کہ سرکشی کی مجال نہ ہوئی حالانکہ یہ مسلح جماعت ایک بڑا لشکر تھا لیکن رعب کی وجہ سے اپنے آپ کو اہل ایمان کے سپرد کرتے تھے پس اے مسلمانو! اللہ نے انکے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ تم ان میں سے ایک فریق کو قتل کرتے تھے اور ایک فریق کو قید کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان غداروں کی زمین کا اور انکے مالوں کا وارث بنا دیا جس طرح چاہو ان میں تصرف کرو چنانچہ ان میں کے سات سو جوان قتل کیے گئے اور بچے اور عورتیں قید کر کے غلام بنا لیے گئے اور ان کے کھیت اور باغات اور زمینیں اور قلعے سب مسلمانوں پر تقسیم کر دیئے گئے جس سے مسلمان آسودہ حال ہو گئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں تم کو ایسی زمین کا وارث بنا رکھا ہے جس کو تمہارے قدموں نے ابھی نہیں روندا ہے اس سے آئندہ فتوحات کی طرف اشارہ ہے کہ سرزمین قریظہ کے بعد اور زمینیں بھی فتح ہوں گی بعض سلف کے نزدیک اس دوسری زمین سے خیبر کی زمین مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ فارس اور روم کی زمین مراد ہے اور امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سب زمینیں مراد ہوں جو آئندہ چل کر فتح ہوئیں اور یہ قول بہت خوب ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو صدق اور اخلاص کے صلہ میں روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ دوسری جگہ صراحۃً اس کا ذکر ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ مفصل تفسیر سورۂ نور میں گذر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ وہ اپنے بے سروسامان محبین باوفا کو اپنے دشمنوں کی زمین کا وارث بنا دے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو، اگر تم ہو چاہتیاں

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ

دنیا کا جینا اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ دوں تمکو اور

أُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۲۸﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

رخصت کردوں بھلی طرح سے اور اگر تم ہو چاہتیاں

اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ

اللہ کو، اور اسکے رسول کو اور پچھلے گھر کو تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے

لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ

انکو جو تم میں نیکی پر ہیں نیگ بڑا اے نبی کی عورتو!

مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا

جو کوئی کر لاوے تم میں کام بے حیائی کا صریح دونی ہو اس کو

الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى

مار دوہری اور ہے یہ

اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۳۰﴾

اللہ پر آسان

خطاب نصیحت مآب دربارۂ مطالبۂ ازواج مطہرات

اززینت دنیا ایں ھم نوع از ایذار بود

قال اللّٰہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ ... الٰی .... وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا

(ربط) گذشتہ آیات میں ایذار رسولؐ کی ممانعت اور مذمت کا ذکر تھا اور منافقوں کی ایذاؤں اور مطاعن کا ذکر اور جواب تھا اب آئندہ آیات میں ازواج مطہرات کی طرف سے جو ایک غیر اختیاری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قسم کی ایذار اور تکلیف پہنچی اس کا ذکر فرماتے ہیں جو اس سورت کے اعظم مقاصد میں سے ہے اور وہ تکلیف یہ تھی کہ ازواج مطہرات نے کچھ مزید نان و نفقہ کا مطالبہ کیا سو یہ مطالبہ بھی ایک قسم کی ایذار تھا اگرچہ ارادہ ایذار کا نہ تھا مگر بہرحال یہ مطالبہ آپؐ کی ناخوشی اور ناگواری کا باعث بنا اور

یہ مطالبہ اگرچہ حقیقۃً ایذاء نہ تھا مگر بظاہر من وجہ ایذاء کے مشابہ تھا ماخوذ از تفسیر قرطبی[1] ص ۱۶۲ ج ۱۴

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوۂ بنی قریظہ و بنی النضیر کے بعد جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہوگئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اس لیے ازواج مطہرات نے اس بارہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور بمقتضائے محبت و ناز مزید نان و نفقہ اور زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاع دنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات ناگوار گذری ازواج مطہرات نے جو سامان دنیا کا تقاضا کیا اگرچہ وہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا لیکن وہ بمقتضائے بشریت تھا اور ان کا دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز تھا اور ذرہ برابر اس میں آپ کی ایذاء کا تصور بھی نہ تھا اور جس دنیاوی زینت کا مطالبہ کیا تھا وہ قدر ضرورت اور راحت تھی معاذ اللہ امیرانہ عیش و عشرت نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ناگوار گذرا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں فروکش ہوگئے صحابہؓ سخت مضطرب تھے خاص کر ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا اور انکو نصیحت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض معروض کی اور اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ کا انقباض رفع ہوا اور آپ قدرے منشرح اور منبسط ہوتے دیکھو تفسیر قرطبی[2] ص ۱۶۲ ج ۱۴، ص ۱۶۳ ج ۱۴ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۲۱۔

---

[1] قال الامام القرطبی قال علماءنا هذه الآية متصلة بمعنى ما تقدم من المنع من ايذاء النبى صلى الله عليه وسلم وكان قد تاذى ببعض الزوجات قيل سألنه شيئا من عرض الدنيا وقيل زيادة فى النفقة وقيل آذينه بغيرة بعضهن على بعض تفسير قرطبی ص ۱۶۲ ج ۱۴ ۔

[2] قال الامام القرطبیؒ عن جابر بن عبد الله قال دخل ابوبكر يستاذن على رسول الله صلى الله عليه وسلم فوجد الناس جلوسا ببابه لم يؤذن لاحد منهم قال فاذن لابى بكر فدخل ثم جاء عمر فاستاذن فاذن له فوجد النبى صلى الله عليه وسلم جالسا حوله نساءه واجما ساكتا قال والله لاقولن شيئا اضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله لو رايت بنت خارجة سألتنى النفقة فقمت اليها فوجأت عنقها فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال هن حولى كما ترى يسألننى النفقة فقام ابوبكر الى عائشة يجأ عنقها وقام عمر الى حفصة يجأ عنقها كلاهما يقول تسألن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ليس عنده فقلن والله لا نسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا ابدا ليس عنده ثم اعتزلهن شهرا او تسعا وعشرين ثم نزلت عليه هذه الآية يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ حتى بلغ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۶۳ ج ۱۴ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۳)

وقال الآلوسی اخرجه احمد ومسلم والنسائی وابن مردويه عن طريق ابى الزبير عن جابر

باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر

اسی حال میں ایک ماہ گذرا ایک ماہ کے بعد یہ آیت یعنی يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے لے کر فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ؕ نازل ہوئی جو آیت تخییر کے نام سے موسوم اور معروف ہے اسی آیت میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کر لیں اگر دنیا کی زیب و زینت مرغوب ہے تو آپ صاف طور پر کہہ دیجئے کہ میرا تمہارے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا آؤ میں تم کو کپڑا جوڑا دے کر (جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے) خوب صورتی سے رخصت کر دوں اور اگر تم کو دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کی معیت اور فقر و فاقہ کی زندگی محبوب ہے تو ایسی صورت میں تم رسول کے ساتھ رہ سکتی ہو اور تم میں سے جو اس کے لیے تیار ہو اس کے لیے اللہ کے یہاں بڑا اجر عظیم تیار ہے۔

مقصود یہ تھا کہ جو عورتیں نبی کی زوجیت میں ہیں ان کا دل دنیاوی زینت کی طرف توجہ اور التفات سے پاک ہو جائے نبی کا جوڑا وہی عورت ہو سکتی ہے جس کا دل دنیائے فانی کی محبت اور رغبت سے پاک ہو دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے اس لیے نبی کے گھر کے مناسب نہیں کہ جس کے دل میں دنیا کی محبت کا کوئی جزء لا یتجزٰی بھی موجود ہو وہ نبی کے ساتھ رہے دنیا کی زینت سے محبت اللہ اور اس کے رسول سے بُعد کا سبب ہے۔

سورت کے ابتدائی تین رکوع میں منافقین کی ایذاؤں کا ذکر تھا اور ان آیات میں محبین مخلصین کی طرف سے غیر اختیاری اور غیر شعوری پیش آمدہ ایذاء اور تکلیف کا ذکر ہے کہ ازواج مطہرات نے جو زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اگرچہ وہ حد ضرورت اور حد جواز میں تھا لیکن نبی اطہرؐ کے خاطر عاطر کے تکدر کا سبب بنا اس لیے ازواج مطہرات کی فہمائش کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ نبی کی بیبیوں کے لیے دنیائے حلال کا تصور بھی حلال نہیں دار آخرت کے تصوّر کو آب طہور اور آب زلال جانیں اور زینتِ دنیا کے تصور اور خیال سے آب زلال کو مکدر نہ کریں ان آیات کے نازل کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ازواج مطہرات کا دل زینتِ دنیا کی محبت سے بالکلیہ پاک اور مطہر ہو جائے اور فقر و فاقہ کی محبت سے انکا دل معطر ہو جائے۔

جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائیں انہوں نے بلا کسی تردّد اور تامّل کے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا جس سے آپؐ کا ملال جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آگئی اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی کہا اور سب نے دنیا کی رغبت کا تصور ہی دل سے نکال ڈالا۔

نکتہ دنیا اور آخرت یہ دو سوکنیں ہیں اور ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک سوکن اگر راضی ہوتی

باقی حاشیہ از صفحہ گذشتہ

قال اقبل ابوبکر رضی اللہ عنہ والناس ببابہ جلوس فلم یؤذن لہ ثم اذن لابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما الی آخرہ روح المعانی ص۱۶۳ ج۲۱۔

ہے تو دوسری سوکن ناراض ہو جاتی ہے ایک دل میں دونوں کی محبت اور رغبت جمع نہیں ہو سکتی مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ ۔ اور ایمان جب ہی کامل ہوتا ہے کہ جب دل دنیا کی محبت سے بالکلیہ پاک ہو جائے اور آخرت کی محبت سے لبریز ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ جن عورتوں کو امہات المؤمنین کا لقب عظیم عطا کیا جا رہا ہے انکے دل زینتِ دنیا کی محبت اور رغبت سے بالکل پاک اور صاف ہونے چاہئیں تاکہ وہ علی وجہ الکمال والتمام مؤمنین کاملین کی امہات اور نبی اطہر کی ازواج مطہرات کہلا سکیں ۔

ف ظاہر یہ ہے کہ یہ قصہ فتح خیبر کے بعد پیش آیا غالباً جس کی وجہ یہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کو ایک قسم کی مالی وسعت حاصل ہو گئی چنانچہ حضرت صفیہؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں جو فتح خیبر میں آپؐ کو حاصل ہوئی تھیں اور اس کے بعد آیت اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا میں فتح خیبر کی طرف اشارہ غایت درجہ لطف اور حسن رکھتا ہے ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیاوی زندگی یعنی دنیا کا عیش و آرام اور اسکی آرائش چاہتی ہو جیسے لباس فاخرہ اور زیورات جو اللہ کے نبی کے پاس نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے اپنے نبی کو دنیائے فانی کی زینت سے دور رکھا ہے ایسی حالت میں تمہارا اللہ کے نبی کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا تو آؤ میں تم کو کپڑوں کا جوڑا دے دوں جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے اور حسن اسلوب کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں پھر جہاں چاہو جا کر دنیا حاصل کر سکو میں تم کو ترک دنیا کے صبر پر مجبور نہیں کرتا اور اگر تم اللہ کا قرب اور اس کی رضامندی اور دنیا اور آخرت میں اسکے رسول کی معیت اور زوجیت اور دار آخرت کی نعمت اور کرامت چاہو تو یہ جب ہی ممکن ہے کہ رسول خدا کے ساتھ ترک دنیا پر صبر کرو زبان پر کوئی حرف شکوہ اور مطالبہ کا نہ آنے پائے پس تحقیق اللہ تعالیٰ تم میں سے نیک کام کرنے والی عورتوں کے لیے اجر عظیم مہیا فرماتا ہے اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ آخرت میں بھی حضور پر نورؐ کی معیت اور مرافقت کی عزت و کرامت حاصل ہو گی نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کو اللہ کا حکم سنایا انہوں نے سنتے ہی اللہ اور اسکے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا اور ان کے بعد تمام ازواج نے ایسا ہی کیا اور دل سے دنیا کا خیال ہی نکال دیا اور ہمیشہ کیلئے فقر و فاقہ کو اپنا شعار بنا لیا اور اسی حالت میں آپؐ کی زوجیت میں رہنا قبول کیا اور اس اختیار کے بعد ازواج مطہرات سب ہی محسنات ہیں جیسا کہ حسب ارشاد باری اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ تمام ازواج مطہرات طیبات ہیں مگر اللہ تعالیٰ صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تاکہ نڈر نہ ہو جائیں اور خاتمہ سے ڈرتے رہیں پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج نبی کو محسنہ رہنے کی ترغیب دی تاکہ طاعت الٰہی میں بتمام و کمال کوشاں رہیں جیسا کہ آیت میں انکو معصیت سے خوف دلایا ہے تاکہ معصیت سے اجتناب میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں ۔

فائدہ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے جو اجر عظیم کا ارادہ کر رکھا ہے اس کا ظہور اور وقوع تمہارے ارادہ اور نیت پر موقوف ہے کہ اگر تم دل سے اللہ اور اسکے رسول کی محبت کا ارادہ اور نیت کر لو اور بجائے دنیا کے آخرت کو اپنا مطلوب بنا لو تو ہم نے تمہارے لیے بڑی بڑی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔

خطاب تکریم وتشریف بہ ضمن تنبیہ وتخویف

قال اللہ تعالیٰ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا

(ربط) گذشتہ آیات میں حضور پرنور کے واسطے سے ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا گیا کہ نبی کی بیبیوں کیلئے مناسب نہیں کہ وہ زینت دنیا کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں اور جو عورتیں اللہ اور اسکے رسول اور دار آخرت کو اختیار کریں ان کیلئے اجر عظیم اور درجات عالیہ اور مراتب فائقہ کا وعدہ فرمایا اب آئندہ آیات میں حق جل شانہ خود ازواج مطہرات سے خطاب فرماتے ہیں اور آئندہ معصیت پر تنبیہ اور تخویف فرماتے ہیں کہ جس قدر مراتب بلند ہوتے ہیں اسی قدر خطر بھی عظیم ہوتا ہے جیسا کہ مکہ معظمہ میں نیکی کا اجر زیادہ ہے اسی قدر بدی کا گناہ بھی زیادہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کی بزرگی ظاہر کرنے کے لیے اور تمام جہان کی عورتوں پر انکی فضیلت اور خصوصیت ظاہر کرنے کیلئے یہ آیتیں انکی کرامت میں نازل فرمائیں اور براہ راست انکو مخاطب بنایا اور فرمایا اے نبی کی عورتو! تمہارا مقام جہان کی سب عورتوں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ تم ایسے نبی کی عورتیں ہو جو تمام اولین اور آخرین سے افضل اور اکمل ہے لہٰذا تم میں سے بالفرض اگر کوئی عورت معصیت ظاہرہ اور کھلی بے حیائی کو عمل میں لاوے گی جو رسول کی ایذاء کا خاص طور پر باعث بنے تو اس عورت کو بہ نسبت دوسری عورتوں کے دوچند اور دوہرا عذاب دیا جائے گا کیونکہ نبی کی بیبیوں سے گناہ کا سرزد ہونا بہت ہی بُرا ہے اور دوہرا گناہ ہے ایک خدا کا گناہ دوسرے نبی کی دل آزاری اور حق صحبت میں کوتاہی۔

فائدہ "فاحشۃ مبینۃ" کے معنی صریح بدکاری کے ہیں صریح کی قید اس لیے لگائی کہ بعض کام بظاہر برے ہوتے ہیں مگر انکی برائی صریح اور ظاہر نہیں ہوتی تو انکے ارتکاب پر یہ سزا نہ ہوگی۔ صریح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں انکی برائی مذکور نہ ہو اور نہ صریح عقل سے انکا بُرا ہونا ثابت ہو اور یہ دوہری سزا دینا اللہ پر بہت آسان ہے تمہاری عزت وکرامت اور نسبت زوجیت اور نساء نبی ہونا اللہ کو سزا دینے سے روک نہیں سکتی بلکہ یہ شرافت اور کرامت مزید سزا کا سبب ہے

[1] دیکھو صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۷۶ ج ۳۔

جیسے عالم بوجہ علم کے معصیت پر دوہری سزا کا مستحق ہے۔

فائدۂ اولیٰ ازواج مطہرات کو یہ خطاب بطور شرط ہے جس کیلئے وقوع ضروری نہیں اور شرط کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر تم سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو جو سزا اوروں کو ملتی تم کو اس سے دوگنی سزا ملے گی جس سے مقصود محض تخویف اور تنبیہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آیا ہے۔ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ یعنی اگر بالفرض والتقدیر آپؐ سے شرک سرزد ہو جائے تو آپؐ کے اعمال حبط کر لیے جائیں گے اگرچہ پیغمبر خدا سے شرک کا سرزد ہونا محال ہے مقصود دوسروں کو سنانا ہے تاکہ شرک کی قباحت اور شناعت ان پر ظاہر ہو جائے۔

فائدۂ دوم ان تمام آیات سے ازواج مطہرات کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوگی اور یہ عورتیں محسنات اور مخلصات ہیں اور امہات المؤمنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

فائدۂ سوم ازواج مطہرات باجماع صحابہ و تابعین دنیا اور آخرت میں آپؐ کی زوجہ مطہرہ ہیں خصوصاً حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہم نے صحابہ و تابعین کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ دنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں لہٰذا کسی اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کا زوجہ رسول ہونا فقط دنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو طلاق دیدی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

الحمد للہ آج بتاریخ ۸ شوال المکرم ۱۳۹۲ھ یوم چہار شنبہ ظہر اور عصر کے درمیان اکیسویں پارہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی وللہ الحمد اولاً و آخراً۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا

اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور کرے کام نیک

نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

دیں ہم اس کو اس کا نیگ دوبار، اور رکھی ہے ہم نے اس واسطے روزی عزت کی۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ

اے نبی کی عورتو! تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں، اگر تم ڈر رکھو،

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ

سو تم دب کر نہ کہو بات پھر لالچ کرے کوئی جس کے دل میں روگ ہے

وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ

اور کہو بات معقول - اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور

لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ

دکھاتی نہ پھرو، جیسا دکھانا دستور تھا پہلے وقت نادانی کے اور کھڑی رکھو نماز،

وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا

اور دیتی رہو زکوٰۃ اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اللہ

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں۔ اس گھر والو،

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ

اور ستھرا کرے تم کو ایک ستھرائی سے۔ اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں

بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی، مقرر اللہ

كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٤﴾

ہے بھید جانتا خبردار۔

فضائل وخصائص ازواجِ مطہرات

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ؀

(ربط) گزشتہ آیات میں اگرچہ ازواج مطہرات کی تنبیہ اور تادیب کا ذکر تھا لیکن وہ تنبیہ وتادیب بھی ان کے شرف اور امتیاز کو متضمن تھی اس لیے کہ فاحشہ کے ارتکاب پر دوہرے عذاب کی دھمکی بھی ان کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے تھی اور اسی شرف کی وجہ سے خطاب صراحۃً خود ازواج مطہرات کو تھا۔ اب آئندہ آیات میں بھی صراحۃً ازواج مطہرات کو خطاب کرکے ان کے مزید شرف اور امتیاز کو بیان کرتے ہیں تاکہ پہلے سے زیادہ اتقیاء اور پرہیزگاری اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور زہد اور قناعت پر اور دنیا سے بیزاری بلکہ دست برداری اور دار آخرت کے اختیار اور اس کی تیاری پر خوب مستحکم ہو جائیں۔ اور ان کے دل دنیا کی حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک اور صاف ہو جائیں اور ان خداداد فضائل وخصائص پر حق تعالیٰ کا شکر بھی کریں۔ اور فخر بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی تمام عورتوں پر شرف اور فضیلت بخشی اور ان سے دوہرے اجر کا وعدہ فرمایا۔ اور ان کی تطہیر اور تزکیہ کا ارادہ فرمایا۔

(نیز) گزشتہ آیات میں جو تخییر کا مضمون تھا ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا کہ آپؐ اپنی بیبیوں سے یہ کہہ دیں کہ تم کو اختیار ہے کہ دنیا کو اختیار کرو یا آخرت کو۔ اب ان آیات میں حق تعالیٰ کی طرف سے خود ازواج مطہرات کو خطاب ہے جو ان کے شرف اور کرامت کی واضح دلیل ہے کہ ازواج مطہرات نے فقر وفاقہ کیساتھ خدا کے رسولؐ کی زوجیت کو اختیار کیا اور دار آخرت کو دار دنیا کے مقابلہ میں ترجیح دی اس لیے حق جل شانہٗ آئندہ آیات میں ازواج مطہرات کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم نبی کی بیبیاں ہو اور امہات المؤمنین ہو لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبودیت اور تقویٰ اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں تم کو سب سے آگے ہونا چاہیے اور زمانہ جاہلیت کی بُری عادتوں سے تم کو انتہائی دور رہنا چاہیے تم طیبات اور مطہرات ہو۔ تمہارے گھروں میں اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور ملائکہ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ تمہارے گھرانے قدسیوں کی بازگشت ہیں۔ طبقۂ نسواں میں تم سے زیادہ بزرگ کوئی طبقہ نہیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ اپنے گھروں سے قدم باہر نہ نکالو۔ مبادا شیاطین الانس والجن کا کوئی تیر نظر تمہارے لباس تقویٰ وطہارت کو نہ آلگے اور گھر سے باہر نکل کر کسی گندگی اور پلیدی کا کوئی چھینٹا تم کو نہ لگ جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کی عورتو! تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اور خشوع وخضوع کے ساتھ ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری میں لگی رہے اور نیک کام کرتی رہے تو ہم اس کو اس کے نیک کاموں کا دوہرا اجر دیں گے ایک

اجر طاعت اور عمل صالح پر اور ایک اجر رسولؐ کی تطییب خاطر پر اور اس کے علاوہ ہم نے اس کے لیے جنت میں عزت کی روزی بطور ذخیرہ تیار کر رکھی ہے ازواج مطہرات چونکہ دنیا میں رزق دنیوی سے دستبردار ہوئیں اور دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت کو اختیار کیا اس لیے اللہ تعالےٰ نے ان کے لیے آخرت میں رزق کریم کا وعدہ فرمایا جو ان کے لیے بطور ذخیرہ وہاں محفوظ ہے۔ اے نبی کی بیبیو! تم اور عورتوں جیسی نہیں تمہاری شان تمام عورتوں سے ممتاز ہے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے تم کو سید المرسلینؐ کی زوجیت کے لیے منتخب فرمایا۔ دنیا اور آخرت میں تم اس رسول کی ازواج مطہرات ہو اور تم کو امہات المؤمنین بنایا۔ دنیا کی کوئی عورت اس فضیلت اور منزلت میں تمہاری شریک اور سہیم نہیں مگر اس فضیلت کے لیے شرط یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرتی رہو۔ بارگاہ خداوندی میں فضیلت وکرامت کا دارومدار تقویٰ پر ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ محض اللہ کے نبی کی زوجیت اور اس سے اتصال ضروری نہیں جب تک تقویٰ اور پرہیزگاری اسکے ساتھ مقرون نہ ہو۔

ع زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

فائدہ یہ کلام تعلیقی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ ازواج مطہرات متقی نہ تھیں تعلیقی کلام وقوع اور عدم وقوع پر دلالت نہیں کرتا اس شرط سے فقط یہ بتلانا مقصود ہے کہ رسول خدا سے فقط علاقۂ زوجیت اور محض اتصال ظاہری فضیلت اور شرف کے لیے کافی نہیں جب تک کہ ورع اور تقویٰ اس کے ساتھ مقرون نہ ہو اور واقعات اور حالات سے اور کتاب وسنت کی شہادات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ الحمد للہ ازواج مطہرات از اوّل تا آخر تمام زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم رہیں حضور پر نورؐ کی حیات میں بھی اور آپؐ کی وفات کے بعد بھی اور اسی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا۔ ازواج مطہرات دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپؐ کی زوجہ ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر کوئی خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ بتاسکے جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جو ان آیات میں مذکور ہے۔

اب آئندہ آیات میں ازواج مطہرات کو کچھ آداب کی تلقین فرماتے ہیں جو ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری میں معین اور مددگار بلکہ اس کے محافظ اور نگہبان ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس اے پیغمبر کی عورتو! اگر تم اپنے خداداد تقویٰ اور طہارت کی حفاظت چاہتی ہو تو نامحرم مردوں سے بات کرنے میں نرمی نہ کرنا۔ مبادا وہ شخص جس کے دل میں نفسانیت کی کوئی بیماری یا روگ ہے وہ تمہاری نرم اور نازک گفتگو سے تمہارے اندر کو طمع لگا بیٹھے۔ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نزاکت رکھی ہے پس کسی عورت کا کسی غیر مرد سے نرم گفتگو کرنا مقدمہ زنا کا ہے جو تقویٰ اور طہارت اور عفت اور عصمت کے لیے نقصان دہ اور مضرت رساں ہے جس کے دل میں شہوت کی بیماری ہوتی ہے وہ نرم اور نازک گفتگو سے عورت میں طمع کرنے لگتا ہے جس سے فساد عظیم کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے پس اے نبی کی عورتو! تم اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اس بارہ میں بہت زیادہ احتیاط برتو اور اس طرح بات نہ کرو کہ جس سے کوئی نفس پرست تمہارے اندر طمع کرنے لگے۔ اور اگر کسی ضرورت کی بنا پر کسی سے بات کرنی پڑے تو سیدھی بات کرو یعنی ایسے انداز اور

ایسے لب و لہجہ میں بات کرو جس میں قدرے سختی اور درشتی اور روکھاپن ہو تاکہ بات سننے والا تمہارے اندر کوئی طمع نہ لگا سکے اور یہ بداخلاقی نہیں بلکہ اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت ہے۔ بداخلاقی وہ ہے جو دوسرے کی دل آزاری اور ایذاء کا سبب بنے اور عصمت و ناموس کی حفاظت کا بہترین طریقہ ہے کہ اپنے گھروں میں قرار پکڑو۔ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نکلنا اور وہ بھی بلا پردہ اور بلا نقاب کے شریعت میں قطعاً ممنوع ہے بلا پردہ اور بلا نقاب عورت کا گھر سے باہر قدم نکالنا شہوانی اور نفسانی لوگوں کی سوئی ہوئی طمع کو جگاتا ہے شریعت مطہرہ یہ چاہتی ہے کہ بدمعاشوں کی ناپاک نظروں سے عورت کے چہرہ کی حفاظت کی جائے اس لیے عورتوں کو حکم دیا کہ وہ بلا ضرورت شدیدہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور اسی مصلحت کی بنا پر دوسرے مواقع میں بھی عورتوں کے لیے یہی حکم دیا گیا۔ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ یعنی عورتوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دو تاکہ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا۔ یعنی جو عورتیں بیحیائی کی مرتکب ہوں تو ان کو گھروں میں روک کر رکھو۔ کیونکہ جب عورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو شہوت پرستوں کے دل اس کے طمع میں پڑ جاتے ہیں۔ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ اور موجودہ قانون بھی یہی ہے کہ جو چیزیں قانوناً ممنوع اور جرم ہیں ان کے وسائل و ذرائع بھی قانوناً ممنوع اور جرم ہیں کیونکہ وہ جرم میں معین ہیں جیسے کسی کو ڈرانا اور دھمکانا اور کوٹھڑی میں بند کرنا اور کسی قاتل کو تلوار اور پستول لا کر دینا اسی طرح قانون شریعت میں زنا کے ذرائع اور وسائل بھی ممنوع اور حرام ہیں مثلاً نامحرم کو دیکھنا اور اس سے باتیں کرنا یا اس کی باتیں سننا۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ غرض یہ کہ عورتوں کا اپنے گھروں میں قرار پکڑنا بدباطنوں کی طمع سے حفاظت کا پورا سامان ہے اسی لیے اب اس حکم کی تاکید کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق تم اپنی زیب و زینت دکھاتی نہ پھرو۔ زمانہ جاہلیت کی عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں اور اپنے حسن و جمال اور زیب و زینت اور آرائش و زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ شریعت مقدسہ نے اس بیحیائی کو تمام عورتوں کے لیے عموماً اور ازواج مطہرات کے لیے خصوصاً خاص طور پر حرام اور ممنوع قرار دیا کیونکہ عورتوں کا اظہار تجمل بلاشبہ اہل شہوت کی طمع کا سبب ہے اور ازواج مطہرات کے حق میں مزید ایذاء پیغمبر کا بھی سبب ہے۔

جاننا چاہیے کہ ان آیات کا نزول اگرچہ ازواج مطہرات کے بارہ میں ہوا مگر حکم عام ہے ان آیات کا تمام سیاق و سباق ازواج مطہرات کی فضیلت کے بیان میں ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ ازواج مطہرات کی شان اور عورتوں جیسی نہیں وہ نبی کی بیبیاں ہیں اور امہات المؤمنین ہیں وہ اگر اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کریں تو ان کو دوہرا اجر ہے اور اگر معصیت کریں تو دوہرا عذاب ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اطاعت خدا و رسول اور تقویٰ اور اعمال صالحہ کی بجا آوری صرف ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہے اسی

طرح سمجھو کہ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ۔ اور وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّةِ الْاُوْلٰی میں اگرچہ خطاب ازواجِ مطہرات کو ہے لیکن قرار فی البیوت کا حکم اور تبرجِ جاہلیت کی ممانعت ازواجِ مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام مؤمنات کے لیے ہے اور بلا ضرورت گھروں سے باہر نکلنا اور اپنی زینت اور حسن وجمال کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا اور کھلے منہ باہر پھرنا اور غیروں سے کلام کرنا بلاشبہ ہر مسلمان عورت پر حرام ہے اس میں ازواجِ مطہرات کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ ہر ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ ایسا خروج جس میں زینت کا اظہار ہو اور غیر مردوں سے فقط کلام ہی نہ ہو بلکہ ہنسی اور دل لگی بھی ہو بلاشبہ موجب فتنہ ہے اور زنا کا مقدمہ ہے جس میں کسی عقل کے اندھے کو بھی شبہ نہیں اس فتنہ کا انسداد بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ عورتیں اپنے گھروں ہی میں رہیں اور بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکلیں اور اگر شدید ضرورت کی بناء پر باہر نکلیں تو بغیر زینت کے اپنے تمام بدن کو ڈھک کر اور میلے کچیلے کپڑوں میں نکلیں اور سڑک کے کنارے کنارے مردوں سے الگ تھلگ ہو کر چلیں۔ عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی یہ تمام قیود احادیث سے ثابت ہیں۔

یہاں تک جو احکام بیان کیے گئے وہ عفت اور عصمت کے متعلق تھے جن سے بیحیائی کی روک تھام اور زنا ظاہری اور باطنی کی بندش مقصود تھی کیونکہ نفس کی طمع یہ باطنی زنا ہے اب آئندہ آیات میں دوسرے احکام عام کی ہدایت فرماتے ہیں اور اے نبی کی بیبیو! تم نماز کو ٹھیک قائم رکھو اور اس کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو جس درجہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گی اسی درجہ کی تم کو طہارت حاصل ہو گی جس کا آئندہ آیت میں ذکر آتا ہے۔ اے نبی کے گھر والو! جان لو کہ بس اللہ ان احکام اور ہدایت سے یہی چاہتا ہے کہ ظاہری اور باطنی گندگی کو تم سے خاص طور پر دور کر دے تاکہ تمہارا لباس تقویٰ میلا اور خراب نہ ہو اور تم کو خوب پاک اور ستھرا کر دے کہ معصیت کے میل وکچیل کا نام ونشان بھی نہ رہے اور یہ تطہیر تم کو جب حاصل ہو گی جب تم ہمارے ان احکام اور ہدایات پر عمل کرو گی۔ اس آیت میں اذہاب رجس سے اور تطہیر سے تزکیۂ باطن مراد ہے جو ولایت کا اعلیٰ ترین مقام ہے عصمت کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ عصمت سوائے انبیاء کرام ؑ کے کسی کو حاصل نہیں۔

پس جس طرح ان آیات میں اگرچہ خطاب ازواج مطہرات کو ہے مگر اقامۃ صلاۃ اور ایتاء زکوٰۃ اور اطاعت رسول کا حکم ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عامۂ مؤمنات ومسلمات پر یہ تینوں حکم فرض اور لازم ہیں اسی طرح قرار فی البیوت اور ترک تبرج کا حکم بھی ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مؤمنات ومسلمات اس حکم کی مکلف اور پابند ہیں چونکہ حق جل شانہٗ کا ارادہ یہ ہے کہ نبی کے گھرانہ کو فواحش اور منکرات سے بالکلیہ پاک کر دے اس لیے ان آیات میں خاص طور پر ازواج مطہرات کو خطاب فرمایا کہ تمہاری شان عام مؤمنات جیسی نہیں اس لیے تم کو اطاعت خدا ورسول اور تقویٰ وطہارت میں سب سے آگے ہونا چاہیئے تاکہ تمہارے لباس تقویٰ وطہارت پر اور تمہاری چادر عصمت ونزاہت پر کسی فاحشہ کا میل کچیل اور گرد وغبار بھی نہ لگنے پائے تم دنیا کی عورتوں کے لیے مثال اور نمونہ ہو لہٰذا تم سب کو کامل اور اکمل ہونا چاہیئے۔ پھر دیکھو کہ اسی سورت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی بیبیوں کو اور نبیؐ کی بیٹیوں کو اور تمام مسلمان عورتوں کو منہ ڈھکنے کا حکم دیا ہے۔

پس اسی طرح سمجھو کہ قرار فی البیوت فقط ازواج مطہرات ہی پر فرض نہیں بلکہ تمام مومنات اور مسلمات پر فرض ہے اور تبرج جاہلیت تمام مسلمان عورتوں کے حق میں حرام ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں جس قدر بھی احکام مذکور ہیں وہ ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام عورتوں کے لیے عام ہیں البتہ ازواج مطہرات کے حق میں ان کی خصوصیت کی وجہ سے سب سے زیادہ موکد اور مہتم بالشان ہیں جیسے عالم دین پر بہ نسبت جاہل کے احکام شریعت کی پابندی زیادہ لازم ہے۔ اسی طرح ان احکام کی پابندی ازواج مطہرات کے لیے تمام عورتوں سے زیادہ لازم اور موکد ہے۔ اس لیے کہ وہ اہل بیتِ نبی ہیں اور امہات المؤمنین ہیں اس لیے ان کا فریضہ اور ذمہ داری تمام عورتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ یہ احکام ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جب علت عام ہے تو لامحالہ حکم بھی عام ہوگا کیا کوئی ادنیٰ عقل والا اس کے کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آیت مذکور میں تبرج جاہلیت تک بے حیائی کی روک تھام کے لیے جو تین حکم دیئے گئے ہیں وہ صرف ازواج مطہرات کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان دلدادگان مغربیت کے لیے اور ان کی بیگمات کے لیے ہر بیحیائی جائز ہے اور نماز اور زکوٰۃ اور اطاعت خدا و رسول اور تقویٰ اور اعمال صالحہ میں سے کوئی چیز ان پر فرض نہیں اس لیے کہ ان آیات میں تمام خطابات صرف ازواج مطہرات کو ہیں۔

غرض یہ کہ جو احکامات ان آیات میں مذکور ہیں وہ کسی کے ساتھ مخصوص نہیں سب مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔ البتہ ازواج مطہرات کے لیے ان کے تقدس اور طہارت اور علو مرتبت کی وجہ سے ان احکام کی پابندی سب سے زیادہ ان پر ضروری ہے اور لازم ہے پس ثابت ہوگیا کہ قرار فی البیوت تمام مسلمان عورتوں پر فرض اور لازم ہے اور بلا ضرورت منہ کھولے گھر سے باہر نکلنا بلا شبہ موجب معصیت اور محل فتنہ و فساد ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان یعنی عورت سراپا ستر ہے جس کا مستور رکھنا واجب ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے سر اٹھا کر دیکھتا ہے اور اس کی تاک میں لگ جاتا ہے پھر کراتا جو کراتا ہے یہی وجہ ہے کہ جن ممالک میں پردہ نہیں اور مرد و زن کے اختلاط میں وہاں کوئی رکاوٹ نہیں وہاں زنا کا بازار گرم ہے اور نصف سے زیادہ آبادی غیر ثابت النسب ہے اور انہی اولاد الزنا کی اکثریت اور جمہوریت ہے۔ جہاں زنا کو آزادی حاصل ہے۔ اور نکاح پر پابندی ہے۔

پس ہماری اس تقریر سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ جو شرفاءِ ہند میں پردہ رائج ہے وہ بلا شبہ پردۂ شرعی ہے جو قرآن اور حدیث سے قطعی طور پر ثابت ہے معاذ اللہ پردۂ مروجہ کوئی قومی رسم نہیں۔

جیسا کہ آزاد منشوں کا خیال ہے یہ لوگ جو پردہ کے مخالف ہیں. زنا کے مخالف نہیں گویا کہ پردہ تو ان کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے۔ اور زنا ان کے نزدیک جائز اور حلال ہے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اوسا ے نبی کے گھر والو! چونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر تمہاری تطہیر اور تنویر کا ارادہ کیا ہے تو اس طہارت کی تحصیل اور تکمیل کا طریقہ یہ ہے کہ تم یاد کیا کرو اللہ کی آیتوں کو اور حکمت کی باتوں کو جو دن رات تمہارے گھروں اور حجروں میں پڑھی جاتی ہیں جو فلاح دارین کا ذریعہ ہیں ان کو فراموش نہ کرنا اور ان پر عمل سے غفلت نہ برتنا اور شکر کرو کہ تمہارے حجرے اور تمہارے گھر آیاتِ الٰہیہ اور حکمت نبویہ کے انوار سے منور اور روشن ہیں یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ تمہارے گھرانوں میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اور یہ چیز تمہارے باطن کی تطہیر اور تنویر میں اور ازالہ رجس یعنی باطنی گندگی کے دور کرنے میں غایت درجہ معین اور مددگار ہے بلکہ تریاق اور اکسیر ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اہلبیت نبوت کو طہارت کا ملہ عطا کرے اس لیے ان کو زینتِ دنیا اور آرائش دنیا کی رغبت اور میلان سے پاک کر دیا کیونکہ زینت دنیا کی رغبت یہ بھی ایک قسم کا رجس اور ایک نوع کی نجاست ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے اس کا لطف اور اس کی عنایت تمہارے ساتھ ہے اور وہ بڑا خبردار ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ نبی کا گھرانہ ہر قسم کی گندگی اور پلیدی سے پاک ہو جائے۔

لطائف و معارف

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی ۝

جاننا چاہیے کہ جس طرح عورتوں کے دیکھنے اور ان کی طرف آنکھ اٹھانے سے مردوں کے دل میں ان کا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح عورتوں کے مردوں کو دیکھنے سے ان کے دل میں مرد کا عشق اور فریفتگی پیدا ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ دیکھنا ہی ناجائز تعلق اور ناجائز طریقہ سے قضاء شہوات کا ذریعہ بن جاتا ہے اور بالفاظ دیگر نگاہ زنا کا دروازہ ہے اور تمام انبیاء کرام کی شریعتیں اور تمام حکماء کی حکمتیں اور تمام اہل غیرت کی غیور طبیعتیں زنا کے ناجائز اور قبیح اور شنیع ہونے پر متفق ہیں پس حکمت اور غیرت اس امر کی مقتضی ہے کہ زنا کا دروازہ بند کیا جائے۔ شریعت مطہرہ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ اس دروازہ کو ایسا بند کیا کہ کوئی سوراخ ایسا باقی نہ چھوڑا جس سے زنا کا جھانکنا ہی ممکن ہو سکے۔ شریعت مطہرہ نے اس ناپاک اور گندہ اور پلید فتنہ کی بندش کے لیے احکام صادر کیے۔

۱۔ ایک حکم تو یہ دیا ہے کہ عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں جیسا کہ آیت وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ خاص اسی بارہ میں نازل ہوئی کہ عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑیں حتیٰ کہ نماز بھی اپنے گھر ہی

ہیں پڑھیں عورت کا گھر میں نماز پڑھنا بہ نسبت مسجد کے زیادہ فضیلت رکھتا ہے پھر یہ کہ اگر عورت کسی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر گھر سے باہر نکلے تو برقعہ یا چادر میں بدن چھپا کر نکلے۔

۲۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے جیسا کہ سورۂ نور کے ایک رکوع میں تفصیل کے ساتھ یہ احکام گذرے ہیں سورۂ نور کی اس آیت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ۔ میں مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا اور اس کے بعد والی آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لیے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محلِ فتنہ یہ چہرہ ہی ہے۔ جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

۳۔ تیسرا حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اپنی زینت ظاہرہ یعنی چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ اپنے تمام بدن کو ہر وقت مستور اور پوشیدہ رکھے کیونکہ چہرہ اور ہاتھوں کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا عادۃً ناممکن ہے گھر کے کام کاج بغیر منہ کھولے اور ہاتھ چلائے ممکن نہیں اور پھر اسی کے متصل دوسری آیت یعنی وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اِلیٰ اٰخرہٖ میں اس کی تصریح کر دی کہ عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں۔ عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سربازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھلاتی پھرے حسن و جمال کا تمام دارومدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے زنا کا دروازہ بند کرنے کے لیے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں فتنہ کے خوف سے بھی محرم سے پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لیے زنا سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

(۴) چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو پردہ کے پیچھے سے اس سے بات کر سکتی ہے نامحرم کے روبرو آنا ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ اسی سورت میں چند رکوع بعد یہ حکم آیا ہے۔ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ۔

(۵) پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ

اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپٹ کر نکلے۔ کما قال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ باریک برقعہ یا باریک چادر میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں اور شریعت نے عورت کو گھر سے باہر جانے کی اجازت کے لیے دوسری شرط یہ لگائی کہ عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط یہ لگائی کہ شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا حق ہے اور نہ اجازت۔ یہ طبرانی کی ایک حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے

(۶) چھٹا حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی مرد کسی کے گھر میں نہ جھانکے اور کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو۔

(۷) ساتواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اجنبی جوان عورت کو سلام کرنا بھی ناجائز ہے۔ اور اس سے معانقہ کرنا تو سلام کرنے سے بھی بڑھ کر حرام ہے۔

(۸) آٹھواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت کے گھر میں بغیر شوہر کے اور بغیر محرم کے رات نہ گزارے۔

(۹) نواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ شوہر کی عدم موجودگی میں کسی کے گھر میں جا کر عورت سے بات نہ کرو

(۱۰) دسواں حکم شریعت نے یہ دیا۔

عن الحسن مرسلا قال بلغنی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیہ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)	حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی (عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے) دیکھنے والے (اور دیکھنے والی) پر اور جس کی طرف دیکھا گیا (خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو)

غرض یہ کہ شریعت مطہرہ نے جو پردہ کا حکم دیا ہے وہ عورت کے لیے قید و بند نہیں بلکہ ناپاک نظروں اور گندی نگاہوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے کہ عورت کا چہرہ بدکاروں کی ناپاک نظروں سے محفوظ رہے پردہ عورت کی عفت اور عصمت اور آبرو کا محافظ اور نگہبان ہے جس سے اس کی پاکدامنی اور آبرو پر حرف نہیں آسکتا پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچہ کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ پردہ والی عورت کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے شوہر یقین کرتا ہے کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور بے پردہ والی عورت کا شوہر یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مولود میرا ہی بچہ ہے اور میرا ہی بیٹا ہے اور اس بے پردگی کی وجہ سے یورپ کے

اکثر باشندے کسی کو یقینی طور پر اپنا بیٹا نہیں کہہ سکتے انگلستان کی ایک شریف عورت نے بصد حسرت وندامت اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ "المنار" میں شائع ہوا جس میں یہ تھا کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت اور عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامن عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم اور حیاء نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سرزمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقویٰ کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آرہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے۔ (انگلستان کی عورت کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)۔

نیز جس طرح زنا تمام انبیاءؑ اور تمام علماء اور تمام عقلاً کے نزدیک ایک نہایت شنیع اور قبیح خصلت ہے اسی طرح دیوثیت بھی ایک نہایت شرمناک خصلت ہے۔ اور زنا سے بڑھ کر قبیح ہے پس مخالفین پردہ کے نزدیک جب ان کی بیوی اور بیٹی کا دوسروں کے ساتھ پھرنا جائز ہوگیا تو گویا ان کے نزدیک دیوثیت بھی جائز ہوگئی کہ باوجود اس علم اور خبر کے ان کی رگ حمیت جوش میں نہیں آتی جس میں ذرا بھی حیاء اور غیرت کا مادہ ہے وہ اس بیحیائی اور بے غیرتی کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی یا بیٹی کسی کے ساتھ تعلقات قائم کرے۔ ور بے حجابانہ اس سے خلط ملط رکھے۔

نیز ان بیحیائیوں اور بے غیرتیوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے اسلام نے پردہ کا حکم دیا ہے اور بے پردگیوں کی خرابیوں پر آگاہ کر دیا اور بتلا دیا کہ عورت کے پردہ میں رہنے میں یہ یہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور گھر سے باہر نکلنے میں یہ خرابیاں اور برائیاں ہیں اور اگر بالفرض ان دلدادگان مغربیت اور اسیران شہوت و نفسانیت کے خیال کے مطابق یہ مان لیا جائے کہ بے حجابی میں کچھ فوائد اور منافع ہیں تو شراب اور قمار اور سود میں بھی ضرور فوائد اور منافع ہیں لیکن ان کی مضرتیں اور خرابیاں ان کے چند وہمی اور خیالی فوائد اور منافع سے کہیں بڑھ کر ہیں اور اگر شہوت اور نفسانیت سے ہٹ کر ذرا بھی عقل سے کام لیا جائے تو سمجھ میں آجائے کہ پردہ میں کس قدر فوائد اور منافع ہیں اور بے پردگی میں کس قدر مضرتیں اور خرابیاں ہیں۔

خلاصہ (۱) یہ کہ بے پردگی سے بے غیرتی اور بے حسی پیدا ہوتی ہے۔ (۲) زنا کا دروازہ کھلتا ہے۔ (۳) اولاد حرام ہوتی ہے۔ (۴) حسب اور نسب ضائع ہو جاتا ہے۔ (۵) شوہر کو اپنی بیوی پر اطمینان نہیں رہتا تو دل سے کیسے محبت رہے۔ (۶) بے پردہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے شوہر کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو عورت بے پردہ پھرتی ہو اور غیروں سے میل جول رکھتی ہو۔ اس کی اولاد پر کیسے یقین ہو سکتا ہے۔ (۷) اور جب اس بچہ کا اس کی اولاد ہونا یقینی نہ رہا تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس بچہ کا وارث ہونا بھی یقینی نہ رہا۔ حلال اولاد میراث کی مستحق ہوتی ہے،

حرام کا بچہ میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔ (۸) بے پردہ عورت شوہر کی راحت اور سکون اور اطمینان کا باعث نہیں رہتی۔ شوہر جب گھر آتا ہے تو بیوی کو غائب پاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ نہ معلوم کہاں ہوگی۔ (۹) بے پردہ عورت نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔ (۱۰) بے پردہ عورت اولاد کی تربیت اور نگرانی بھی نہیں کر سکتی۔ (۱۱) بے پردگی باہمی خصومت اور نزاع کا سبب ہے جو بدچلنی کا لازمی نتیجہ ہے۔ (۱۲) بے پردگی اپنی آوارگی اور آزادی کی پردہ پوشی کے لیے عورت کو جھوٹ اور مکر اور فریب پر آمادہ کرتی ہے۔ گھر سے باہر جانے کے عجیب عجیب بہانے بناتی ہے۔ (۱۳) جس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد بھی وہی کرے گی جو ماں کو کرتے دیکھے گی۔ (۱۴) جس قدر بے پردگی بڑھتی جائے گی اسی قدر بے حیائی اور بے غیرتی بڑھتی جائے گی۔ جس کا لازمی نتیجہ نحوست ہے اور خاندان اور محلہ میں بدنامی اور بے عزتی ہے۔ (۱۵) حتیٰ کہ اس گھرانہ سے حیاء اور شرم اور عفت اور عصمت اور غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

مخالفین پردہ کے خیالات جن کو وہ اپنے دلائل کہتے ہیں

۱۔ مرد اور عورت کی فطرت یکساں ہے لہٰذا عورتوں کو وہی پورے حقوق ملنے چاہئیں جو مردوں کو حاصل ہیں

۲۔ پردہ عورت کے لیے قید ہے۔ ۳۔ پردہ عورت کی صحت کے لیے مضر ہے۔

۴۔ پردہ عورت کی ترقی میں مزاحم ہے عورت پردہ کی وجہ سے علمی اور دنیوی ترقی نہیں کر سکتی۔ حالانکہ حدیث میں ہے۔ طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔

ان متمدنین کے نزدیک اس حدیث میں جس علم کی طلب کو فرض کیا گیا ہے اس سے وہ انگریزی علم مراد ہے جو کالج اور سکول میں پڑھایا جاتا ہے اور مسلم اور مسلمہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط کالج مراد ہے خوب سمجھ لو کہ اسلام نے دین کے علم کی طلب کو فرض قرار دیا ہے۔ اور

"علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است"

پہلی بات کا جواب مرد اور عورت کی فطرت ہرگز یکساں نہیں قوائے عقلیہ اور قوائے علمیہ اور قوائے جسمانیہ کے اعتبار سے مرد اور عورت میں زمین و آسمان کا فرق ہے فوجی بھرتی کے لیے مرد لیے جاتے ہیں عورت نہیں لی جاتی آج تک دنیا میں کسی بادشاہ نے عورتوں کی فوج بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لیے نہیں بھیجی جو متمدن عورتیں مرد اور عورت کی فطرت کو یکساں بتلاتی ہیں ان کو چاہئے کہ اول تمام اپوا کی ممبر عورتوں کی ایک فوج بنائیں اور کسی سرحد پر جا کر دشمن کی فوج کا مقابلہ کرائیں۔ ابھی دعوائے مساوات کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا۔

دوسری بات کا جواب پردہ عورتوں کے لیے قید نہیں بلکہ ان کی عصمت اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے اور ناپاک اور گندی نظروں سے حفاظت

کا ذریعہ ہے۔

تیسری بات کا جواب پردہ عورتوں کی صحت کے لیے مضر نہیں بلکہ عورتوں کی فطرت کے مناسب ہی پردہ ہے عورتوں کے قویٰ کمزور ہیں وہ مردوں کی طرح محنت اور مشقت برداشت نہیں کرسکتیں۔ سڑکیں نہیں کوٹ سکتیں، خندقیں نہیں کھود سکتیں جنگ اور جنگی مشقیں نہیں کر سکتیں بوجھ اٹھانے کی بھی عادی نہیں شریعت مطہرہ نے ان کی فطری کمزوری اور نزاکت کی رعایت سے ان کے لیے پردہ تجویز کیا ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ پردہ عورتوں کی جسمانی صحت کے لیے مضر ہے تو بے پردگی ان کی روحانی اور اخلاقی صحت کے لیے ہزار درجہ بڑھ کر مضر ہے بے پردگی ان کو طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کردیتی ہے اور حیاء و شرم کا لباس ان سے اتار کر پھینک دیتی ہے۔

چوتھی بات کا جواب ہر جنس کی ترقی اس کی فطرت کے مناسب ہوتی ہے عورت کی ترقی اسی میں ہے کہ وہ عفیف اور پاکدامن اور نیک سیرت اور باحیاء اور باغیرت ہو اور بقدر ضرورت دین سے باخبر ہو اور خانہ داری کا سلیقہ رکھتی ہو اور شوہر کی تابعدار اور خدمت گذار ہو۔ اور صحیح طریقہ سے اس کی اولاد کی تربیت اور پرورش کرے اور ایام حمل اور ایام ولادت میں عورت کو آرام اور سکون کی شدید ضرورت ہوتی ہے جو سوائے گھر کے کہیں میسر نہیں آسکتا اور جو عورت بے پردہ ہوگی وہ نہ شوہر کی خدمت کرسکتی ہے اور نہ اولاد کی تربیت کرسکتی ہے بے پردہ عورت بجائے شوہر کے اپنے آشناؤں کی تفریح کا سامان ہے شوہر اور اس کی اولاد اس کی محبت اور موانست اور معیت اور مرافقت سے محروم ہے بے پردگی سے کوئی دنیاوی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اخلاقی تنزل اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا آج کل متمدن اقوام کا حال یہ ہے کہ چپہ چپہ پر ناچ گھر قائم ہوگئے ہیں جن میں نوجوان مرد اور عورتیں جمع ہوکر اپنی نفسانی خواہش پوری کرتے ہیں اور ایک شخص کسی اجنبی عورت سے چمٹ جاتا ہے اور اس کا شوہر دیّوث بھی وہاں موجود ہوتا ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کو غیرت نہیں آتی مغربی ممالک میں دن بدن حرام زادوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اب یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں لب سڑک لوگوں کو زنا کرتے دیکھا جاتا ہے گویا کہ مرد اور عورت بہائم کی طرح ہوگئے ہیں جس طرح ایک جانور کو کسی مادہ سے جفتی کرنے کے لیے کسی بند کمرہ کی ضرورت نہیں اسی طرح ان مدعیان تہذیب کی بھی یہی خواہش ہے کہ مسلمان عورتوں سے عفت اور عصمت کا خاتمہ ہوجائے اور ان کا معاشرہ بھی ان مہذب حیوانوں کی طرح ہوجائے اس شرمناک حالت کا نام ان لوگوں نے ترقی رکھ لیا ہے۔ خدا ان کو عقل دے آمین۔ اقتباس از "مکارم اخلاق"

آیت تطہیر

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۔

اس آیت کو آیتِ تطہیر کہا جاتا ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرامؓ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہلِ بیت نبی سے آپؐ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیۂ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیۂ قلب مراد ہے جو تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے جس کے حصول کے بعد گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہو جاتے۔

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی مرتضیٰؓ اور فاطمۃ الزہراؓ اور حسنینؓ کے بارہ میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے یہی لوگ مراد ہیں۔ اس لفظ سے سوائے ان کے کوئی مراد ہو ہی نہیں سکتا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اہل سنت کی صحیح ترین احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء اور حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اپنی کملی ان چاروں پر ڈال دی اور فرمایا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا اے اللہ یہ چاروں میرے اہل بیت ہیں پس تو ان سے رجس یعنی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور خوب پاک کر دے نیز اس آیت میں لفظ مِنْكُمْ اور يُطَهِّرَكُمْ میں جو ضمیریں مذکر کی موجود ہیں وہ صاف بتلا رہی ہیں کہ اس آیت میں خطاب ازواج کو نہیں معلوم ہوا کہ آیت میں لفظ اہل بیت سے یہی چار اشخاص مراد ہیں۔

دوسری بات اہل تشیع یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اذہابِ رجس اور تطہیر سے گناہوں سے پاک کر دینا یعنی معصوم بنا دینا مراد ہے جس سے ان چار حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ شیعہ اہل بیت کی عصمت ثابت کرنے کے لیے آیت تطہیر کو استدلال میں پیش کرتے ہیں۔

جواب اہل تشیع کا یہ تمام استدلال دو باتوں پر مبنی ہے (اوّل) یہ کہ لفظ اہل بیت سے صرف چار اشخاص مراد ہیں۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم (دوم) یہ کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنا دینا مراد ہے جب تک یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں گی شیعوں کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا مگر آج تک شیعہ ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکے۔

پہلی بات کا جواب پہلی بات کے متعلق علماء اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ لفظ "اہلِ بیت" اور لفظ "آل" لغت عربی میں دونوں ہم معنی ہیں لغت میں اہلبیت کے معنی اہل خانہ کے ہیں یعنی گھر والوں کے ہیں۔ جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہوں جس میں ازواج اصالۃً داخل ہیں اور اولاد اور ذرّیت تبعاً داخل ہیں۔ خدمتگاروں اور لونڈی اور غلاموں پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عرف میں اور محاورہ میں جب لفظ اہل خانہ بولا جاتا ہے تو ہر کس و ناکس اس کا یہی مطلب سمجھتا ہے کہ جو لوگ گھر میں رہتے ہوں اور وہاں سے چلے جانے کا قصد نہ رکھتے ہوں اور ظاہر ہے کہ اس وصف میں اصل بیبیاں ہیں جو ہمیشہ گھر میں رہتی ہیں۔ بیٹوں اور بیٹیوں کا ہمیشہ گھر میں رہنا خلاف عادت ہے خاص کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں اور گھروں میں تو سوائے آپؐ کی ازواج کے کوئی نہیں رہتا تھا شادی ہونے کے بعد بیٹے خود اپنا مکان بنا لیتے ہیں۔ نکاح کے بعد باپ

کے ذمہ اولاد کا نہ نان ونفقہ فرض رہتا ہے اور نہ رہنے کا مکان اس کے ذمہ واجب رہتا ہے اور شادی ہونے کے بعد بیٹی داماد کے گھر چلی جاتی ہے چنانچہ حضرت فاطمہ حضرت علیؓ کے گھر میں رہتی تھیں کہا جاتا ہے تاھّل الرجل اذا تزوج۔ وَاَھّلَکَ اللہ فی الجنۃ اور فلان متاھل ای متزوج۔

نیز قرآن کریم کا محاورہ بھی یہی ہے کہ اہل بیت کے مفہوم میں زوجہ اصالۃً داخل ہے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں کہ جب ملائکہ نے ان کو تولد فرزند کی بشارت دی اور پیرانہ سالی میں اس بشارت پر تعجب ہوا تو فرشتوں نے یہ کہا قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں اہل بیت کے خطاب میں حضرت سارہؑ یقیناً داخل ہوئیں کیونکہ اصل خطاب انہی سے ہے اور فرشتوں نے حضرت سارہؑ ہی کو اہل البیت سے خطاب کر کے ان کو خدا کی رحمتوں اور برکتوں کی دعائیں دی ہیں شاید حضرات شیعہ فرشتوں پر کوئی تنقید اور تبصرہ کریں کہ تم نے نبی کی زوجہ پر لفظ اہل البیت کا اطلاق کیسے کیا اور پھر تم نے مؤنث کے لیے مذکر کی ضمیر کیسے استعمال کی اور نبی کی زوجۂ مطہرہ کو تم نے رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ مذکر کے ساتھ کیوں خطاب کیا تم کو چاہیئے تھا کہ عَلَيْكُمْ کی بجائے عَلَيْكُنَّ کہتے۔

معلوم ہوا کہ اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں اور تعجبین کا اصل خطاب حضرت سارہؑ کو ہے جو صیغہ مؤنث کا ہے اور اس کے بعد رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ میں اہل بیت کو بلفظ مذکر عَلَيْكُمْ خطاب کیا اور علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے کہ اظہار محبت وکرامت کے لیے عورتوں کے لیے مذکر کی ضمیریں لانا کلام عرب میں شائع اور ذائع ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے ؎

فان شئت حرمت النساء سواکم۔

اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اور نہ ظاہر کے مطابق اُمکثی یا اُمکثن ہونا چاہیئے تھا اس قسم کے مواقع میں صیغۂ مذکر اور خطاب مذکر لفظ اہل کی رعایت سے لایا گیا ہے کہ وہ اصل میں مذکر ہے۔ اور علیٰ ہذا لفظ آل کے مفہوم اور مدلول میں بھی ازواج داخل ہیں اس لیے کہ آل کی اصل لغت میں اہل ہے لغت میں آل کا اطلاق اس شخص یا ان اشخاص پر آتا ہے جن کو کسی انسان سے ذاتی اختصاص حاصل ہو۔ خواہ قرابت قریبہ کی وجہ سے یا کسی خصوصی موالاۃ یا دینی علاقہ کی وجہ سے ہو اور عرف میں اہلیہ بیوی کو کہتے ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا اے آل داؤد اللہ کا شکر بجا لاؤ یہاں لفظ آل میں ان کی ازواج اور اولاد سب ہی داخل ہیں وَقال تعالیٰ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ۔ فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا۔ اس قسم کی آیات میں لفظ اہل کے مفہوم میں بیوی یقیناً داخل ہے وقال تعالیٰ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ یہاں آل فرعون سے وہ تمام اشخاص مراد ہیں جو فرعون سے تعلق رکھتے تھے۔ وقال تعالیٰ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ۔

یعنی موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو آل فرعون نے اٹھالیا یہاں آل فرعون سے فرعون کا تمام اہل بیت مراد ہے جن میں اس کی بیوی بھی داخل ہے حدیث میں ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم اجعل رزق اٰل محمد قوتا اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گذر ہو جاوے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

اس دعا سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کا سالانہ نفقہ قدر قوت سے زیادہ نہ تھا اور پھر ازواج مطہرات سخی بھی تھیں خصوصاً حضرت زینبؓ اور حضرت عائشہؓ کی سخاوت تو مشہور تھی اور بخیل تو آپؐ کی کوئی بی بی نہ تھی اور حضور پُر نورؐ تو سخی تھے ہی۔ اور اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز بھی تھے بس اس سخاوت اور مہمان نوازی کے بعد تو زیادہ سامان بھی کفایت نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ قدر قوت اور قدر کفایت ان تمام ضروریات کے لیے مکتفی ہو جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کس قدر قانع اور تارک الدنیا اور نبی کریم کی عاشق صادق تھیں کہ باوجود فقر و فاقہ کے حضورؐ کی زوجیت کو دنیا اور ما فیہا سے بہتر اور لذیذ جانتی تھیں۔

فتح خیبر کے بعد ازواج مطہرات نے یہ درخواست کی کہ جس طرح آپؐ دوسروں کو بے دریغ عطا فرما رہے ہیں اسی طرح ہم کو بھی مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرمایا جائے حضورؐ نے انکار فرما دیا۔ ازواج مطہراتؓ نے اصرار کیا اس پر آیت تخییر کا نزول ہوا جس میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ متاع دنیا کی طالب ہیں تو حضورؐ ان کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیں اور اگر اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت کی طالب ہیں تو اسی حالت (فقر و فاقہ) پر راضی رہیں جس حالت کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے اور وہ آیت تخییر یہ ہے جس کی مفصل تفسیر گزشتہ رکوع میں گذر چکی ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۔

اس آیت تخییر کے نزول کے بعد تمام ازواج نے حضور پر نورؐ ہی کو اختیار کیا۔ دنیا کو کسی بی بی نے بھی اختیار نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کو حضور پُر نورؐ کے ساتھ کس درجہ محبت تھی کہ فقر و فاقہ اور تنگی میں رہنا منظور کیا مگر حضورؐ سے علیحدگی منظور نہیں کی۔ چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کو عذاب جہنم وغیرہ کی دھمکی نہیں دی بلکہ اس سے ڈرایا کہ حضورؐ تم کو اپنی زوجیت سے علیحدہ نہ کر دیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ازواج مطہرات کے بارہ میں اول آیت تخییر نازل ہوئی پھر جب ازواج مطہرات نے اللہ اور رسول اور دار آخرت کو اختیار کر لیا تو ان کے بارہ میں دوبارہ آیت تطہیر نازل ہوئی جس سے ان کے شرف اور کرامت کو ظاہر کرنا مقصود ہے اور اس آیت تطہیر میں جو لفظ اہل البیت آیا ہے اس سے اصالۃً بلا شبہ و ریب قطعاً و یقیناً ازواج نبی مراد ہیں کیونکہ ان آیات کے سیاق و سباق میں از اول تا آخر صراحۃً ازواج مطہرات

ہی کو خطاب ہو رہا ہے اور ایسا صریح ہے کہ جس میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نظر نہیں آتی کیونکہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ سے لے کر وَاَطِعْنَ اللّٰہَ بلکہ وَالْحِکْمَۃِ تک ازواج مطہرات ہی کے متعلق کلام ہے اور از اول تا آخر خطاب میں مؤنث ہی کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ لَسْتُنَّ اور فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اور وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تک یہ تمام خطابات بہ ضمائر مؤنث ازواج مطہرات ہی کو ہیں بلکہ اگر شروع رکوع یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا سے لے کر اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا تک تمام صیغوں اور ضمیروں پر نظر ڈالی جائے تو اول سے لے کر آخر تک چھبیس صیغے اور ضمیریں سب مؤنث کی ہیں جو بلا کسی تردد اور تامل کے صرف ازواج مطہرات کے لیے ہیں اور یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اور قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ کا لفظ تو اس قدر واضح ہے کہ اس میں حضرت علیؓ اور حسنینؓ اور حضرت فاطمہؓ کے دخول اور شمول کا عقلاً و نقلاً کوئی امکان ہی نہیں۔ اب حضرات شیعہ بتلائیں کہ اس کا کیا جواب ہے۔ کلام عرب میں اظہار محبت و عظمت کی غرض سے مؤنث کے لیے تو مذکر کا صیغہ استعمال ہو سکتا ہے مگر مذکر کے لیے مؤنث کا صیغہ اور مؤنث کی ضمیر کا استعمال کہیں سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

قال ابن عباس نزلت فی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال عکرمۃ من شاء باھلتہ (روح المعانی ص ۱۲ ج ۲۲)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت خاص ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور عکرمہؓ یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں۔

حدیثِ کساء

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا۔

اللّٰھم ھٰؤلاء اھل بیتی۔ — اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس سے بعض "عقلمندوں" نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپؐ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں اور اس

حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المؤمنین ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرمالیجئے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو کذا فی النسوال فی رمضان ص۲۷ وعظ چہارم از سلسلہ البلاغ۔ کیونکہ ان تمام آیات کا نزول تمہارے ہی بارہ میں ہے اور ان آیات میں از اوّل تا آخر تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں اور ازواج مطہرات ہی ان خطابات کی اولین مخاطب ہیں لہٰذا ان کے لیے اس قسم کے عمل کی اور کسی قسم کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں ان کا اہل بیت ہونا تو قطعی اور یقینی ہے البتہ داماد اور داماد کی اولاد کے بارہ میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کو حضور پر نورؐ کا گھرانہ قرار دیا جائے۔ یا ان کو مستقل اور علیحدہ گھرانہ سمجھا جائے اس لیے حضور پر نورؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لیکر یہ دعا کی اللّٰھُمَّ ھٰؤُلاءِ اھل بیتی الخ تاکہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدۂ نعمت و کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبیؐ کے گھرانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے اگر اس آیت کا اصل نزول حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے بارہ میں ہوتا تو آپؐ کو دعا کی ضرورت نہ ہوتی۔

غرض یہ کہ عباء میں داخل کر کے دعا کرنا ان لوگوں کے لیے تھا کہ جن کے اہل بیت ہونے میں کسی قسم کا شبہ ہو سکتا تھا اور ازواج مطہرات کا تو اہل بیت ہونا ایسا قطعی اور یقینی تھا کہ جس میں کسی قسم کے شبہ کا امکان ہی نہ تھا اس لیے ان کو عباء میں داخل کرنے اور اللّٰھُمَّ ھٰؤُلاءِ اھل بیتی کہنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی حضرت علیؓ حضرت ام سلمہؓ سے اجنبی تھے اس لیے ان کے ساتھ ام سلمہؓ کو عبا میں کیونکر داخل کیا جا سکتا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا میں آپؐ کے اہل بیت میں سے نہیں آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ام سلمہؓ کو بلایا اور اپنی کساء میں داخل کر کے ان کے لیے دعا فرمائی (روح المعانی ص۱۴ ج ۲۲) اور صواعق محرقہ ص۸۶ - روایت مذکورہ ان دونوں کتابوں میں مذکور ہے۔

اور جس طرح احادیث میں حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو عبا میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ کو اور ان کی اولاد کو اپنی کِسَاء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے اعزاء واقارب بھی اس نعمت و کرامت میں داخل ہو جائیں پس ان کو اس نعمت اور کرامت میں شریک کرنے کے لیے آپؐ نے یہ دعائیں فرمائیں پس آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو اور ان کی اولاد کو بھی اپنی دُعا سے اس وعدہ میں داخل فرمایا اگر یہ آیت انہی کے حق میں نازل ہوئی ہوتی تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی اور آپؐ حصول حاصل کی کیوں دعا فرماتے اور جو بات حاصل تھی اس کے حاصل کرنے کی کیوں کوشش کرتے،

اسی لیے آپؐ نے پہلی بار ام المؤمنین ام سلمہؓ کو اس دعا میں شریک نہ فرمایا کیونکہ اس دعا کو ان کے حق میں تحصیل حاصل جانا کیونکہ آیت کا نزول ہی آپؐ کی بیبیوں کے بارہ میں ہوا البتہ حضرت علیؓ کے لیے دعا سے فارغ ہو جانے کے بعد ام المؤمنین ام سلمہؓ کو بلا کر جو دعا کی وہ محض ان کی دلجوئی کے لیے فرمائی ورنہ آپؐ نے صراحۃً فرما دیا تھا کہ تو بلاشبہ میرے اہل میں سے ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کی فضیلت اور کرامت کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ یہ آیتیں اگرچہ خاص ازواج ہی کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں اور آیت ہٰذا سے پہلے اور اس تمام رکوع میں تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں اور وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ۔ میں اور وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ میں بیوت کی نسبت بھی انہی کی طرف کی گئی ہے جو اللہ کے خاص الخاص عنایات پر دلالت کرتی ہیں اس لیے آپؐ کا دل چاہا کہ اہل بیت کے عموم میں اپنی اولاد کو داخل کر کے اللہ تعالیٰ سے درخواست کر دوں کہ اے اللہ علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنینؓ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اس خاص رحمت اور کرامت اور عنایت میں شریک فرما۔

فائدہ حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں رقیہؓ اور ام کلثومؓ اور زینبؓ اور فاطمۃ الزہراءؓ اول الذکر تین صاحبزادیاں اس آیت کے نزول سے پہلے وفات پاچکی تھیں صرف حضرت فاطمہؓ باقی تھیں اس لیے فاطمہؓ کو اس دعا کے ساتھ مخصوص فرمایا (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۳ ج ۳)

اور ایسا ہی معاملہ آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے ساتھ کیا جیسا کہ بیہقی کی ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ مدعا آپؐ کا یہ تھا کہ لفظ اہل بیت کے ظاہری عموم میں اپنے ان خاص عزیزوں کو بھی داخل فرمادیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اذہاب رجس اور تطہیر کی فضیلت اور کرامت میں شریک فرما۔ باقی رہیں ازواج مطہرات۔ تو خطاب قرآنی میں وہی از اول تا آخر ان کرامات اور عنایات کی اولین مخاطب تھیں اس لیے اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ان کے لیے ضرورت نہیں سمجھی گئی واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

تعالی لما یرید نے ازواج مطہرات کے لیے اپنے ارادہ کو ظاہر کیا ہے اب اس کے وقوع میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ کریم اپنے کسی مقرب اور مصاحب سے یہ کہے کہ میرے پاس اپنے اہل خانہ اور اپنے گھر والوں کو حاضر کر دو میں انہیں خاص خلعت دینا چاہتا ہوں اور میرا ارادہ یہ ہے کہ میں ان پر خاص نوازش کروں اس مقرب اور مصاحب نے عالی ہمت بادشاہ کے لطف وکرم پر نظر کر کے اپنے اہل خانہ کے سوا کچھ دیگر اعزاء اور اقارب بھی بارگاہ شاہی میں لا حاضر کیے اور کہنے لگا کہ حضور یہ سب میرے اہل خانہ ہیں جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ اعزاء اور اقارب بھی شاہی خلعت اور نوازش سے بہرہ مند ہوں اور ظاہر ہے کہ اس مقرب اور مصاحب کا اس عرض کرنے سے کہ حضور یہ سب میرے اہل بیت اور اہل خانہ

ہیں۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کے اہل خانہ اس میں داخل نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اہل خانہ کے ساتھ یہ اعزا بھی شاہی خلعت اور عنایت سے بہرہ مند ہو جائیں اور بادشاہ نے جس لطف و انعام کا میرے اہل خانہ کے لیے ارادہ فرمایا ہے اس میں میرے ان اعزاء و اقارب کو بھی داخل کر لیا جائے اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بجائے اہل خانہ کے میرے داماد کو اور اس کی اولاد کو اس خلعت سے نواز دیا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پر نورؐ کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اس بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ آیت کا نزول اصالۃً اگرچہ ازواج مطہرات کے بارہ میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پر نورؐ کی دعا کی وجہ سے تمام اہل بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ البتہ اہل تشیع کے نزدیک سوائے حضرت خدیجہؓ کے حضور پر نورؐ کی کوئی بی بی اہل بیت میں داخل نہیں اور حضورؐ کی اولاد میں سے سوائے فاطمۃ الزہراؓ کے اور کوئی صاحبزادی اہل بیت کے مفہوم میں داخل نہیں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ کا آپؐ کی صاحبزادی ہونا حدیث اور تاریخ اور اجماع سے ثابت ہے مگر شیعہ لوگ ان کو حضورؐ کی صاحبزادی نہیں سمجھتے اور ان کو حضورؐ کے نسب سے خارج سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ حضور پر نورؐ کی متعدد صاحبزادیاں تھیں۔ یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ الآیۃ بناتک صیغہ جمع ہے جس کا ادنیٰ درجہ تین ہیں جیسا کہ ازواج صیغہ جمع کا ہے اور آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ حضور پر نورؐ کی متعدد بیبیاں تھیں مگر شیعہ شنیعہ سوائے حضرت خدیجہؓ کے کسی اور زوجہ کے قائل نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ قرآن کریم کی جن آیتوں میں یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اور یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ (الآیات) آیا ہے جن میں صراحۃً لفظ نساء اور لفظ ازواج موجود ہے اور صیغۂ جمع ہے اور صراحۃً ازواج کے متعدد ہونے پر دلالت کرتا ہے پس یہ تمام آیتیں مدنی ہیں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے عرصہ بعد نازل ہوئی ہیں معلوم ہوا کہ ان آیات میں ازواج سے حضرت خدیجہؓ کے سوا اور دوسری بیبیاں مراد ہیں اور اہل تشیع یہ نہیں دیکھتے کہ اس تمام رکوع میں از اول تا آخر تمام خطابات خداوندی ازواج مطہرات ہی کو ہیں اور اس رکوع میں صرف ایک مرتبہ لفظ اہل البیت آیا ہے باقی دوسری جگہ بیوت کی نسبت بھی ازواج مطہرات ہی کی طرف کی گئی ہے فِیْ بُیُوْتِكُنَّ۔ اور۔ وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ بیوت بھی صیغہ جمع کا ہے اور کُنَّ بھی ضمیر جمع کی ہے معلوم ہوا کہ اصل اہلبیت اور نبی کے اہل خانہ آپؐ کی بیبیاں ہیں۔ قرآن کریم میں جا بجا بیوت کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے۔ وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا مگر نہ معلوم کہ شیعوں کی آنکھوں پر کیا پٹی بندھی کہ باوجود ان صریح آیتوں کے ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج سمجھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ۔ انہی کے لیے ہے۔

شیعوں کی دوسری بات کا جواب

ابتداء کلام میں ہم نے آیت تطہیر کے متعلق شیعوں کی دو باتیں ذکر کی تھیں پہلی بات تو یہ تھی کہ یہ آیت حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کے بارہ میں نازل ہوئی اور لفظ اہل بیت سے صرف یہی چار حضرات مراد ہیں ازواج مطہرات مراد نہیں۔ بحمداللہ شیعوں کی اس بات کا مفصل جواب گذر گیا۔ شیعوں کی دوسری بات اس آیت کے متعلق یہ تھی کہ اس آیت میں اذہاب رجس اور تطہیر سے یعنی گندگی دور کرنے سے اور پاک کرنے سے اہل بیت کو معصوم بنانا اور ان کو عصمت عطا کرنا مراد ہے۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اذہاب رجس اور تطہیر سے معصوم بنانا اور عصمت عطا کرنا مراد نہیں بلکہ ازالۂ معاصی و نقائص مراد ہے جس کو تزکیۂ نفس اور تخلیہ اور تحلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تطہیر سے تحلیۂ باطن اور تنویر قلب مراد ہے۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں۔

والمعنی انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الذنوب والمعاصی ویحلیکم بالطاعۃ والتقوٰی تحلیۃ بلیغۃ فیما امرکم۔ (روح المعانی ص ۱۳ ج ۲۲)

اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے خطاؤں اور گناہوں کی گندگی دور کردے اور طاعت اور تقوٰی سے تم کو خوب مزین اور آراستہ کردے کہ اللہ نے تم کو جو حکم دیا ہے اس میں کمی نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ ان ہدایتوں اور نصیحتوں سے اللہ کا منشا یہ ہے کہ نبی کے گھر والے ان احکام پر عمل کر کے بالکل پاک اور صاف اور ستھرے ہو جائیں اور ان کا ظاہر اور باطن ایسا معطر اور مطہر اور منور ہو جائے کہ جو نبی کے گھرانہ کے مناسب اور شایانِ شان ہو اور ان کی صفائی اور ستھرائی اوروں سے ممتاز اور فائق ہو پس اگر تم نے ہماری ان ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل کیا تو تم برائیوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاؤ گے۔

اور اگر بالفرض بقول شیعہ اذہاب رجس اور تطہیر سے عطاء عصمت یعنی کسی کو معصوم بنانے کے معنی مراد لیے جائیں تو پھر اس سے تو صحابہ بدریین کا بھی معصوم ہونا ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ لفظ صحابہ کرام کیلئے بھی آیا ہے۔ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اور حاضرین جنگ بدر کے لیے بھی یہ لفظ آیا ہے۔ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ۔

پس اگر شیعوں کے نزدیک آیت تطہیر اہل بیت کی عصمت کی دلیل ہے تو مذکورہ بالا دو آیتیں تمام صحابہ کی اور خصوصاً صحابہ بدریین کی عصمت کی دلیل بنیں گی بلکہ مزید برآں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے لیے اتمام نعمت یعنی نعمت پورا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اتمام نعمت کا مضمون اذہاب رجس اور تطہیر سے بڑھ کر ہے نیز گزشتہ آیت میں یعنی وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ۔

میں اہل بدر کے لیے شیطان کے شر سے محفوظ ہونے کا ذکر فرمایا ہے اور شیطان کے شر سے محفوظ رکھنا بدون عطاء عصمت کے ممکن نہیں اور اتمام نعمت اس پر مزید اضافہ ہے اس لیے کہ اتمام نعمت کا لفظ تمام فضائل اور کمالات کو حاوی ہے پس شیعوں کو چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ کی عصمت کے عموماً اور اہل بدر کی عصمت کے خصوصاً قائل ہوں۔

جواب دوم

۲۔ نیز اگر آیت تطہیر شیعوں کے نزدیک صرف اہل بیت کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت ان کی عصمت کی دلیل ہے تو آیت وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ بالاجماع عائشہ صدیقہؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے جس کا شیعہ بھی انکار نہیں کرسکتے اور ظاہر ہے کہ لفظ "الطیبات" جس قدر پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے لفظ يُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ اتنا دلالت نہیں کرتا کیونکہ لفظ الطیبات صفت مشبہ ہے جو اصلی اور دائمی اور لازمی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ یذھب و یطھر تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں۔ جس سے اس درجہ پاکیزگی ہونا ثابت نہیں ہوتا جتنا کہ صفت مشبہ کے صیغہ سے ثابت ہوتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آیت تطہیر کے بھروسہ پہ اہل بیت کو معصوم مانا جائے۔ اور آیت اَلطَّيِّبَاتُ سے حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات کو معصوم نہ مانا جائے کیونکہ آیت الطیبات کا مورد اگرچہ خاص ہے مگر الفاظ تو عموم پر دلالت کرتے ہیں اور ناظرین کرام کو چاہیئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور نزاہت کے بارہ میں جو سورۂ نور کی آیتیں نازل ہوئیں ان پر ایک نظر ڈال لیں کہ عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور نزاہت اور عفت اور طہارت میں شک اور تردد کرنے والوں کے حق میں کیا تہدید اور وعید آئی ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ازواج مطہرات کی طہارت میں شک اور تردد ایمان کے منافی ہے۔

۳۔ نیز اگر غور سے دیکھا جائے تو عجب نہیں کہ آیت تطہیر سے عدم عصمت ثابت ہوجائے اس لیے کہ جو پہلے سے معصوم اور طاہر ہو اس کی تطہیر کے ارادہ کے کیا معنی تحصیل حاصل کا ارادہ بھی عقلاً قبیح ہے۔

۴۔ نیز اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے وقت تک ائمہ کو عصمت حاصل نہ تھی بلکہ بعد نزول آیت آئندہ زمانہ میں ان کو عصمت حاصل ہوگی کیونکہ آیت میں صیغہ مضارع کا مستعمل ہوا ہے جو حال یا استقبال میں وقوع پر دلالت کرتا ہے ماضی سے متعلق نہیں اور شیعوں کے نزدیک ائمہ وقت ولادت سے لے کر وقت موت تک کسی وقت بھی عصمت سے خالی نہیں ہوتے ہاں اگر آیت میں بجائے صیغہ مضارع کے صیغہ ماضی ہوتا اور کلام اس طرح ہوتا۔ اَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَطَهَّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ اے اہل بیت اللہ نے تم سے گندگی کو دور کر دیا اور تم کو بالکل پاک کر دیا تو شاید شیعوں کا کچھ کام چل جاتا۔

۵ - نیز یہ لفظ شیعوں کی حدیثوں میں بھی صحابہؓ کے لیے مستعمل ہوا ہے لہٰذا شیعوں کو چاہیئے کہ وہ صحابہؓ کو بھی معصوم سمجھیں کیونکہ شیعوں کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہؓ کے لیے بصیغۂ ماضی وارد ہوئی ہے۔ وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۶۰۹ سے لے کر ص ۶۱۳ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادقؒ سے مروی ہے جو مہاجرین صحابہؓ کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہؓ کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ الذین اخبر عنھم فی کتابہ انہ اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا بعد ازاں امام جعفر صادقؒ نے مہاجرین کو آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ اور آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ اور آیت اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ اور آیت یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ کا مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلاثہ معاذ اللہ ظالم و فاسق نہ تھے۔

حضرات شیعہ کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لیے بھی کوئی موقع اور محل چاہیئے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادقؒ کو کیا خوف لاحق تھا جس کی بنا پر آیات قرآنیہ کا حوالہ دے کر مہاجرین کے فضائل بیان کرنے پر مجبور ہوئے۔ نیز شیعوں کے نزدیک امام جعفر صادقؒ کے لیے تقیہ ممنوع تھا۔ پھر انھوں نے کیسے تقیہ کی بنا پر مہاجرین کے یہ فضائل بیان کیے۔ ہاں اصول شیعہ پر ایک تاویل ممکن ہے وہ یہ کہ اللہ کو بدا واقع ہوا کہ پہلے تو ارادہ صحابہؓ کی تطہیر کا تھا بعد میں بدل گیا۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد

وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ

اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنیوالے مرد اور بندگی کرنیوالی عورتیں اور سچے مرد

وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ

اور سچی عورتیں اور محنت سہنے والے مرد اور محنت سہنے والی عورتیں اور دبے رہنے والے مرد

وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ

اور دبی رہنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں اور روزہ دار مرد

وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ

اور روزہ دار عورتیں اور تھامنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ اور تھامنے والی عورتیں

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ

اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے

لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

ان کے واسطے معافی اور نیگ بڑا ہے۔

تبشیر عام بر امتثال احکام اسلام

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ ... الٰی ... اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں خاص ازواج مطہرات کی بشارت کا ذکر تھا اب عام بشارت کا ذکر ہے کہ جو مسلمان عورت احکام اسلام بجالائے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

قتادہؒ سے روایت ہے کہ جب گزشتہ آیتیں ازواج مطہرات کے بارہ میں نازل ہوئیں تو عورتوں کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ ہمارے لیے تو کچھ نازل نہیں ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں تاکہ تسلی ہو جائے کہ عورت ہو یا مرد ہو اللہ کے یہاں کسی کا عمل ضائع نہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ میں مردوں اور عورتوں کا حکم ایک ہے علیحدہ ذکر کرنے کی حاجت نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

يا ايها الناس ان الله يقول اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الٰی آخر الاٰیۃ ۔	اے لوگو! اللہ تعالیٰ تم سب کے بارے میں یہ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ الٰی آخر الآیۃ

رواہ النسائی تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۷ / ۳۳۔

قرآن کریم میں اکثر و بیشتر خطاب صرف مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں احکام میں مردوں کی تابع ہوتی ہیں مگر ان آیات میں عورتوں کی دلجوئی کے لیے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی خطاب میں شامل کر لیا گیا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے اہم شعبوں کو بیان فرمایا جن سے خاص طور پر قلب کی طہارت

اور باطن کی ستھرائی حاصل ہو اور اخلاقی اور عملی گندگیاں اس سے دور ہوں اور یہ ایسے اعمال صالحہ ہیں جن میں مرد اور عورت سب شریک ہیں جو اپنے دین کو درست کرنا چاہے وہ ان اعمال کو بجا لائے اس کے بعد وہ اجر اور مغفرت کا مستحق ہوگا لہٰذا سب کو چاہیئے کہ ان باتوں پر عمل کر کے اپنی حالت درست کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ اور سپرد[1] کر دیا اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ کے فرمانبردار بنے۔ اور تحقیق ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں جنہیں اللہ کی باتوں پر یقین کامل حاصل ہے اور ایمان[2] ان کے دل میں اتر چکا ہے اور اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر قائم اور دائم اور ثابت رہنے والے مرد اور عورتیں۔ "قنوت" کے معنی حق عبودیت میں قائم اور دائم اور ثابت ہو جانے کے ہیں۔ قنوت کے اصل معنی لزوم اور مداومت کے ہیں۔ قنوت کا مرتبہ ایمان کے بعد ہے ایمان اور اسلام کے مل جانے سے قنوت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اپنے قول اور فعل میں اور نیت میں سچے مرد اور سچی عورتیں اللہ سے اور بندوں سے جو عہد کریں وہ سچ کر دکھائیں اور کذب اور نفاق سے پاک اور صاف ہوں یہاں تک کہ صدیق کے مرتبہ کو پہنچ جائیں۔ اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں طاعتوں پر قائم رہنے والے اور معصیتوں سے نفس کو روکنے والے اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں کہ جو اپنے آپ کو حق عبودیت کی ادائیگی سے قاصر سمجھتے ہیں ان کی نظر ہمیشہ اپنے قصور اور تقصیر پر رہتی ہے۔ اعجاب اور خود پسندی سے ان کے قلوب پاک اور منزہ ہیں۔ "خشوع" اس فروتنی کو کہتے ہیں جو اللہ کے خوف سے اور اپنے اوپر اللہ کو نگہبان اور حاضر و ناظر سمجھنے سے پیدا ہو اور صدق دل سے خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنے والے مرد اور عورت خدا کی راہ میں صدق دل سے صدقہ دینا صدق ایمان کی دلیل اور برہان ہے جیسا کہ حدیث میں ہے الصدقۃ برھان اور متصدق صادق وہ ہے کہ جو اپنے آپ کو کسی چیز کا مالک حقیقی نہ سمجھے۔ جو چیز خدا کی راہ میں صدق دل سے دی جائے اس کو صدقہ کہتے ہیں ورنہ وہ صدقہ نہیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں جنہوں نے اللہ کی محبت میں اپنی جائز خواہشوں کو بھی چھوڑ دیا اور حرام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں۔ شرمگاہ کی حفاظت سے نصف ایمان محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور کثرت سے اللہ کو یاد رکھنے والے مرد اور عورتیں جن کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہیں۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ جو اپنے پروردگار سے غافل نہیں۔ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ جو ان کی محبت کی دلیل ہے اور اللہ کی محبت ایمان اور اسلام کی جڑ ہے۔ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ سے لے کر وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ تک دس خصلتوں کا بیان ہے۔

---

[1] اس تفسیر میں اسلام کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

[2] اس لفظ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ۔

ایسے ہی مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو ان کی طاعت سے کہیں زیادہ ہے ان آیات کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے رنج کو دور کر دیا جن کو یہ افسوس تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بابت قرآن مجید میں صراحۃً کچھ نازل نہیں کیا۔

نکتہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو صراحۃً خطاب فرمایا باقی اکثر آیات میں صرف مردوں ہی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ مرد حاکم ہیں اور اصل ہیں۔ اور عورتیں ان کے تابع ہیں۔ اس لیے عورتوں کو جدا گانہ خطاب نہیں کیا گیا حاکم کو خطاب کافی ہے محکوم اور تابع کو علیحدہ خطاب کی ضرورت نہیں جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل ہیں وہ قرآن اور حدیث سے بے خبر ہیں نیز سارا عالم اس بات پر متفق ہے کہ عورتیں ——— جسمانی قوت میں اور عقل اور فہم اور فراست میں اور اعضاء ظاہری کی ساخت میں مردوں سے کم ہیں حتیٰ کہ آواز میں بھی مرد سے کم ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کے متعلق فرمایا اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ یعنی عورتوں کو ابتداء ہی سے زیب و زینت کا شوق ہوتا ہے اور اسی میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور زیب اور زینت سے اور غیر ضروری چیزوں سے رغبت قلت عقل کی دلیل ہے اور اخیر سورت میں حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ عورتوں کے دوسرے نقص کا بیان ہے کہ وہ قوت بیانیہ میں ضعیف اور کمزور ہے پس جس کو قدرت نے محکوم اور کمزور اور ناقص بنایا ہو وہ حاکم اور قوی کے ساتھ کیسے مساوی ہو سکتا ہے بلکہ یہ محکومیت ہی عورتوں کے لیے اللہ کی رحمت اور نعمت ہے کہ ان کو مردوں کے تابع کر دیا۔ بے وقوف اور کم عقل کے لیے یہی مصلحت ہے کہ وہ کسی کے تابع ہو کر رہے اگر کسی بیوقوف کو حاکم بنا دیا جائے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی تباہ کرے گا اگر چھوٹے بچے ماں باپ کے تابع نہ ہوں تو یقیناً وہ ہلاک ہوں گے اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ لا نکاح الا بولی عورت کو بغیر ولی کے ہرگز نکاح نہ کرنا چاہیئے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ

اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا نہ عورت کا، جب ٹھہرا دے اللہ

وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

اور اس کا رسول کچھ کام، کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام

مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

کا، اور جو کوئی بے حکم چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے،

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ
سو راہ بھولا صریح چوک کر ۔ اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ
جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا رہنے دے اپنے پاس
عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ
اپنی جورو ، اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں
مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ
ایک چیز جو اللہ اس کو کھولا چاہتا ہے اور تو ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ
اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا
چاہیئے ڈرنا تجھ کو ، پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی
زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ
غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی تا نہ رہے سب مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینا
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ
جوروئیں اپنے لے پالکوں کی ، جب وہ تمام کریں ان سے اپنی غرض
وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ
اور ہے اللہ کا حکم کرنا ۔ نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس
حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ
بات میں جو ٹھہرا دی اللہ نے اس کے واسطے ۔ دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾
میں جو گذرے پہلے ، اور ہے حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا ۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ

وہ جو پہنچاتے ہیں پیغام اللہ کے، اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے

اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ

کسی سے سوا اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنیوالا - محمد باپ نہیں

اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ

کسی کا تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب

النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

نبیوں پر۔ اور ہے اللہ سب چیز جانتا -

بیان حرمت اعراض و عدول از فیصلۂ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کہ ایں نوعے است از انواع ایذاء رسولؐ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ ۔۔۔ الی ۔۔۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں مسلمین اور مسلمات اور مؤمنین اور مؤمنات کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالہ اور سپرد کر دے اور خدا اور رسول جو حکم دیں۔ دل و جان سے بسر و چشم اس کو قبول کرے اور بجالائے مرد ہو یا عورت ہو جب خدا کا رسول کوئی حکم دے تو ایمان اور اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سامنے سر جھکا دیں غرض یہ کہ اس آیت میں خدا و رسول کے فیصلہ سے اعراض اور عدول کو حرام اور ممنوع قرار دیا اس لیے کہ وہ ایمان اور اسلام کے منافی ہے علاوہ ازیں خدا و رسول کے فیصلہ سے اعراض و انحراف یہ ایک قسم کی ایذاء بھی ہے اور اس سورت کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ آپؐ کی تعظیم اور اطاعت کی فرضیت اور آپؐ کی ایذاء کی حرمت کو بیان کیا جائے اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں کا ذکر کر کے ان کا جواب دیا اور اسی ذیل میں حق تعالیٰ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کا قصہ ذکر فرمایا اور اس بارہ میں منافقین نے جو حضور پر نورؐ پر طعن و تشنیع کر کے آپؐ کو ایذاء پہنچائی تھی اس کا جواب دیا۔

اصل قصہ یہ تھا کہ حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہؓ سے کردیں۔ یہ زید دراصل عرب سے تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ کر لایا اور غلام بنا کر ان کو مکہ کے بازار میں بیچ دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے انکو خرید لیا اور بعد چندے آنحضرتؐ کو ہبہ کردیا آنحضرتؐ نے انکو آزاد کردیا اور بیٹوں کی طرح انکی پرورش کی حتیٰ کہ انکو زیدؓ بن محمدؐ کہہ کر پکارنے لگے آنحضرتؐ نے چاہا کہ زیدؓ کا زینبؓ سے نکاح ہوجائے مگر حضرت زینبؓ اور انکے بھائی اس پر راضی نہ ہوئے ان کا گمان یہ تھا کہ زیدؓ نسبی اور خاندانی حیثیت سے کم ہیں اور زینبؓ خاندانی حیثیت سے بلند ہیں۔ اس لیے ان کے گھر والے اس نکاح پر راضی نہ ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔
یعنی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو اس میں چون وچرا کا اختیار نہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو پھر گھر والے نکاح پر راضی ہوگئے اور حضرت زینبؓ کا زیدؓ بن حارثہ سے نکاح ہوگیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو زینبؓ اور ان کے بھائی کو انکار کی گنجائش نہ رہی اور انہوں نے اس منگنی کو منظور کرلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کا حضرت زینبؓ سے نکاح کردیا۔

یہ تو پہلا مرحلہ تھا اور دوسرا مرحلہ یہ پیش آیا کہ نکاح تو ہوگیا مگر باہم مزاج میں موافقت اور موانست نہ ہوئی دن بدن کشیدگی بڑھتی گئی حضرت زینبؓ کی طبیعت پر اثر یہ تھا کہ میں جس حسب ونسب اور خاندان کی ہوں تو میں ایک ایسے شخص کی بی بی بن کر کیسے رہوں جس پر ایک بار غلامی کا دھبہ لگ چکا ہے وہ زیدؓ کو اپنا ہمسر نہ سمجھتی تھیں جب کبھی کوئی بات پیش آتی تو زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر زینبؓ کی تیز زبانی کی شکایت کرتے تو آپؐ ان کی تسلی کرتے اور کہتے کہ اپنی بی بی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور طلاق نہ دو۔ شریعت کے حکم کے مطابق آپؐ نے ان کو تسلی دی اور مشورہ دیا۔ بالآخر جب کشمکش نے طول کھینچا تو زیدؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں زینبؓ کو طلاق دینا چاہتا ہوں آپؐ نے فرمایا۔ طلاق مت دو جہاں تک ہوسکے نباہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔ مگر زیدؓ نہ مانے اور آخر طلاق دے ہی دی۔ آں حضرتؐ نے تو بحکم شریعت زیدؓ کو یہی مشورہ دیا کہ طلاق نہ دو اور نباہ کرو اس لیے کہ ایسی صورت میں شریعت کا یہی حکم ہے مگر بذریعہ وحی آپؐ کو بتلا دیا گیا کہ زیدؓ زینبؓ کو طلاق دیں گے اور اس طلاق کے بعد زینبؓ کا آپؐ سے نکاح ہوگا جیسا کہ امام زین العابدینؒ سے[1] مروی ہے۔

---

[1] رواہ الحکیم الترمذی وغیرہ عن علی بن الحسینؓ ما اوحی اللہ تعالیٰ بہ الیہ ان زینب سیطلقھا زید ویتزوجھا بعدہ علیہ الصلاۃ والسلام والیٰ ھذا ذھب اھل التحقیق من المفسرین کالزھری وبکر بن العلاء القشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم۔ روح المعانی ص ۲۳/۲۲ ج
اور امام قرطبی اپنی تفسیر میں امام زین العابدینؒ کے اس قول کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔ قال علماءنا رحمۃ اللہ علیہم ھذا القول احسن ما قیل فی تفسیر ھذہ الآیۃ وھو الذی علیہ اھل التحقیق من المفسرین والعلماء الراسخین کالزھری والقاضی بکر بن العلاء القشیری والقاضی ابی بکر بن العربی وغیرھم دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۹۰ ج ۱۴ تفسیر سورۂ احزاب۔

ایک پریشانی تو آپ کو نکاح زینبؓ کے وقت پیش آئی تھی اب آپ کو ایک دوسری پریشانی لاحق ہو گئی کہ جب زیدؓ کی طلاق کے بعد زینبؓ میرے نکاح میں آئیں گی تو جاہل اور منافقین یہ طعنہ دیں گے کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اس بارہ میں اگلی آیتیں نازل ہوئیں یعنی وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ --- الی --- وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔

ہر شخص بمقتضائے بشریت لوگوں کی کہاسُنی سے ڈرا ہی کرتا ہے اگرچہ وہ بات جائز اور مباح ہی کیوں نہ ہو آپ بمقتضائے بشریت لوگوں کی طعن وتشنیع سے ڈرے اور شرم کے مارے اس پیشین گوئی کو دل میں پوشیدہ رکھا کسی پر ظاہر نہ کیا مگر امر تقدیری پورا ہو کر رہتا ہے وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا چنانچہ وہ پورا ہوا کہ زیدؓ اور زینبؓ میں موافقت نہ ہوئی اور نوبت طلاق کی آئی اس کے بعد بحکم خداوندی وہ آپ کے نکاح میں آئیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ مخالفین اور منافقین کے طعنوں اور بدگوئیوں سے نہ ڈریں اس وقت اللہ کی حکمت اور مصلحت یہی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ متبنیٰ کا حکم بیٹے جیسا نہیں اس کی بیوی طلاق یا موت کے بعد اس پر حلال ہے۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا سے بتلا دیا کہ امر تقدیری پورا ہو کر رہتا ہے اور ہو کر رہے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی ایماندار مرد اور عورت کے لیے ایمان لانے کے بعد یہ امر کسی طرح زیبا اور روا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اپنے کام میں کوئی اختیار باقی رہے کہ چاہے تو اس کام کو کریں اور نہ چاہے تو نہ کریں۔ بلکہ بسروچشم قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے ایمان کی حقیقت ہی یہی ہے کہ اپنے اختیار کو نبی کے اختیار کے تابع کر دے بلکہ اس میں فنا کر دے اور جو شخص حکم وجوبی کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور حکم عدولی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا یہ آیت زینبؓ بنت جحش اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم تمہید میں ذکر کر چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کے نکاح کا پیام اپنی پھوپھی زاد بہن سے دیا تو زینبؓ نے اور ان کے بھائی نے اس پیغام کے قبول کرنے سے عذر کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد مؤمن اور مؤمنہ کو اپنے کام میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ ان پر واجب ہے کہ اپنے اختیار کو خدا اور اس کے رسول کے اختیار کے تابع کریں اور خدا و رسولؐ کے حکم کے بعد کسی عار کی پروا نہ کریں۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نکاح پر راضی ہو گئے اور حضرت زیدؓ کے ساتھ ان کا نکاح ہو گیا اللہ اور اس کے رسول کو منظور یہ تھا کہ حسب ونسب کا فخر اور خاندانی امتیاز نکاح کی راہ میں حائل نہ ہوا کرے۔ حق تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ خاندانی خودداری اور غرور کا خاتمہ ہو۔ اس لیے یہ حکم نازل ہوا کہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے بعد کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو زینبؓ اور عبداللہؓ کو کوئی مفر نہ رہا اور پیام کو منظور کر لیا اور زینبؓ کا زیدؓ سے نکاح ہو گیا اور اس نکاح کے بعد جو بات

پیش آئی وہ یہ تھی کہ زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان میں موافقت نہ ہوئی اگرچہ حضرت زینبؓ زیدؓ کے نکاح میں تو آگئیں مگر زیدؓ ان کی نظر میں ذلیل اور حقیر رہے اس لیے گھر میں لڑائی رہتی۔ زیدؓ حضور پُر نورؐ سے زینبؓ کی بے اعتنائی کا شکوہ کرتے آپؐ ان کو تسلی دیتے یہاں تک کہ زیدؓ نے ان کے طلاق کا ارادہ کیا تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اے پیغمبر آپ اس وقت کو یاد کریں کہ جب آپ اس شخص کو جس پر اللہ تعالےٰ نے یہ انعام کیا کہ اس کو اسلام کی دولت سے نوازا اور آپؐ کی خدمت سے اس کو عزت بخشی اور آپ نے بھی اس پر انعام اور احسان کیا کہ اس کی پرورش کی اور اس کو آزاد کیا اور اپنا متبنیٰ بنالیا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے اس کا نکاح کر دیا لیکن نکاح کے بعد مزاجی موافقت نہ ہوئی اور آپس میں لڑائی جھگڑے کی نوبت آئی تو زیدؓ نے آکر آپؐ سے عرض حال کیا اور کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ زینبؓ کو طلاق دے دوں تو آپؐ اس وقت بطور فہمائش و مشورہ اپنے پروردۂ احسان یعنی زیدؓ سے یہ کہنے لگے کہ تو اپنی بیوی (زینبؓ) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور طلاق دے کر اس کو تکلیف نہ پہنچا اور اس کی تنگ مزاجی پر نظر نہ کر۔ شاید آئندہ چل کر یہ منافرت مبدّل بہ موانست ہو جائے اور اللہ سے ڈر اور طلاق دینے میں جلدی نہ کر۔ یہ نکاح بحکم خداوندی ہوا ہے اور میرے اصرار سے ہوا ہے لہٰذا طلاق میں عجلت کسی طرح مناسب نہیں ظاہری شریعت اور ازدواجی مصلحت کے لحاظ سے اور زوجین کی خیر خواہی اور حسن معاشرت کے اعتبار سے حضور پر نورؐ کا یہ مشورہ بالکل درست تھا ولیکن پنہانی اور اندرونی طور پر بات دوسری تھی جس کا اظہار اس وقت مصلحت نہ تھا وہ یہ کہ آپؐ کو بذریعہ وحی کے بتلا دیا گیا تھا کہ زید عنقریب زینبؓ کو طلاق دیں گے اور ان کے طلاق دینے کے بعد ہم خود زینبؓ کو تمہارے نکاح میں دیں گے اور آپؐ کی ازواج طاہرات میں داخل کریں گے جس میں ہماری حکمتیں اور مصلحتیں ہیں چنانچہ اس کے بارہ میں ارشاد فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ بعد میں ظاہر کرنے والا تھا یعنی زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد زینبؓ تمہاری ازواج میں ہوگی آپؐ نے اللہ کی اس خبر کو دل میں پوشیدہ رکھا اور کسی کو اس خبر پر مطلع نہ کیا اور آپ بمقتضائے بشریت لوگوں کے طعن سے اور عار سے اور ملامت سے ڈرتے تھے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور خدا نے جو بات آپؐ کو بذریعہ وحی کے بتلا دی تھی کہ وہ تیری بی بی ہوگی آپؐ اس کے اظہار سے شرماتے تھے حالانکہ اللہ زیادہ لائق اور حقدار ہے اس بات کے کہ تو اس سے ڈرے اور شرماوے جانبِ حق کی رعایت۔ جانب خلق کی رعایت سے اَحَق ہے اور بلاشبہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام تمام عالم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے اور شرمانے والے تھے اس لیے کہ خوف وخشیت کا دار و مدار علم اور معرفت پر ہے۔ کَمَا قال تعالیٰ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اور حدیث میں ہے اَنَا اعلمکم اللہ واخشاکُمْ میں سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں۔ پس جب زیدؓ نے اپنی زوجہ سے اپنی حاجت پوری کرلی یعنی اس کو طلاق دے دی اور عدت بھی گذر گئی کیونکہ شوہر بیوی کو طلاق جب ہی دیتا ہے کہ جب اس کو بیوی کی حاجت نہ رہے تو زیدؓ کے طلاق

دے دینے کے بعد ہم نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں زینبؓ سے آپ کا نکاح کر دیا اور بذریعہ وحی کے پہلے ہی آپؐ سے نکاح کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا اور جس وعدۂ خداوندی کو آپؐ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یعنی زَوَّجْنٰكَهَا نازل کر کے اس کو ظاہر کر دیا اور سب کو اس سے آگاہ کر دیا اور بتلا دیا کہ زیدؓ کے طلاق دے دینے کے بعد ہم نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان میں فرشتوں کی موجودگی میں آپؐ کا نکاح زینبؓ سے کر دیا ہم ولی نکاح ہیں اور جبریلؑ اور دیگر فرشتے اس کے گواہ ہیں اور آسمانوں میں اس کا اعلان کر دیا یہ ایسا قطعی نکاح ہے جس میں فسخ کا احتمال نہیں اور ہم نے یہ نکاح اس لیے کیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے متبناؤں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر لیں یعنی دل بھر جانے کے بعد ان کو طلاق دے دیں اور عدت بھی گذر جائے تو وہ ان سے نکاح کر سکتے ہیں بخلاف حقیقی بیٹے کے کہ اس کی جورو نفس عقد سے اس کے باپ پر حرام ہو جاتی ہے خواہ قبل از صحبت طلاق دے یا بعد از صحبت بہرصورت وہ باپ پر حرام ہو جاتی ہے اور جو کام خدا چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں یہ مقدر ہو چکا تھا کہ زینبؓ ایک دن آپؐ کے نکاح میں آئے گی اور ازواج مطہراتؓ میں ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ جو مقدر کر دیتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ہمارا منشاء یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا نسبی فرزند کے حکم میں نہیں اور متبنیٰ کی بیوی سے اس کے طلاق دینے کے بعد نکاح درست ہے۔ لہٰذا زینبؓ کو اس طرح سے آپؐ کے نکاح میں دینے سے ہماری مصلحت یہ ہے کہ جاہلیت کی اس رسم کا قلع قمع ہو جائے اس لیے اول ہم نے زور دے کر زینبؓ کا نکاح زیدؓ سے کرایا اور پھر زیدؓ کے طلاق دے دینے کے بعد زینبؓ کو آپؐ کے نکاح میں دیا تاکہ جاہلیت کی رسم کا قلع قمع ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ متبنیٰ کی زوجہ سے پردہ واجب ہے اور نسبی فرزند کی زوجہ سے باپ کا پردہ نہیں اللہ تعالیٰ نے نبی کو حکم دیا کہ آپؐ اپنے متبنیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کریں تاکہ مسلمانوں کو اس قسم کے نکاح میں انقباض اور توحش نہ رہے اور تیری ذات سے یہ حکم شرعی جاری اور نافذ ہو تاکہ اور مسلمان اگر اپنے منہ بولے بیٹوں کی زوجات مطلقات سے نکاح کرنا چاہیں تو ان کو تنگی پیش نہ آئے اور چونکہ مقصود اصلاح تھی اس لیے خود پیغمبر کو حکم ہوا کہ تم زینبؓ سے نکاح کر و اس سے اس رسم بد کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور زینبؓ کی دلجوئی بھی ہو جائے گی اور زینبؓ کو جو زیدؓ کے نکاح میں آنے کا صدمہ اور رنج تھا وہ آپؐ کی زوجیت میں آنے سے دور ہو جائے گا صلہ رحمی اور حق قرابت اور حسن معاشرت کا اقتضاء بھی تھا کہ آپؐ اپنی پھوپھی زاد بہن کو اپنے ازواج مطہرات میں شامل کر کے ان کے رنج و غم کو دور کر دیں۔

بحمد اللہ گزشتہ تقریر سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ سے مراد یہ ہے کہ بذریعہ وحی آپؐ کو پہلے سے بتلا دیا گیا تھا کہ زیدؓ زینبؓ کو طلاق دیں گے اور ان کی طلاق کے بعد زینبؓ آپؐ کے نکاح میں آئیں گی بس جو چیز آپؐ اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی تھی۔

جس کو بعد میں اللہ تعالےٰ نے زَوَّجْنٰكَهَا سے ظاہر فرما دیا اور جس وقت اللہ تعالےٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیش آنے والے واقعہ کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ آپ اس کا اعلان بھی کر دیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بات کا حکم دیں اور وہ اس کی تعمیل نہ کرے۔ اور تَخْشَى النَّاسَ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس پیش گوئی کے اظہار سے شرماتے تھے یا منافقین کی زبانِ طعن کی درازی سے ڈرتے تھے اور آپ کا یہ خوف طبعی تھا لوگوں کے طعن اور ملامت کا ڈر اس کے چھپانے کا باعث بنا۔ اور اس آیت کے یہ معنی امام زین العابدینؒ سے منقول ہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی آپ کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ (زینبؓ) عنقریب تیری زوجہ بنے گی اور تیرے نکاح میں آئے گی مگر آپ کو یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ تم ہماری اس پیش گوئی کا اعلان بھی کر دو بلکہ آپ کو فقط ایک آیندہ پیش آنے والے امر کی خبر دی اور یہ نہیں فرمایا کہ تم اس کا اعلان بھی کر دو۔

پس بمقتضائے بشریت آپ کو ایک قسم کی تشویش لاحق ہوئی اور شرم کے مارے اور مشرکین اور منافقین کے طعن کے ڈر سے آپؐ نے اس کا اخفاء کیا جس کو بعد میں اللہ نے ظاہر کر دیا معاذ اللہ اگر حضرت زینبؓ کی محبت کا اخفاء مراد ہوتا تو اللہ تعالےٰ اس کو ظاہر کرتا۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کے یہ معنی امام زین العابدینؒ اور سُدّیؒ سے مروی ہیں اور حکیم ترمذیؒ نے روایت مذکورہ بالا کی تحسین میں خوب بسط فرمایا ہے اور یہی معنی معتمد اور معتبر ہیں۔ دیکھو فتح الباری صد ۴۰۳ ج ۸[1]

---

[1] اصل عبارت یہ ہے جو اہل علم کے لیے ہدیہ کرتے ہیں۔ وَقَدْ اخرج ابن أبي حاتم هذه القصة من طريق السدى فساقها سياقا واضحا حسنا ولفظه بلغنا ان هذه الاية نزلت في زينبؓ بنت جحش وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اراد ان يزوجها زيد بن حارثة مولاه فكرهت ذلك ثم انها رضيت بما صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم فزوجها اياه. ثم اَعْلَمَ الله عزوجل نبيه صلى الله عليه وسلم بعد انها من ازواجه فكان يستحي ان يامر بطلاقها وكان لا يزال يكون بين زيد وزينب ما يكون من الناس فامره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يمسك عليه زوجه وان يتقي الله وكان يخشى الناس ان يعيبوا عليه ويقولوا تزوج امرأة ابنه وكان قد تبنى زيدا وعنده من طريق علي بن زيد عن علي بن الحسين بن علي قال اَعْلَمَ اللّٰهُ تعالىٰ نبيه صلى الله عليه وسلم ان زينب ستكون من ازواجه قبل ان

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس تمام تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ بدباطنوں کا یہ کہنا کہ تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ سے زینبؓ کی محبت کا دل میں چھپانا مراد ہے قطعاً غلط ہے اور سرتاپا دروغ بے فروغ ہے۔ معاذ اللہ اگر زینبؓ کی محبت کا اخفاء مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور ظاہر فرماتے اس بارہ میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ ہرگز ہرگز قابل اعتماد نہیں حسب ارشاد باری مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ اللہ نے کسی آیت میں اس محبت کا اعلان اور اظہار نہیں فرمایا بلکہ زَوَّجۡنٰكَهَا سے اس نکاح کی پیش گوئی کا اظہار فرمادیا جس کی آپؐ کو پہلے خبر دی تھی۔ اور علاوہ ازیں کہ یہ قصہ بالکل بے اصل اور موضوع ہے خلاف عقل بھی ہے اس لیے کہ حضرت زینبؓ آپؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں لڑکپن سے آپؐ کے سامنے آتی تھیں اور بارہا آپؐ نے ان کو دیکھا تھا اور ابھی تک پردہ کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا تو کیا آنحضرتؐ نے حضرت زینبؓ کو زیدؓ کے نکاح کے بعد پہلی بار دیکھا تھا کہ دیکھ کر ان کے حسن و جمال پر مائل ہوگئے زیدؓ کے نکاح سے پہلے بھی بار بار دیکھا تھا اگر آپؐ کو ان کا حسن و جمال پسند ہوتا تو پہلے ہی بار خاندان پر زور دے کر زیدؓ سے کیوں نکاح کرایا آپؐ ہی کے اصرار سے اعزاء و اقارب زیدؓ سے نکاح کرنے پر بمشکل راضی ہوئے۔ جب آپؐ کے کہنے سے آپؐ کے غلام سے نکاح کر دیا تو اگر آپؐ اپنے نکاح کا پیغام دیتے تو کیوں نہ راضی ہوتے۔ اس وقت تو حضرت زینبؓ کا نکاح بھی نہ ہوا تھا اور ان سے نکاح کرنے میں کسی قسم کا مانع بھی نہ تھا اور بعض کتابوں میں جو اس قسم کی روایتیں نقل کی جاتی ہیں کہ جب

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ کا) یتزوجها فلما اتاه زید یشکوها الیه وقال له اِتَّقِ اللّٰهَ وَاَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ قال الله تعالیٰ قد اخبرتك انی مزوجکها وَتُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِكَ مَا اللّٰهُ مُبۡدِيۡهِ وقد اطنب الترمذی الحکیم فی تحسین هذه الروایة وقال انها من جواهر العلم المکنون وکانه لم یقف علی تفسیر السدی اوردته وهو اوضح سیاقاً واصح اسناداً الیه لضعف علی بن زید بن جدعان (ثم قال الحافظ) ووردت آثار اخری ونقلها کثیر من المفسرین لا ینبغی التشاغل بها والذی اوردته منها هو المعتمد والحاصل ان الذی کان یخفیه النبی صلی الله علیه وسلم هو اخبار الله ایاه انها ستصیر زوجته والذی کان یحمله علی اخفاء ذلك خشیة قول الناس تزوج امرأة ابنه اراد الله ابطال ما کان اهل الجاهلیة علیه من احکام التبنی بامر لا ابلغ فی الابطال منه وهو تزوج امرأة الذی یُدعٰی ابنا ووقوع ذلك من امام المسلمین لیکون ادعی لقبولهم وانما وقع الخبط فی تاویل متعلق الخشیة والله اعلم۔
فتح الباری ص۴۳ ج ۸۔ تفسیر سورة الاحزاب۔

آپؐ کی نظر حضرت زینبؓ پر پڑی تو آپ ان پر فریفتہ ہوگئے (جن پر دشمنان اسلام کے اعتراضات کی بنیاد ہے) وہ سب بے اصل اور ناقابل اعتبار اور ناقابل التفات ہیں مزید تفصیل اگر درکار ہو تو سیرۃ المصطفیٰ مصنفہ ناچیز ص۲۴۳ ج ۳ دیکھیں۔

اب آگے منافقین اور مشرکین کے طعن کا جواب دیتے ہیں کہ زینبؓ سے آپؐ کا نکاح بحکم خداوندی ہوا اور نبی پر اس چیز کے کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر اور مقدر کر دیا جیسا کہ سنت الٰہی ان انبیاء میں جاری رہی جو آپ سے پہلے گذرے یعنی انبیاء سابقین میں بھی دستور جاری رہا کہ اللہ نے ان کو جس چیز کا حکم دیا اس کو پورا کر دیا اور لوگوں کی ملامت اور طعن کی پروانہ کی اور خدا کا اندازہ پہلے ہی سے ٹھہر چکا ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا اور حکم خداوندی کا پہنچانا اور اس کا پھیلانا اگلے پیغمبروں کی سنت ہے جن کی صفت یہ ہے کہ وہ انبیاء اللہ کے احکام و پیام اپنی امتوں کو ٹھیک ٹھیک پہنچایا کرتے تھے اور تبلیغ احکام میں کسی کے طعن اور تشنیع اور ملامت اور عار و لانے کی پروا نہیں کرتے تھے اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ خدا کا حکم ایک طرف اور سارا جہان ایک طرف اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہے وہ خود آپؐ کے دشمنوں کے ضرر کو دفع کر دے گا لہٰذا اس نکاح کے بارہ میں آپؐ پر جو طعن کرے گا اللہ تعالےٰ اس کے دفع میں کفایت کرے گا یہ سب آپؐ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ انبیاء سابقین کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ وہ پیغام رسالت کے پہنچانے میں کسی سے نہیں ڈرتے لہٰذا آپؐ بھی مخالفین کے طعن کی پروا نہ کریں اور نہ کسی کی ایذاء سے ڈریں اللہ تعالےٰ آپؐ کے طاعنین کو سزا دینے کے لیے کافی ہے۔

نکتہ جاننا چاہیئے کہ اس آیت میں تبلیغ احکام کے وقت غیر اللہ سے خوف کی نفی کی گئی ہے رہا یہ امر کہ انبیاء کو کسی سے طبعی خوف بھی نہیں ہوتا سو اس کی نفی نہیں کی گئی ورنہ طبعی طور پر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا فرعون کی ایذاء سے ڈرنا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی سو اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی اور یہ فرمایا۔ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی اور موسیٰ علیہ السلام کو جب عصا کا معجزہ عطا ہوا اور عصا اژدہا بن کر چلنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگنے لگے۔ کما قال تعالےٰ فَلَمَّا رَاٰھَا تَھْتَزُّ کَاَنَّھَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ یٰمُوْسٰۤی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ۔ لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی اور یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ۔

اور حضور پرنورؐ کو جب دشمنوں کی طرف سے خوف لاحق ہوا تو آپؐ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ معلوم ہوا کہ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا میں طبعی خوف کی نفی مراد نہیں بلکہ عقلی خوف کی نفی مراد ہے۔

نکتۂ دیگر نیز جاننا چاہیئے کہ حضور پرنورؐ کو منافقین کی جانب سے بدزبانی کا ڈر بھی شروع

شروع ہی بیں تھا لیکن جب آپؐ کو یہ معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالےٰ نے اس سنت حقہ کا اجراء اور نفاذ میری ہی ذات سے مقدر فرمایا ہے تو دل سے وہ ڈر بھی جاتا رہا چنانچہ جب زینبؓ کی عدت پوری ہو گئی تو آنحضرتؐ نے خود زیدؓ ہی کو اپنے سے نکاح کا پیغام دے کر زینبؓ کے پاس بھیجا (تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زیدؓ کی رضامندی سے ہوا حضرت زیدؓ آپؐ کے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زینبؓ کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے (حالانکہ اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا مگر یہ ان کا کمال ورع اور کمال تقوی تھا) اور پس پردہ کھڑے ہو کر کہا۔ اے زینبؓ تم کو بشارت ہو مجھے رسول اللہؐ نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ زینبؓ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک اپنے پروردگار سے مشورہ (یعنی استخارہ) نہ کر لوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لیے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہوگئیں۔

نکتۂ دیگر چونکہ حضرت زینبؓ نے اپنے اس نکاح کے بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزّوجل سے مشورہ چاہا جو اہل ایمان کا اصل ولی ہے اس لیے اللہ تعالےٰ نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینبؓ سے کر دیا آسمانوں میں تو اس نکاح کا اعلان ہو ہی گیا اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس نکاح کا اعلان ہو چنانچہ جبریلؑ یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا ۔	پس جب زیدؓ زینبؓ سے اپنی حاجت پوری کر چکے (اور ان کو طلاق دے دی اور عدّت بھی گذر گئی) تو اے نبی کریم ہم نے (زینب کا) نکاح تم سے کر دیا۔

آیت کے نازل ہونے سے تمام مکہ میں اس کا اعلان ہوگیا اور پیغام کے ذریعہ ایجاب و قبول پہلے ہی ہو چکا تھا اس لیے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اور (اس اعلان عام کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذن مکان میں داخل ہوئے۔ رواہ مسلم واحمد والنسائی۔ (دیکھو فتح الباری ص۴۰۷ ج ۸ کتاب التفسیر و زرقانی ص۲۲۵ ج ۳) اور نکاح آسمانی اور حکم قرآنی خود بلا واسطہ ان کو پڑھ کر سنایا۔

چونکہ اس واقعہ کا چرچا گھر گھر میں تھا تو یہ ناممکن ہے کہ حضرت زینبؓ کو جو خود صاحب واقعہ تھیں ان کو اس آیت کے نزول کی خبر نہ پہنچی ہو۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قاصد کے ذریعہ حضرت زینبؓ کو یہ اطلاع کرادی کہ تمہارے نکاح کے بارہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں چنانچہ حضرت زینبؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو سجدۂ شکر ادا کیا رواہ ابن سعد

بسند ضعیف عن عباس رضی اللہ عنہ۔ دیکھو اصابہ صـ۳۱۳ ج ۴ و زرقانی صـ۲۴۶ ج ۳۔

اور چونکہ یہ نکاح آسمان میں ہوا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں جس قدر اہتمام کیا۔ وہ کسی دوسرے نکاح کے ولیمہ میں نہیں کیا۔ اور ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے اس نکاح آسمانی پر بڑا فخر تھا ایک دن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کہا کہ تم سب کا نکاح تو تمہارے اولیاء نے کیا اور میرا نکاح اللہ نے آسمان پر کیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اللہ نے میرا عذر یعنی میری براءت اور طہارت و نزاہت آسمان سے نازل کی۔

نکتۂ دیگر امام ابوالقاسم سہیلیؒ نے یہاں ایک نکتہ ذکر فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ عز و جل نے قرآن کریم میں زیدؓ بن حارثہ کا نام تو صراحت کے ساتھ ذکر کیا۔ اور اکابر صحابہؓ میں سے حتیٰ کہ ابوبکر صدیقؓ کا نام بھی صراحۃً ذکر نہیں کیا سو اس میں نکتہ یہ ہے کہ زید بن حارثہؓ کو پہلے زیدؓ بن محمدؐ کہا جاتا تھا اور یہ نسبت ان کے لیے فخر عظیم اور شرف فخیم تھی پھر جب اللہ تعالیٰ نے اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ کا حکم نازل فرمایا تو اس وقت لوگ ان کو زیدؓ بن محمدؐ کی بجائے زیدؓ بن حارثہ کہنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس نسبت کے قطع ہو جانے سے زیدؓ کو کس قدر صدمہ ہوا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو صدمہ دینا نہیں چاہتا پس اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صراحۃً ان کا نام ذکر کر کے ان کو وہ عزت و کرامت بخشی جو آپ کے سوا کسی کو نہیں بخشی گئی اور آپ کو وہ خصوصیت عطا ہوئی کہ جو آپ کے سوا کسی کو عطا نہیں ہوئی۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابی بن کعبؓ سے یہ فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہ سورت تجھے پڑھ کر سناؤں تو ابی بن کعبؓ نے عرض کیا کہ کیا حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے آپؐ نے فرمایا ہاں تو ابی بن کعبؓ فرط مسرت سے رونے لگے پس اندازہ لگا لو کہ زیدؓ بن حارثہ کو قرآن میں اپنا نام مذکور ہونے سے کس قدر خوشی ہوئی ہوگی جس کو اہل دنیا دن رات تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اہل جنت بھی اس کی تلاوت کرتے رہیں گے۔

نیز حق جل شانہٗ کا اپنے کلام قدیم میں زیدؓ کی نسبت یہ فرمانا لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اس بات کی دلیل ہے کہ زیدؓ کا ازل ہی میں مورد انعام الٰہی اور مورد انعام نبوی ہونا لکھا جا چکا ہے اس لفظ میں ان کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت ہے واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔

نکتۂ دیگر متعلقہ بآیت اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ۔

ابطالِ تقیہ

(۱) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تقیہ نہیں کرتے۔ صاف صاف اللہ کا پیام پہنچاتے ہیں۔

اور کسی سے نہیں ڈرتے اگر انبیاء تقیہ کرتے تو کافروں کے ہاتھوں مصیبتیں نہ اٹھاتے۔

(۲) چنانچہ سورۂ حجر میں ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ یعنی اے نبی صاف صاف اور کھول کر دین کی باتیں سنا دو اور مشرکین کی ایذاء رسانیوں کا دھیان نہ کرو۔ اور تقیہ صاف صاف کہنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ گول مول کہنے کے لیے ہوتا ہے۔

(۳) دوسرے پارہ کے نصف میں یہ آیت گذر چکی ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ بأساء اور ضراء اور طرح طرح کی بلاؤں کا پہنچنا اسی صورت میں ہے کہ جب تقیہ نہ کیا جائے اور علی الاعلان حق کو ظاہر کیا جائے۔

(۴) اور سورۂ آل عمران چوتھے پارہ میں یہ آیت گذر چکی ہے۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔ اور ظاہر ہے کہ تقیہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب آدمی ضعیف ہو جائے اور کافروں کے سامنے جھک جائے اور جہاد اور صبر بھی مقاتلہ اور مقابلہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ تقیہ کی صورت میں نہ جہاد کی ضرورت ہے اور نہ صبر کی۔

(۵) حق جل شانہ کا ارشاد ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ انبیاء خدا کے احکام پہنچانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں نہ کہ تقیہ کر کے احکام کو چھپانے کے لیے انبیاء نے حق گوئی میں ذرہ برابر دریغ نہیں کیا بلکہ اسی کی وجہ سے اپنی جان و مال اور عزت اور آبرو کو خدا کی راہ میں پامال کر دیا۔ معاذ اللہ اگر انبیاء کرام تقیہ کر لیتے تو ان کو ہجرت کی ضرورت نہ پیش آتی۔ حضرت علیؓ اگر تقیہ کر لیتے تو حضرت معاویہؓ سے لڑنے کی ضرورت نہ پیش آتی اور امام حسینؓ اگر تقیہ کر لیتے اور زبان سے یزید کی حکومت کا کلمہ پڑھ لیتے تو جان کی جان بچتی اور الٹی عزت و کرامت اور مال و دولت ان کو ملتی اور حضرت امیرؓ اگر تقیہ کر کے قاتلانِ عثمانؓ کو حضرت معاویہؓ کے حوالہ کر دیتے تو خلافت کی خلافت بنی رہتی اور دین کو ترقی ہوتی اور باغی اور مفسد اگر قتل ہو جائے تو کوئی حرج نہ تھا۔

(۶) قرآن صبر کے فضائل سے بھرا پڑا ہے اور تقیہ میں نہ ایذاء ہے اور نہ صبر کی ضرورت ہے۔ قال تعالیٰ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔

(۷) پیغمبروں کے بھیجنے سے مقصود اور غرض اظہار دین ہے نہ کہ اخفاء دین جیسا کہ سورۂ توبہ اور سورۂ فتح میں ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ اگر تقیہ جائز اور درست ہو تو دین کا ظہور کیسے ہو۔

(۸) نیز قرآن اور حدیث تبلیغ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم سے بھرے پڑے ہیں۔ کما قال تعالیٰ یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(۹) نیز اسی سورت کے شروع میں وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ کہ کافروں اور منافقوں کے کہنے پر نہ چلنا اس میں بھی تقیہ کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۰) اس کے بعد وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اظہار حق میں کافروں کی دشمنی اور ایذاء رسانی کی پروا نہ کرنا فتلك عشرۃ کاملۃ۔

لیکن اس ناچیز کو ڈر ہے کہ کہیں شیعہ حضرات یہ نہ کہہ دیں کہ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ میں نبی کو تقیہ کا حکم دیا گیا ہے۔

بہر حال یہ اہل سنت و جماعت کا مذہب اور اس کے دلائل کا بیان ہوا۔ اور شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء اور ائمہ کے لیے بھی تقیہ جائز ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء اور ائمہ اپنے توہمات کے بھروسہ پر کفار و فساق کے ہمرنگ بنے رہے اور بوجہ خوف اعداء ہمیشہ فرائض و ضروریات دین کو چھپاتے رہے۔ اور ان بزرگوں نے ساری عمر تقیہ میں گزار دی اور دین اور مذہب کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ نعوذ باللہ من هذہ الخرافات اور یہ نہ سمجھا کہ آخر پھر انبیاء کی بعثت سے اور ائمہ کی امامت سے کیا فائدہ ہوا۔

اطلاع بقدر ضرورت تقیہ کا ابطال ہم سورۂ توبہ کی اس آیت هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَہٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّہٖ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

اگر مزید تفصیل درکار ہے تو ہدیۃ الشیعہ مصنفہ مولانا محمد قاسمؒ از ص ۱۲۰ تا ص ۱۴۵ دیکھیں۔

طاعنین کے طعن کا جواب

یہاں تک اپنے متبنیٰ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کا حکم اور اس کی حکمت بیان کی اب اس کے بعد طاعنین کے طعن کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ منافقین کا یہ طعن کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا جب درست ہوتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کے باپ ہوتے لیکن سب کو معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کثرت ازواج و اولاد تمہارے مردوں میں سے کسی کے نسبی باپ نہیں۔ اور آپ کے جو تین فرزند تولد ہوئے۔ قاسمؓ اور طیبؓ اور طاہرؓ۔ وہ سب صغر سنی میں انتقال کر گئے۔ بلوغ کو نہیں پہنچے اور ماریہ قبطیہؓ سے جو ابراہیمؓ پیدا ہوئے وہ حالت شیر خوارگی ہی میں انتقال کر گئے آپ کا کوئی فرزند زندہ نہیں۔ یہاں تک کہ وہ رَجُل ہو یعنی مرد عاقل و بالغ ہو پھر آپ زیدؓ کے باپ کیسے ہو سکتے ہیں لہٰذا کسی کی یہ

مجال نہیں کہ یہ کہہ سکے کہ محمدؐ نے اپنے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا۔ نسبی اور جسمانی حیثیت سے آپؐ کو کسی کی ابوت (پدری) حاصل نہیں ولیکن آپ کو ایک دوسری قسم کی ابوت حاصل ہے جس کو حرمت مصاہرت میں دخل نہیں اور نہ اس پر نکاح کی حلت اور حرمت کا مدار ہے وہ دوسری قسم کی ابوت۔ روحانی ابوت ہے یعنی آپؐ سب کے روحانی باپ ہیں جو تعظیم اور احترام میں نسبی باپ سے کہیں بڑھ کر ہیں کیونکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ہر رسول امت کا روحانی باپ ہوتا ہے جیسا کہ اسی سورت کے شروع میں گذرا۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ اور ایک قرأت میں وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ آیا ہے اور روحانی باپ محبت اور شفقت میں نسبی باپ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے سب آپؐ کے بیٹے ہیں آپؐ کو بیٹا بنانے کی ضرورت نہیں اور اس روحانی ابوت میں آپؐ تمام رسولوں سے افضل اور اکمل ہیں اس لیے کہ آپ آخری نبی ہیں نبوت آپؐ پر ختم ہوگئی اور آپؐ کی آمد سے قصر نبوت کی تکمیل ہوگئی آپؐ کے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا۔ اللہ کے علم میں اور اللہ کے نزدیک جو نبی تھے وہ سب ختم ہوگئے اب قیامت تک آپؐ ہی کی نبوت کا دور دورہ رہے گا جیسا کہ انجیل یوحنا کے چودھویں باب میں ہے۔

قال عیسٰے للحواریین والملب لکم من ابی	عیسیٰؑ نے حواریین سے کہا کہ میں مانگونگا اپنے باپ سے تمہارے واسطے
ویعطیکم فارقلیط لیکون معکم دائمًا الی الابد	کہ وہ بخشے اور عطا کرے تم کو ایک فارقلیط تاکہ رہے وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ ابد تک۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور خدا کے آخری نبی ہیں آپؐ کی ذات بابرکات سلسلۂ نبوت کی آخری لڑی اور آخری کڑی ہے آپؐ کی بعثت سے نبوت کا دائرہ پورا ہوگیا اور آپؐ جسمانی اور نسبی حیثیت سے کسی مرد کے باپ نہیں البتہ آپؐ روحانی باپ ہیں اور روحانی باپ اور جسمانی باپ کے احکام الگ الگ ہیں اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔ اس نے اپنے علم و حکمت سے نبوّت کو آپؐ پر ختم فرمایا۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ۔ یعنی اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی نبوّت اور رسالت کو رکھتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس لائق ہے کہ اس پر نبوّت کو ختم کیا جائے اس نے اپنے علم و حکمت سے آپؐ کو خاتم النبیین بنایا یعنی آپؐ کو آخری نبی بنایا اور جب آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول بدرجۂ اولیٰ نہیں اس لیے کہ مقام رسالت مقام نبوت سے اخص ہے ہر رسول تو نبی ہے مگر ہر نبی رسول نہیں یعنی رسول اور نبی میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔

پس یہ آیت قدسی اس بارہ میں نص قطعی اور محکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالےٰ کے آخری نبی ہیں آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور یہی مضمون بکثرت احادیث صحیحہ اور صریحہ اور متواترہ سے ثابت ہے کہ نبوت آپؐ پر ختم ہوگئی اور آپؐ کے بعد جو نبوّت کا دعویٰ کرے وہ بلاشبہ کذاب اور دجال ہے اور یہ احادیث صحیحہ اور صریحہ بخاری اور مسلم اور تمام کتب حدیث میں مذکور ہیں جن میں سے حافظ ابن ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں دس حدیثیں ذکر کی ہیں اور بقیۃ السلف اور حجۃ الخلف حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہٗ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق محب محترم و عالم معظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی"

سابق مفتی دار العلوم دیوبند نے ہدیۃ المہدیین ایک جامع رسالہ عربی زبان میں مرتب فرمایا جس میں ختم نبوت کے متعلق جس قدر احادیث کا ذخیرہ فراہم ہو سکتا تھا اس میں جمع کر دیا جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین۔ جو اہل علم کے لیے قابل دید ہے اور ختم نبوت کے عنوان سے اُردو میں بھی مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جو عوام کے لیے غایت درجہ مفید ہے۔

جس شخص کو تفصیل درکار ہو تو مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کی مفصل اور مبسوط کتاب دیکھے اور جس شخص کو اختصار مدِ نظر ہو وہ اس ناچیز کی مختصر تالیف مسک الختام فی ختم النبوۃ علی سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام دیکھے جو مکتبہ صدیقیہ ملتان سے شائع ہوئی ہے۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ برادران اسلام کی تسلی اور تشفی کے لیے اجمالاً ان صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے نام شمار کر دیئے جائیں جن سے ختم نبوت کی احادیث مروی اور منقول ہیں۔

ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ـــ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ـــ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ـــ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ـــ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ
حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ ـــ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ
جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ـــ ابو حازم رضی اللہ عنہ ـــ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ـــ ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ
عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ـــ عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ ـــ ام کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہا ـــ ابو امامۃ الباہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سفینۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ ابن زمل الجہنی رضی اللہ عنہ ـــ ضحاک بن نوفل رضی اللہ عنہ
ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ ـــ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ـــ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حبشی بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ـــ زید بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ابو قبیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ـــ ابو الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ ـــ ابو بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ ـــ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ـــ عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ
عمر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ ـــ تمیم الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ عبید اللہ بن عمرو اللیثی رضی اللہ عنہ ـــ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
محمد بن حزم الانصاری رضی اللہ عنہ ـــ بہز بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ عبد الرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ
ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ عبد اللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ
الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ـــ مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ ـــ عفان بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابو معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ــــ سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ ــــ عکرمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ــــ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ــــ ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا
زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وعنا معہم برحمتک
یاارحم الراحمین کذا فی ہدیۃ المہدیین ص۲۱۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. نص صریح اور محکم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر نہ ہوگا اور یہی بات احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اور تمام امت کا اجماع قطعی ہے جس میں ذرہ برابر تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔

لطائف ومعارف

۱۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بیان فرمایا جو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خاص فضائل اور خصائص میں سے ہے جو آپؐ کے سوا اور کسی نبی کو یہ فضیلت عطا نہیں کی گئی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدًا وطھورًا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون۔ (رواہ مسلم وبخاری)	ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی۔ (۱) مجھ کو ایسے جامع کلمات عطا کیے گئے کہ لفظ تو بہت کم اور معنی بہت زیادہ۔ (۲) میری مدد اللہ نے اس طرح فرمائی کہ دشمنوں کے دل میں میرا رعب ڈال دیا۔ (۳) مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا۔ (۴) تمام زمین میرے لیے جائے سجود اور ذریعہ طہارت بنا دی گئی (۵) مجھ کو تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا یعنی میری بعثت تمام عالم کے لیے ہے کسی خاص قوم کے لیے نہیں۔ (۶) میں خاتم النبیّین ہوں مجھ پہ انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ (مسلم و بخاری)

مطلب یہ ہے کہ خاتم النبیین ہونا آپؐ کی خاص خصوصیت اور فضیلت ہے اب قیامت تک آپؐ کے بعد کسی کو نبوت نہیں عطا ہوگی اس لیے کہ آپؐ کا دین اور آپؐ کی شریعت کامل ہے اور تمام گزشتہ ادیان اور شرائع کی ناسخ ہے اب قیامت تک آپؐ کی امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح آپؐ ہی کی شریعت سے عالم کی رہنمائی کرتے رہیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم نبوت کی فضیلت کو ایک مثال سے واضح فرمایا چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔

ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ وانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔ رواہ البخاری ومسلم وغیرھما۔

میری مثال اور گزشتہ پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے نہایت عمدہ مکان بنایا اور اس کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک کونہ پر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور لوگ اس مکان کے اردگرد آکر گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ لگا دی گئی کہ مکان بالکل مکمل ہو جاتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قصر نبوّت کی آخری اینٹ میں ہوں جس سے وہ محل پورا ہوا۔ اور میں خاتم النبیین ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ قصر نبوت بالکل مکمل ہو چکا ہے اب اس میں کسی تشریعی اور غیر تشریعی نبوت کی اینٹ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۲) ذکر اختلاف قرأت در آیت ختم نبوّت

آیت مذکورہ میں جو لفظ خاتم النبیّین آیا ہے اُس کو بعض قرّاء نے بفتح تا پڑھا ہے جس کے معنی مُہر کے ہیں یعنی آپؐ سب نبیوں کی مہر ہیں آپؐ کی آمد سے نبوت پر مہر لگ گئی اور پیغمبری آپؐ پر ختم ہو گئی۔ خط پر مہر جب لگتی ہے کہ جب کتابت تمام ہو جاتی ہے اسی طرح آپؐ کی ذاتِ بابرکات نبوت پر مہر ہے اس لیے آپؐ کی آمد سے نبوت ختم ہو گئی اور آئندہ کے لیے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور بعض قرّاء نے خاتِم بکسرِ تا پڑھا ہے جس کے معنی آخر کے ہیں یعنی آپؐ آخر الانبیاء ہیں۔

بہرحال جو بھی قرأت لی جائے بہرصورت معنی یہی ہیں کہ آپؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ مہر دروازہ بند کرنے کے ہی لیے لگائی جاتی ہے کہ اندر کی چیز باہر نہ آسکے اور باہر کی چیز اندر نہ جا سکے۔ کما قال تعالیٰ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی کہ کفر اندر بند ہو گیا کہ وہ کفر اب اندر سے باہر نہیں آسکتا اور باہر سے کوئی ہدایت ان کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اروح وقد ختمت علی فؤادی بحبّک ان یحل بہ سواکا

اے محبوب میں چلتا پھرتا ہوں مگر میرا حال یہ ہے کہ تو نے میرے دل پر اپنی محبت کی ایسی مہر لگا دی ہے کہ تیری محبت تو دل کے اندر سے باہر نہیں نکل سکتی اور باہر سے کسی اور کی محبت دل کے اندر داخل نہیں ہو سکتی۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں اس طرح آیا ہے۔ مِنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ نَبِیًّا خَتَمَ النَّبِیّٖنَ بصیغہ ماضی آیا ہے اور مطلب یہ ہے لیکن آپؐ ایسے نبی ہیں جنہوں نے تمام نبیوں کو ختم کر دیا۔

یہ قرأت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے جو تفسیر قرطبی ص ۱۹۷ ج ۱۴ میں مذکور ہے۔
اس قرأت نے ملاحدہ اور زنادقہ کی تمام تاویلات کو ختم کر دیا جس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ آپؐ نے تمام انبیاء کو ختم کر دیا آپؐ سب نبیوں کے خاتم ہیں آپؐ کے بعد قیامت تک کسی قسم کا کوئی نبی آنے والا نہیں اور آپؐ پر مطلقاً نبوت ختم ہوگئی۔ مستقلہ ہو یا غیر مستقلہ تشریعیہ ہو یا غیر تشریعیہ۔ اور جب نبوت ختم ہوگئی تو رسالت کا ختم ہونا بدرجۂ اولیٰ معلوم ہوگیا اس لیے کہ عام کی نفی خاص کی نفی کو مستلزم ہے۔

(۳) لفظ "خاتم" کی تشریح

لفظ خاتم کلام عرب میں دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی تو حقیقی ہیں اور ایک معنی مجازی ہیں خاتم کے حقیقی معنی آخر کے ہیں جو سب کے بعد ہو اور خاتم کے معنی مجازی افضل اور اکمل کے ہیں اور اکمل اور افضل اس شئے کو کہتے ہیں کہ جس پر کوئی کمال اور کوئی فضیلت ختم ہو جائے اور وہ شئے اس فضل و کمال میں بے مثال ہو کوئی اس کا مثل اور ثانی نہ ہو۔
اسی طرح آیت میں لفظ خاتم النبیین کو سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم النبیین کہا گیا وہ دونوں معنی کے اعتبار سے درست ہے آپؐ زمانہ کے اعتبار سے بھی آخری نبی ہیں اور آپؐ کی ذات والا صفات فضائل و کمالات کا بھی منتہیٰ ہے کہ تمام کمالات آپؐ پر ختم ہیں۔ کمالات نبوت میں کوئی آپؐ کا مثل اور ثانی نہیں اسی معنی کو عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

بہر ایں خاتم شدست او کہ بجود ۔۔۔ مثل او نے بود نے خواہند بود

حضور پُر نورؐ اس لیے خاتم النبیین کے لقب سے ملقب ہوئے کہ فیض رسانی میں نہ گزشتہ زمانہ میں کوئی آپؐ کا مثل ہوا اور نہ آئندہ زمانہ میں کوئی آپؐ کا مثل ہوگا یعنی آپؐ کمالات نبوت میں بے مثل اور لاثانی ہیں۔ مولانا رومؒ کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ پر ختم نبوت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ آپؐ نبوت و رسالت میں یکتا اور بے مثل ہیں یعنی آپؐ نبوت و رسالت میں اس درجہ حد کمال کو پہنچے کہ اب اس پر زیادتی اور فوقیت متصور نہیں۔

چونکہ در صنعت برد استاد دست ۔۔۔ نے تو گوئی ختم صنعت بر تواست

جیسے کوئی استادِ فن اور ماہر فن کسی صنعت اور فن میں کامل ہوتا ہے تو کیا اس وقت یہ نہیں کہتے کہ اس پر یہ صنعت ختم ہوگئی۔
اسی طرح سمجھو کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے ایک معنی تو وہ ہیں کہ جو سب کے نزدیک ظاہر اور باہر اور مسلم ہیں حضورؐ آخری نبی ہیں۔ آخر زمانہ میں سب انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے اور جو اس کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور ملعون اور مرتد ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ آپؐ نبوت و رسالت

میں سب سے افضل واکمل ہیں یعنی کمالات نبوت کے خاتم ہیں آپؐ پر نبوت کے تمام کمالات ختم ہوگئے۔ جیسے استاد سب پر فائق ہوتا ہے اسی طرح حضور پرنورؐ بھی تمام انبیاءؑ پر فائق ہیں اور سب سے افضل اور اکمل ہیں اور آپؐ کی نبوت اور شریعت اس درجہ کامل ہے کہ اس کے بعد کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت باقی نہیں قیامت تک آنیوالوں کی ہدایت کے لیے آپؐ کی شریعت کافی اور وافی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خاتم کا اطلاق آخر زمانی پر بھی آتا ہے خاتم کے پہلے معنی حقیقی ہیں اور دوسرے معنی مجازی ہیں اور ان دونوں معنی میں کوئی تضاد اور منافات نہیں کہ ایک کے اثبات سے دوسرے کی نفی لازم آئے۔ بلکہ خاتمیت بمعنی جامعیت واکملیت۔ زماناً ختم نبوت کو مستلزم ہے کہ آپؐ کی نبوت اور شریعت ایسی جامع اور کامل ہے کہ اس کے بعد اخیر زمانۂ عالم تک کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ لا نبی بعدی اور فرمایا لو کان موسیٰ بن عمران حیا لما وسعہ الا اتباعی یعنی میرے بعد تو کسی کو کیا نبوت اور شریعت ملتی مجھ سے پہلے جن کو نبوت اور شریعت مل چکی ہے بالفرض اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا اور اخیر زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کے بعد آپؐ ہی کی شریعت کا اتباع کریں گے اور آپؐ کا نزول رسول ہونے کی حیثیت سے نہ ہوگا بلکہ حکم عدل مقسط ہونے کی حیثیت سے ہوگا۔

نبوت حضور پُرنورؐ پر ختم ہوگئی اور آپؐ کو جو شریعت کاملہ عطا کی گئی وہ قیامت تک عالم کی ہدایت کے لیے کافی ہے علماء امت آپؐ کی شریعت کے ذریعہ لوگوں کی تربیت کرتے رہیں گے چونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اس لیے آپؐ کے بعد منصب نبوت میں کوئی آپؐ کا وارث نہیں۔ البتہ علماء امت آپؐ کے علم کے وارث ہوں گے علماء نبی تو نہ ہوں گے البتہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح لوگوں کو آپؐ کی شریعت کی تعلیم و تبلیغ کرتے رہیں گے۔

اور اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپؐ دونوں طرح اور دونوں معنی میں خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور مرتبہ اور کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور جو حضور پُرنورؐ کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے۔ اور صدیق اکبرؓ کا مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کرنا اور ان کو اپنی تیغ بے دریغ کا لقمہ بنانا مسلمات میں سے ہے بلکہ حضورؐ کی وفات کے بعد امت محمدیہ میں جو پہلا اجماع منعقد ہوا وہ مدعیان نبوت کے قتل پر ہوا اور کسی سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ تو تشریعی یا غیر تشریعی یا ظلی یا بروزی نبوت کا مدعی ہے۔

عارف رومیؒ نے مثنوی میں جا بجا ختم نبوت کو بیان فرمایا کسی جگہ تو مشہور و معروف معنی کے اعتبار سے آپؐ کا خاتم النبیین ہونا بیان کیا کہ آپؐ تمام کمالات اور مراتب عالیہ کے خاتم ہیں اور منصب نبوت و رسالت میں کوئی آپؐ کا مثل اور ثانی نہیں۔

اور لیجئے عارف رومیؒ مثنوی میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح آپؐ کمالات نبوت کے خاتم ہیں۔

اسی طرح آپؐ کمالات نبوت کے فاتح اور مبداء بھی ہیں

تفلہائے ناکشادہ ماندہ بود از کف اِنَّا فَتَحْنَا برکشود

یعنی انبیاء سابقین جو علوم اور معارف کے قفل بے کھلے چھوڑ گئے تھے وہ صاحب اِنَّا فَتَحْنَا کے مبارک ہاتھ سے کھل گئے اشارہ اس طرف ہے کہ سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا میں اگرچہ ظاہری اور حسی فتح مراد ہے یعنی فتح مکہ کے معنی مراد ہیں لیکن یہ لفظ فتح مکہ کے ساتھ خاص نہیں۔ فتح ظاہری کے ساتھ فتح معنوی اور فتح باطنی کو بھی شامل ہے۔ اور اسی وجہ سے آپؐ کا ایک لقب فاتح بھی ہوا کہ معنوی اور باطنی قفل آپؐ کے ہاتھ سے کھلے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اِنَّا فَتَحْنَا میں ظاہری فتح یعنی فتح مکہ مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس ظاہری فتح میں ایک معنوی اور باطنی فتح کی طرف بھی اشارہ ہے غرض یہ کہ عارف رومیؒ کے نزدیک حضور پُر نورؐ فاتح النبیین بھی ہیں۔ اور خاتم النبیین بھی ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ عارف رومی قدس سرہٗ السامی کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ ہر اعتبار سے خاتم ہیں۔ اور فضیلت کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور آپؐ کا لقب خاتم النبیین فقط ختم زمانی اور تاخر زمانی میں منحصر نہیں بلکہ ختم زمانی کے ساتھ خاتمیت کمالات کو بھی شامل ہے جو آپؐ کی افضلیت اور اکملیت کی دلیل ہے۔ چونکہ زمانہ کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا تمام امت کے نزدیک بلا کسی اختلاف کے مسلم تھا اس لیے عارف رومیؒ نے عارفین کے طریقہ پر ختم نبوت کے ایک دوسرے معنی کی طرف اشارہ فرمایا جو غایت درجہ لطیف ہے۔ مولانائے رومؒ کے کلام سے یہ اخذ کر لینا کہ مولانا خاتمیت زمانی کے منکر ہیں۔ اور بقاء نبوت کے قائل ہیں سراسر حماقت اور نادانی ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر حماقت یا چالاکی اور عیاری ختم ہو چکی ہے جو ایسی عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ عارف رومیؒ نے مثنوی میں خاتمیت کے دو معنی بیان کیے ایک خاتمیت زمانیہ اور دوسرے خاتمیت بمعنی اکملیت و جامعیت کمالات نبوت۔ چونکہ پہلے معنی معروف اور مشہور اور مسلم تھے کہ اس کا انکار بلا شبہ کفر ہے اس لیے اس کی تفصیل نہیں فرمائی اور دوسرے معنی غیر مشہور تھے اس لیے دوسرے معنی کی زیادہ تفصیل فرمائی اور ختم نبوت کے ان دونوں معنوں میں منافات نہیں بلکہ تلازم ہے کہ خاتمیت بمعنی جامعیت کمالات کے لیے زماناً ختم نبوت لازم ہے کہ آپؐ کی نبوت اور شریعت اس درجہ کامل اور مکمل ہے کہ اس کے بعد قیامت تک کسی نبوت اور شریعت کی ضرورت نہیں آپؐ کی نبوت اور شریعت قیامت تک ہدایت کے لیے کافی ہے۔ معاذ اللہ مولانائے رومؒ کا یہ مطلب نہیں کہ حضور پر نورؐ خاتم زمانی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ خاتم مطلق ہیں زماناً بھی اور کمالاً بھی اور دونوں معنوں میں کوئی منافات نہیں بلکہ تلازم ہے۔ حضرات اہل علم مزید تفصیل کے لیے بحر العلوم شرح مثنوی ص۱۴ دفتر ششم دیکھیں۔ اور ختم نبوت کے یہی معنی جن کو مولانا رومؒ نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس وغیرہ میں بیان کیے۔ جس پر مبتدعین نے بے سمجھے بے حد شور مچایا اور ملاحدہ نے اور مسیلمۂ قادیان کے اذناب نے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے اس کو عقیدۂ بقاء نبوت کی تائید میں پیش کیا۔

مسئلہ کی صحیح حقیقت وہ ہے جو ہم نے ناظرین کے سامنے پیش کر دی ہے۔ دیکھو کلید مثنوی عشر اول از شرح مثنوی دفتر ششم مصنفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ ص۴۱ و مفتاح العلوم شرح مثنوی ص۵۶ ج ۱۵ اور دیکھو وعظ النور ص۵ از مواعظ حضرت تھانویؒ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ حسب ارشاد نبویؐ ان لکل ایۃ ظھرًا وبطنا ہر آیت کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی معنی۔ سو حضور پُر نورؐ کی خاتمیت کے بھی دو معنی ہوں گے ایک ظاہری معنی اور ایک باطنی معنی سو خاتمیت زمانیہ اس آیت کا ظہر ہوگا یعنی باعتبار زمانہ کے سب سے اخیر زمانہ میں سب انبیاء کے بعد آپؐ مبعوث ہوئے اور خاتمیت کا بطن یعنی باطنی معنی یہ ہوں گے کہ حضور پُر نورؐ پر نبوت و رسالت کے تمام کمالات ختم ہیں اور آپؐ کی ذات بابرکات تمام کمالات کا منتہیٰ ہے دیکھو اجوبہ اربعین ص۸۳۔ جس طرح روشنیوں کا سلسلہ آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام کمالات کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات پر ختم ہو جاتا ہے۔

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

غرض یہ کہ حسب ارشاد نبوی ہر آیت کا ایک ظہر ہے یعنی ظاہر ہے اور ایک بطن ہے بمعنی باطن ہے اور ظاہر اور باطن دونوں متلازم ہیں ایک کو دوسرے سے جدا کرنا حقیقت کے نفی اور انکار کے مترادف ہے۔ ہر ظاہر کے نیچے ایک باطن ہے اور وہ باطن جب تک اس ظاہر کے ماتحت رہے تو وہ اس کا باطن ہے اور اگر اس کے تحت سے نکل جائے تو پھر وہ اس کا باطن نہیں۔ ظہر اور بطن مل کر شئے واحد بنتا ہے الگ الگ ہو جانے کے بعد کوئی بھی باقی نہیں رہتا باطنی معنی وہی معتبر ہیں کہ جو شریعت کے ظہر (ظاہر) کے تحت ہوں اور اگر شریعت کے ظہر کے تحت سے نکل جائیں یا اس کے اوپر ہو جائیں تو وہ معتبر نہیں خوب سمجھ لو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے کلام معرفت التیام کا حاصل یہ ہے کہ خاتمیت ایک جنس ہے جس کی دو قسمیں ہیں ایک زمانی اور دوسرے رتبی۔ خاتمیت زمانیہ کے معنی یہ ہیں کہ حضور پُر نور سب سے اخیر زمانہ میں تمام انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے اور اب آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا اور خاتمیت رتبیہ کے معنی یہ ہیں کہ نبوت و رسالت کے تمام کمالات اور مراتب حضور پر نورؐ پر ختم ہیں اور حضور پر نورؐ دونوں اعتبار سے خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی اور مراتب نبوت اور کمالات رسالت کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں۔ حضورؐ کی خاتمیت فقط زمانی نہیں بلکہ زمانی اور رتبی دونوں قسم کی خاتمیت حضورؐ کو حاصل ہے اور حضورؐ کی خاتمیت زمانیہ قرآن اور حدیث متواتر اور اجماع امت سے ثابت ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اور حضورؐ کی خاتمیت زمانیہ کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ رکعات نماز کا منکر کافر ہے۔

اطلاع: اس ناچیز نے حضرت مولانا قاسمؒ اور شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے کلام کی تحقیق میں ایک مستقل رسالہ بھی لکھ دیا ہے اس کو بھی دیکھ لیا جائے۔

(۴) ایک شبہ اور اس کا ازالہ

خاتم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ حضور پُر نورؐ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا اور آپؐ کے بعد

کسی کو منصب نبوت عطا نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ختم نبوت کے منافی نہیں اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال پہلے نبی بنائے گئے اور صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے اور پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور قیامت کے قریب آسمان سے اسی سابق جسم کے ساتھ نازل ہوں گے کوئی دوسرا جسم نہ ہوگا اور نہ یہ کوئی دوسرا جنم ہوگا اور وہ نزول بحیثیت نبوت و رسالت کے نہ ہوگا۔ اور وہ اس امت کی طرف نبی بنا کر نہیں بھیجے جائیں گے بلکہ بحیثیت خلافت ہوگا یعنی خاتم الانبیاء کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان کا نزول ہوگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپؐ سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں اور نبی نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتا اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نبی اور رسول بھی ہوں گے اور حسب سابق اپنی نبوت و رسالت پر قائم ہوں گے لیکن خاتم الانبیاءؐ کے تابع ہوں گے آپؐ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپؐ ہی کے قبلہ کی طرف منہ کر کے آپؐ کی شریعت کے مطابق نماز پڑھیں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد اگرچہ نبی اور رسول ہوں گے مگر آپؐ ہی کی شریعت کے تابع ہوں گے ان کا تمام عمل کتاب و سنت اور شریعت پیغمبر آخر الزمانؐ کے مطابق ہوگا اور اسی معنی کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو کان موسیٰ حیا ما وسعہ الا اتباعی۔ یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری متابعت کے بغیر چارہ نہ ہوتا اسی طرح سمجھو کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد حضور پُر نورؐ اور آپؐ کی شریعت کے تابع ہوں گے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام نبی تھے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع اور ان کے وزیر تھے اور حضرت لوطؑ نبی تھے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے اور یحییٰ علیہ السلام نبی تھے مگر زکریا علیہ السلام کے تابع تھے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد خاتم النبیین کے وزیر اور خلیفہ اور تابع ہوں گے اور جب ایک زمانہ میں بیک وقت ایسے دو نبی ہو سکتے ہیں کہ ایک نبی دوسرے نبی کا تابع ہو تو ایک نبی کے گذر جانے کے بعد دوسرا نبی جو پہلے سے نبی ہو چکا ہے آنے والے نبی کے تابع ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے آخر انبیاءؑ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے بعد توریت پر عمل کرتے تھے اور شریعت موسویہ کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

کما قال تعالیٰ۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۔ وقال تعالیٰ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ۔

معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو خاتم الانبیاءؐ سے پہلے نبوت مل چکی ہے ان کا دنیا میں نازل ہونا ختم نبوت کے منافی نہیں البتہ کسی نئے شخص کا دعوائے نبوت خاتم النبیین کے خلاف ہے۔ اور یہی دعوائے نبوت اس مدعی کے کذاب اور دجال ہونے کی صریح دلیل ہے۔ مرزائے قادیان کا گمان ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے نزول سے تو ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جائے گی مگر قادیان کے ایک دہقان کے دعوائے نبوت سے ختم نبوت کی مہر نہیں ٹوٹتی۔

(۵) نکتہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس اُمّت کی طرف پیغمبر بنا کر نہیں بھیجے جائیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ پھر وہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور ان کا زمانۂ بعثت ختم ہوگیا اب اخیر زمانہ میں جب ان کا نزول ہوگا اور وہ نزول امتِ محمدیہ کی مدد کے لیے ہوگا۔ آخر زمانہ میں کافروں کا غلبہ ہوگا اور ان کا سردار دجال خبیث ہوگا جس سے بطور استدراج عجیب وغریب خوارق کا ظہور ہوگا۔ مردوں کو زندہ کرے گا اور بادل سے کہے گا کہ پانی برسا تو وہ اسی وقت برسنے لگے گا۔ اس کے ہلاک کرنے کے لیے حضرت مسیح بن مریمؑ آسمان سے نازل ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے زمانۂ نبوت میں اسی قسم کے معجزات عطا کیے تھے اور اجل مقدر سے پہلے آسمان پر اٹھائے گئے پس اخیر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اپنے مسیح طیب کو اس مسیح خبیث یعنی دجال کی ہلاکت کے لیے نازل فرمائیں گے تاکہ وہ نزول کے بعد اپنی دنیاوی حیات پوری کریں اور اس زندگی میں امت محمدیہ کی مدد کریں کہ امت محمدیہ کو دجال کے فتنہ سے نجات دلائیں۔ وَاللّٰہُ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۶) حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام چونکہ خاتم النبیین نہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دے دی کہ ان کے بعد ان کی ذریت میں نبوت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا فِىْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ چنانچہ ان کی اولاد میں ہزاروں سال نبوت کا سلسلہ جاری رہا اور علیٰ ہذا موسیٰ علیہ السلام بھی خاتم النبیین نہ تھے اس لیے انہوں نے بھی اپنے بعد آنے والے نبیوں کی اور خاص کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر دی کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے یعنی بنی اسمٰعیل میں سے مجھ جیسا ایک نبی برپا کرے گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالے گا اور خبر دی کہ اخیر زمانہ میں اللہ کا نور فاران کی چوٹیوں سے چمکے گا اور علیٰ ہذا داؤد علیہ السلام خاتم النبیین نہ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح انہوں نے بھی نبی آخر الزمانؐ کے ظہور کی خبر دی اور خلفاء راشدین کی بھی خبر دی کہ اس نبی آخر الزمانؐ کے خلیفہ اور جانشین ایران اور شام وغیرہ کی زمینوں کے وارث ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ۔

اس آیت میں بالاتفاق عبادِ صالحین سے صحابہ کرامؓ مراد ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قیصر وکسریٰ کی سلطنت کے اور تخت وتاج کے وارث خدا کے نیک بندے ہوں گے نبی نہ ہوں گے بلکہ نبی آخر الزمانؐ کے خلفاء راشدین ہوں گے جس کی تفصیل سورۂ انبیاء میں گزر چکی ہے۔ اور علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ خاتم النبیین نہ تھے اس لیے انہوں نے اپنے بعد آنے والے فارقلیط کی بشارت دی۔ کما قال تعالیٰ۔ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ

مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ
اور توریت اور زبور اور انجیل کی انہی بشارات کی بنا پر ہر زمانہ میں علماء یہود اور نصاریٰ نبی آخر الزمانؐ کے آمد کے منتظر رہے کیونکہ سب کو یقین تھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ خاتم النبیین نہ تھے۔

اور سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ علیہ السلام چونکہ خاتم النبیین تھے اس لیے آپؐ نے یہ فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں اور آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد ایران یا قادیان یا ہندوستان میں کسی جگہ کوئی نبی ظاہر ہو تو تم اس کی پیروی کرنا جیسا کہ انبیاء سابقین اپنے بعد آنے والے نبیوں کی خبر دیتے رہے آپؐ نے اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی بلکہ بار بار یہ فرمایا کہ میرے بعد مطلقاً جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کذاب ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ بنی اسرائیل میں نبوت کا سلسلہ جاری تھا ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں اور بار بار آپؐ نے اس کا اعلان فرمایا کہ تم آخری امت ہو اور میں آخری نبی ہوں اور فرمایا بالفرض میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے اور ظاہر ہے کہ اگر عمرؓ نبی ہوتے تو مستقل نبی نہ ہوتے بلکہ آپؐ کی شریعت کے تابع ہوتے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ اے علیؓ تو میرے لیے بمنزلہ ہارونؑ کے ہے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی۔ اس لیے ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وزیر اور تابع تھے پس اگر بالفرض حضرت علیؓ نبی ہوتے تو جس طرح ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اسی طرح حضرت علیؓ آپؐ کے تابع ہوتے مستقل نبی نہ ہوتے معلوم ہوا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق جو آیا ہے وہ حکم فرضی اور تقدیری ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر میرے بعد ہوتے تو یہ لوگ ہوتے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں اور اسی طرح آپؐ کا یہ ارشاد کہ:۔

(اگر میرا فرزند ابراہیمؓ زندہ رہتا تو نبی اور صدیق ہوتا) یہ کلام بھی فرضی اور تقدیری ہے جس سے یہ بتلانا ہے کہ مجھ پر نبوت ختم ہو چکی ہے میرے بعد نبی ہو کر آنا محال اور ناممکن ہے اس قسم کا کلام کسی چیز کا امکان ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کے محال اور ناممکن ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے کما قال تعالیٰ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔

قرآن کریم نے جس طرح اس بات کی خبر دی ہے کہ توریت اور انجیل میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی بشارتیں موجود ہیں اسی طرح قرآن کریم نے یہ خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی صفات اور بشارات بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

کما قال تعالیٰ۔ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ الی آخر السورۃ۔

اور اس کے علاوہ بے شمار آیتیں صحابہ کرام کی مدح میں نازل ہوئیں تو کیا صحابہ کرام میں سے ایک شخص بھی اس قابل نہ ہوا کہ حضور پرنورؐ کا نام پا سکے اور ظلی یا بروزی یا کسی قسم کی نبوت اس کو مل سکے۔ تیرہ سو برس تک نبوت کا دروازہ بند رہا صرف مرزا قادیان کے لیے کھلا اور پھر قیامت تک کے لیے بند ہو گیا۔

اور مرزا صاحب کے بعد مرزا صاحب کے جن مریدوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ ہم مرزا صاحب کے ظل اور بروز ہیں ان کو بھی مرزا صاحب نے کافر اور مرتد اور واجب القتل کہہ کر اپنے سلسلہ سے خارج کر دیا گویا کہ مرزا صاحب کے لیے تو نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور باقی سب کے لیے بند ہے اس چودہ سو سال کی مدت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر صرف مرزائے قادیان کو نبی بنا سکی اور مرزا کے بعد وہ مہر ختم ہو گئی یا اس مہر کی صلاحیت ختم ہو گئی کہ اب اس مہر سے قیامت تک کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ جس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ دراصل خاتم النبیین اور آخری نبی مرزائے قادیان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت حقیقی اور پوری نہ تھی آپ کے بعد مرزا صاحب کے لیے تو نبوت کا دروازہ کھلا ہوا تھا مگر مرزا صاحب کے بعد نبوت کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو گیا کہ اب کوئی فرد بشر اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ یہ کہ قرآن اور حدیث سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضور پُر نور خاتم النبیینؐ اور آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آیات اور احادیث میں ظلی اور بروزی نبی کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلق نبوت کی نفی ہے کہ آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت نہیں ملے گی اور آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہو سکتا نہ تشریعی اور نہ غیر تشریعی اور نہ ظلی اور نہ بروزی۔

مسیلمۂ قادیان کا ہذیان

بہر حال ختم نبوت مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور مسیلمۂ قادیان یعنی مرزا غلام قادیانی ختم نبوت کا منکر اور بقاء نبوت کا مدعی ہے کبھی کہتا ہے کہ میں مستقل نبی اور رسول ہوں اور کمالات نبوت میں تمام انبیاء و مرسلین سے برتر اور بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ نزول المسیح کے صہ ۹۹ پر لکھا ہے۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے ۔۔۔ من بعرفاں نہ کمترم زکسے

آنچہ دادہ ست ہر نبی را جام ۔۔۔ داد آں جام مرا بتمام

اس قسم کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ مرزائے قادیان اپنے کو انبیاء کا ہمسر بھی نہیں بلکہ ان سے برتر اور بہتر سمجھتا ہے اور اس قسم کی بے شمار عبارتیں اسکی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر مرزا اپنی پردہ پوشی کے لیے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور مخالفین کو خاموش کرنے کے لیے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میری نبوت۔ نبوت محمدیہ سے کوئی علیحدہ چیز نہیں اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی اور کبھی کہتا ہے کہ میں عین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ سبحان اللہ۔ کیا مرزا کے والد کا نام عبداللہ اور اس کی والدہ کا نام آمنہ اور اس کی بیٹی کا نام فاطمہؓ تھا مرزا کا یہ کہنا کہ میں عین محمد ہوں اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں حقیقۃً اور واقعی عین محمد ہوں تو یہ کھلا ہوا کفر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے اور اگر واقع میں عین محمد نہیں تو پھر فی الحقیقت دوسرے نبی بنے جس سے ختم نبوت کی مہر ٹوٹی۔ اور کبھی کہتا ہے کہ میں غیر تشریعی

اور غیر مستقل نبی ہوں اور کہتا ہے کہ حدیث لا نبی بعدی کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی مستقل اور صاحب شریعت نبی نہ ہوگا۔ اور کبھی کہتا ہے کہ میں ظلی اور بروزی نبی ہوں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میں رام چندر اور کرشن بھی ہوں یعنی ان کا بھی ظل اور بروز ہوں۔ ہر طرف ہاتھ مارتا ہے۔ ہندوؤں کا اوتار اور مسلمانوں کا نبی بننا چاہتا ہے۔

غرض یہ کہ مرزا کا کہنا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہوں محض لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور کفر اور دجل کو چھپانے کے لیے ہے ورنہ مرزا درحقیقت بصد صراحت نبوت تشریعیہ اور مستقلہ کا مدعی ہے اور اپنی وحی کو قرآن کی طرح واجب الایمان قرار دیتا ہے اور اپنے منکر اور متردد کو کافر اور جہنمی قرار دیتا ہے۔ حالانکہ خود مرزا کا اقرار ہے کہ صرف صاحب شریعت نبی کے انکار سے کافر ہوتا ہے مُلهَم من اللہ کے انکار سے کافر نہیں ہوتا۔ مرزا نے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے چند الفاظ ظلی اور بروزی کے گھڑے ہیں جن کی قرآن اور حدیث میں کوئی اصل نہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مرزا کے کلام سے ان الفاظ کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

بروزی اور ظلی نبوّت کی حقیقت

مرزائے قادیان حقیقۃ النبوۃ ص۲۶۵ وص۲۶۶ پر بحوالہ "ایک غلطی کا ازالہ" لکھتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو درحقیقت خاتم النبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ. بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود قرار دیا جائے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب کو نبوت ملنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ میں آپ کا ظل اور سایہ ہوں اور سایہ اصل کا غیر نہیں ہوتا یعنی میں آپ کا عین ہوں اور میرا نام بھی محمد اور احمد ہے اس لیے میں بعینہٖ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔

اور تریاق القلوب حاشیہ ص۱۵۷ میں خود مرزا لکھتا ہے۔ غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خُو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے تقریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمدؐ کے نام سے پکارا گیا۔

اور کتاب قول فیصل صـ۶ میں بحوالہ اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۲ء مرزا کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ "کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کیے گئے۔ پہلے تمام انبیاء ظلی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خاص صفات میں اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں"۔

ان عبارات میں مرزائے قادیان نے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر دنیا کو دھوکہ دیا ہے کہ میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں لہذا اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ میں نبی کریمؐ کا ظل اور بروز ہوں اور آپؐ کا سایہ ہوں اور سایہ اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

(۱) یہ سب لغو اور باطل اور بیہودہ خیال ہے اور عقلاً و نقلاً محال ہے اگر بروز سے مرزائے قادیان کا یہ مطلب ہے کہ روحِ محمدی نے تیرہ سو سال کے بعد مرزا کے جسم میں جنم لیا ہے اور روح محمدی بطریق تناسخ مرزائے قادیان کے جسم میں حلول کر آئی ہے تو یہ عقیدہ اسلام میں کفر ہے یہ عقیدہ تو ہندوؤں کا ہے جو تناسخ کے قائل ہیں اور قیامت کے اور حشر و نشر کے منکر ہیں پس اگر بروزی نبوت سے مرزا کی یہ مراد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک تیرہ سو سال بعد اعلیٰ علیین سے اور مدینہ منورہ سے چل کر قادیان آئی اور پھر مرزا غلام احمد کے جسم میں اس کا بروز ہوا تو یہ بعینہٖ تناسخ ہے جس کے ہندو اور آریہ قائل ہیں کہ مرنے کے بعد ارواح فنا نہیں ہوتیں بلکہ ہوا میں پھرتی رہتی ہیں اور جب کوئی مردہ جسم پاتی ہیں تو اس میں گھس جاتی ہیں اور پھر اس میں یہ پابندی نہیں کہ انسان کی روح انسان ہی کے جسم میں داخل ہو بلکہ گدھے اور کتے وغیرہ کے جسم میں بھی داخل ہو جاتی ہے غرض یہ کہ اگر بروز سے مرزا کی بھی یہی مراد ہے تو یہ حقیقت تناسخ ہے۔

(۲) نیز تریاق القلوب کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کے نزدیک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت حضرت ابراہیمؑ کا بروز تھا اور حقیقت ابراہیمی اور حقیقت محمدی ایک تھی اور دونوں ایک دوسرے کے عین تھے کیونکہ مرزا کے نزدیک ظل اور صاحب ظل میں عینیت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے مرزا اپنے آپ کو عین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس سے صاف طور پر لازم آتا ہے کہ سرور عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ بذات خود کوئی مستقل چیز نہ تھے نہ آپؐ کا وجود مستقل تھا اور نہ آپؐ کی نبوت کوئی مستقل شے تھی۔ بلکہ آپؐ کا تشریف لانا بعینہٖ ابراہیم علیہ السلام کا تشریف لانا تھا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام تو اصل رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ظل اور بروز ہوئے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مستقل نہ تھی بلکہ ظلی اور بروزی تھی۔ اصل نبوت تو حضرت ابراہیمؑ کی تھی اور حضورؐ کی نبوت۔ حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کا ظل اور بروز تھی۔ اصل تو حضرت ابراہیمؑ تھے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نبوت کا آئینہ تھے اور یہ صریح کفر ہے۔

(۳) نیز عبارت مذکورہ بالا کی بنا پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیمؑ کا بروز اور ظل ہوئے اور خاتم النبیین آپؐ ہی ہوئے تو اس سے یہ لازم آیا کہ اصل خاتم النبیین حضرت ابراہیمؑ ہیں نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ کیونکہ بقول مرزا سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت ابراہیمؑ کا ظل اور بروز ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اصل خاتم النبیین تو حضرت ابراہیمؑ ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظلی اور بروزی خاتم النبیین ہیں اور فقط سایۂ ابراہیمی ہیں۔

اور اگر یہ کہو کہ باوجود ظل اور بروز ہونے کے اصل خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں نہ کہ حضرت ابراہیمؑ۔ تو پھر بقول مرزا یہ لازم آئے گا کہ اصل خاتم النبیین تو مرزائے قادیان ہو جو کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل اور بروز ہونے کا مدعی ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اصلی خاتم النبیین تو مرزا ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت محض ظلی اور بروزی اور مجازی ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بھی صریح کفر ہے۔

(۴) نیز الحکم کی عبارت مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات رسالت کے جامع تھے تو پھر جب بقول مرزا آنحضرتؐ حضرت ابراہیمؑ کا ظل اور بروز ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل مجمع کمالات حضرت ابراہیمؑ تھے کہ آنحضرتؐ کیونکہ آپؐ تو حضرت ابراہیمؑ کے ظل اور بروز تھے اور اصل حضرت ابراہیمؑ تھے اور یہ صریح توہین ہے سرور عالمؐ کی اور صریح کفر ہے۔

(۵) نیز مرزا نے جو بروز اور ظل کا افسانہ گھڑا ہے وہ بظاہر ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ اور حلول سے لیا ہے مگر جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ اس بات کے ہرگز قائل نہیں کہ جو روح بذریعہ تناسخ دوسرے جون میں کسی بدن میں آجائے تو وہ بعینہٖ پہلا شخص ہوگا اور اس کے وہی حقوق ہوں گے جو اس شخص کے پہلے جون میں تھے مثلاً فرض کرو کہ کوئی شخص پہلے جون میں ہندوستان کا راجہ تھا یا کسی کا باپ تھا یا ماں تھی یا بیوی تھی اب وہ دوسرے جون میں آنے کے بعد یہ کہے کہ میں تمہارا سابق راجہ ہوں تم پر میرے احکام کی تعمیل واجب ہے یا کسی عورت سے کہے کہ میں تیرا سابق شوہر ہوں اور تو میری سابق بیوی ہے لہٰذا تو میرے ساتھ چل اور میرے گھر کو سنبھال۔ تو کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ بات قابل قبول ہو سکتی ہے تیس سال پہلے سنا گیا تھا کہ ہندوستان میں کسی پنڈت جی نے کسی عورت کے متعلق یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ عورت پہلے جُون میں میری بیوی تھی لہٰذا یہ عورت مجھ کو دلائی جائے (واللہ اعلم)

(۶) نیز مرزا صاحب مسیح موعود اور مہدی مسعود اور کرشن اور رامچندر وغیرہ وغیرہ ہونے کے بھی مدعی ہیں تو کیا مرزا صاحب ان سب کے بروز ہیں اور کیا مرزا صاحب کے ایک وجود میں یہ سارے مختلف الانواع وجود جمع ہو گئے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کرشن وغیرہ وغیرہ یہ سارے مختلف روپ ایک مرزا کے جسم میں ــــــــ کیسے جمع ہو گئے اور ایک جسم خاکی میں یہ مختلف روحیں کیسے جمع ہو گئیں حالانکہ ایک بدن کی مدبر اور منتظم ایک ہی روح ہو سکتی ہے مختلف اور متضاد روحیں ایک بدن کی کیسے مدبر ہو سکتی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے ساتھ معاذ اللہ کرشن جی کی روح مرزا صاحب کے جسم میں کیسے آگئی۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تو قیامت کی جزاء اور سزا کا وعظ کہے گی اور

کرشن جی کی روح قیامت کا انکار کرے گی اور تناسخ کا چکر بتائے گی۔ کرشن جی کی تعلیم کا نمونہ ذیل کے شعروں سے معلوم کرلیں جو فیضی نے اکبر شاہ کے حکم سے لکھے تھے۔

من از ہر سہ عالم جدا گشتہ ام — تہی گشتہ از خود خدا گشتہ ام
منم ہرچہ ہستم خدا از من ست — فنا از من ست و بقا از من ست

تناسخ و انکار قیامت

ہمہ شکل اعمال بگرفتہ اند — بہ تقلیب احوال دل گفتہ اند
گرفتار زندان آمد شدند — ز بیدانشی خصم جان خود اند (نعوذ باللہ)

ناظرین کرام غور کریں کہ ایک شخص بہانگ دہل دعویٰ کرتا ہے کہ میں محمدؐ بھی ہوں اور عیسیٰؑ بھی ہوں اور مہدیؑ بھی ہوں حتیٰ کہ کرشن بھی ہوں اور دلیل کسی بات کی بھی نہیں لیکن جب اس سے ثبوت طلب کیا جاتا ہے تو یہ کہہ دیتا ہے کہ میں اصلی نہیں بلکہ میں تو ان کا بروز اور ظل ہوں۔

(۷) ناظرین کرام غور کریں کہ بروز کے اصل معنی ظہور یعنی ظاہر ہونے کے ہیں اور ظہور تین قسم کا ہوتا ہے جسمانی یا روحانی یا صفاتی اگر مرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ میں محمد رسول اللہؐ اور عیسیٰؑ روح اللہ اور مہدیؑ اور رجل فارسی اور مجدد اور کرشن وغیرہ کا جسمانی بروز ہوں تو یہ بالکل باطل اور مہمل ہے کیونکہ مرزا غلام اپنے باپ غلام مرتضیٰ کے نطفہ سے اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا وہ ان اشخاص کا جسمانی بروز کیسے ہوسکتا ہے جو اس سے سینکڑوں اور ہزاروں برس پہلے پیدا ہوچکے ہیں اور امام مہدیؑ تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے اور جن میں سے کوئی عربی النسل ہے اور کوئی فارسی النسل ہے اجتماع ضدین تو عقلاء کے نزدیک محال ہے۔ غرض یہ کہ بروز جسمانی تو عقلاً محال ہے اور کوئی عاقل دنیا میں اس کا قائل نہیں۔ اور اگر اس بروز سے مرزا صاحب کی مراد روحانی بروز یعنی روحانی تعلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک نے مرزا کے جسم میں بروز کیا ہے تو وہ بھی باطل ہے ایک جسم کے اندر متعدد اور متضاد روحیں جمع نہیں ہوسکتیں تمام حکماء متقدمین اور حکماء حال کا اس پہ اتفاق ہے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے وہ صرف ایک ہی بدن میں مدبر اور متصرف ہوسکتا ہے اور بقول مرزا صاحب بھی روحانی بروز ناممکن ہے اس لیے کہ مرزا صاحب کے نزدیک ارواح انبیاء کرام بعد مرگ بہشت میں داخل ہوچکی ہیں اور جو بہشت میں داخل ہوچکا اس کو وہاں سے نکلنے کی اجازت نہیں۔ دیکھو ازالۃ الاوہام ص۳۵۲۔

پس جب روح بہشت سے نکل ہی نہیں سکتی تو روحانی بروز باطل ہوا اور روحانی ظلیت بھی باطل ہوئی کیونکہ ظل یعنی سایہ تو اصل کا ہوتا ہے جب اصل بہشت میں ہے تو دنیا میں اس کا ظل محال ہے ظل کے لیے اصل کا وجود ضروری ہے۔ جب اس دنیا میں اصل کا وجود نہیں تو ظل کا وجود کیسے ہوسکتا ہے۔

اور اگر اس بروز سے مرزا صاحب کے نزدیک صفاتی بروز مراد ہے تو صفاتی بروز کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی بشر میں کسی صالح یا طالح کی صفات ظہور پذیر ہوجائیں پس اگر اس میں صالحین جیسی صفات اور کمالات نظر آئیں

تو یہ کہیں گے کہ یہ شخص صالحین کا بروز صفاتی ہے اور اگر کسی میں کفار و فجار کے کردار نظر آئیں تو یہ کہیں گے کہ یہ شخص کفار و فجار کا بروز صفاتی ہے اور یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کے اخلاق و اعمال انبیاء جیسے تو در کنار۔ نیک مسلمانوں جیسے بھی نہ تھے لہذا مرزا صاحب صالحین کے بروز صفاتی تو ہو نہیں سکتے البتہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے لے کر اس وقت تک جس قدر بھی مدعیان نبوت و عیسویت و مہدیت اور دجالین اور کذابین گذرے ہیں مرزا صاحب ان سب کے دعاوی کاذبہ اور اخلاق سیئہ اور اعمال قبیحہ کے حامل تھے اس لیے مرزا صاحب کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اس امت کے پیدا شدہ تمام دجالین اور کذابین کے بروز صفاتی تھے تو بالکل درست ہے اگر کوئی شخص تکبر اور غرور میں حد سے گذر جائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ شخص فرعون کا بروز صفاتی ہے اسی طرح سمجھو کہ مرزا صاحب کے اس دعوائے بروز سے ان کی نبوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ مسیلمہ کذاب کا بروز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے جب یہ دیکھا کہ قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں اور پچاس سالہ عمر تک خود مرزا بھی ختم نبوت کا علی الاعلان اقرار کرتا رہا پھر جب دعوائے نبوت کی فکر دامنگیر ہوئی تو یہ خیال آیا کہ دعوائے نبوت پر علماً اور مولوی اور عام مسلمان میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور مجھ کو دجال اور کذاب بتائیں گے اس لیے یہ تدبیر نکالی کہ یہ کہنا شروع کیا کہ خود نبی کریمؐ نے مجھ میں بروز کیا ہے اور میں حضور پُر نورؐ کا ظل اور سایہ ہوں تاکہ جُہال یہ سُن کر دم نہ مار سکیں اس لیے کہ دجال و کذاب تو وہ ہو کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا نبی ہو جو حضرت کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے جب خود حضرت ہی وہ دعویٰ کر رہے ہیں تو اب کسی کو انکار کی مجال ہی کیا۔

یہ سب ابلہ فریبی اور مکاری اور دھوکہ دہی ہے اس طرح تو جس کا جی چاہے دعویٰ کر دے کہ میں فلاں نبی کا یا فلاں رسول کا ظل اور بروز ہوں اور ان کا عین ہوں اور ان کا وجود میرا وجود ہے اور اللہ نے بیس برس پہلے میرا نام محمد اور احمد رکھا تھا وغیرہ وغیرہ۔ آخر دعوے کے لیے دلیل تو چاہیئے زبانی دعویٰ تو کچھ بھی مشکل نہیں۔

(۸) نیز مرزا کا یہ کہنا کہ سایہ ذی سایہ کا عین ہوتا ہے بالکل غلط اور مہمل ہے کسی شخص کا سایہ۔ ذی سایہ کا عین نہیں ہوتا اسی طرح بالفرض اگر کسی کو نبی کا سایہ مان بھی لیا جائے تو نبی کا سایہ نبی کا عین نہیں ہو سکتا اور نہ اس سایہ کو نبی اور رسول کہا جا سکتا ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے مرزا کا نبی ہونا لازم نہیں آتا۔

(۹) اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے یہ مان لیا جائے کہ سایہ اور ذی سایہ ایک ہی ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل اللہ ہیں یعنی اللہ کا سایہ ہیں تو لازم آئے گا کہ حضور پُر نور عین خُدا ہیں اور مرزا صاحب اپنے خیال میں عین محمد ہیں اور ظل محمد ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سایۂ خدا ہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ معاذ اللہ۔ مرزا صاحب عین خدا ہیں اور اس کے کفر ہونے میں کیا شبہ ہے۔

(۱۰) نیز مرزا صاحب بار بار یہ کہتے ہیں کہ میں بعینہٖ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو کیا مرزا صاحب کے والد کا نام عبد اللہ اور والدہ کا نام آمنہ تھا کیا کوئی ادنیٰ عقل والا اسکا تصور کر سکتا ہے کہ قادیان کا ایک دہقان مختاری کے امتحان میں فیل ہونے والا اور انگریزی کچہریوں کا چکر لگانے والا وہ بعینہٖ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوسکتا ہے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔

اور اگر ظل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذی ظل کی کوئی صفت اس میں آجائے تو اس سے اتحاد اور عینیت ثابت نہیں ہوتی جس طرح حدیث میں شاہ عادل کو ظل اللہ کہا گیا ہے تو اس سے اس کی الوہیت ثابت نہیں ہو جاتی۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ظل ہونے سے مرزا صاحب کی مراد یہ ہے کہ جس طرح آئینہ میں کسی شخص کا عکس پڑ جاتا ہے اسی طرح مرزا صاحب میں بھی کمالات محمدیہ اور انوار رسالت مصطفویہ کا عکس پڑا ہے پس اگر تھوڑی دیر کے لیے اس دعوائے بلا دلیل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بھی مرزا کی نبوت ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ آئینہ میں عکس پڑنے سے آئینہ کی کوئی حقیقی صفت ثابت نہیں ہو جاتی آئینہ میں بادشاہ کا بھی عکس پڑ جاتا ہے مگر اس انعکاس سے آئینہ بادشاہ نہیں بن جاتا۔ عکس سے آئینہ میں ذی عکس کی کوئی حقیقی صفت نہیں آجاتی بلکہ ایک قسم کی مشابہت اور ہم رنگی آجاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں۔ یعنی ان کے ہم رنگ ہیں اور ان کے کمالات کا نمونہ ہیں اور یہ مطلب نہیں کہ اس امت کے علماء حقیقۃً پیغمبر اور نبی ہیں غرض یہ کہ انعکاس اور ظلیت سے عینیت ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے خلیفہ تھے اور کمالات خداوندی کا آئینہ اور نمونہ تھے جیسا کہ حدیث میں ہے خلق اللہ آدم علی صورتہٖ مگر معاذ اللہ عین خدا نہ تھے۔

پس خلیفہ ساخت صاحب سینۂ تا بود شاہیں را آئینۂ

اور خلفاء راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات علمیہ وعملیہ کا آئینہ اور نمونہ تھے مگر نبی نہ تھے۔ فقط نبی کے خلیفہ اور جانشین تھے جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء میں خلفاء راشدین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قوت علمیہ اور قوت عملیہ کا تشبہ ثابت کیا ہے اور عقلی اور نقلی دلائل سے اس کو مدلل اور مبرہن کیا ہے جس سے خلفاء راشدین کی فضیلت ثابت ہوئی نہ کہ نبوت۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ظلیت اور انعکاس سے اتحاد اور عینیت کا ثابت کرنا سراسر غلط اور باطل ہے ظلیت اور انعکاس سے صرف ایک قسم کی مشابہت اور مناسبت اور ہم رنگی ثابت ہو جاتی ہے سو اگر مرزا کا یہ خیال اور گمان (بشرطیکہ ثابت ہو جائے) کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا آئینہ اور نمونہ ہوں اور کمالات نبوت میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشابہ اور ہم رنگ ہوں تو مرزائے قادیان کی امت بتلائے کہ مرزائے قادیان کن کن کمالات علمیہ اور عملیہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ اور نمونہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں فلاں شخص کا ظل اور بروز ہوں اور اس کا عکس اور مظہر اتم ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ شخص صفات کمال میں اس کا ایک نمونہ ہے اور اخلاق واعمال میں اس کا شبیہ اور مثیل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ اس کا عکس اور اس کی تصویر ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ

اگرچہ ذات مختلف ہے مگر آئینہ میں جو عکس اور نقش نظر آرہا ہے وہ اصل کے ہمرنگ ہے اور بظاہر ہُوبہو وہی معلوم ہوتا ہے لہٰذا جب مرزا قادیان یہ دعوے کرتا ہے کہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظل اور بروز ہوں اور حضور پُر نورؐ کے کمالات کا مظہر اتم ہوں تو آخر بتلائے بھی سہی کہ وہ کن صفات اور کمالات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھا۔ مرزائے غلام حضور پُر نورؐ کے تو کیا مشابہ اور مماثل ہوتا وہ تو غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ غلامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ بھی نہیں ہو سکتا۔

ہاں تیرہ سو برس میں جس قدر بھی مدعیانِ نبوت اور مسیحیت اور مہدویت اور دجال و کذاب گذرے ان سب کے وساوس اور دسائس کا ظل اور بروز تھا۔

آج اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ میں ہارون رشیدؒ کا یا سلطان صلاح الدینؒ کا یا شاہ عالمگیرؒ کا یا قائد اعظم کا ظل اور بروز ہوں اور ان کا مظہر اتم ہوں لہٰذا تم سب پر میری اطاعت واجب اور لازم ہے تو حکومت اس کو جیل خانہ یا پاگل خانہ بھیج دے گی۔ اس قسم کی باتوں سے جب بادشاہت ثابت نہیں ہو سکتی تو نبوّت و رسالت کہاں ثابت ہو سکتی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر آج کوئی سیاہ فام یا گلفام یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میں یوسف علیہ السلام کا ظل اور بروز ہوں اور میں عزیز مصر ہوں تو شاید کوئی پرلے درجہ کا دیوانہ ہی اس دعوے کے قبول کرنے پر تیار ہو جائے۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے جو قادیان کے ایک دہقان کو تمام انبیاء و مرسلین کا ظل اور بروز اور ان کے کمالات اور صفات کا آئینہ اور مظہر اتم ماننے پر تیار ہو گئے ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک کجا عیسیٰؑ کجا دجال ناپاک

خلاصۂ کلام یہ کہ حدیث لانبی بعدی میں مرزائیوں کی یہ تاویل کہ لانبی بعدی کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی مستقل نبی نہیں۔ یہ تاویل بالکل مہمل ہے یہ تاویل تو ایسی ہے جیسے کوئی مدعی الوہیت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے یہ معنی بیان کرنے لگے کہ خدا کے سوا کوئی مستقل معبود نہیں لیکن جو معبود خدا تعالیٰ کا ظل ہو یا اس کا بروز ہو یا اس کا عین ہو تو ایسا عقیدہ عقیدۂ توحید کے منافی نہیں جیسا کہ مشرکین تلبیہ میں کہا کرتے تھے۔ لا شریک لک الا شریک لک تملکہ وما ملک اے خدا تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیری ہی ملک ہے یعنی بت وغیرہ وہ سب تیرے ہی ماتحت ہیں یعنی جس طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تاویل مذکور کفر ہے اسی طرح لانبی بعدی کی مرزائی تاویل بھی کفر ہے۔ مرزائیوں کی اس تاویل کے جواب میں کوئی مدعی الوہیت کہہ سکتا ہے کہ میری الوہیت خدا تعالے کی الوہیت اور وحدانیت کے منافی نہیں اور تاویل یہ کرے کہ میں مستقل الوہیت کا مدعی نہیں بلکہ میں ظلی اور بروزی الوہیت کا مدعی ہوں تو کیا یہ تاویل اس مدعی الوہیت کو کفر سے بچا سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح مرزائے غلام کا یا اس کے کسی چیلہ کا یہ کہنا کہ مرزا مستقل نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ظلی اور بروزی نبوت کا مدعی ہے اس کو کفر

سے نہیں بچا سکتی۔

(۷) تمام اسلامی فرقے اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں لیکن شیعوں کے بعض فرقے بظاہر اگرچہ ختم نبوت کے قائل اور مُقر ہیں مگر در پردہ ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک جب ائمہ انبیاء سے افضل ہیں اور معصوم اور واجب الاطاعت ہیں اور صاحب وحی ہیں اور تحلیل و تحریم کے مختار ہیں تو یہی خلاصہ ہے نبوت کا۔ تو یہ فرقے در پردہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اور شیعوں کے بعض فرقوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت امیر کا درجہ تمام انبیاء کرام سے بالا اور برتر ہے پس ان شیعوں کا حضرت علیؓ کو نبی ماننا یہ بھی در پردہ ختم نبوت کا انکار ہے۔

مگر چونکہ صراحۃً ختم نبوت کے منکر نہیں اور خاتم النبیین کے سوا کسی کیلئے مثبت نبوت نہیں اس لیے فقہاء نے اس بناء پر شیعوں کی تکفیر نہیں کی کیونکہ لزوم کفر ہے۔ التزام کفر نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَ

اے ایمان والو ! یاد کرو اللہ کو بہت سی یاد - اور

سَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ ٱلَّذِى يُصَلِّى عَلَيْكُمْ

پاکی بولو اس کی صبح اور شام - وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر

وَمَلَٰٓئِكَتُهُۥ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ ۚ وَكَانَ

اور اس کے فرشتے کہ نکالے تم کو اندھیروں سے اُجالے میں - اور ہے

بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُۥ سَلَٰمٌ ۚ

ایمان والوں پر مہربان - دعا ان کی جس دن اُس سے ملیں گے سلام ہے۔

وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿٤٤﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِنَّآ

اور رکھا ہے ان کے واسطے نیگ عزت کا - اے نبی ! ہم نے

أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ وَدَاعِيًا

تجھ کو بھیجا بتانے والا اور خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا - اور بلانے والا

إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ

اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چراغ چمکتا - اور خوشی سنا

الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿٤٧﴾

ایمان والوں کو کہ ان کو ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی -

وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَدَعْ أَذَاهُمْ وَتَوَكَّلْ

اور کہا نہ مان منکروں کا اور دغا بازوں کا اور چھوڑ دے ان کو ستانا، اور بھروسا

عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٤٨﴾

کر اللہ پر - اور اللہ بس ہے کام بنانے والا -

تبشیر مومنین و انذار کافرین و منافقین و ذکر بعض فضائل نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

قال اللہ تعالیٰ - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ... الیٰ ... وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ؀

(ربط) گزشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و کرامت یعنی آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا ذکر تھا اب ان آیات میں اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ تم صبح و شام اللہ کے ذکر اور شکر میں لگے رہو خاص کر اللہ کی اس نعمت کو پیش نظر رکھو کہ اس نے تمہاری ہدایت کے لیے ایک بشیر و نذیر کو مبعوث فرمایا پس اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ تم اس بشیر و نذیر پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ اہل ایمان اور اہل اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل کبیر کی خوشی سنا دیجیے اور آپ کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرمایا کہ کافروں اور منافقوں کی ایذاؤں کی پروا نہ کیجیے اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا کافی کارساز ہے اور یہ مضمون شروع سورت کے مضمون کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہے اور سلسلۂ کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض فضائل اور کمالات کا ذکر کیا۔ تاکہ لوگوں پر آپ کی جلالت شان ظاہر ہو۔ (جیسا کہ شروع سورت سے یہ مضمون چلا آرہا ہے) اور اہل ایمان دل و جان سے آپ کی اطاعت کریں اور منافقین کی طرح آپ پر طعن و تشنیع کرکے آپ کو ایذا اور تکلیف نہ پہنچائیں۔

گزشتہ رکوع میں نکاح زینبؓ کے متعلق منافقین کے طعن کا جواب دیا تھا اب ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایت فرمائی کہ تم کو چاہیئے کہ نبی کی جلالت شان کو ملحوظ رکھو اور منافقین کی طرح اللہ کے رسول کو کوئی ایذاء نہ پہنچاؤ۔ نبی تمہارے روحانی باپ ہیں دل وجان سے ان کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ کو بہت یاد کرو اس کی یاد سے کسی وقت غافل نہ ہوؤ۔ اور سب سے افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ہے اور اس کے بعد ذکر تسبیح وتحمید ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور خاص کر صبح وشام اس کی تسبیح وتقدیس کیا کرو ان دو وقتوں میں عالم کی وضع میں عظیم تغیر اور انقلاب ظاہر ہوتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تغیرات اور انقلابات اس قدرت کاملہ کے کرشمے ہیں اور اس کی ذات ہر تغیر اور بلندی اور پستی سے پاک ہے وہ ایسا خدا ہے کہ جو خود بھی تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے حکم سے اس کے فرشتے بھی تمہارے لیے دعاء رحمت کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ کا اس طرح تم پر رحمت بھیجنا اور فرشتوں کو تمہارے لیے رحمت کا حکم دینا۔ قال اللہ تعالےٰ۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۔ اس لیے ہے تاکہ اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ اس طرح کی رحمت اور عنایت سے تم کو جہالت اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت میں لے آوے اور ظلمت کفر سے نورِ ایمان کی طرف اور ظلمت نفاق سے نور اخلاص کی طرف اور ظلمت معصیت سے نورِ طاعت کی طرف یعنی اللہ تعالےٰ کا ارادہ یہ ہے کہ اپنی رحمت اور عنایت سے اور پھر فرشتوں کی دعا کی برکت سے تم کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لے آوے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالےٰ اہل ایمان پر بڑا مہربان ہے خود بھی ان پر رحمت کرتا ہے اور فرشتوں کو بھی ان کے لیے دعائے مغفرت ورحمت کا حکم دیتا ہے آج تو اس کے کرم کی یہ حالت ہے اور کل جب مؤمنین اس کے حضور میں حاضر ہوں گے۔ مرنے کے وقت یا قبر سے اٹھنے کے وقت یا جنت میں داخل ہونے کے وقت اللہ کی طرف سے ان کا خیر مقدم یعنی تحیۂ کرامت سلام ہوگا جب[1] ملک الموت مؤمن کی روح قبض کرنے کے لیے آتا ہے تو پہلے اُسے سلام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے سلام پہنچاتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں کہ یہ سلام درحقیقت سلامتی کی خوشخبری ہوتی ہے اللہ تم کو تمام آفات سے سلامت رکھے گا اور جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے اس وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی بشارت سنائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد فرشتے ان کی ملاقات کے لیے آئیں گے اور اُنکو سلام کریں گے۔

---

[1] کما روی عن البراء بن عازب قال تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلَامٌ فیسلم ملك الموت علی المؤمن عند قبض روحه لایقبض روحه حتی یسلم علیه۔ تفسیر قرطبی ص ۱۹۹ ج ۱۴۔

وروی عن ابن مسعود انه قال اذا جاء ملك الموت یقبض روح المؤمن قال ربك یقرئك السلام۔ روح المعانی ص ۴۷ ج ۲۲۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ اور جب دار کرامت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے اور اللہ کی طرف سے ان پر سلام ہوگا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ۔ رواہ ابن ماجہ۔

اور اس کے علاوہ اللہ نے اہل ایمان کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو ان کو وہاں عطا ہوگا فقط جانے کی اور وہاں پہنچنے کی دیر ہے دہاں پہنچے اور ملا۔

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نبی کریمؐ کی صفات کا ذکر فرماتے ہیں جن پر ایمان لانے کی بدولت یہ لوگ جہالت اور ضلالت کی ظلمت سے نکل کر نور ہدایت میں داخل ہوئے اور جس کے اتباع کی برکت سے آخرت میں ان نعمتوں اور کرامتوں کے مستحق ہوئے ورنہ جو لوگ اس نبی پر ایمان نہیں لائے اس وقت ان کی ذلت اور خواری سب کے سامنے ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی تحقیق ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اس شان سے کہ آپ[1] قیامت کے دن گواہ ہوں گے۔ قیامت کے دن آپ گواہی دیں گے کہ یہ گروہ ایمان لایا اور اس گروہ نے کفر کیا اور آپ[2] کو خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے[3] والا بنا کر بھیجا اہل ایمان کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور کافروں کو عذاب دوزخ سے ڈرائیں اور اس شان[4] سے بھیجا کہ آپ بحکم خداوندی لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں اور ہم نے آپکو ہدایت کا چمکتا ہوا چراغ[5] بنا کر بھیجا یعنی آفتاب ہدایت بنا کر بھیجا جس کی روشنی سارے عالم میں پھیل گئی۔ اور حق اور باطل کا فرق واضح ہوگیا پس اگر کافر اندھے ہوگئے تو قصور ان کا ہے لہذا آپؐ ان اندھوں کو تو چھوڑیئے اور اہل[1] ایمان کو جنہوں نے اس نور ہدایت کو قبول کیا ان کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا ہی فضل ہے اور اے نبی آپ مکہ کے کافروں اور مدینہ کے منافقوں کی بات نہ ماننا یہ لوگ اندھے ہیں اور تاریکی میں غرق ہیں اور ان کافروں اور منافقوں کی ایذاء کو چھوڑیئے یعنی اس کی پروا نہ کیجئے اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور اللہ کافی کارساز ہے ان کافروں اور منافقوں کی طعن و تشنیع کی طرف التفات نہ کیجئے۔ آپؐ کا اللہ کارساز ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ

اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مسلمان عورتوں کو، پھر

طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ

ان کو چھوڑ دو، پہلے اس سے کہ ہاتھ لگاؤ ان کو سو ان پر حق

عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ

نہیں تمہارا عدت میں بیٹھنا، کہ گنتی پوری کراؤ سو اُن کو دو کچھ فائدہ اور رخصت

سَرَاجًا مُّنِيرًا ﴿٤٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ

کرو بھلی طرح ۔ اے نبی! ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری

اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ

عورتیں جن کے مہر تو دے چکا اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا ، جو

يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَ

ہاتھ لگادے تجھ کو اللہ ، اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور

بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ

پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں

هَاجَرْنَ مَعَكَ ز وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ

نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور جو کوئی عورت ہو مسلمان ، اگر بخشے اپنی

نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ق

جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لے ۔ نری تجھی

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط قَدْ عَلِمْنَا

کو ، سوا سب مسلمانوں کے ۔ ہم کو معلوم ہے

مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ

جو ٹھہرا دیا ہم نے ان پر ان کی عورتوں میں ، اور ان کے ہاتھ کے

اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط وَكَانَ اللّٰهُ

مال میں ، تا نہ رہے تجھ پر تنگی ۔ اور ہے اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٥٠﴾ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ

بخشنے والا مہربان ۔ پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے ان میں ، اور جگہ دے

اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ

اپنے پاس جس کو چاہے اور جس کو جی چاہے تیرا ان میں سے جو کنارے کر

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ

دی تھیں، تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر۔ اس میں لگتا ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں اُن کی

وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ

اور غم نہ کھادیں اور راضی رہیں اس پر جو تُونے دیا ساریاں ۔ اور اللہ

يَعْلَمُ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾

جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ سب جانتا تحمل والا ۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ

حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس پیچھے اور نہ یہ کہ ان کے بدلے اور

بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا

کرے عورتیں ، اگرچہ خوش لگے تجھ کو اُن کی صورت مگر جو

مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ

مال ہو تیرے ہاتھ کا ۔ اور ہے اللہ ہر چیز پر

رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع

نگہبان ۔

ذکرِ بعض احکام نکاح وطلاق وبعض خصائص نبوی دربارۂ نکاح

قال اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ..... الیٰ ... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ رَّقِيْبًا ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں حضرت زینبؓ کے نکاح اور طلاق کا قصہ مذکور تھا۔ اس لیے آئندہ

آیات میں نکاح اور طلاق وغیرہ کے کچھ احکام ذکر کرتے ہیں۔ بعض احکام تو وہ ہیں جو عام مؤمنین سے متعلق ہیں اور بعض احکام وہ ہیں جو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے متعلق ہیں اور آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں جو آپ کی فضیلت اور شرف اور کرامت کی دلیل ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ نبی کی ایک خاص شان امتیازی ہے جس کی بنا پر نبی کے حق میں بعض احکام امت کے احکام سے جدا ہیں اور نکاح کے بارہ میں جو وسعت اور سہولت آپ کو عطا کی گئی ہے وہ دوسروں کو نہیں دی گئی اور اسی طرح ازواج مطہرات بعض احکام میں عام مسلمان عورتوں سے جدا اور ممتاز ہیں اور ازواج مطہرات عام مسلمان عورتوں کی طرح نہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

حضور پُرنور کی وفات کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہے کیونکہ وہ بھی آپ کی ایذاء کا سبب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے روحانی باپ ہیں اور ازواج مطہرات مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں ان کا ادب اور احترام ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان میں کوتاہی نبی کی ایذاء کا سبب ہے جو بلا شبہ حرام اور موجب لعنت ہے اور اسی سلسلہ میں حضرت زینبؓ کے نکاح کے بارہ میں دعوت ولیمہ کے وقت بعض لوگوں کے کھانا کھا کر دیر تک بیٹھے رہنے اور باتیں کرتے رہنے سے حضور پُرنورؐ کو جو گرانی پیش آئی ان آیات میں اس کا ذکر فرمایا۔ اور اس کے بارہ میں حکم نازل فرمایا۔ بعض لوگوں کا دعوت ولیمہ میں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہنا اگرچہ بطور موانست اور تفریح طبع تھا معاذ اللہ معاذ اللہ حضور پُرنورؐ کے ایذاء اور تکلیف کے ارادہ سے نہ تھا لیکن بہرحال دیر تک اس طرح بیٹھے باتیں کرتے رہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر عاطر کے لیے باعث گرانی ہوا اس لیے حکم نازل ہوگیا کہ کھانے سے فراغت کے بعد اپنے گھروں کو واپس ہونا چاہیے۔

غرض یہ کہ ان آیات میں جس قدر احکام ذکر کیے گئے ان سب سے آپ کی جلالت شان کا اظہار مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ اہل ایمان پر یہ لازم ہے کہ غیر اختیاری طور پر بھی نبی کی ایذاء اور تکلیف کا سبب نہ بنیں کہ دعوت میں کھانا کھا کر بے فکری سے بیٹھے باتیں کرتے رہیں دُور تک یہی سلسلۂ کلام چلا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول نے نکاح اور طلاق کے بارہ میں تم کو جو احکام دیئے ہیں ان کی تعمیل کرو منجملہ ان احکام کے ایک حکم یہ ہے کہ اے اہل ایمان جب تم ایمان والیوں کو اپنے نکاح میں لاؤ پھر کسی وجہ سے تم ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو۔ یعنی مباشرت یا خلوت صحیحہ سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان عورتوں پر کوئی عدت واجب نہیں جس کے دنوں کو شمار کرو۔ طلاق قبل الدخول میں کسی قسم کی عدت نہیں اس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے چلی جائے اور جس سے چاہے نکاح کرے ایسی عورت پر تمہارا کوئی حق نہیں رہا پس طلاق کے بعد تم ان کو کچھ مالی فائدہ پہنچا دو اور ان کو متعہ یعنی ایک جوڑا پوشاک دے کر خوبی کے ساتھ رخصت کردو جس میں ان کو کسی قسم کا ضرر نہ ہو۔ "متعہ" اس عطیہ کو کہتے ہیں جو خاوند کی طرف سے طلاق دینے کے بعد بیوی

کو دیا جاتا ہے۔

ف ازواج مطہرات کے سلسلہ میں اس مسئلہ کا بیان کرنا شاید اس بنا پر ہو کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے نکاح کیا جب آپؐ اس کے پاس گئے تو وہ بولی اللہ تم سے پناہ دے آپؐ نے فرمایا کہ تو نے بڑی ذات کی پناہ مانگی ہے اور آپؐ الگ ہو گئے اور باہر آگئے اور اس عورت کو جوڑا پوشاک دے کر رخصت کر دیا۔

ان آیات میں نکاح اور طلاق کے متعلق جو حکم بیان کیا گیا وہ عام مسلمانوں سے متعلق ہے اب آئندہ آیات میں نکاح کے ان احکام کو بیان کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حکمِ اوّل

اے پیغمبر تحقیق ہم نے حلال رکھا تیرے لیے تیری ان بیبیوں کو جو اس وقت تیرے نکاح میں ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت کو اختیار کیا اور باوجود فقر و فاقہ کے نبیؐ کی زوجیت کو بصد ہزار رغبت قبول کیا اور جن کا مہر بھی ادا کر چکے ہیں۔ اگرچہ ان کا عدد چار سے زیادہ ہے مگر ہم نے خاص آپؐ کے لیے ان کی زوجیت کو برقرار رکھا اور یہ حکم آپؐ کے لیے مخصوص ہے آپؐ کے سوا کسی اور کے لیے چار سے زیادہ بیبیاں رکھنا حلال نہیں آیت کی یہ تفسیر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے دیکھو تفسیر ابن جریر ص۱۶ ج ۲۲۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک آیت کے یہی معنی مختار اور راجح ہیں کہ آیت میں أَزْوَاجَكَ سے موجودہ ازواج مطہرات مراد ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت اور اللہ اور اسکے رسول کو اختیار کیا کیونکہ آیت میں اٰتَيْتَ أُجُوْرَهُنَّ بصیغۂ ماضی آیا ہے جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ أَزْوَاجَكَ سے وہی بیبیاں مراد ہیں جن کا مہر آپؐ زمانہ گزشتہ میں ادا کر چکے ہیں۔ تفسیر قرطبی[علی] ص۲۰۶ ج ۱۴۔

علہ قال الامام القرطبیؒ اختلف الناس فی تاویل قولہ تعالیٰ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ فقیل المراد بہا ان اللہ تعالیٰ احل لہ ان یتزوج کل امرأۃ یؤتیہا مہرہا۔ وقیل المراد احللنا لک ازواجک ای الکائنات عندک لانہن قد اخترنک علی الدنیا والآخرۃ قالہ الجمہور من العلماء وھو الظاہر لان قولہ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ ماضٍ ولا یکون الفعل الماضی بمعنی الاستقبال الا بشروط۔ ویؤید ھذا التاویل ما روی عن ابن عباسؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتزوج فی ای الناس شاء وکان یشق ذٰلک علی نسائہ فلما نزلت ھٰذہ الآیۃ وحرم علیہ بہا النساء الا من سمی، سُرّ نساؤہ بذلک۔ (تفسیر قرطبی ص۲۰۶ ج ۱۴)

حکم دوم

اور ہم نے آپ کے لیے وہ لونڈیاں اور باندیاں حلال کیں جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں عطا کیں خواہ وہ کسی قوم کی ہوں وہ سب آپ کے لیے حلال ہیں ان میں سے جس عورت کو آپ چاہیں بطور ملک یمین اپنے تصرف میں لا سکتے ہیں اس لیے کہ جو باندی مال غنیمت سے ملی ہے وہ بلاشبہ حلال ہے۔ خریدی ہوئی چیز میں شبہ ہو سکتا ہے مگر مال غنیمت کے بارہ میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے مالوں میں سے کوئی مال غنیمت سے بڑھ کر حلال اور طیب نہیں۔

باندیوں کے بارہ میں آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ کو اختیار تھا کہ جو چیز آپ کو پسند آئے وہ لے لیں چنانچہ غزوۂ خیبر میں آپ نے حضرت صفیہؓ کو اسی طرح لیا تھا اور یہ حق آپ کے سوا دوسرے کو نہیں نیز اس بارہ میں ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ اہل حرب کی جانب سے جو ہدایا آپ کے پاس آتے تھے وہ سب آپ کی ملک ہوتے تھے اور آپ کے بعد اگر کسی خلیفہ یا بادشاہ کو اہل حرب کوئی ہدیہ دیں تو وہ عام مسلمانوں اور بیت المال کا حق ہے اور ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ جو باندی وفات تک آپ کے پاس رہی ہو جیسے ماریہ قبطیہ۔ وہ دوسروں کے لیے حرام تھیں ممکن ہے کہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ خصوصیتیں ہوں جو اسی زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہوں اور اب ہم کو اس کی ضرورت بھی نہیں۔

حکم سوم

اور ہم نے حلال کیا تیرے واسطے تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں۔ جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت بھی کی ہو یعنی جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت نہیں کی وہ آپ کے لیے حلال نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن عورتوں سے آپ کو ماں باپ کی جانب سے قرابت ہو آپ کے لیے ان سے نکاح حلال ہے مگر بشرط ہجرت اور اسی وجہ سے آپ نے اپنی چچازاد بہن ام ہانیؓ بنت ابی طالب سے نکاح نہیں کیا کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ وقال تعالیٰ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا۔

ف اور ساتھ ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس عمل میں آپ کی شریک اور موافق ہو یعنی انہوں نے بھی آپ کی طرح ہجرت کی ہو معیت سے معیت زمانیہ مراد نہیں بلکہ عمل میں موافقت مراد ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بلقیس کا قول منقول ہے۔ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

حکم چہارم

اور مزید برآں ہم نے حلال کر دیا آپ کے لیے اس عورت کو کہ جو مسلمان ہو اگر وہ اپنے نفس اور ذات کو بلا کسی عوض کے اور بلا مہر[1] کے پیغمبر کو ہبہ کر دے تاکہ اس کو نبی کی زوجیت اور خدمت کا شرف حاصل ہو جائے تو اگر نبی اس کو اپنے نکاح میں لینا چاہیں تو ان کے لیے جائز اور درست ہے کہ وہ اس کو قبول کر کے اپنے نکاح میں لے لیں اور مؤمنہ کی قید اس لیے لگائی کہ کافرہ عورت کسی حال میں آپؐ کے لیے حلال نہیں اگرچہ وہ کتابیہ ہو اور اگرچہ وہ آزاد ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو عورت اپنی جان کو نبیؐ کے لیے ہبہ کر دے اور بلا مہر آپؐ کے نکاح میں آنا چاہے اور اس کا مقصود مال اور مہر نہ ہو بلکہ محض آپؐ کی زوجیت کا شرف اس کا مطمح نظر ہو تو وہ بھی آپؐ کے لیے حلال ہے بشرطیکہ آپؐ اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہیں اور یہ حلت اور یہ اجازت خالص آپؐ کے لیے ہے سب مسلمانوں کے لیے نہیں۔ آپؐ کے سوا کسی مسلمان کے لیے نہیں آپؐ کے سوا کسی اور مسلمان کے لیے بدون مہر کے کسی عورت کو اپنے نکاح میں لے لینا حلال نہیں اور یہ اجازت صرف آپؐ کے لیے ہے لہٰذا جو عورت اپنی جان کو بلا مہر آپؐ کو ہبہ کر دے تو اس کے لیے کسی حالت میں مہر کا مطالبہ جائز نہیں بلا مہر نکاح کی حلت آپؐ کی خصوصیات میں سے ہے آپؐ کے سوا اگر کوئی بلا مہر نکاح کرے تو اس پر مہر مثل واجب ہو گا۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے عام مسلمانوں پر ان کی بیبیوں اور باندیوں کے بارہ میں جو حقوق[2] اور فرائض اور شرائط عقد مقرر کیے ہیں جیسے مہر اور گواہ اور نان و نفقہ اور سکنیٰ وغیرہ۔ اور اس بارہ میں جو احکام ان کو دیئے ہیں وہ آیات اور احادیث میں مذکور ہیں اور سب کو معلوم ہیں نکاح میں مہر کا ہونا ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وغیرہ وغیرہ اور نکاح کے بارہ میں جو قیود اور شرائط ہم نے عام مؤمنین پر لگائے ہیں وہ ہم نے آپؐ پر نہیں لگائے تاکہ آپ پر تنگی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حقوق اور فرائض اور شرائط عقد۔ عورتوں کے بارہ میں عام مسلمانوں پر لازم کیے ہیں۔ آپؐ پر فرض اور لازم نہیں کیے تاکہ آپؐ پر وسعت اور سہولت ہو۔ اور لوگوں پر آپؐ کی شان امتیازی ظاہر ہو۔ اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان جس چیز سے بچنا مشکل ہوتا ہے اسے معاف کر دیتا ہے اور اپنی رحمت اور مہربانی سے جس پر چاہے وسعت کر دیتا ہے۔

---

[1] کما روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۰۸۔

[2] قال القرطبی قولہ تعالیٰ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَيۡهِمۡ فِىۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ ای ما اوجبنا علی المؤمنین وھو ان لا یتزوجوا الا اربع نسوۃ بمھر وبیّنۃ وولی قال معناہ ابی بن کعب وقتادۃ وغیرھما۔ اھ تفسیر قرطبی ص ۲۱۴ ج ۱۴۔

حکم پنجم

منجملہ احکام مخصوصہ کے ایک حکم یہ ہے کہ جس مرد کے پاس کئی عورتیں ہوں اس پر یہ واجب ہے کہ وہ تمام بیبیوں کے پاس باری باری سے رہے مگر آنحضرت ﷺ پر تقسیم یعنی باری باری سے بیبیوں کے پاس رہنا واجب نہ تھا۔ شب باشی میں آپ کو اختیار دیا گیا کہ جس کے پاس چاہیں رات کو رہیں چنانچہ فرماتے ہیں لے نبی آپ کو اختیار ہے کہ اپنی عورتوں میں سے جس کو چاہیں پیچھے کریں۔ اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں یعنی آپ کو اختیار ہے کہ باری میں جس کو چاہیں آگے کریں اور جس کو چاہیں پیچھے کریں مطلب یہ ہے کہ جس کو چاہیں باری دیں اور جس کو چاہیں اس کو باری نہ دیں اور جن عورتوں کو آپ نے علیحدہ کر دیا ہے اور ان سے کنارہ کشی کی ہے ان میں سے اگر کسی کو بلانا چاہیں اور اس کی خواہش کریں تو اس میں آپ پر کوئی گناہ اور تنگی نہیں یعنی جس بی بی سے آپ نے کنارہ کیا ہو تو آپ کو اس کے دوبارہ بلانے کا بھی اختیار ہے حق جل شانہٗ نے آپ کو یہ حقوق اور اختیارات دیئے مگر آپ نے مدت العمر کبھی اس سے کام نہیں لیا باری میں ہمیشہ برابری اور عدل اور مساوات کو ملحوظ رکھا جیسا کہ احادیث میں ہے کہ اگر آپ کسی کی باری کے دن دوسری بیوی کے پاس رہنا چاہتے تو اس سے اجازت لیتے۔ اب اگلی آیت میں اس اختیار اور تفویض کی حکمت اور مصلحت بیان فرماتے ہیں کہ یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا اس میں مصلحت یہ ہے کہ یہ اختیار اس امر کے بہت زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور اس پر راضی رہیں جو آپ ان کو دے دیں۔ سب کی سب یعنی آپ کو یہ اختیار اس لیے دیا گیا کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں اور جان لیں کہ شب باشی میں ہمارا کوئی حق مقرر نہیں آپ جو ان کو دے دیں خوش ہو کر اور آپ کا احسان سمجھ کر اسے قبول کریں اگر پاس بلائیں تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اگر نہ بلائیں تو رنجیدہ نہ ہوں اور نہ شکوہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ فضل فرمایا کہ ازواج کو آپ کی رضامندی کا پابند بنایا اور آپ کو ان کی رضا اور خواہش کا پابند نہیں کیا مگر بایں ہمہ آپ نے ہمیشہ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک رکھا۔ جس پر آپ مجبور نہ تھے سب کی باری برابر رکھی۔ صرف ایک حضرت سودہؓ جب ان کی عمر بڑی ہو گئی تو انہوں نے از خود اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب عورتوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ باری دینا آپ پر واجب نہیں تو اس کے بعد جو بھی آپ ان کے ساتھ سلوک کریں اور عدل اور احسان کا معاملہ فرمائیں گے تو وہ خوش اور راضی رہیں گی۔ اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اس کو خوب جانتا ہے کہ تمہارے دل میں کس بیوی کی محبت اور رغبت زیادہ ہے اگر تمہارے دل میں کسی زوجہ کی طرف زیادہ میلان ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ نہیں

کرتا کیونکہ وہ تمہارے اختیار میں نہیں اور اللہ جاننے والا اور بردبار ہے جو لوگ اس قسم کے احکام میں نبی پر نکتہ چینی یا بدگمانی کرتے ہیں اللہ کو اس کا علم ہے مگر بردباری کی وجہ سے ان کو جلدی سزا نہیں دیتا۔

حکم ششم

آیت تخییر کے نزول کے بعد جب ازواج مطہرات نے رسول اللہ کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں یہ حکم نازل کیا کہ اے پیغمبر اب اس کے بعد یعنی[1] ان نو بیبیوں کے جو اس وقت آپ کے عقد نکاح میں ہیں جنہوں نے دنیا کے مقابلہ میں دار آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا تو اب اس کے بعد آپ کے لیے اور عورتیں حلال نہیں یعنی اب کسی حال میں آپ کے لیے مزید کسی عورت سے نکاح حلال نہیں بلکہ انہی ازواج کو باقی رکھو جو موجودہ بیبیاں دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ کی ازواج ہیں یہ نو بیبیاں آپ کے حق میں ایسی ہیں جیسے امت کے حق میں چار بیبیاں اور آیت کی یہ تفسیر ابن عباسؓ سے منقول ہے دیکھو تفسیر ابن جریر ص ۲۱ ج ۲۲ اور ابن عباسؓ کے علاوہ مجاہدؒ اور ضحاکؒ اور قتادہؒ وغیرہم سے بھی منقول ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۵۰۱ ج ۳ اور اسی تفسیر کو امام بغویؒ نے اختیار کیا۔ تفسیر مظہری ص ۴۰ ج ۷۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں مگر امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں اسی تفسیر کو اختیار کیا جو ہم نے ذکر کی حضرات اہل علم تفسیر کبیر[2] ص ۶۲۲ ج ۶ دیکھیں وحاشیہ شیخ زادہ دیکھیں ص ۴۲ ج ۴۔

حکم ہفتم

اور نہ آپ کے لیے یہ حلال ہے کہ موجودہ بیبیوں کے بدلہ میں دوسری بیبیاں کر لیں کہ ان میں سے

---

[1] کما قال النیشا بوری قال اکثر المفسرین (فی تفسیر قولہ تعالیٰ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۢ بَعْدُ) ای من بعد التسع المذکورۃ فالتسع نصاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الازواج کما ان الاربع نصاب امتہ (تفسیر غرائب القرآن ص ۲۶ ج ۲۲)

[2] قال الامام الرازی الاولیٰ (فی تفسیر الآیۃ) ان یقال لا تحل لک النساء من بعد اختیارھن اللہ ورسولہ و رضاھن بما یؤتیھن من الوصل والھجران والنقص والحرمان۔ فلما اخترن اللہ ورسولہ ذکر اللہ لھن ما جازاھن بہ من تحریم غیرھن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنعہ من طلاقھن بقولہ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ کذا فی التفسیر الکبیر ص ۶۲۲ ج ۶ وقال ابن الشیخ بعد نقل کلام الامام انما حرم اللہ تعالیٰ علیہ النساء سواھن ونھاہ عن تطلیقھن و عن الاستبدال بھن شکراً لھن علی حسن صنیعھن۔ (حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۲ ج ۴)

کسی کو طلاق دے دیں اور اس کے بدلہ میں دوسری بیوی کرلیں اور اس طرح نو کا عدد پورا کرلیں اگرچہ آپ کو ان کا حسن پسند آئے تب بھی آپ کے لیے ان سے نکاح حلال نہیں چونکہ اکثر و بیشتر نکاح کی رغبت حسن و جمال ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے یہ فرمایا وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اے نبی ان موجودہ نو بیبیوں کے علاوہ آپ کے لیے نہ کسی عورت سے نکاح حلال ہے اور نہ ان نو میں کوئی تغیر و تبدل جائز ہے مگر وہ باندیاں جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں ان میں کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل کا آپ کو اختیار ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

؎ چو دانستی کہ حق دانا و بیناست نہان و آشکار خویش کن راست

جمہور صحابہ و تابعین کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر کردی گئی لیکن حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ یہ ممانعت بعد میں منسوخ ہوگئی۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی۔ یعنی بعد میں آپ کو نکاح کی بھی اجازت ہوگئی اور تغیر و تبدل کی بھی اجازت ہوگئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اس کے بعد نہ کسی عورت سے نکاح کیا اور نہ ان میں سے کسی کو طلاق دے کر اس کی جگہ دوسری بیوی کی۔

مگر ظاہر آیت سے یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں ہوا اور صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے اسی طرح منقول ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبریؒ نے اختیار کیا۔

(دیکھو تفسیر البحر المحیط لابی حیان ص ۲۴۴ ج ۷)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
اے ایمان والو! مت جاؤ گھروں میں

النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ
نبی کے، مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ

نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا
راہ دیکھتے اس کے پکنے کی لیکن جب بلائے تب جاؤ، پھر جب

طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ
کھا چکو تو آپ آپ کو چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگانے باتوں میں۔

ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ
اس بات سے تمہاری تکلیف تھی پیغمبر کو پھر تم سے شرم کرتا، اور اللہ

لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا

شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتانے میں۔ اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز

فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ

کام کی تو مانگ لو پردے کے باہر سے۔ اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے

وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ

دل کو اور ان کے دل کو۔ اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو

اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ

اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں کو اس کے پیچھے کبھی۔

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِن تُبْدُوا

البتہ یہ بات تمہاری اللہ کے ہاں بڑا گناہ ہے۔ اگر کھول کر کہو تم

شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾

کسی چیز کو یا اس کو چھپاؤ سو اللہ ہے ہر چیز جانتا۔

لَّا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَ

گناہ نہیں ان عورتوں کو سامنے ہونے کا اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے، اور

لَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ

نہ اپنے بھائیوں سے، اور نہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنے بہن کے

أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ ۗ

بیٹوں سے اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے ہاتھ کے مال سے

وَاتَّقِينَ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

اور ڈرتی رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ کے سامنے ہے

شَہِيْدًا ۵۵

ہر چیز ۔

ندا اہل ایمان و نزول حکم حجاب برائے خواتین اسلام و احتراز

از ایذاء رسول عالی مقام و تحریم نکاح ازواج مطہرات

بعد وفات سید البریات علیہ افضل الصلوات والتحیات

قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ ۔۔۔ الی ۔۔۔ اِنَّ اللہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا

(ربط) گزشتہ آیات میں نکاح کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کو بیان فرمایا اور ان امور کی ممانعت فرمائی جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے لیے باعث ایذاء اور موجب تکلیف ہوں۔ اس سے پہلے بھی ایذاء نبوی کے انواع و اقسام اور ان کے احکام کا بیان ہو چکا تھا اس لیے اب آئندہ آیات میں ایک خفیف اور معمولی ایذاء نبوی کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو بعض لوگوں کی جانب سے بلا قصد اور بلا ارادہ ایسی چیز ظہور میں آئی کہ جو حضور پر نور کی ایذاء کا سبب بنی۔

قصہ یہ پیش آیا کہ جب بحکم خداوندی حضرت زینبؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہو گیا تو آپؐ نے اس کا ولیمہ کیا اور خاص اہتمام کیا اور گوشت روٹی پکوائی اور تقریباً تین سو آدمیوں کو مدعو کیا۔ اکثر لوگ تو کھانا کھا کر چلے گئے بعض لوگ کھانا کھانے کے بعد گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی یہ حرکت شاق اور گراں گذری مگر آپؐ نے شرم کے مارے کچھ نہ کہا آپؐ کئی بار اٹھے تاکہ لوگ بھی اٹھ جائیں چنانچہ بہت سے لوگ اٹھ گئے مگر تین آدمی پھر بھی باتوں میں مصروف رہے اور آپؐ کے اشارہ کو نہ سمجھے اور حضرت زینبؓ اسی حجرہ میں پشت پھیرے دیوار کی طرف منہ کر کے ایک طرف بیٹھی رہیں بالآخر جب وہ تین آدمی چلے گئے تو آپؐ حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے اس وقت یہ آیتیں یعنی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ سے لے کر اِنَّ اللہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدًا تک نازل ہوئیں۔

ان آیات کو آیات حجاب کہتے ہیں جن میں عورتوں پر پردہ فرض ہونے کا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں کو آداب طعام اور حقوق معاشرۃ بتلائے گئے اور یہ حکم دیا گیا کہ کوئی کام ایسا نہ کریں کہ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تکلیف اور گرانی کا باعث ہو اور تمام مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے یہ حکم دے دیا گیا کہ

کسی کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں اور اگر گھر والوں سے کوئی چیز مانگنا ہو تو باہر سے پس پردہ کھڑے ہو کر مانگ لیں اس حکم سے قلب کی صفائی اور ستھرائی کا پورا پورا انتظام ہو گیا اور فتنہ کا سدّ باب ہو گیا پھر ان سب باتوں کے بعد اسی مقام پر یہ حکم نازل فرمایا کہ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی بیبیوں سے نکاح حرام ہے آپؐ کی ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں سب مسلمانوں کی مائیں ہیں اس لیے آپؐ کی وفات کے بعد ان سے نکاح نہیں ہو سکتا جس کا سبب نزول یہ ہے کہ جب آیات بالا میں حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہوا تو کسی کی زبان سے یہ لفظ نکلا کہ ہم سے ہماری چچازاد بہنوں کو چھپایا جاتا ہے اگر آپؐ کی وفات ہو جائے تو ہم آپؐ کی بیبیوں سے نکاح کر لیں گے اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ آیتیں حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں نازل ہوئیں جو احکام طعام اور آداب معاشرت اور اس بات پر بھی مشتمل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی میں بھی ایذاء دینا حرام ہے اور وفات کے بعد بھی آپؐ کو ایذاء دینا حرام ہے۔ ان آیات میں جن تعلیمات اور ہدایات کا ذکر ہے ان کا آغاز اہل ایمان کی ندا سے ہوا یعنی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے ہوا جو خاص تلطف اور عنایت پر دلالت کرتا ہے اور یہ سورت از اوّل تا آخر خطابات سراپا عنایات سے بھری پڑی ہے چنانچہ اس سورت کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا[1] سے ہوا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ فرمایا پھر[2] يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ سے اہل ایمان کو اس ندائے خاص سے عزت بخشی پھر[3] نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا سے خطاب فرمایا پھر[4-5] دو مرتبہ ازواج مطہرات کو يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ سے خطاب فرمایا اور اس سلسلۂ خطاب میں ان کی فضیلت اور کرامت کو بیان فرمایا پھر[6] يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا سے اہل ایمان کو خطاب فرمایا۔ اور ذکر کثیر اور تسبیح کا ان کو حکم دیا۔ پھر[7] يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا سے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے فضائل اور شمائل بیان کیے پھر[8] يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ سے اہل ایمان کو نکاح اور طلاق کے احکام بتلائے پھر[9] يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ سے نکاح اور حقوق زوجیت کے متعلق ان احکام کو بیان کیا جو خاص ذات نبوی سے متعلق تھے پھر[10] ان سب کے بعد اس آیت میں یعنی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ میں اہل ایمان کو مخاطب فرما کر مختلف احکام کی تعلیم دیتے ہیں جن میں سے بعض احکام ازواج اور عام مسلمان عورتوں سے متعلق ہیں اور بعض احکام خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے متعلق ہیں اس کے بعد اخیر سورت تک چار خطاب اور آئیں گے جن میں سے ایک خطاب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو ہے اور باقی تین خطاب اہل ایمان کو ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر اس وقت کہ جب تم کو کھانا کھانے کے لیے یا کسی اور ضرورت کے لیے بلایا جائے یعنی بغیر اجازت اور

بغیر دعوت کے داخل نہ ہو ہاں اگر تم کو دعوت دی جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ ایسے حال میں جاؤ کہ کھانا پکنے کے انتظار کرنے والے نہ ہو ولیکن جب تم کو بلایا جائے تب داخل ہو۔ ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی دعوتِ ولیمہ ہوتی تو سویرے سے آجاتے اور کھانا پکنے کا انتظار کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہوجاتے تو بیٹھے باتیں کرتے اللہ تعالیٰ نے ان کو ادب سکھایا کہ ایسا نہ کیا کریں اوّل تو بغیر دعوت کے نہ جایا کریں اور اگر دعوت بھی ہو تو پہلے سے جاکر نہ بیٹھ جایا کریں ایک ادب تو یہ ہوا پھر دوسرا ادب یہ ہے کہ جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ۔ اور وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ اور آپس میں دل لگا کر بے فکری سے بیٹھے باتیں نہ کرتے رہا کرو۔ تحقیق تمہارا یہ فعل یعنی بغیر اجازت کے آجانا اور پھر کھانا پکنے سے پہلے آکر بیٹھ جانا اور پھر کھانا سے فارغ ہوکر بیٹھے باتیں کرتے رہنا پیغمبرِ خدا کو تکلیف دیتا ہے پس وہ شرماتا ہے اور لحاظ اور شرم کی وجہ سے یہ نہیں کہتا کہ تم چلے جاؤ اور اللہ جو تمہارا رب ہے وہ حق کے بیان کرنے سے اور ادب کے سکھانے سے شرماتا نہیں تمہاری اصلاح اور تادیب کے لیے حق بات کو صاف صاف بتلا دیتا ہے اور اللہ تم کو ایک ادب یہ سکھاتا ہے کہ جب تم پیغمبر کی بیبیوں سے یا اور مسلمان عورتوں سے کام کی کوئی چیز مانگنا چاہو تو پردہ کے پیچھے باہر سے کھڑے ہوکر ان سے مانگ لو اس مانگنے کے وقت تمہارے اور گھر والوں کے درمیان حجاب (پردہ) حاجب (حائل) ہونا چاہیے۔ رُو در رُو گھر والوں سے بات کرنا منع ہے ضرورت کی بنا پر پردہ کے پیچھے کھڑے ہوکر کسی چیز کے مانگنے کی تو اجازت ہے مگر دیکھنے اور جھانکنے کی اجازت نہیں یہ امر یعنی پردہ کے پیچھے کھڑے ہوکر مانگنا بہت پاک رکھنے والا ہے تمہارے دلوں کو اور عورتوں کے دلوں کو یعنی یہ پردہ دلوں کو شیطانی اور نفسانی خیالات سے پاک رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ پردۂ متعارفہ جو قدیم اہل اسلام میں رائج ہے وہ غایت درجہ ضروری ہے اور نہایت قابل اہتمام ہے نفسانی وسوسوں اور خطروں سے حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے اور یہ آیت بھی اگرچہ ازواج مطہرات کے حق میں ہے لیکن اس حکم کی جو علت بیان کی گئی ہے وہ عام ہے۔ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ یعنی یہ حجاب طہارت قلوب کا بہترین ذریعہ ہے اور بلا شبہ حق اور درست ہے۔ اور یہ علت صراحۃً دلالت النص سے ثابت ہے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بے حجابی اور بے پردگی قلب کی نجاست اور گندگی کا سبب ہے اور حجاب اور پردہ قلب کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہے اور ازواج مطہرات تو بوجہ امہات المؤمنین ہونے کے ان کی عظمت اور حرمت دلوں میں ایسی راسخ ہے کہ جہاں فتنہ کا احتمال نہیں لہذا جہاں فتنہ کا احتمال غالب بلکہ فتنہ یقینی ہو وہاں حجاب قطعی طور پر فرض اور لازم ہوگا۔

اور ازواج مطہرات سے بلا حجاب باتیں کرنا یہ تو ایذاء رسول کا بھی موجب ہے اور تمہارے لیے یہ بات کسی طرح جائز نہیں کہ تم کسی چیز میں اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ ہر طرح رسول کے ادب کا لحاظ رکھو ایسا نہ ہو کہ تم سے کوئی ایسا امر سرزد ہو جائے جو مزاج نبوی کو ناگوار گذرے اور نہ تمہارے لیے یہ جائز ہے کہ تم

آپؐ کی وفات کے بعد کبھی بھی آپ کی بیبیوں کو نکاح میں لاؤ۔ البتہ تمہارا یہ فعل یعنی اس طرح سے نبی کریمؐ کو ایذاء دینا کہ ہم آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی بیبیوں سے نکاح کر لیں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے یعنی آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی بیبیوں سے نکاح اللہ کے نزدیک جرم عظیم ہے جس طرح آپؐ کی حیات میں آپؐ کو ایذاء پہنچانا حرام ہے اسی طرح وفات کے بعد بھی آپؐ کو ایذا پہنچانا حرام ہے جس طرح آپؐ کی حیات میں آپؐ کی تعظیم اور احترام فرض اور لازم ہے اسی طرح آپؐ کی وفات کے بعد بھی فرض اور لازم ہے بالجملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہراً اور باطناً ایذا پہنچانا حرام ہے حتیٰ کہ ایذاء کا تصور اور خیال بھی حرام ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تم اس قسم کی کوئی چیز ظاہر کرو اور بعض ازواج نبی سے نکاح کرلینے کا لفظ زبان پر لاؤ یا اس بات کو دل میں چھپائے رکھو اور زبان پر نہ لاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو چھپی ہو یا کھلی خوب جانتا ہے اور تم کو اس پر سزا دے گا مطلب یہ ہے کہ ازواج مطہرات دنیا اور آخرت میں آپؐ کی بیبیاں ہیں اور تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں آپؐ کی وفات کے بعد ان سے نکاح کا تصور اور خیال بھی گناہ عظیم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کی بیویوں سے نکاح حرام قرار دیا جو حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہے۔

اوّل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے یہ حکم دیا گیا۔ ہر انسان پر طبعی طور پر یہ گراں ہوتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے بعد دوسرے کے نکاح میں جائے اس لیے آنحضرتؐ کی فضیلت اور بزرگی ظاہر کرنے کے لیے یہ رعایت خاص، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی گئی کہ آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج کا دوسروں سے نکاح کرنا حرام ہوا۔

دوم یہ کہ تاکہ فتنہ کا انسداد ہو جائے کیونکہ بالفرض اگر آپؐ کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح کی اجازت ہو جاتی تو ہر شخص کو آپؐ کی جانشینی کے دعوے کی گنجائش مل جاتی اور اندیشہ تھا کہ وہ شخص اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنی خلافت کی طرف بلاتا۔

سوم یہ کہ باہم تنافس اور تحاسد کا دروازہ کھل جاتا ہر شخص یہ چاہتا کہ میں زوجۂ رسولؐ سے نکاح کروں تاکہ مجھے لوگوں میں خاص عزت اور امتیاز حاصل ہو اس امر کے انسداد کے لیے شریعت نے آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج سے نکاح کو قطعی حرام قرار دیا۔

چہارم یہ کہ اگر ازواج مطہرات کے لیے شریعت میں آپؐ کے بعد کسی سے نکاح جائز ہوتا تو ازواج مطہرات کا وہ عالی مرتبہ جو زوجیت رسولؐ کی بنا پر حاصل تھا وہ ختم ہو جاتا اور آنحضرتؐ کے بعد کسی سے نکاح کرنا بلندی سے پستی میں جا گرنے کے مترادف ہے۔

پنجم یہ کہ دوسروں کے نکاح میں جانے کے بعد ان کی روایات لوگوں کی نظر میں مشکوک ہو جائیں ممکن ہے کہ لوگ یہ خیال کرتے کہ یہ عورت اپنے جدید شوہر کے خیال سے ان امور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہی ہے۔ اس صورت میں امت ان علوم سے محروم ہو جاتی جو ازواج مطہرات کے

ذریعہ سے پہنچے ہیں۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اجنبی مردوں سے پردہ کا حکم دیا اب آئندہ آیات میں ان رشتہ داروں کا ذکر کرتے ہیں جن سے پردہ واجب نہیں اور وہ اس پردہ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ سورۂ نور کی اس آیت وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ میں تفصیل کے ساتھ گذرا، چنانچہ فرماتے ہیں۔ ان عورتوں پر اپنے باپوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں کے سامنے اور نہ اپنے بھائیوں کے سامنے اور نہ اپنے بھتیجوں کے سامنے اور نہ اپنے بھانجوں کے سامنے اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے اور نہ اپنی باندیوں اور لونڈیوں کے سامنے یعنی ان سب کے سامنے آنا جائز ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کے لفظ سے لونڈی اور غلام دونوں مراد ہیں یہ لفظ عام ہے دونوں کو شامل ہے لیکن غلام قبل از بلوغ مراد ہے بعد از بلوغ مراد نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف کنیز مراد ہے۔ جیسا کہ سورۂ نور میں گذرا۔

ف وَلَا نِسَآئِهِنَّ سے مسلمان عورتیں مراد ہیں کیونکہ ازواج مطہرات کی ساتھ والی عورتیں مسلمان عورتیں ہی ہوسکتی ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ کافر عورتوں سے پردہ چاہیے۔ اور اے عورتو خدا سے ڈرتی رہو اور حیاء کا پردہ سامنے سے نہ اٹھاؤ۔ بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ جو چیز تمہارے خیال میں گذرتی ہے خدا اس سے بھی باخبر ہے۔

فائدۂ جلیلہ

ان آیات کو جن میں وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ بھی ہے ان آیات کو آیات حجاب کہتے ہیں اس آیت کا نزول وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کے نزول سے مقدم ہے کیونکہ اس آیت کا نزول حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں ہوا اور وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کا نزول آیت تخییر کے نزول کے وقت ہوا اور آیت تخییر کا نزول حضرت زینبؓ کے نکاح کے بہت بعد ہوا اس لیے کہ مخیرات میں حضرت زینبؓ بھی تھیں اور ظاہر ہے کہ نفقہ کا مطالبہ نکاح کے بعد ہی ہوتا ہے پس آیت حجاب کے نزول سے پردہ فرض ہوا اور بعد میں وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ کے نزول سے اس کی تاکید ہوگئی (ماخوذ از بیان القرآن)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ

اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

اے ایمان والو! رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول کو ان کو پھٹکارا اللہ
فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۵۷﴾
نے دنیا میں اور آخرت میں اور رکھی ہے اُن کے واسطے ذلت کی مار۔
وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ
اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو، اور مسلمان عورتوں کو بن کیے
مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿۵۸﴾ ع
کام، تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔

حکم وجوب صلوٰۃ وسلام وتحریم ایذاءِ خدا و رسول ﷺ ایذاءِ عامۂ اہلِ اسلام

قال اللہ تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۔۔۔ الی ۔۔۔ فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا

(ربط) گزشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان اور عُلوِ مقام کو بیان کیا اور ازواج مطہرات کے ادب اور احترام کو بیان کیا۔ اور شروع سورت میں بھی یہی مضمون تھا۔ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔ اب ان آیات میں پھر نبی کریم کی جلالت شان ظاہر کرنے کے لیے صلاۃ وسلام کا حکم دیتے ہیں کہ نبی کریم کا حق یہ ہے کہ آپ پر صلاۃ وسلام پڑھا جائے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود حق جل شانہٗ کی رحمتوں اور عنایتوں کا ذریعہ ہے اور ملأ اعلیٰ میں آپ کی خاص شان ہے اور آپ کا ادب اور احترام قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا وسیلہ ہے لہٰذا آپ پر صلاۃ وسلام اور آپ کا ادب و احترام اور آپ کی تعظیم ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہے اور آپ کو کسی قسم کی ایذا پہنچانا حرام ہے حتیٰ کہ مؤمنین اور مؤمنات یعنی آپ پر ایمان لانے والوں کو اور آپ کی متابعت اور محبت کرنے والوں کو بھی ایذا پہنچانا حرام ہے اور موجب لعنت ہے اور مؤمنین اور مؤمنات کے اوّلین مصداق تمام صحابہ کرامؓ اور تمام ازواج مطہرات اور تمام بنات طاہرات اور تمام اہل بیت اطہار ہیں۔

خلاصہ یہ کہ گزشتہ آیات میں جو احکام بیان کیے گئے مثلاً حضور پُر نور کی وفات کے بعد امہات المؤمنین سے نکاح کا حرام ہونا وغیرہ وغیرہ۔ وہ سب آپ کے شرف اور کرامت اور جلالت قدر پر دلالت کرتے ہیں۔

اب آئندہ آیات میں دوسرے عنوان سے آپؐ کی جلالت قدر اور علوِ شان کو بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں جو استیذان وغیرہ کا حکم تھا وہ بے شک آپؐ کے ادب اور احترام کے وجوب اور لزوم ظاہر کرنے کے لیے تھا لیکن یاد رکھو کہ نبی کا احترام ہر حال میں فرض ہے خواہ نبی اپنے گھر میں ہو یا گھر سے باہر ہو۔ ملأ اعلیٰ میں ہو یا ملأ سافل میں ہو۔ ملأ اعلیٰ کے فرشتے بھی آپؐ کا احترام کرتے ہیں لہٰذا تم کو بھی انہی کے طریقہ پر چلنا چاہیے۔ دیکھو شیخ زادہ حاشیۂ بیضاوی ص۴۲ ج۴۔ تاکہ ملأ اعلیٰ اور عالم علوی کے ساتھ ملأ سافل اور عالم سفلی کا ادب اور احترام بھی ساتھ مل جائے دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علان مکی ص۳۰ ج۳۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر دمبدم[1] اپنی رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ ایک رحمت کے بعد دوسری رحمت اور ایک برکت کے بعد دوسری برکت وعلیٰ ہذا۔ یہاں اللہ کی صلاۃ سے اللہ تعالیٰ کی عام رحمت مراد نہیں بلکہ خاص الخاص رحمت مراد ہے جو اس کی شان الوہیت اور شان ارحم الراحمین کے مناسب ہے۔

اور فرشتوں کی صلاۃ اور رحمت سے ان کی خاص الخاص دعائیں مراد ہیں جن سے حضور پر نورؐ کے مراتب میں ترقی ہوتی رہتی ہے ملائکہ کرام کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنا بلاشبہ حضرت آدمؑ کی شرف اور فضیلت کی دلیل تھی لیکن تاقیام قیامت فرشتوں کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا کرتے رہنا اس سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ سجدہ ایک وقتی امر تھا۔ اور یہ دعا دائمی اور مسلسل ہے۔ اے مسلمانو! اللہ نے تم کو یہ خبر اس لیے دی ہے کہ تم کو اس پیغمبر کا مرتبہ معلوم ہو جائے کہ یہ پیغمبر اس قدر جلیل القدر اور عظیم الشان ہے کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ وہ اللہ جل شانہٗ کی خاص الخاص رحمتوں اور عنایتوں کا اور ملائکۂ مقربین اور ملأ اعلیٰ کی توجہات اور عنایات کا مورد اور محل بنا ہوا ہے۔ لہٰذا تم کو بھی چاہیے کہ ملائکہ کی اقتداء کرو اور فرشتوں کی طرح اس نبی پر صلاۃ وسلام بھیجو اور ظاہراً اور باطناً اس کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو اور اس کا خیال رکھو کہ تم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے کہ جو آپؐ کی تعظیم اور احترام میں مخل ہو دیکھو الدار المنضود لابن حجر المکیؒ ص۱۱ وشرح کتاب الاذکار لابن علانؒ ص۳۹۹ ج۳۔

پس اے میرے خاص بندو جو اس نبی پر ایمان لائے ہو تم پر بحق ایمان یہ لازم ہے کہ تم بھی اس نبی پر صلاۃ وسلام بھیجا کرو۔ جیسا کہ صلاۃ وسلام بھیجنا چاہیے تاکہ بحق ایمان تم پر نبی کا جو حق ہے وہ کچھ ادا ہو۔ اور جہاں تک ممکن ہو تم اس کے ادب اور احترام کو پورا پورا ملحوظ رکھو اہل ایمان پر رسول کی تعظیم فرض ہے حتیٰ کہ جو مؤمنین اور مؤمنات یعنی جو مرد اور عورت اس نبی کے پیرو ہیں ان کو بھی کوئی ایذا نہ پہنچاؤ جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

[1] اشارة الى ان المضارع اى يصلون للاستمرار التجددى والمعنى على ما قال الزمخشري عليهم راحة بعد راحة ورحمة بعد رحمة (الدار المنضود ص۱۹ والقول البديع ص۳۰)

وَالْمُؤْمِنَاتِ الآیۃ۔

اس لیے کہ ہم کو نبی کریمؐ کے ذریعہ ہی خدا تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا ہے۔ شقاوت سے بچنے اور سعادت کے حاصل کرنے کے طریقے ہم کو معلوم ہوئے اس نعمت کا شکر ہم پر واجب ہے اس حق نعمت کی ادائیگی کے لیے بطور شکر ہم پر صلاۃ وسلام واجب ہے پس صلاۃ کا طریقہ تو یہ ہے کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہو کہ اے اللہ اپنے پیغمبر پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اور سلام کا طریقہ یہ ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہو جیسا کہ تم نماز میں پڑھتے ہو یا اللّٰھم سلّم وَبَارِكْ علی محمد کہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم تیرے نبی کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں آپ اپنی رحمت خاصہ سے اس نبی پر اپنی خاص الخاص الطاف اور عنایات مبذول فرما اور دنیا میں انکے دین کو عزت اور شوکت عطا فرما اور آخرت میں آپؐ کی شفاعتوں کو قبول فرما اور تمام اولین اور آخرین پر آپؐ کی فضیلت ظاہر فرما اور اس آیت میں جو صلاۃ وسلام کا حکم دیا گیا ہے وہ فرضیت کیلئے ہے اس لیے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ درود بھیجنا تو فرض ہے جیسا کہ کلمۂ توحید عمر بھر میں ایک بار کہنا فرض ہے اور جس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو تو وہاں ایک بار واجب اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔

فائدہ امت کی طرف سے جو صلاۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور پرنورؐ کے احسان کی مکافات نہیں بلکہ ایک فقیرانہ ہدیہ ہے جو شاہ رسالت کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علانؒ ص ۳۱۵ ج ۳۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو صلاۃ وسلام کا حکم دیا اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ کمال محبت کے ساتھ نبی کی کمال متابعت کرے اور کوئی کام آپؐ کی سنت اور شریعت کے خلاف نہ کرے اس میں اندیشہ ہے کہ اس کی یہ بے راہی نبی کی ایذاء کا سبب نہ بنے اس لیے ارشاد فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو قصدًا ایذاء دیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔ یعنی ان کو اپنی رحمت سے اتنا دور کر دیا کہ ان میں اور کافروں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا اللہ کو ایذاء پہنچانے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی شان میں ناز یبا الفاظ زبان سے نکالنا جیسے یہود کہتے تھے یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۔ اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ اور نصاریٰ کہتے تھے کہ مسیح اللہ کے فرزند ہیں اور مشرکین کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور بتوں کو معبود اور خدا کا شریک کہتے تھے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدمی زادہ مجھ کو ایذاء دیتا ہے بایں طور کہ دہر (زمانہ) کو گالیاں دیتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے کہ زمانہ نے میرے ساتھ یہ ظلم کیا۔ زمانہ جاہلیت کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی گردش پیش آتی تو اس کو زمانہ کی طرف نسبت کر کے زمانہ کو برا بھلا کہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ حالانکہ ان گردشوں اور حالات کا پیدا کرنے والا تو میں ہی ہوں (یا یہ معنی ہیں) کہ جس نے اللہ کے پیغمبر کو ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی۔ جیسے قرآن میں

دوسری جگہ ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ حاصل کلام یہ کہ رسول خدا کو ایذاء دینے والا دنیا اور آخرت میں ملعون ہے اور جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے برا کام کیا ہو ایذاء پہنچاتے ہیں تو ان موذیوں نے بہتان کا اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے اوپر اٹھایا حالانکہ مؤمنین اور مؤمنات معصوم نہیں ہوتے ان سے گناہ کا سرزد ہو جانا ممکن ہے بس عام مؤمنین اور مؤمنات کو ایذاء پہنچانا صریح گناہ ہوا تو رسول معصوم کو ایذاء پہنچانا تو بلا شبہ دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذاب مہین کا سبب ہو گا اور نبی کے بعد درجہ صحابہؓ کا ہے ان کو نشانۂ طعن بنانا نبی کو نشانۂ طعن بنانا ہے اس وعید میں فرقۂ روافض داخل ہے جو صحابہ کرامؓ میں نقص اور عیب نکالتا ہے مگر قرآن نے اعلان کر دیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اب صحابہؓ کی بلا سے کہ کوئی رافضی ان سے راضی ہو یا ناراض ہو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ

اے نبی! کہہ دے اپنی عورتوں کو اور بیٹیوں کو اور مسلمانوں

الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ

کی عورتوں کو، نیچی لٹکا لیں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں،

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

اس میں لگتا ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی نہ ستاوے، اور ہے اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ

بخشنے والا مہربان۔ کبھی باز نہ آئے منافق، اور جن کے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ

دل میں روگ ہے اور جھوٹ اڑانے والے مدینے میں۔

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا

تو ہم لگا دیں گے تجھ کو ان کے پیچھے، پھر نہ رہنے پاویں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر

قَلِيلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُونِينَ ۚ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا

تھوڑے دنوں۔ پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے

تَقْتِيلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۖ

جان سے۔ دستور پڑا ہوا اللہ کا، اُن لوگوں میں جو آگے ہو چکے ہیں۔

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾

اور تُو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی۔

ذکر بعض انواع ایذاء منافقین و مرجفین

بتعرض نسواں و تخویف اہل ایمان

وقال اللہ تعالیٰ۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ .... الی .... وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں مطلق اور عام ایذاء رسول اور ایذاء مؤمنین پر وعید کا ذکر تھا اب آیندہ آیات میں منافقین اور مرجفین کی خاص خاص ایذاؤں کا ذکر کر کے ان کی بابت ہدایات دیتے ہیں تاکہ ان ایذاؤں کا سدِّ باب ہو جائے اور یہ ایذاء دو طرح سے تھی ایک تو یہ کہ سرِ راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے۔ پردہ کے حکم سے تو اس ایذاء رسانی کا علاج ہوا۔ اور دوسری ایذاء رسانی اس طرح سے تھی کہ ایسی جھوٹی خبریں اڑاتے کہ جس سے مسلمان پریشان ہو جائیں اور گھبرا جائیں جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں۔ ان ایذاؤں کے سدِّباب کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبیؐ اپنی عورتوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ جب ضرورت کے لیے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے اوپر کچھ اپنی فراخ چادریں لٹکا لیں تاکہ ان کا سر اور چہرہ اور بدن کسی کو نظر نہ آئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت کے لیے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں اور چہروں کو بڑی چادروں سے ڈھانک لیں۔ البتہ ایک آنکھ کسی طرح کھول لیں جس سے ان کو راستہ نظر آسکے اس طرح سے سر اور چہرہ اور بدن کا چھپانا بہت قریب ہے اس بات کے کہ پہچان لی جاویں کہ یہ پردہ والی اور پاکباز عورتیں ہیں اور اس پردہ سے

لوگوں کو ان کی عفت اور پاکدامنی عیاں ہوجائے اور کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔ لوگوں کا طریقہ ہے کہ لباس دیکھ کر معاملہ کرتے ہیں جیسا لباس دیکھتے ہیں ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں۔ پس اس حالت اور ہیئت میں دیکھ کر ان کو ایذا نہ دی جائے اور بدکاران سے تعرض نہ کریں ان کے پردہ کی اس وضع اور ہیئت کو دیکھ کر کسی کی ہمت نہ ہو کہ وہ ان کو چھیڑ سکے۔ شریر لوگ راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے ہیں اللہ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ عورتیں گھر سے نکلتے وقت اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں اور اپنا منہ اور بدن اس سے چھپا لیں کہ لوگ اس وضع اور ہیئت کو دیکھ کر پہچان لیں کہ یہ شریف زادیاں اور غیرت اور حیا والی عورتیں ہیں اور یہ بھی جان لیں کہ یہ باندیاں نہیں تو کوئی شخص ان سے لونڈیوں اور باندیوں کی طرح بات نہ کرسکے اور نہ ان سے کسی خدمتی کام کے لیے کچھ کہہ سکے پردہ تو باندیوں پر بھی ہے مگر وہ ذرا خفیف ہے۔ آزاد عورتوں کی طرح ان پر سختی نہیں اس لیے کہ اس سے خدمت اور کاروبار میں تنگی لاحق ہوتی ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ گھر سے نکلتے وقت عورت کو اپنا سر اور چہرہ اور بدن چھپانا فرض ہے کہ کسی کو اس کا چہرہ نظر نہ آئے اور یہی پردۂ مروجہ ہے جو شروع اسلام سے اب تک مسلمانوں میں رائج ہے جس کو اس زمانہ کے شہوت پرست ختم کرنا چاہتے ہیں اللہ ان کو ہدایت دے اور مسلمانوں کو ان کے فتنہ سے بچائے۔ آمین۔

اور اگر سر اور چہرہ چھپانے میں بلا قصد اور بلا ارادہ کوئی کوتاہی یا بے احتیاطی ہوجائے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ایسے گناہ اور کوتاہی کو بخش دیتا ہے جو بربنائے غفلت صادر ہوجائے اور قصد اور ارادہ کو اس میں دخل نہ ہو۔ مدینہ کے منافق اور فساق اور اوباش راہ چلتی عورتوں کو چھیڑتے تھے خصوصاً رات کے وقت جب عورتیں قضاء حاجت کے لیے نکلتیں پھر جب عورت کو چادر اوڑھے ہوئے دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ آزاد عورت ہے اور اسے نہ چھیڑتے اور اگر دیکھتے کہ اس پر چادر نہیں تو کہتے کہ یہ باندی ہے اور اسے چھیڑنے کی فکر کرتے۔ منافقین کا ایک فتنہ تو یہ تھا اور ایک فتنہ یہ تھا کہ منافقین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی خبریں اڑایا کرتے تھے اس آیت میں پہلے فتنہ کا یعنی آزاد عورتوں کی حفاظت کا انتظام فرمادیا۔ اب آیندہ آیت میں عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دیتے ہیں تاکہ وہ اس تہدید اور دھمکی کو سن کر بی بی ہو یا لونڈی ہو سب کی چھیڑ چھاڑ سے باز آجائیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں البتہ اگر یہ منافقین اور ان میں کے وہ لوگ جو شہوت پرست ہیں اور جن کے دلوں میں عورتوں کے دیکھنے کا روگ لگا ہوا ہے یہ لوگ اگر اپنی شرارتوں سے اور اپنی بدنظری سے اور عورتوں کے چھیڑنے سے باز نہ آئے اور علیٰ ہذا وہ لوگ بھی جو مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے ہیں یہ لوگ جھوٹی خبریں اڑانے سے باز نہ آئے تو البتہ ہم آپ کو ان سب پر مسلط کردیں گے آپ ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ پھر وہ لوگ آپ کے ساتھ مدینہ میں رہنے نہیں پائیں گے مگر بہت تھوڑی مدت جلدی ہی شہر بدر کردیئے جائیں گے۔ لعنت کے مارے پھٹکارے ہوئے ہوں گے مگر کہیں بچ نہیں سکیں گے اور ایسے

ذلیل و خوار ہوں گے کہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے یعنی کہیں بھی بھاگ کر جائیں گے وہیں گرفتار ہوں گے اور قید کیے جائیں گے اور خوب قتل کیے جائیں گے کہیں ان کو پناہ نہیں ملے گی۔

اللہ کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے گزشتہ لوگوں کے بارہ میں جنہوں نے نفاق پر کمر باندھی اور رسترا تس کہیں اول اللہ نے ان کو مہلت دی بالآخر جب ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا تو ان کو گرفتار کر کے خوب قتل کیا اور آپ اللہ کے اس طریقہ اور دستور میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہ پائیں گے مدینہ کے منافقین اگر عورتوں کو چھیڑنے سے اور جھوٹی خبریں اڑانے سے باز نہ آئے تو ان کا بھی یہی انجام ہو گا۔

چنانچہ جس وقت سورۂ تو یہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد نام بنام فرمایا اے فلانے تو کھڑا ہو اور نکل جا۔ تو منافق ہے پھر ان منافقوں کے قرابت دار جو مؤمنین صالحین تھے اٹھے اور اٹھ کر ان منافقین کو ذلت و خواری کے ساتھ مسجد سے نکال دیا۔

(تفسیر قرطبی صفحہ ۲۴۷ ج ۱۴)

ف اس آیت میں جو لفظ بَنٰتِكَ آیا ہے وہ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں مگر روافض خوافض۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو اولاد رسولؐ سے خارج سمجھتے ہیں اس لیے کہ ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا تھا۔ ان کا یہ خیال سراپا اختلال صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا

لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کو۔ تو کہہ اس کی خبر ہے

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ

اللہ ہی کے پاس۔ اور تو کیا جانے، شاید وہ گھڑی پاس ہی

قَرِيْبًا ۝۶۳ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ

ہو۔ بے شک اللہ نے پھٹکارا ہے منکروں کو اور رکھی ہے ان کے

سَعِيْرًا ۝۶۴ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا

واسطے دہکتی آگ۔ رہا کریں اس میں ہمیشہ نہ پاویں کوئی حمایتی نہ

وَّلَا نَصِيْرًا ۝۶۵ۚ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ

مددگار۔ جس دن اوندھے ڈالے ان کے منہ آگ میں

يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾

کہیں گے کسی طرح ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا -

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا

اور کہیں گے اے رب! ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ

پھر انہوں نے چوکادی ہم سے راہ - اے رب! ان کو دے دونی مار اور

الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع

پھٹکار ان کو بڑی پھٹکار

تہدید وعید منافقین منکرین قیامت

مقرون بہ لعنت عذاب آخرت

قال اللہ تعالیٰ - يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ---- الی ---- وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں منکرین نبوت کی تہدید تھی آپ جب کبھی منکرین حق کو آئندہ آنے والے عذاب اور قیامت سے ڈراتے تو وہ بطور تمسخر یہ سوال کرتے کہ قیامت کب ہوگی اور اس قسم کے معاندانہ سوال سے محض آپ کو تنگ کرنا اور ایذاء دینا مقصود ہوتا تھا تو اس کا جواب دیا گیا کہ قیامت کا اصل وقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن سمجھ لو کہ شاید وہ قریب ہی نہ ہو اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور دو انگلیاں ملا کر دکھلایا کہ جس طرح یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں اسی طرح قیامت کبریٰ اور میری بعثت ملی ہوئی ہے۔ جب ان لوگوں پر کوئی ناگہانی عذاب آئے گا تو اس وقت پچھتائیں گے مگر اس وقت پچھتانا کچھ فائدہ مند نہ ہوگا۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں منافقین اور مرجفین کی دنیاوی ذلت اور لعنت کو بیان کیا اور اس آیت میں ان کی اُخروی ذلت کو بیان کرتے ہیں (شیخزادہ حاشیہ بیضاوی ص۶۶ ج۴)

چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ منافق لوگ جو منافقین اور معاندین کے بارہ میں اللہ کی سنت سے غافل ہیں وہ

آپؐ سے معاندانہ طور پر سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت کے وقت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اللہ نے کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی اور آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہو جب سارے نبی گذر چکے اور نبی آخر الزمانؐ آچکے تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہی ہے اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب آئے گی اس کا سامان کرو اور اس کی تیاری کرو تم سارے جہان کی قیامت کو کیا پوچھتے ہو تمہاری قیامت یعنی تمہاری موت کہیں سر پہ نہ کھڑی ہو بیشک اللہ نے دور پھینک دیا ہے کافروں کو اپنی رحمت سے جو نبی کریمؐ کی نبوت اور قیامت کے منکر ہیں اور دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ان کے لیے تیار کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ مددگار جو ان سے عذاب کو ہٹا سکے جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے یعنی سوختہ کباب کی طرح بنا دیئے جائیں گے کباب کے گوشت کی طرح بار بار ان کو آگ پر رکھا جائے گا اور وہ اس وقت یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ اور رسول کی تابعداری کرتے پھر جن کافروں نے ان کو گمراہ کیا تھا ان کی شکایت کریں گے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی پس ان لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا اے ہمارے پروردگار ان کو ہم سے دو چند عذاب دے اور ان پر بہت ہی بڑی لعنت کیجئے خود بھی گمراہ رہے اور ہم کو بھی گمراہ کیا ان پر دو چند عذاب نازل کیجئے اور سخت لعنت کیجئے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالےٰ اہل ایمان کو ادب سکھاتا ہے کہ تم کافروں کی طرح یا قوم موسیٰ کی طرح اپنے نبی کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچاؤ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ

اے ایمان والو! تم مت ہو ویسے، جنہوں نے ستایا موسیٰ کو

فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿٦٩﴾

پھر بے عیب دکھایا ان کو اللہ نے ان کے کہنے سے اور تھا اللہ کے ہاں آبرو رکھتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور کہو بات سیدھی۔

يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن

کہ سنوار دے تم کو تمہارے کام، اور بخشے تم کو تمہارے گناہ۔ اور جو کوئی

يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

کہے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اس نے پائی بڑی مراد ۔

خاتمۂ سورت بر ترغیب از ایذاء رسول و ترغیب اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا ... الیٰ ... فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝

(ربط) ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک منافقین کی انواع و اقسام کی ایذاؤں کا ذکر تھا اور گذشتہ آیات میں ایذاء رسول کو موجب لعنت قرار دیا اب سورت کو اسی مضمون پر ختم کرتے ہیں جو اس سورت کے متفرق مضامین کا خلاصہ ہے کہ رسول خدا کو ایذاء پہنچانا موجب ہلاکت و لعنت ہے اور تقویٰ اور رسول کی اطاعت موجب صلاح اور فلاح اور باعث رحمت اور کیمیاء سعادت ہے۔ ابتداء سورت میں نبی کریم کو تقویٰ کا حکم تھا اب آخر سورت میں اہل ایمان کو تقویٰ کا حکم دیا جس درجہ کا تقویٰ ہوگا اسی درجہ کا ایمان ہوگا اور ایمان اور تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نبی کو اور اس کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچائے نبی کو اپنا روحانی باپ جانے اور ازواج مطہرات کو اپنی روحانی مائیں سمجھے نبی پر طعن کرنا اور اس کو ایذاء پہنچانا یہ منافقین کا شیوہ ہے ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دی تھی پس اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تو اس بات سے بری کر دیا اور ایذاء پہنچانے والے ہمیشہ کے لیے ملعون اور مغضوب ہوئے۔ اور وہ یعنی موسیٰ علیہ السلام اللہ کے یہاں بڑے آبرو والے تھے اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مرتبہ تھا اور رسول اللہ کا مرتبہ تو اللہ کے یہاں سب سے بڑھ کر ہے آپ کو اذیت پہنچانے سے آپ کی وجاہت اور عزت میں کوئی فرق نہیں آئے گا بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں ایک مرتبہ ایک عورت کو رشوت دے کر الزام لگایا جیسا کہ قارون کے قصہ میں گذرا اور اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور ہمیشہ درست بات کہو زبان سے کوئی لفظ ایسا نہ نکالو کہ جو نبی کی ایذاء کا سبب بنے اور کوئی بات خلاف شرع تمہاری زبان سے نہ نکلے ایسی بات خدا اور اس کے رسول کی ایذاء کا سبب ہے اللہ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ بڑی کامیابی کو پہنچا خوب سمجھ لو کہ کامیابی کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے۔

نکتہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے دو طریقے ذکر فرمائے ایک تقویٰ اور ایک

قول سدید۔ تقویٰ کے معنی خوف خداوندی کے ہیں جس کا تعلق قلب سے ہے اور قول سدید یعنی ٹھیک بات کہنا اس کا تعلق زبان سے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان باتوں کو اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دیں گے جب قلب درست ہو جائے اور زبان درست ہو جائے تو لامحالہ باقی اعمال درست ہو جائیں گے۔ اعمال کا دار و مدار زیادہ تر انہی دو چیزوں پر ہے ایک دل اور ایک زبان جب یہ دونوں درست ہو جائیں گے تو باقی بھی درست ہو جائیں گے۔ تمام اعضا میں سب سے زیادہ تیز اور رواں زبان ہے ہر عضو تھک جاتا ہے مگر زبان بولنے سے نہیں تھکتی حدیث میں ہے۔ اذا اصبح ابن آدم فالاعضاء کلہا تکفر اللسان فتقول اتق اللہ فینا فنحن بک فان استقمت استقمنا و ان اعوججت اعوججنا۔ جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کو قسم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے زبان ہمارے بارہ میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں پس اگر تو درست ہو گی تو ہم سب درست رہیں گے اور اگر تو کج ہو گی تو ہم سب کج رہیں گے (ماخوذ از تسہیل الاصلاح وعظ پنجم از دعوات عبدیت حصہ دوم)

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ

ہم نے دکھائی امانت آسمان کو اور زمین کو اور

الْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا

پہاڑوں کو پھر سب نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھاویں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا

الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾ لِيُعَذِّبَ اللَّهُ

اس کو انسان نے، یہ ہے بڑا بے ترس نادان ۔ تا عذاب کرے اللہ

الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ

منافق مردوں کو اور عورتوں کو اور شریک والے مردوں کو اور عورتوں کو

وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۗ وَكَانَ

اور معاف کرے اللہ ایماندار مردوں کو اور عورتوں کو ۔ اور ہے

اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٣﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ۔

ترغیب بر حفاظت امانت و ترہیب از خیانت و اضاعت

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ .... الی .... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں طاعت خداوندی اور رسول اور ایمان اور تقویٰ اور قول سدید کی تاکید تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ طاعتِ خدا اور رسول اللہ کی ایک امانت ہے جس کو ایمان لا کر تم نے قبول کیا ہے یا وہ عہدِ الست ہے جس کو تم نے بلیٰ کہہ کر قبول کیا ہے وہ تمہارے پاس خدا کی امانت ہے اور ظاہر ہے کہ تمام خوبیوں کی جڑ صفتِ امانت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ لا ایمان لمن لا امانة لہ اس لیے آئندہ آیت میں امانت کا مرتبہ اور اس کی عظمت اور فخامت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں کہ امانت الٰہیہ اس قدر عظیم اور ثقیل ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکے انسان نے چونکہ اس امانت الٰہیہ کو قبول کیا ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ خدا کی اس امانت اور عہدِ الست کی پوری پوری حفاظت کرے مبادا اس ظلوم وجہول کی غفلت سے یہ امانت کہیں ضائع نہ ہو جائے اور مبادا شیطان تم کو دھوکہ دے کر خیانت پر آمادہ نہ کرے ۔

کردۂ بار امانت را قبول ازکشیدن پس نباید شد ملول

امانت کا صاحب امانت کو ادا کرنا اور صحیح سالم اس تک پہنچا دینا فرض اور واجب ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لہٰذا تم کو چاہئے کہ اللہ کی امانت (عہد اطاعت) کی حفاظت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اور اس کا حق ادا کرو تاکہ مورد عنایت خداوندی ہو اور اس کو ضائع کر کے مستحق عذاب نہ ہو خوب سمجھ لو کہ خدا اور رسول کو ایذا پہنچانے والے اور یہ تمام منافقین اور منافقات اور مرجفین اور مرجفات سب بدعہد اور بے ایمان اور خائن ہیں ان سب نے اللہ کی امانت میں خیانت کی اللہ ان کو سزا دے گا البتہ جن مؤمنین اور مؤمنات سے اس امانت کے بارہ میں کوئی تقصیر اور کوتاہی ہوئی ہو گی اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرمائے گا اور وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا کا یہی مطلب ہے اور اس امانت کا خلاصہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے یعنی اقرار الوہیت اور اقرار رسالت جس کا حاصل و محصول اطاعت و فرمانبرداری ہے جو بمنزلہ امانت کے ہے اس کی حفاظت واجب ہے اور اس میں خیانت ناجائز اور حرام ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہٗ نے اس سورت میں بار بار مؤمنین مخلصین کو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی نداء اور خطاب سے عزت بخشی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے اور حدیث میں ہے لا ایمان لمن لا امانة لہ جس میں امانت کی صفت نہیں اس میں ایمان بھی نہیں اس لیے اب

اس سورت کو امانت کی عظمت کے بیان پر ختم کرتے ہیں تاکہ اہل ایمان بحق ایمان اس امانت کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں اس لیے کہ امانت تمام خوبیوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق ہم نے اپنی بارگاہِ عظمت و جلال سے آسمانوں کے اور زمین کے اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی یعنی احکام شریعت کی اطاعت[1] اور بجا آوری کو، بمنزلہ امانت کے ہے آسمان اور زمین پر اس طور پیش کیا کہ اگر تم نے ہمارے احکام اور اوامر اور نواہی کی تعمیل کی تو مستحق اجر اور ثواب کے ہوگے اور اگر نافرمانی اور حکم عدولی کی تو مستحق عذاب اور سزا کے ہوگے اور ہم نے جنت اور جہنم کو اسی ثواب اور عتاب کے لیے پیدا کیا ہے پس اگر تم ہماری اطاعت کروگے تو جزاء پاؤگے اور اگر نافرمانی کروگے تو سزا پاؤگے غرض یہ کہ امانت خداوندی مراد ہے پس ہم نے اس امانت کو آسمان و زمین کے سامنے کر دیا اور ان کو دکھا دیا اور ان میں شعور اور ادراک بھی پیدا کر دیا۔ اور ماننے اور نہ ماننے کا اختیار بھی ان کو دے دیا اور کہہ دیا کہ یہ امانت تمہارے سامنے ہے اگر تم ہمارے احکام کی پابندی اس طرح اپنے ذمہ لیتے ہو تو لے لو اگر ان کے موافق عمل کیا تو اجر اور ثواب کے مستحق ہوگے اور اگر خلاف ورزی کی تو عذاب اور سزا کے مستحق ہوگے اور تم کو اس ذمہ داری قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے غرض یہ کہ امانت سے تکلیف احکام خداوندی ہے یعنی احکام خداوندی کی تعمیل کو اس طرح اپنے ذمہ لے لینا کہ اطاعت کی صورت میں مستحق ثواب ہوں اور معصیت کی صورت میں مستحق عذاب ہوں۔ پس ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بولے کہ ہم میں اتنی طاقت اور قوت نہیں کہ تیری امانت کے بوجھ کو اٹھا سکیں اور اس ذمہ داری سے ڈر گئے کہ خدا جانے بعد میں کیا انجام ہو خدانخواستہ اگر یہ امانت ہمارے ہاتھ سے ضائع ہوگئی یا کما حقہٗ ہم اس امانت کی حفاظت نہ کر سکے یا غلطی سے اس میں خیانت کر بیٹھے تو نہ معلوم ہم پر کیا مصیبت نازل ہو اور بولے کہ اے خدا جس کام کے لیے آپ نے ہم کو پیدا کیا ہے اور جس کام پر آپ نے ہم کو لگا دیا ہے ہم اس پر راضی ہیں تیرے روبرو مسخر اور ذلیل اور پست ہیں اور ہر طرح سے تیرے مطیع اور فرمانبردار ہیں ہماری طبعی اور ذاتی کوئی خواہش نہیں ہم تیرا حکم ماننے والے ہیں جس شے پر آپ نے ہم کو مامور کر دیا ہے ہم اس میں تیری نافرمانی نہ کریں گے ہم تیرے حکم کے مسخر ہیں ہم نہ ثواب کے طلب گار ہیں اور نہ ہم میں آپ کے عذاب کے اٹھانے کی طاقت ہے ہم تیری تسخیر پر راضی ہیں مگر تیرے اوامر اور نواہی کی تکلیف (یعنی ان کی ذمہ داری) قبول کرنے کی ہم میں طاقت اور ہمت نہیں امانت کے بوجھ سے اس قدر ڈرے کہ عذاب کے خوف سے ثواب سے بھی دستبردار ہوگئے کہ خدا جانے بعد میں کیا انجام ہو اور نہ معلوم ہم سے اس امانت کی حفاظت ہوسکے یا نہ ہوسکے اور ہم اس کے حقوق ادا کر سکیں یا نہ کر سکیں اے پروردگار ہم نہ ثواب چاہتے ہیں اور نہ ہم میں آپ کے عذاب کی اور نہ آپ کے عتاب کی طاقت ہے۔

[1] کما روی ابن عباس وجماعۃ من الصحابۃ واکثر السلف.

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا یہ اباء اور انکار ابلیس کی طرح اباء استکبار نہ تھا بلکہ اباء استصغار اور انکار استحقار تھا کہ اپنے آپ کو اس بار امانت کے اٹھانے سے صغیر اور حقیر سمجھا جیسا کہ وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور اپنی اس کمزوری کے اظہار سے مقصود نیاز مندانہ اعتذار تھا (دیکھو تفسیر کبیر ص۶۲ ج ۶) غرض یہ کہ ان سب نے بار امانت کے اٹھانے سے عذر کیا اور آسمان و زمین کے بعد جب یہ امانت انسان پر پیش کی گئی تو انسان ناتواں ضعیف البنیان نے ہمت کر کے اس امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا اور خدا تعالیٰ کی اس پیش کردہ ذمہ داری کو قبول کر لیا اور انسان اپنے طبعی ذاتی مادہ انس کی وجہ سے شرمایا کہ اپنے پروردگار کی امانت کو کیسے واپس کر دوں اس لیے بصد شوق و رغبت مادۂ انس و محبت کی وجہ سے اپنے پروردگار کی پیش کردہ امانت کو سر اور آنکھوں پر رکھ لیا بلکہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا نعرہ لگانے لگا بیشک انسان بڑا ہی ظالم تھا کہ جس نے اپنی جان پر ترس نہ کھایا اور اس کو اپنے اوپر رحم نہ آیا۔ اور جس بوجھ کے اٹھانے سے آسمان اور زمین جیسے اجسام عظیمہ نے پہلوتہی کی اس ضعیف اور ناتواں نے باوجود اپنے ضعف اور ناتوانی کے بصد شوق و رغبت اس بوجھ کو اپنے سر پر اٹھا لیا اور اپنے ضعف اور ناتوانی پر نظر نہ کی اور بڑا ہی نادان تھا کہ اس امانت میں خیانت کے انجام پر نظر نہ کی اور نہ یہ خیال کیا کہ اندرونی یا بیرونی دشمن (نفس اور شیطان) ہماری تاک میں تو نہیں۔ صحیح سالم منزل طے کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ راستہ میں کوئی راہزن چھپا نہ بیٹھا ہو انسان بڑا ہی ظلوم و جہول یعنی بڑا ہی ستمگار اور بالکل ہی ناتجربہ کار تھا۔ نہ تو اپنی کمزوری پر نظر کی اور نہ کسی اندرونی اور بیرونی دشمن کا خطرہ محسوس کیا بہر حال انسان نے اللہ کی اس امانت کو قبول کر لیا۔ زید بن اسلمؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب انسان نے اللہ کی اس امانت کو قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے انسان تیری اعانت کرنے والا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ص۴۲۳ ج۳) غرض یہ کہ انسان نے بار امانت تو اٹھا لیا مگر مشکل میں پڑ گیا جیسا کہ حافظ شیرازیؒ کا قول ہے

(مصرعہ) کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

اور یہ اٹھانا انسان کی فطرت اور صلاحیت کے بھی مناسب تھا امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین نے اور پہاڑوں نے اس امانت کے ثقل پر نظر کی اس لیے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس امانت کے پیش کرنے والے پر نظر کی کہ وہ میرا پروردگار ہے غیرت اور حیاء کے مارے قبول کر لیا اور سمجھا کہ میرے ظلم اور جہالت کی تلافی اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کی مغفرت و رحمت سے ہو جائے گی تفسیر کبیر ص۶۳۲ ج۶۔

ف اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ بظاہر یہ دونوں لفظ منقصت پر دلالت کرتے ہیں مگر اہل ذوق سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے الفاظ درحقیقت کمال لطف و عنایت اور نوازش اور محبت پر مبنی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے انسان اگرچہ تو عدالت اور علم کے ساتھ بالفعل موصوف نہیں مگر تجھ میں عدل اور انصاف اور علم اور معرفت کی صلاحیت اور قابلیت موجود ہے اور تو نے اپنی رضا و رغبت سے اس امانت کو قبول کیا ہے۔

پس تو اللہ سے ڈر۔ کہ اس کی امانت میں خیانت نہ ہوجائے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا کہ امانت کا حق ادا ہو۔

ذکر انجام امانت یہاں تک اس بات کو بیان کیا کہ انسان نے اس امانت کو اٹھالیا اور اس ذمہ داری کو قبول کرلیا اب آئندہ آیت میں اس امانت کے انجام کو بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ امانت انسان پر اس لیے پیش کی تاکہ انسان کی طبیعت میں جو امانت اور خیانت کا مادہ چھپا ہوا ہے وہ ظاہر ہوجائے۔ اور منافق کا نفاق اور مشرک کا شرک اور مؤمن کا اخلاص اندر سے نکل کر باہر آجائے حاصل کلام یہ کہ انسان نے اس امانت کو اٹھا تو لیا مگر اس کے حق میں اس کا انجام یہ ہے کہ بعض انسان اس امانت کی حفاظت کریں گے اور بعض اس میں خیانت کریں گے پس جس نے اس امانت کی حفاظت کی اور اس کا حق ادا کیا وہ مستحق نعمت اور کرامت ہوا۔ اور جس نے اس امانت میں خیانت کی اس نے اپنی عاقبت خراب کی چنانچہ فرماتے ہیں کہ انسان کے اس امانت اٹھانے کا انجام یہ ہوگا کہ آئندہ چل کر اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو جنہوں نے دعویٰ تو محبت کا کیا مگر امانت میں خیانت کی۔ ظاہر میں وفادار بنے اور باطن میں غدار اور مکار بنے اور جھوٹ بولا اور اللہ اور اس کے رسول کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیا اور ایذائیں پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان بدعہدوں کو اور امانت میں خیانت کرنے والوں کو عذاب دے گا اور تاکہ اللہ تعالیٰ عذاب دے کفر اور شرک کرنے والے مردوں اور عورتوں کو جو ظاہراً اور باطناً دونوں طرح امانت سے منحرف ہوگئے اور کھلم کھلا اس کے منکر ہوگئے اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں پر توجہ اور رحمت فرمائے اور اپنی عنایت سے ان کو نوازے جنہوں نے حتی المقدور اللہ کی امانت کی حفاظت کی اور اپنے عہد پر قائم رہے اور اپنی ذمہ داری کو حتی المقدور پورا کیا مگر بمقتضائے بشریت حقوق امانت میں کچھ تقصیر ہوجائے تو اس سے درگذر کرتا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ امانت اول آدم علیہ السلام پر پیش ہوئی اور انہوں نے اس امانت کو قبول کیا اور وہ صادق اور امین تھے انہوں نے اس امانت کی حفاظت کی اور پھر وہ امانت آدم علیہ السلام سے ان کی ذریت کی طرف منتقل ہوئی ان کی اولاد میں سے بعض نے اس امانت کی حفاظت کی اور بعض نے اس میں خیانت کی۔ (تفسیر کبیر ص ۶۳۱ ج ۶)

آیت امانت کی شیعی تفسیر یا تحریف

تفسیر قمی میں جو تفسیر اہل بیت کے نام سے مشہور ہے اس میں اس آیت کی عجیب وغریب تفسیر

ف اس تفسیر سے مقصد یہ ہے کہ امانت کا گذشتہ آیت یعنی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا کے ساتھ ربط ہے۔

کی ہے وہ یہ کہ امانت سے مراد امانت اور خلافت ہے اور انسان سے ابوبکرؓ مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین میں پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ابوبکرؓ بڑا ظلوم و جہول تھا اس نے اٹھالیا اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے بالفرض والتقدیر اگر یہ تفسیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آفرینش عالم سے پہلے سب کون و مکان حتیٰ کہ حضرت علیؓ بھی خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے ان سب کی دستبرداری کے بعد اللہ نے خلافت ابوبکرؓ پر پیش کی جس کو ابوبکرؓ نے اٹھالیا اور اٹھا کر اپنی ہی جان پر ظلم کیا نہ کہ حضرت علیؓ پر اور حضرت ابوبکرؓ کو جو خلافت ملی وہ مغصوبہ نہ تھی بلکہ خدا کی پیش کردہ تھی۔ خدا کی طرف سے ان کو یہ خلافت ملی تھی جس سے حضرت علیؓ اپنی پیدائش سے پہلے ہی بصد رضا و رغبت دستبردار ہو چکے تھے۔ شیعوں کی یہ تحریف تو اہل سنت کو مفید ہے۔

لطائف و معارف

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل الاعمال بالاختیار ہیں یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے احکام شریعت کو بجالانا کیونکہ مطلق عبادت اور اطاعت سے کوئی شے خالی نہیں چنانچہ حق جل شانہٗ فرماتے ہیں ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ یعنی ہم نے آسمان اور زمین سے کہا کہ ہمارے احکام تکوینیہ کے لیے تیار ہو جاؤ خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ سب نے عرض کیا ہم خوشی سے تیار ہیں معلوم ہوا کہ عابد اور مطیع تو تمام مخلوق ہے لیکن مکلف سب نہیں بجز انسان کے لہٰذا معلوم ہوا کہ تکلیف اور اطاعت میں فرق ہے اور جس امانت سے تمام عالم گھبرا گیا وہ تکلیف شرعی ہی ہے جس سے مراد عمل مع الاختیار ہے مطلب یہ کہ امانت سے وہ اختیاری اطاعت مراد ہے جو طبیعت کے مقتضا کے خلاف ہو یا تکلیف شرعی سے ثواب و عتاب کی اہلیت اور صلاحیت مراد ہے جیسا کہ شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ امانت کے معنی پرائی چیز کو اپنی خواہش سے روک کر رکھنے کے ہیں اور آسمان و زمین میں اپنی کوئی خواہش نہیں یا ہے تو وہی ہے جو خدا کا حکم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے یہ فرمایا تھا کہ ہمارے کچھ احکام تشریعیہ ہیں ان کا مکلف بالاختیار ہونا کون قبول کرتا ہے یعنی جو شخص ان کا تحمل کرے گا اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کی جائے گی یعنی اس کی قوت ارادیہ ان احکام پر عمل کرنے کے لیے مجبور نہ ہوگی بلکہ عمل اور عدم عمل دونوں پر اس کو قدرت دی جائے گی پھر جو اپنے اختیار سے احکام کو بجالائے گا اس کو مقرب بنالیا جائے گا اور جو اپنے اختیار سے احکام میں کوتاہی کرے گا اس کو مطرود (مردود) کر دیا جائے گا اس سے سماوات اور ارض اور

جبال اور تمام مخلوق ڈر گئی انسان اس کے لیے آمادہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مکلف بنا دیا یعنی اس کو صفت اختیار مع عقل کے عطا کر دی گئی باقی مخلوق میں صفت اختیار اور عقل نہیں ہے وہ جن احکام تکوینیہ یا عبادت کو بجا لاتے ہیں وہ ان کے لیے طبعی ہیں یعنی ان کی قوت ارادیہ اس کے خلاف کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی بخلاف انسان کے کہ جن احکام کا یہ مکلف ہے وہ اس کے لیے طبعی نہیں بلکہ اس کی قوت ارادیہ عمل اور عدم عمل دونوں کی طرف مائل ہوتی ہے اب اس کی تکلیف کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنے اختیار سے ایک جانب کو ترجیح دے یعنی جانب عمل کو مامورات میں اور جانب عدم عمل کو منہیات میں ترجیح دے اسی کا نام تحصیل عمل ہے پس امانت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات سے فرمایا کہ صفت اختیار ہے اور یہ صفت عقل ہے اس کو کون لیتا ہے جو اس کو لے گا وہ ہمارے احکام کا مکلف اور پابند بنا دیا جائے گا۔ اس سے سب ڈر گئے اور انسان تیار ہوگیا۔ کذا فی التحصیل والتسہیل ص۲۳ وعظ نمبر ۱۶ از سلسلۂ تبلیغ۔

نیز حضرت حکیم الامت تھانویؒ اپنے ایک دوسرے وعظ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف شرعی سے مراد اعمال کو اپنے اختیار سے بجا لانا ہے یعنی جو اپنے اختیار سے اطاعت کرے گا اس کو ثواب ملے گا اور جو اطاعت نہیں کرے گا اس کو عذاب ہوگا اس کو سن کر سب ڈر گئے نہ آسمان کو ہمت ہوئی اور نہ زمین کو اور نہ پہاڑوں کو۔ اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے سب ڈر گئے اور امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا مگر حضرت انسان فوراً بول اٹھے کہ ہم ہیں اس کے اٹھانے والے۔ کچھ دیکھا نہ بھالا اور ہمت کر کے قبول کر لیا وجہ اس ہمت کی وہ ہے کہ جس کی طرف کسی صاحب دل نے اشارہ کیا ہے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

لفظ دیوانہ اس کی طرف اشارہ ہے یعنی جوش عشق اور محبت نے ایسا بیخود اور دیوانہ بنایا کہ بغیر سوچے سمجھے ہی قبول کر لیا آسمان و زمین میں عشق اور محبت کا مادہ نہ تھا اس لیے ان پر شعور غالب آیا اور بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا انسان پر عشق اور محبت کی وجہ سے بے شعوری غالب آئی اس لیے اقرار کر لیا۔ عشق سے خطاب کی لذت محسوس ہوئی اور اندازہ لگا لیا کہ جب خطاب میں لذت ہے تو جب مکلف ہونے کو مان لیں گے تو بار بار خطاب ہوگا اور خوب لطف آئے گا۔ اور بڑا مزہ ہوگا بعد میں چاہے دوزخ میں جلنا پڑے لیکن اس لذت کو نہ چھوڑنا چاہیے اور کچھ نہ سہی اس بہانہ سے بات ہی کرنے کا موقع ملا کرے گا جیسے کوئی مریض کسی طبیب پر عاشق ہو جائے اور علاج بھی اسی طبیب کا ہو تو مریض یہ دعا کرے گا کہ اے اللہ میں بیمار رہوں تاکہ حکیم صاحب میرے پاس آتے رہیں ملائکہ میں بھی مادہ عشق کا نہیں عشق کے لیے جوش اور خروش اور شوق اور ہیجان اور ولولہ لازم ہے یہ مادہ انسان میں سب سے زیادہ ہے اسی وجہ سے اگر انسان کی تعریف میں بجائے حیوان ناطق کے حیوان عاشق کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے اور اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا میں کچھ اس کی بے وفائی کی طرف اشارہ ہے۔

شعر
کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ایک طرف عشق تھا اور ایک طرف انسانی کمزوری تھی عجب حال ہوا۔ "نہ انکار می کنم نہ اینکار می کنم" کا مضمون ہو گیا۔ اللہ ہم پر رحم فرمائے غرض یہ کہ انسان نے نہ آ گا دیکھا نہ پیچھا جوش عشق میں امانت کو اٹھا ہی لیا اسی کو فرمایا ہے وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ اس میں انسان کے عارف ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے پہچان لیا کہ اس تکلیف میں کیا دولت پنہاں ہے مگر یہاں ذکر صرف انسان کا اس لیے فرمایا کہ انسان صفت تکلیف میں اصل ہے اور جن اس کے تابع ہیں اس لیے اصل کو تو ذکر کیا اور تابع کو چھوڑ دیا اور انسان کے اصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق جل شانہ کی عنایتیں جس قدر انسان پر ہیں اتنی جن پر نہیں۔ جن دوسرے درجہ میں ہے چنانچہ جو لوگ جنات کے جنات میں (یعنی جنت میں) جانے کے قائل ہیں وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ جنات جنت کے گرد و پیش میں رہیں گے جیسے تابع لوگ رہا کرتے ہیں اس لیے ان کو خطاب میں شریک نہیں کیا گیا لیکن اثر خطاب اور حکم میں ضرور داخل ہیں کیونکہ تابع متبوع کے ساتھ اثر خطاب میں ضرور داخل ہوتا ہے اور انسان کے اصل ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ انسان کو حق تعالیٰ نے مکرم بنایا۔ اور حدیث میں اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو مظہر اتم بنایا حق جل شانہ کی صفات کمالیہ و جمالیہ کا ظہور پورا پورا انسان کے ذریعہ سے ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ

اور اسی وجہ سے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی میں صرف انسان کا ذکر کیا۔ حالانکہ مکلف جن اور انس دونوں ہیں یعنی اس لیے کہ انسان اصل ہے اور جن تابع ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تبلیغ اول انسانوں ہی کو ہوئی اور پھر ثانیاً جنوں کو ہوئی۔ کذا فی نقد اللبیب صفحہ ۴۵ وعظ ہشتم از سلسلۂ تبلیغ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں۔ امانت کیا چیز ہے۔ پرائی چیز کو اپنی خواہش روک کر رکھنے کے ہیں اور آسمان اور زمین میں اپنی خواہش کچھ نہیں یا ہے تو وہی ہے جس پر وہ قائم ہیں انسان میں خواہش اور ہے اور حکم اس کے خلاف پرائی چیز کو یعنی حکم کو اپنے جی کے خلاف تھامنا بڑا زور چاہتا ہے اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑنا اور ماننے والوں کا قصور معاف کرنا اب بھی یہی حکم ہے کہ اگر کسی کی امانت کو جان بوجھ کر ضائع کر دے تو اس کا بدلہ (ضمان اور تاوان) دینا پڑے گا اور اگر بلا اختیار ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ یعنی ضمان اور تاوان نہیں (موضح القرآن بتوضیح یسیر)

سید الطائفہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ آدمؑ کی نظر خدا تعالیٰ کے پیش کرنے پر تھی کہ خدا تعالیٰ پیش کر رہا ہے امانت کے ثقل پر اس کی نظر نہ تھی حق تعالیٰ کے پیش کرنے کی لذت نے امانت کا بوجھ بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لطف ربانی بزبان عنایت بول اٹھا کہ اے آدمؑ امانت کا اٹھانا تیری طرف سے ہے اور نگہبانی میری طرف سے ہے چونکہ تو نے خوشی سے میری امانت کو اٹھا لیا تو میں نے بھی تجھے اٹھا لیا۔

راہ او را بدو تواں پیمود بار او را بدو تواں برداشت

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جب آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے اس بارِ امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا تو انسان آگے بڑھا اور اپنے کاندھے پر اٹھا کر هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا نعرہ لگانے لگا تو غیب سے آواز آئی کہ اے خاکی دلیر تجھ میں یہ قوت کہاں سے آئی تو یہ مشت خاک زبانِ حال سے بولا کہ یہ بارگراں یارِ مہربان کی مدد سے کھینچ سکوں گا۔ غرض یہ کہ انسان جس کے نام نامی پر اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کا پروانہ جاری ہو چکا تھا اس کے قامت سراپا استقامت کے سوا کسی قد پر امانت کا خلعت راس نہ آیا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ اور کار خلافت کی انجام دہی کے لیے قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کمال درکار ہے۔ سو امتحان علم میں حضرت آدمؑ فرشتوں سے بھی آگے نکلے۔ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا۔ رہی قدرت سو فرشتوں میں یکطرفہ قدرت تھی ان میں اپنی ذاتی اور طبعی کوئی خواہش اور رغبت نہ تھی اور آدم علیہ السلام کی طبیعت اور فطرت میں رغبت اور میلان کا مادہ بھی تھا جو دونوں طرف چل سکے اور اس میں عجیب وغریب ملکات اور کمالات کی استعداد رکھ دی کہ مدارج عالیہ تک پرواز کر سکے اور فرشتوں کے کمالات اور مقامات معین ہیں۔

کما قال تعالیٰ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الحمد للہ کہ آج بروز دوشنبہ بوقت اذان عصر بتاریخ ۱۰ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۹۲ھ سورۃ احزاب کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی والحمد للہ اولا وآخرا اے اللہ باقی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرما۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ سبا

یہ سورت مکی ہے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ سب کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے سوائے ایک آیت کے کہ اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے اور وہ یہ آیت ہے وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ علما کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے صحابہ کرام مراد ہیں۔

جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے علماء اہل کتاب مراد ہیں جو مدینہ منورہ میں اسلام لائے جیسا کہ مقاتلؒ سے مروی ہے۔ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس سے عام اہل ایمان اور عام اہل علم مراد ہیں (تفسیر قرطبی ص۲۵۸ ج ۱۴)

اس سورت میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔ اس سورت کا نام سورۂ سبا ہے جس میں ملک سبا کی سرسبزی اور شادابی اور پھر اس کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے کہ تکبر اور ناشکری کی سزا میں کیسے پکڑے گئے۔

(گذشتہ سورۃ سے ربط) گذشتہ سورت کے اخیر میں امانت کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں یہ بتلایا کہ نفسانی شہوتیں اور دنیاوی لذتیں ہی امانت میں خیانت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ قوم سبا جن کو اللہ تعالے نے قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا مگر وہ دنیاوی عیش وعشرت میں ایسے مست ہوئے کہ اللہ کی امانت میں خیانت کر بیٹھے جس کا انجام تباہی اور بربادی ہوا۔ حق تعالے نے قوم سبا کو جو نعمتیں دی تھیں وہ جنت کا نمونہ تھیں۔ کفران نعمت کی وجہ سے وہ جنت مبدل بہ جہنم ہوگئی اور رحمت و راحت مبدل بہ لعنت وزحمت ہوگئی۔ اور عزت مبدل بہ ذلت ہوگئی۔ اور گذشتہ سورت کے اخیر میں امانت کے بیان کے بعد اس میں خیانت کرنے والوں کو جو عذاب کی دھمکی تھی۔ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ سو اس سورت کے شروع میں اس عذاب کا ایک نمونہ بیان کر دیا کہ دیکھو قوم سبا نے کس طرح امانت الٰہیہ کو ضائع کیا تو وہ کس طرح تباہ اور برباد ہوئے اور سوائے حسرت کے ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہ لوگ خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں ایسے مست اور غرق ہوئے کہ آخرت سے غافل بلکہ اس کے منکر ہوگئے۔ اس لیے اس سورت کا آغاز حمد وشکر سے کیا کہ بندہ کو چاہیئے کہ اللہ کی نعمت ملنے کے بعد منعم حقیقی کے حمد وشکر میں مشغول ہو اور دنیا کو آخرت کا توشہ بنائے اور آخرت کی فکر کرے اور قوم سبا کے قصہ سے پہلے حق جل شانہٗ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ ذکر فرمایا کہ ان دونوں برگزیدہ بندوں نے کس طرح اللہ کی امانت کی حفاظت کی اللہ تعالے نے ان دو بندوں پر نبوت و رسالت کے علاوہ ایسی دنیاوی سلطنت اور بادشاہت کا انعام فرمایا کہ اولین اور آخرین میں جن کی نظیر نہیں مگر دیکھو کہ یہ دونوں خدا کے کیسے پسندیدہ اور برگزیدہ بندے تھے کہ باوجود اس بے مثال بادشاہت کے لیل ونہار خدا کے حمد اور شکر میں اس کی عبادت اور طاعت میں مستغرق رہے جن کی دنیاوی شان وشوکت کا یہ عالم تھا کہ جن اور انس اور چرند اور پرند اور برا اور بحر اور ہوا اور فضا اور خلا سب ان کے لیے مسخر تھے مگر یہ دونوں باپ بیٹے عبودیت کے نشہ میں مست تھے۔ دنیا داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے قدموں پر تھی اور ان دونوں کے سر خدا کے قدموں پر تھے۔

ان دو عبد منیب کے قصہ کے بعد اللہ تعالے نے قوم سبا کا قصہ ذکر کیا۔ جنہوں نے دنیاوی عیش وعشرت میں مست ہو کر خدا کی امانت کو ضائع کر دیا۔ اور مستحق عذاب ہوئے اور حمد وشکر

سے اعراض کی بدولت نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

اس سورت میں شروع سے لے کر اخیر تک تین مضمون بیان فرمائے توحید اور رسالت اور قیامت اور یہی تینوں مضمون امانت الٰہیہ کے جزء اعظم ہیں اور جو لوگ عیش پرستی میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں وہی لوگ قیامت اور حشر اور نشر کے زیادہ منکر ہوتے ہیں ان کی نظر صرف دنیا وی لذتوں پر ہوتی ہے اس لیے اس سورت میں دلائل توحید کے علاوہ ان لوگوں کی خاص طور پر تہدید و توبیخ کی گئی جو قیامت کے منکر تھے جو یہ کہتے تھے لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ان کے جواب میں کہا گیا۔ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ اس لیے اس سورت کا آغاز اللہ تعالےٰ کی حمد اور شکر سے کیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ حمد و شکر کی مستحق صرف وہی ذات ہے جو آسمان و زمین کی مالک ہے اس لیے کہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار ہے اس لیے اس سورت میں دلائل توحید کے ساتھ دلائل قیامت کو بھی بیان کیا تا کہ مشرکین اور منکرین قیامت کا رد ہو جائے اور ان لوگوں کا بھی رد فرمایا کہ جو نبی کریم کو مفتری اور ساحر اور مجنون کہتے تھے کہ جو شخص علم و حکمت کی باتیں پیش کرتا ہو اس کو مجنون کہنا خود اس کہنے والے کے دیوانہ اور مجنون ہونے کی دلیل ہے۔

(ربط) نیز گذشتہ سورت کے اخیر میں ذکر تھا کہ کفار بطور تمسخر آپ سے یہ سوال کرتے تھے کہ قیامت کب ہوگی۔ يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ اور اس سورت میں یہ ذکر فرمایا کہ کفار صراحۃً قیامت کے منکر ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ اس سورت میں ان کے اس صریح انکار کو نقل کر کے اس کا جواب دیا۔ گذشتہ سورت میں کفار کے سوال کا ذکر تھا اور اس سورت میں ان کے صریح انکار کا ذکر ہے۔

سورۂ سبا مکی ہے اس میں چوّن آیتیں اور ۶ رکوع ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں،

اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں۔ اور وہی ہے حکمتوں والا سب جانتا۔

يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِي الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا

جانتا ہے جو پیٹھتا ہے زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور جو

يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيمُ

اُترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں، اور وہی ہے رحم

الۡغَفُورُ ۝۲

والا بخشتا۔

آغاز سورت بہ تحمید و توحید خداوند رب العزت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ۔۔ الیٰ۔۔ وَهُوَ الرَّحِيمُ الۡغَفُورُ۔

حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں پانچ سورتوں کو الحمد سے شروع فرمایا۔ (۱) سورۃ الفاتحہ۔ (۲) سورۃ الانعام (۳) سورۂ کہف (۴) چوتھی سورت یہ سورۂ سبا ہے (۵) پانچویں سورت جو اس کے بعد آنے والی ہے یعنی سورۂ فاطر۔ جسے سورۂ ملائکہ بھی کہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن بظاہر وہ نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک نعمت ایجاد اور ایک نعمت بقاء ایجاد کے معنی معدوم کو موجود کرنے کے ہیں اور بقاء کے معنی موجود کو باقی اور زندہ رکھنے کے اور زندہ رہنے کے سامان عطا کرنے کے ہیں اور پھر ایجاد اور بقاء کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی اور ایک اُخروی اور ایک روحانی اور ایک جسمانی بس ان پانچ سورتوں میں اللہ تعالےٰ نے کہیں ایجاد کی نعمتیں اور کہیں بقاء کی نعمتیں ذکر کیں اور کہیں دنیاوی اور جسمانی نعمتوں اور کہیں اُخروی اور روحانی نعمتوں کا ذکر کیا جس سے ہر جگہ شکر کی ترغیب دینا مقصود ہے اس سورت کے شروع میں اول عالم دنیا کی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد عالم آخرت کی نعمت مغفرت اور ان کے رزق کریم کا اور دیگر معنوی نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان لوگوں کی مذمت کی جو اُخروی نعمتوں کے منکر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اسی خدا برحق کے لیے سزاوار ہیں کہ جس کے ہاتھ میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور آخرت میں بھی اسی کیلئے حمد و ثناء ہے غرض یہ کہ دنیا اور آخرت میں وہی حمد و ثناء کا مستحق اور سزاوار ہے۔ فرق اتنا ہے کہ دنیا میں ظاہراً کسی اور کی بھی تعریف ہو جاتی ہے مگر وہ درحقیقت اللہ ہی کے فعل کا پردہ ہوتی ہے اور آخرت میں کوئی پردہ نہیں اور نہ کوئی واسطہ ہے آخرت میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں نیز دنیا اور آخرت کی حمد میں ایک فرق

یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی حمد بطور عبادت ہے اور اختیاری ہے اور آخرت میں اللہ کی حمد بطور لذت وفرحت ہے اور بمنزلہ سانس کے غیر اختیاری ہے اور وہی ہے حکمتوں والا جس نے آسمان اور زمین کو اپنی نعمتوں کا واسطہ اور پردہ بنایا اور سب چیزوں سے باخبر ہے وہ خوب جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز زمین سے نکلتی ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو آسمان میں چڑھتا ہے۔ جیسے بندوں کے اعمال اور ان کی دعائیں اور ان کے کلمات طیبہ اور ارواح طاہرہ اور وہ بڑا مہربان ہے اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ بندوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو رحمت کے پردہ میں چھپاتا ہے۔

●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●○●

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ

اور کہنے لگے منکر ، نہ آوے گی ہم پر وہ گھڑی

قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ لَا يَعْزُبُ

تو کہہ ، کیوں نہیں قسم میرے رب کی البتہ آوے گی تم پر، اُس چھپے جاننے والے کی۔

عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَ

غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر آسمانوں میں اور نہ زمین میں ، اور

لَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٣﴾

کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی نہ اُس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں۔

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

تا بدلہ دیوے اُن کو جو یقین لائے اور کیے بھلے کام - وہ جو ہیں اُن کو

مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا

ہے معافی اور روزی عزت کی - اور جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے

مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ أَلِيمٌ ﴿٥﴾

ہرانے کو ، اُن کو بلا کی مار ہے دُکھ والی ۔

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ

اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ، کہ جو تجھ پر اُترا تیرے رب

رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيٓ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٦﴾

سے وہی ٹھیک ہے اور سوجھاتا ہے راہ اس زبردست خوبیوں والے کی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ

اور کہنے لگے منکر، ہم بتا دیں تم کو ایک مرد کہ تم کو خبر دیتا ہے

إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧﴾

جب تم پھٹ کر ہو جاؤ ٹکڑے ٹکڑے تم کو پھر نیا بننا ہے۔

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا

کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ؟ یا اس کو سودا ہے۔ کوئی نہیں! پر جو

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ﴿٨﴾

یقین نہیں رکھتے آخرت کا، آفت میں ہیں اور صریح غلطی میں۔

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

کیا دیکھتے نہیں! جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے،

مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنْ نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ

آسمان و زمین۔ اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ان کو زمین میں،

أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

یا گرا دیں اُن پر ٹکڑا آسمان سے۔ اس میں پتا ہے ہر

لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴿٩﴾

بندے کو، جو رجوع رکھتا ہے۔

اثبات معاد مقرون بہ قسم برائے تہدید اہل کفر و عناد

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ... الی ... اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ

(ربط) اوپر تحمید اور توحید کا ذکر تھا اب آئندہ آیت میں منکرین حشر کی ایک بیہودہ بات کا ذکر کرکے اس کا رد فرماتے ہیں اور بیہودگی پر تہدید بھی فرماتے ہیں. (شیخزادہ ص۹ ج ۴)

اور یہ بتلاتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اور جو لوگ قیامت کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کی ضرور سزا ملے گی چنانچہ فرماتے ہیں اور کافر اور مشرک جو امانت کے ثواب اور خیانت کے عقاب کے منکر ہیں اور حیات دنیادی پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی ہمیں کسی عذاب اور حساب کا ڈر نہیں اے پیغمبرؐ آپ ان منکرین قیامت سے کہہ دیجیے کہ کیوں نہیں قسم ہے میرے پروردگار کی وہ قیامت تم پر ضرور آئے گی اور وہ قیامت کے لانے پر قادر ہے کیونکہ وہ ایسا پروردگار ہے کہ جو ایسا غیب دان ہے کہ آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اور کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے پوشیدہ نہیں مگر وہ سب لوح محفوظ میں ثبت ہے اور اس میں لکھی ہوئی ہے ہڈیاں اگرچہ ریزہ ریزہ ہو گئیں مگر سب اس کے علم اور قدرت سے غائب نہیں پہلی مرتبہ کی طرح پھر دوبارہ سب کو جمع کرکے زندہ کرے گا تاکہ ثواب عطا فرمائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے سو ایسے لوگوں کے لیے مغفرت ہے اور بہشت میں عزت کی روزی ہے بلا رنج و محنت ان کو روزی ملے گی۔ مغفرت تو بوجہ ایمان کے ہے اور عزت کی روزی عمل صالح کی وجہ سے ہے گویا کہ رزق کریم اطاعت کا انعام ہے۔ (تفسیر کبیر ص ج ۷)

اور جو لوگ ہماری آیتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور ان کے باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے. امانت میں خیانت کی سزا ان کے سامنے آجائے گی اور جن لوگوں کو علم دیا گیا یعنی صحابہ کرام یا علماء اہل کتاب وہ خوب جانتے ہیں کہ جو قرآن من جانب اللہ آپ کی طرف اتارا گیا کہ وہ بلاشبہ حق ہے اور ایسے خدا کی راہ دکھاتا ہے جو غالب ہے اور خوبیوں والا ہے یعنی جو اس قرآن کی ہدایت پر چلے گا وہ خدا تک پہنچ جائے گا یا یہ معنی ہیں کہ اہل علم اور اہل ایمان قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ قرآن نے جس ثواب اور عقاب کی خبر دی تھی وہ بالکل حق ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں بطور مضحکہ اور تمسخر یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم کو ایسا شخص بتلا دیں کہ جو تم کو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو کر پوری طرح پراگندہ ہو جاؤ گے تو تم پھر از سر نو پیدا ہو گے بھلا یہ کیونکر ممکن ہے یہ شخص تو ایک ناممکن اور محال کی خبر دیتا ہے کیا اس شخص نے خدا پر قصداً جھوٹ باندھا ہے یا

اس کو کسی قسم کا جنون ہے کہ جو کہتا ہے اس کو سمجھتا نہیں بلا قصد اس سے ایسی باتیں نکل رہی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہی عذاب میں اور دور دراز گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور بہکی ہوئی باتیں کرتے ہیں اور حقیقت کو سمجھتے نہیں اور دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں امکان حشر کی ایک دلیل بیان کرتے ہیں۔ پس کیا ان لوگوں نے آسمان اور زمین کی طرف نہیں دیکھا جو ان کو سامنے سے اور پیچھے سے محیط ہے اور یہ سب ان دونوں میں محبوس ہیں چاروں طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہیں بھاگنے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پھر بھی ہماری قدرت کے قائل نہیں ہوتے ہم تو ان کی سزا پر ہر وقت قادر ہیں چاہیں تو قارون کی طرح ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اگر چاہیں تو قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر کے ٹکڑے گرا دیں اور ان کو ہلاک کر دیں اور ابھی ان پر قیامت قائم کر کے سب کو تباہ اور برباد کر دیں پھر بھی یہ لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ بے شک اس میں یعنی آسمان و زمین میں عبرت ہے ہر اس بندہ کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہو کہ جو خداوند قدیر آسمان سے پتھر برسانے اور زمین میں دھنسانے پر قادر ہو۔ اسے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے پورا عالم اس کی خدائی یعنی آسمان و زمین میں محصور اور محبوس ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قدرت کے دائرہ سے باہر نکل سکے عجیب بات ہے کہ یہ منکرین قیامت جس کے انگشت قدرت میں بند ہیں اسی کی قدرت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۘ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ

اور ہم نے دی داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی۔ اے پہاڑو! رجوع

مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ

سے پڑھو اس کے ساتھ اور اڑتے جانورو! اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا۔ کہ بنا کشادہ

سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا

زرہیں، اور اندازے سے جوڑ کر کڑیاں اور کرو تم سب

صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱﴾ وَلِسُلَیْمٰنَ

کام بھلا۔ میں جو کرتے ہو دیکھتا ہوں۔ اور سلیمٰن کے

الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ

آگے باؤ، صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ اور بہا دیا ہم نے

عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ

اس کے واسطے چشمہ پگھلتے تانبے کا۔ اور جنوں میں سے کتنے لوگ جو محنت کرتے اس کے سامنے

بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ

اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو کوئی پھرے ان میں ہمارے حکم سے، چکھاویں ہم اس

مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ

کو آگ کی مار - بناتے اس کے واسطے جو چاہتا

مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ

قلعے اور تصویریں اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں

رّٰسِيٰتٍ ۗ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۗ وَقَلِيْلٌ مِّنْ

چولھوں پر جمیں۔ کام کرو داؤد کے گھروالو! حق مان کر۔ اور تھوڑے ہیں

عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا

میرے بندوں میں حق ماننے والے۔ پھر جب تقدیر کی ہم نے اس پر موت - نہ

دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ

جتایا اُن کو اُس کا مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصا۔

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ

پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر خبر رکھتے ہوتے غیب کی،

مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ

نہ رہتے ذلت کی

الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾ ؕ

تکلیف میں۔

قصۂ داؤد و سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ---- الیٰ ---- مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ

(ربط) گذشتہ آیات میں آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر کر کے فرمایا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ یعنی آسمان وزمین کی پیدائش میں خدا کی قدرت کی نشانی ہے ہر عبد منیب کے لیے یعنی ہر اس بندہ کے لیے جو خدا کی طرف متوجہ اور ملتفت ہو اب ان آیات میں دو خاص عبد منیب کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو خدا کی طرف خاص طور پر متوجہ اور ملتفت ہوئے یہ دو عبد منیب اللہ کے وہ خاص بندے تھے جن پر اللہ نے ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل فرمائیں اور نبوت کے ساتھ ان کو بے مثال سلطنت بھی عطا کی مگر باوجود دین و دنیا کی نعمتوں کے جمع ہونے کے منعم حقیقی کے شکر سے غافل نہیں ہوئے اور اگر کسی وقت ذرا غفلت ہوئی تو سجدہ میں گر گئے اور استغفار کرنے لگے چنانچہ داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے۔ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ۔

نیز اس قصہ میں منکرین قیامت کا بھی جواب ہے کہ جب خدائے برتر اپنے کسی بندہ کے لیے پہاڑوں کو مسخر کر سکتا ہے اور لوہے کو موم کی طرح نرم بنا سکتا ہے تو کیا وہ خدائے قادر استخوانہائے انسانی اور عظام جسمانی یعنی انسانی ہڈیوں کو مع ان کے قوائے طبیعی اور انسانی کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے ایک خاص بزرگی عطا کی کہ نبوت کے ساتھ ان کو سلطنت اور اس کا ساز و سامان بھی عطا کیا ہم نے ان کو جو نعمتیں عطا کیں ان میں ہر نعمت ان کی فضیلت اور کرامت اور ان کی نبوت کی دلیل تھی اور ہماری کمال قدرت کی بھی دلیل تھی۔

چنانچہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ اے پہاڑو تم بھی داؤد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو کہ جب داؤد علیہ السلام اللہ کا ذکر کریں اور اس کی تسبیح میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور اسی طرح پرندوں کو بھی یہی حکم دیا کہ تم بھی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً۔

جب داؤد علیہ السلام اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی حقیقۃً باآواز بلند ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح پڑھتے اور یہ تسبیح حقیقی تھی بزبان حال یا صدائے بازگشت نہ تھی یہ سب داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور خدا کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ جو خدا بے جان اور بے زبان چیزوں کو گویائی عطا کر سکتا ہے وہ مُردوں کے بے جان اور بے زبان ریزوں کو کیوں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حُسنِ صوت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی

آواز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے یا اللہ کی تسبیح کرتے تو در و دیوار اور درخت اور پہاڑ ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح کرتے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کی طرح آواز کرتے محض صدائے بازگشت نہ تھی اس لیے کہ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا سے حضرت داؤدؑ کی خاص فضیلت اور بزرگی کا بیان کرنا مقصود ہے پہاڑوں کی تسبیح سے محض ان کی آواز بازگشت مراد لینا بالکل بے معنی ہے۔ صدائے بازگشت فضیلت اور بزرگی کی چیز نہیں قرآن کریم میں ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔ یعنی ہر چیز حقیقۃً اللہ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے مگر تم سمجھتے نہیں۔ اور اسی ناسمجھی کی وجہ سے کبھی اس کو تسبیح حالی کہتے ہو اور کبھی صدائے بازگشت۔ اللہ ان لوگوں کو عقل دے۔

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا معجزہ عطا فرمایا اور داؤد علیہ السلام کو حسن صوت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا داؤد علیہ السلام اللہ کے خاص عبد منیب تھے جب خوش الحانی کے ساتھ زبور پڑھتے یا تسبیح پڑھتے تو ان کی منیبانہ اور خاشعانہ اور معجزانہ آواز سے پہاڑ اور در و دیوار اور پرند بھی عبد منیب (خدا کی طرف رجوع کرنے والے) ہو جاتے اور ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح کرنے لگتے اور چرند اور پرند اور پہاڑوں کی تسبیح و تحمید سب حقیقی تھی جیسے ستون حنانہ کا رونا حقیقی تھا۔ اور حضور پُرنورؐ کا معجزہ تھا۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کی تسبیح و تحمید سے جمادات اور حیوانات کی تسبیح و تحمید داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھی۔

زصوتِ دلکشش جاں تازہ گشتے روان را ذوق بے اندازہ گشتے

سپہر چنگ پشت از غنون ساز ازاں پُرحال تر نشنودہ آواز

داؤد علیہ السّلام کی دوسری فضیلت کا ذکر

اور ایک فضیلت و کرامت ہم نے داؤد علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو بلا سبب ظاہری موم کی طرح نرم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ تم اس لوہے سے کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ کا لحاظ رکھو کہ نہ بہت بھاری ہو اور نہ بہت ہلکی ہو اور ایسی مضبوط ہو کہ اس کا پہننے والا تیر اور تلوار سے بچ سکے۔ یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لوہا بغیر آگ میں ڈالے اور بغیر ہتھوڑے کے کوٹے ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا اور تاگے کی طرح اس کو بٹ کر زرہ بنا لیتے تاکہ جہاد میں کام آویں اور اے آل داؤد کافروں کے مقابلہ اور ان کے وار کو روکنے کے لیے تو تم نے کشادہ زرہیں تیار کر لیں مگر نفس اور شیطان کا وار روکنے کے لیے بھی زرہیں تیار رکھو یعنی تم سب نیک عمل کرتے رہو کہ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو تحقیق میں تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہوں کہ اس میں کوئی کمزوری تو نہیں کہ نفس و شیطان کے مقابلہ میں کہیں کمزور زرہ ثابت نہ ہو۔

حکایت | داؤد علیہ السلام زمانۂ بادشاہت میں ہیئت بدل کر ملک میں پھرتے اور لوگوں سے

بادشاہ کا حال دریافت کرتے تا کہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو اس کی اصلاح کر سکیں جس شخص سے بھی پوچھتے تو وہ داؤد علیہ السلام کی عبادت اور ان کی نیک خلقی اور عدل و انصاف کی تعریف کرتا ایک دن ایک فرشتہ انسان کی صورت میں ملا تو داؤد علیہ السلام نے اس کو اپنے سے انجان سمجھ کر اس سے اپنا حال پوچھا اس نے کہا کر داؤدؑ سب آدمیوں سے بہتر ہے اور بہت اچھا ہے لیکن اس میں ایک خصلت ہے اگر وہ نہ ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ وہ خود بھی مسلمانوں کے بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس میں سے کھلاتا ہے اگر وہ خود اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتا تو بہتر ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں دعا شروع کی کہ مجھے کوئی ایسی حرفت سکھا دیں جس سے میں اور میرے اہل وعیال مستغنی ہو جائیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھادی جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گذرا وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ کہ اللہ عز وجل نے لوہا ان کے لیے نرم کر دیا اور زرہ بنانے کی صنعت ان کو سکھلادی چنانچہ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے اور اس کو فروخت کرتے اس میں سے ایک تہائی صدقہ کر دیتے اور ایک تہائی اہل وعیال پر خرچ کر دیتے اور ایک تہائی آیندہ زرہ بنانے کے لیے ذخیرہ رکھ چھوڑتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زرہ چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی۔

(تفسیر قرطبی ص۲۶۶ ج۱۴ و روح المعانی ص۱۰۱ ج۲۲)

دوسرے عبدِ منیب کا ذکر

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ۔

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام پر اپنے فضل و انعام کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں ان کے فرزند ارجمند سلیمان علیہ السلام پر اپنے فضل و انعام کا ذکر فرماتے ہیں باپ اور بیٹے دونوں ہی عبدِ منیب تھے پہلی آیت میں منیب باپ کا ذکر فرمایا اب دوسری آیت میں منیب بیٹے کا ذکر کرتے ہیں ان دونوں کے ذکر سے مقصود عبدیت اور انابت الی اللہ کی برکات اور ثمرات کا بیان کرنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دنیا اور آخرت کی سعادت کا سرمایہ عبدیت اور انابت الی اللہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور داؤد علیہ السلام کے بعد ہم نے ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جس کی صبح کی رفتار ایک مہینہ تھی اور شام کی رفتار ایک مہینہ تھی اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کیلیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا کو جیسا حکم دیتے اس کے مطابق وہ چلتی۔ وَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ اس طرح ہوا کا مسخر ہونا یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کی فضیلت اور کرامت تھی۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صبح کو دمشق سے اپنے تخت اور بساط پر بیٹھ کر ہوا میں روانہ ہوتے اور اصطخر فارس میں اتر کر قیلولہ کرتے اور دمشق اور اصطخر کے درمیان تیز رفتاری کے ساتھ کامل ایک ماہ کی

مسافت ہے پھر شام کو اصطخر سے روانہ ہوتے اور رات کابل میں بسر کرتے اور اصطخر سے کابل تک تیز رفتاری کے ساتھ ایک ماہ کی مسافت ہے۔ غرض یہ کہ اللہ تعالٰے نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایسا مسخر کر دیا تھا کہ ایک دن میں دو مہینہ کی پیدل مسافت طے کرتے تھے (تفسیر قرطبی صفحہ ۲۶۹ ج ۱۴) غرض یہ کہ ہوا کو اور خلا کو سلیمان علیہ السلام کی سیر و سیاحت کے لیے مسخر کر دیا گیا تھا یہ منجانب اللہ ان کو ایک معجزہ عطا کیا گیا تھا۔ اور ایک فضیلت ہم نے سلیمان علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ ان کے لیے تانبے کا ایک چشمہ رواں کر دیا یعنی تانبے کی کان میں سے بہتا ہوا تانبا نکلتا تاکہ جو چاہیں اس سے بنا سکیں اللہ تعالٰے نے بطور معجزہ صنعاء کے قریب ملک یمن میں پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ نکالا تاکہ سانچوں میں ڈھال کر جو چاہیں اس سے بنا سکیں جس طرح اللہ تعالٰے نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالٰے نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کو نرم کر دیا اور اس کا چشمہ جاری کر دیا۔

اور ایک فضیلت اور کرامت ہم نے سلیمان علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ جنات کو ان کے تابع فرمان کر دیا چنانچہ جنوں میں سے کتنے ایسے تھے کہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے اللہ کے حکم سے کام کرتے تھے یعنی جنات بحکم خداوندی سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر تھے اور سلیمان علیہ السلام کے حکم کے مطابق وہ خدمت اور محنت کرتے تھے اور کسی جن کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کر سکے اور جنوں میں جو ہمارے حکم سے سرکشی کرتا یعنی سلیمانؑ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے روگردانی کرتا تو ہم اس کو چکھاتے آگ کی مار یعنی اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ معین تھا جس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہوتا تھا جو جن حکم عدولی کرتا تو فرشتہ اس کو آگ کا کوڑا مارتا جس سے وہ جن جل جاتا اس خوف سے جنات سلیمان علیہ السلام کے مطیع اور فرمانبردار تھے۔

الغرض اللہ تعالٰے نے جنوں کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر فرمایا تھا۔ بناتے تھے وہ ان کے لیے جو کچھ وہ چاہتے تھے قلعے اور بڑی بڑی عمارتیں اور تصویریں اور پیتل اور تانبے سے طرح طرح کی مورتیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں مورتیں بنانا جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں جاندار کی مورت بنانا ناجائز ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تماثیل (مورتیں) جاندار کی نہ تھیں بلکہ درختوں وغیرہ کی مورتیں تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ نیک لوگوں کی مورتیں تھیں تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر آخرت کی تیاری میں زیادہ کوشش کریں اور اس طرح کی تصویریں بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا مگر ہماری پاکیزہ شریعت میں منسوخ کر دیا گیا۔

اور بناتے تھے ان کے لیے تالاب جیسے بڑے بڑے لگن اور ایسی بڑی بڑی دیگیں بناتے کہ جو اپنی جگہ پر جمی ہوئی رکھی رہتیں کہ کوئی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔ اللہ تعالٰے نے یمن کی طرف پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا جس کو جنات سانچوں میں ڈھال کر بڑی بڑی دیگیں تیار کرتے جس میں ایک لشکر کا کھانا پک سکے۔

اللہ تعالٰے نے سلیمان علیہ السلام کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ملکی عمارات اور صنعتوں کے لیے

جنات کو ان کے لیے مسخر کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام جس قسم کی عمارت کا اور جس قسم کی صنعت کا حکم دیں اس کو بے چون وچرا انجام دیں اور سلیمان علیہ السلام یہ تمام کام مسلمانوں سے نہیں لیتے تھے بلکہ جنات سے لیتے تھے اور بلا اجرت اور بلا تنخواہ کے لیتے تھے کسی جن کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ سلیمان علیہ السلام سے کوئی مطالبہ کر سکے اور ہڑتال کا خیال تو بالکل ہی ناممکن اور محال تھا جیسا کہ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ کی تفسیر میں گذرا تمام جنات بحکم خداوندی سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ حکم سلیمانی سے سرتابی کر سکے۔

غرض یہ کہ ہم نے آل داؤد کو یہ فضیلتیں اور نعمتیں عطا کیں اور ان کو یہ حکم دیا کہ اے آل داؤد شکر کے کام میں لگے رہو اور میرے بندوں میں سے شکر گذار بہت کم ہیں شکر سے نعمت باقی بھی رہتی ہے اور زیادہ بھی ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا تھا ان کے حکم کے مطابق وہ خدمت انجام دیتے تھے جب سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی موت کو جنات پر مستور اور مبہم رکھیں تاکہ جن اسی طرح کام کرتے رہیں۔ پس جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری کیا تو ایسے طور پر ان پر موت واقع ہوئی کہ جنات کو اس کی خبر نہ ہوئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ جنات تعمیر کے کام میں مشغول تھے۔ سلیمان علیہ السلام حسب دستور ہیکل میں داخل ہوئے اور عصا کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے جنات یہ سمجھے کہ یہ ہماری نگرانی کر رہے ہیں اسی حالت میں آپ کی روح قبض ہو گئی اور اسی طرح سال بھر تک عصا کے سہارے کھڑے رہے جنات یہ سمجھتے رہے کہ آپ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ عصائے سلیمانی کو کسی دیمک کے کیڑے نے کھایا وہ لکڑی ٹوٹی اور آپ گر پڑے اب تک جنوں کو کسی نے سلیمان علیہ السلام کی موت کی خبر نہ دی تھی مگر گھن کے کیڑے نے جو اُن کے عصا کو کھا رہا تھا۔

پس جب اس عصا کے گر جانے سے سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا حال کھلا اور یہ بات گھن کے کیڑے کے کھانے کے حساب اور تخمینہ سے معلوم ہوئی کہ وفات پائے ہوئے ایک سال ہوا اور سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے جنوں نے یہ بھی جان لیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اتنی مدت تک ذلت وخواری کی تکلیف میں نہ رہتے۔ جنوں کا گمان تھا کہ وہ غیب کو جانتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے ایسا ہی ظاہر کرتے اور بہت سے جاہل آدمی بھی یہی گمان رکھتے تھے پس جب سلیمان علیہ السلام اس طرح سے گرسے تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ اگر جن غیب دان ہوتے تو سال بھر تک اس عذاب وخواری میں کیوں پڑے رہتے بلکہ جس روز انتقال ہوا تھا اسی روز بھاگ جاتے اور اس محنت اور مشقت سے چھٹکارا پا جاتے۔ سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں مشغول تھے تعمیر ہنوز نامکمل تھی کہ وقت آپہنچا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تدبیر سے کھڑا رکھا تاکہ ان کی موت کے بعد ان کے باقی ماندہ کام کی تکمیل ہو جائے۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ

قوم سبا کو تھی اُن کی بستی میں نشانی - دو باغ داہنے اور

وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ

بائیں - کھاؤ روزی اپنے رب کی، اور اس کا شکر کرو،

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا

دیس ہے پاکیزہ، اور رب ہے گناہ بخشتا۔ پھر دھیان میں نہ لائے، پھر

عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ

چھوڑ دیا ہم نے اُن پر نالہ زور کا اور دیئے ان کو بدلے ان دو باغوں کے دو اور باغ،

ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

جس میں کچھ ایک میوہ کسیلا اور جھاؤ، اور کچھ بیر تھوڑے

قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ

سے - یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو، اس پر کہ ناشکری کی۔ اور ہم بدلہ اس کو

اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ

دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔ اور رکھی تھیں ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں جہاں

بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ

ہم نے برکت رکھی ہے بستیاں راہ پر نظر آتیں اور منزلیں ٹھہرا دیں ہم نے ان میں چلنے کی

سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا

پھرو ان میں راتوں اور دنوں امن سے - پھر کہنے لگے

رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اے رب! فرق ڈال ہمارے سفر میں، اور اپنا بُرا کیا۔

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ

پھر کر ڈالا ہم نے ان کو کہانیاں، اور چیر کر ڈالا ٹکڑے ۔ اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَلَقَدْ

پتے ہیں ہر ٹھہرنے والے کو جو حق سمجھے ۔ اور سچ

صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا

کر دکھائی اُن پر ابلیس نے اپنی اٹکل پھر اسی کی راہ چلے مگر تھوڑے

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

سے ایماندار ۔ اور اس کا اُن پر کچھ زور نہ تھا،

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ

مگر اتنے واسطے تا معلوم کریں ہم کون یقین لاتا ہے آخرت پر الگ اس سے جو

شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾

رہتا ہے اسکی طرف سے دھوکے میں۔ اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے ۔

قصۂ قومِ سبا

قال اللہ تعالےٰ۔ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۔ الیٰ... وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں منیبین اور شاکرین کا قصہ ذکر فرمایا جو بندے اللہ کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اب اس کے بالمقابل غیر منیبین اور غیر شاکرین کا ایک قصہ ذکر کرتے ہیں جو خدا کے ناسپاس اور ناشکرے تھے تاکہ لوگ اس سے نصیحت اور عبرت پکڑیں یعنی اہلِ سبا کا قصۂ عبرت بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ناسپاسی اور ناشکری اور عدم انابت الی اللہ کا کیا انجام ہوتا ہے بعض مرتبہ عدم انابت کا وبال دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اہلِ سبا کا قصہ بھی آیاتِ قیامت میں سے ہے کہ حق جل شانہٗ نے ان کو جو سرسبز و شاداب باغات عطا کیے تھے وہ نمونۂ جنّت و بہشت تھے کفرانِ نعمت کی وجہ سے

نمونۂ دوزخ بنا دیئے گئے ناشکری اور ناسپاسی کی سزا میں اہل سبا کی جنت (باغ) کو جہنم سے بدل دیا گیا۔

غرض یہ کہ گذشتہ آیات میں داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا حال بیان کرکے کفار کو آگاہ کردیا کہ خدا کے نیک بندے دنیا کے طالب نہیں ہوتے بلکہ مولیٰ کے طالب ہوتے ہیں اور اس کے فرمانبردار اور شکرگذار بندے ہوتے ہیں اب آئندہ آیات میں ناشکروں کا حال بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق قوم سبا کے لیے ان کے مکانات میں خدا کے لطف وکرم کی عظیم نشانی موجود تھی ہر طرف راحت کا سامان تھا تکلیف کا نام ونشان نہ تھا یعنی ان کی بستی کے دائیں اور بائیں جانب باغوں کی دو مسلسل قطاریں تھیں کہ میلوں تک اسی طرح چلی گئی تھیں دو طرفہ متصل باغات چلے گئے تھے کہ ہر جانب کی قطار حکم میں ایک باغ کے تھی۔ قرب اور اتصال کی وجہ سے ہر قطار مثل ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی۔

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ جنتان کا یہ مطلب نہیں کہ اس بستی کے یمین وشمال میں صرف دو باغ تھے۔ عراق میں بھی بہت سی ایسی بستیاں ہیں کہ جہاں صرف دو باغ نہیں بلکہ متعدد باغ ہیں صرف دو باغ کا ہونا قوم سبا کے لیے مخصوص نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس بستی کے یمین وشمال میں باغوں کی دو قطاریں متصل اور مسلسل میلوں تک اس طرح چلی گئی تھیں کہ ایک باغ دوسرے باغ سے متصل تھا اور ہر جانب کی ایک قطار بمنزلہ ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی غرض یہ کہ یہ خطہ خدا کی رحمت سے نہایت سرسبز اور شاداب تھا آب و ہوا نہایت عمدہ تھی کیڑوں اور مکوڑوں اور مکھیوں اور مچھروں کا نام ونشان نہ تھا راستے پُرامن تھے غرض یہ کہ راحت اور آرام کا اور ترقی اور تمدّن کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور یہ تنعم اور خوشحالی سوائے قوم سبا کے اور کسی کو حاصل نہ تھی اور اس بے مثل لطف وعنایت کے بعد انبیاءؑ اور وارثان انبیاء کی معرفت بطور تلطف ان کو یہ حکم ہوا کہ اپنے پروردگار کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو کہ اس نے بلا طلب کے اور بلا محنت اور مشقت کے تم کو کیسی کیسی نعمتیں دیں۔ کیا خوب پاکیزہ شہر ہے اور کیسا رب غفور ہے جس نے تم پر یہ رحمتیں اور نعمتیں مبذول کیں اور تمہاری کوتاہیوں پر مواخذہ نہیں کرتا اس پر ایمان لاؤ اور اس کا شکر کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول بھیجے کہ ان کو حکم دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کا شکر کریں پس ان لوگوں نے اللہ کی توحید سے اور اس کی عبادت سے اور اس کے شکر سے اعراض کیا اور اس سے منہ موڑا اور بجائے شکرگذاری اور اطاعت شعاری کے عیش وعشرت اور بدکاری کی طرف متوجہ ہو گئے بس اس اعراض اور روگردانی کے سزا میں ہم نے ان پر عذاب بھیجا اور جو انعام ان پر کیا تھا وہ ان سے واپس لے لیا اور عرم بند کا سیلاب ان پر چھوڑ دیا۔ "عرم" دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا بند تھا جہاں تمام وادیوں کا پانی روکا گیا تھا کہ دور دور تک زمین اس سے سیراب ہوتی رہے اور اس بند کے تین دروازے تھے۔ اوّل اوپر کے دروازے سے پانی دیتے پھر دوسرے سے اور پھر تیسرے سے جیسی اور جتنی ضرورت ہوتی۔ قہر خداوندی سے جب وہ بند ٹوٹا تو

سیلاب سے وہ تمام باغات غارت ہوگئے جو پہلے اس پانی سے سیراب ہوتے تھے اور یہ بند ملکۂ بلقیس نے بنایا تھا جس کو سدِ مآرب کہتے تھے۔ اور پھر ہم نے ان دو رویہ باغوں کے بدلے میں جو عجیب و غریب فواکہ اور ثمرات پر مشتمل تھے ان کو بطور سزا ایسے دو باغ دے دیئے جن میں کوئی خیر اور خوبی نہ تھی جو ایسے تلخ اور بدمزہ تھے کہ جن کا کھانا ممکن نہ تھا اور ان میں کچھ جھاؤ کے درخت اور کچھ بیری کے جھاڑ تھے، اور یہ تبدیلی اس کفرانِ نعمت کی جزا تھی جس کی وجہ سے انہوں نے شکر سے منہ موڑا تھا اور ہم ناشکروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں کہ پھلدار میوے کے درخت ہٹا کر پیلو اور جھاؤ اور جھڑ بیر کے درخت پیدا کر دیئے اور ناشکری کی سزا میں اپنی نعمت ان سے چھین لی۔ خواہ دیر میں یا سویر میں۔

اب آئندہ آیات میں اہلِ سبا کی کثرت نعمت اور ان کی عیش و عشرت کو بیان کرتے ہیں کہ کس طرح ان پر نعمت کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور پھر وہ کس طرح ان پر بند ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے اہلِ سبا اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی ایسی بستیاں آباد کر رکھی تھیں جو سر راہ ہونے کی وجہ سے نظر آتی تھیں قریٰ مبارکہ سے سرزمین شام کی بستیاں مراد ہیں جن کی برکت سب کو معلوم ہے جو سر راہ ہونے کی وجہ سے دکھائی دیتی تھیں اور پاس پاس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے باہم ملی ہوئی تھیں کہا جاتا ہے کہ ملک سبا سے شام تک چار ہزار سات سو دیہات آباد تھے۔

اور ہم نے ان درمیانی بستیوں میں چلنے والوں کے لیے رفتار کی ایک حد اور اس کا ایک اندازہ رکھ دیا تھا کہ صبح کے وقت ایک بستی سے چلے اور قیلولہ کے وقت دوسری بستی میں پہنچ جائے اور وہاں پہنچ کر آرام سے کھا پی سکے اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ان بستیوں میں راتوں اور دنوں میں جہاں چاہو بے خوف و خطر چلو پھرو۔ سو ان نعمتوں اور راحتوں کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اللہ کی شکر گذاری کرتے مگر ان کو اس عیش و آرام میں مستی سوجھی اور کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے سفروں میں دوری ڈال دے یعنی سفر کی منزلوں میں فاصلہ پیدا کر دے ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچنے میں مباعدت پیدا کر دے بستیوں کے متصل ہونے سے سفر کا مزہ نہیں آتا جیسے بنی اسرائیل کو منّ و سلویٰ میں مستی سوجھی اور بقل اور قثاء اور فوم اور عدس کی درخواست شروع کر دی ایسے ہی ان کو اس آرام میں یہ مستی سوجھی اور یہ درخواست شروع کی کہ ہمارے سفروں کو دراز کر دے اور یہ درخواست کر کے انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آدمی کو جب نعمت خوب ملنے لگتی ہے تو اس سے اکتا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ سب تباہ اور برباد ہوئے۔

پس ہم نے اہلِ سبا کو لوگوں کے لیے کہانیاں بنا دیا کہ لوگ ان کی تباہی اور بربادی کے افسانے اور قصے بیان کریں اور ان متکبرین کے ہم نے پرخچے اڑا دیئے اور ان کو پارہ پارہ کر دیا پورے طور پر پارہ پارہ کر دینا۔ عیش و عشرت کا تمام سامان ختم ہوا اور صرف زبانی افسانہ رہ گیا۔ قوم سبا کو اللہ تعالیٰ نے دو نعمتیں عطا کی تھیں ایک مکانات اور باغات کی راحت اور خوشحالی اور ایک سفر کی راحتیں کہ منزلیں قریب قریب تھیں۔ پہلی نعمت کی ناسپاسی کی وجہ سے سیل عرم نے مکانات اور باغات کو اجاڑ دیا اور دوسری

نعمت کی ناسپاسی کی وجہ سے تتر بتر کر دیئے گئے اور دور دراز پھینک دیئے گئے ایک کہیں اور دوسرا کہیں۔ بے شک اس واقعہ میں ہر صبر کرنے والے کے لیے بہت سی عبرتیں ہیں کہ خدا جب چاہتا ہے تو نعمت اور راحت کو ذلت اور مصیبت سے بدل دیتا ہے یہاں تک اللہ تعالےٰ نے اہل سبا کے کفر اور شرک اور نفس و شیطان کی پیروی کا ذکر فرمایا اب آگے شیطان کی طرف سے ان کے متعلق ایک خبر دیتے ہیں کہ شیطان نے ان کے متعلق جو گمان کیا تھا وہ سچ نکلا چنانچہ فرماتے ہیں اور تحقیق شیطان نے اپنا گمان ان کے حق میں سچ پایا۔ شیطان جب بارگاہ خداوندی سے مردود ہوا تو اس نے یہ کہا تھا کہ میں اولاد آدم کے بہکانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا اور اس کا گمان یہ تھا کہ میں شہوت اور غصہ کی راہ سے انسان پر قابو پالوں گا یہ اس کا گمان تھا یقین نہ تھا آئندہ کا حال تو کوئی نہیں جان سکتا لیکن اس نے اپنے دل میں یہ گمان باندھا اور دنیا میں آنے کے بعد اس نے اپنے اس گمان کو اولادِ آدم پر سچا پایا سو لوگوں نے اس کی پیروی کی اور اس کی راہ پر ہوئے مگر ایمان والوں کا ایک گروہ سو وہ اس کی پیروی سے بچا رہا۔

شیطان نے حضرت آدمؑ کو جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اس وقت یہ کہا۔ اَرَاَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ.... الی.... ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا اور یہ کہا ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ سو شیطان نے اپنے اس گمان کو سچا پایا اور جن لوگوں کے بارہ میں ابلیس کا گمان پورا ہوا تو ابلیس کا ان لوگوں پر کچھ زور نہ تھا یعنی ابلیس نے ان کو کفر و شرک پر مجبور نہیں کیا تھا ان کے دل میں محض وسوسہ ڈالا تھا اور ظاہر نظر میں اس چیز کو ان کی نظر میں خوبصورت کر کے دکھلایا تھا اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ شیطان کو جو ہم نے وسوسہ ڈالنے کی قدرت عطا کی تو اس سے مقصود بندوں کا امتحان اور آزمائش ہے ہم نے حق کو براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے خوب روشن کر دیا اور بندہ کو عمل صالح کرنے کی پوری قوت اور قدرت عطا کی۔ لیکن شیطان کو صرف وسوسہ ڈالنے کی قدرت عطا کی تاکہ بندوں کا امتحان کریں اور آخرت پر ایمان لانے والوں کو ایسے لوگوں سے جدا اور ممتاز کر دیں جو آخرت کی طرف سے شک اور شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ کون آخرت پر ایمان لائے گا اور کون اس کا انکار کرے گا لیکن دنیا کو اس کا علم نہ تھا اللہ نے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قدرت دی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کون مؤمن ہے اور کون کافر ہے اور تیرا پروردگار ہر چیز کا نگہبان ہے وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ

تو کہہ، پکارو ان کو جن کو دعویٰ کرتے ہو، سوا اللہ کے

لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

وہ نہیں مالک ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں نہ زمین

الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ

میں ، اور نہ ان کا ان دونوں میں ساجھا ، اور نہ ان میں کوئی

مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ

اس کا مددگار - اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس مگر اس کو

اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ

جس کے واسطے حکم دیا - یہاں تک کہ جب گھبراہٹ اٹھائی جاوے ان کے دل سے کہیں کیا

قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٢٣﴾

فرمایا تمہارے رب نے ؟ وہ کہیں جو واجبی ہے - اور وہ جو سب سے اوپر بڑا -

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ

تو کہہ، کون روزی دیتا ہے تم کو آسمانوں سے اور زمین سے ؟ بتا کہ اللہ !

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾

اور یا ہم یا تم بے شک سوجھ پر ہیں یا پڑے ہیں بہکاوے میں صریح -

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا

تو کہہ تم سے نہ پوچھیں گے جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے نہ پوچھیں گے جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا

تم کرتے ہو - تو کہہ جمع کرے گا ہم سب کو رب ہمارا پھر فیصلہ کرے گا ہم

بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ

میں انصاف کا - اور وہی ہے نیاؤ چکانے والا سب جانتا - تو کہہ مجھ کو دکھاؤ تو

الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ

جن کو اس سے ملاتے ہو ساجھی ٹھہرا کر۔ کوئی نہیں! وہی ہے اللہ زبردست

الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

حکمتوں والا۔

اثبات توحید و توبیخ و تجہیل مشرکین

قال اللہ تعالیٰ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... الی ... بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(ربط) شروع سورت میں تحمید اور دلائل توحید کا ذکر فرمایا اور پھر داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر اپنے انعامات کا اور ان کی شکر گذاری کا ذکر کیا اور بعد از اں اہل سبا کا قصہ ذکر کیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو بڑی نعمتیں عطا کی تھیں مگر کفر اور شرک اور کفران نعمت کی وجہ سے ان کی عزت و راحت مبدل بہ ذلت و مصیبت ہوگئی۔ پس جب شاکرین اور کافرین کا حال بیان ہو چکا تو اب ان آیات میں مشرکین کی توبیخ اور تجہیل فرماتے ہیں کہ کیسے نادان ہیں کہ جن بتوں میں ذرہ برابر قدرت نہیں ان کو خدا اور معبود اور منعم حقیقی کا شریک بنائے ہوئے ہیں۔ (شیخزادہ صفحہ ۸۹ ج ۴)

غرض یہ کہ اس سے پہلے جو قوم سبا کا قصہ ذکر فرمایا اس سے مقصود مشرکین کی تنبیہ تھی اب آگے پھر مشرکین کو خطاب فرماتے ہیں کہ آڑے وقت میں سوائے خدا کے کوئی کام نہیں آتا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان مشرکین سے جن کی عبرت اور نصیحت کیلئے قوم سبا کا قصہ بیان کیا گیا یہ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود گمان کیے ہوئے ہو اپنی کسی حاجت کے لیے ذرا ان کو پکارو تو سہی اور دیکھو کہ یہ کسی بات کا جواب بھی دے سکتے ہیں اور تمہارے کچھ کام آسکتے ہیں یا نہیں قوم سبا کے لوگ کافر اور مشرک تھے خدا کے قہر سے ان کو ان کا کوئی معبود نہ بچا سکا جن کو تم معبود گمان کرتے ہو یہ ذرہ برابر بھی آسمان اور زمین میں کسی چیز کے مالک نہیں اور جو چیزیں آسمان و زمین سے باہر ہیں ان کی ملکیت کا تو تصور بھی نہیں ہو سکتا پس جب کسی چیز کی ملکیت ہی نہیں رکھتے تو الوہیت کہاں سے رکھیں گے اور نہ ان میں سے زمین و آسمان کی تخلیق و تدبیر میں کوئی خدا تعالیٰ کا شریک ہے کہ اس کی بھی زمین و آسمان کی تخلیق میں کوئی شرکت ہو اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا معین اور مددگار رہے تو ایسے خیالی اور فرضی معبود تمہارے کیا کام آسکتے ہیں۔ لہٰذا اس کو معبود بنانا اور حاجت روائی کے لیے ان کو پکارنا "ایں خیال است و محال است و جنوں" کا مصداق ہے اور اگر ان مشرکین کا یہ گمان ہے کہ اگرچہ ہمارے معبود کسی چیز کے

مالک نہ ہوں مگر عند اللہ یہ ہمارے شفعاء ہیں یعنی سفارشی ہیں ان کی سفارش ہم کو نفع پہنچا سکتی ہے تو مشرکین کا یہ گمان بھی غلط ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کے لیے شفاعت اور سفارش اور درخواست کی اجازت نہیں مگر جس کے لیے خدا تعالیٰ شفاعت کرنے کی اجازت دیں۔ بغیر اس کی اجازت کے وہاں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں وہاں تو کسی کو سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں مستقل خود مختار ہونے کا تو تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

غرض یہ کہ مشرکین جنکو هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ کہتے ہیں وہ بذاتِ خود ان کے کام نہیں آسکتے اور نہ بزور خدا سے کہہ کر انکا کوئی کام کرا سکتے ہیں قیامت کے روز تمام اہل محشر مضطرب اور پریشان یعنی خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے ہوں گے کہ دیکھیئے کیا حکم ہوتا ہے شفاعت کی اجازت ہوتی ہے یا نہیں اسی اضطراب اور پریشانی کی حالت میں حکم کے منتظر ہوں گے کہ دیکھیے بارگاہ رب العزت سے کیا حکم ہوتا ہے اور اسی انتظار میں رہیں گے۔

یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے اضطراب اور پریشانی دور کر دی جائے گی اور ان کو شفاعت کی اجازت دے دیں گے اور وہ اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے تو باہم ایک دوسرے سے کہیں گے کہ شفاعت کے بارہ میں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا اور کیا حکم دیا تو ملأ اعلیٰ کے فرشتے جواب میں کہیں گے کہ اللہ نے نہایت حق اور درست حکم دیا ہے جو شفاعت کے مستحق ہیں ان کے لیے شفاعت کی اجازت دی ہے یعنی صرف اہل ایمان کے لیے شفاعت کی اجازت ہوئی ہے جن کے دل کفر اور شرک سے پاک ہیں۔ کافروں کے لیے شفاعت کی اجازت نہیں ہوئی یہ حکم ہوا ہے کہ مؤمنوں کی شفاعت کرو نہ کہ کافروں کی۔ اس لیے ہم کفار اور مشرکین کی شفاعت نہیں کر سکتے کافروں کے لیے شفاعت ممنوع اور بیکار ہے بتوں کو تو کچھ اختیار ہی نہیں اور فرشتے جن کی مورتیں بنا کر یہ ان کو پوجتے ہیں وہ فرشتے بھی بغیر خدا کی اجازت کے کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فرشتوں کی شفاعت سے بھی ان کو فائدہ نہ ہوگا اور وہی ہے سب سے بلند اور برتر اس دن کسی ملک مقرب اور نبی مرسل کی یہ مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے اس کی بارگاہ عالی میں لب کشائی کر سکے اور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے اس کی عظمت اور ہیبت کی کوئی انتہا نہیں وہ جو چاہے اپنے بندوں میں حکم جاری کرے۔

قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ کی اجازت ہوگی اس کے بعد انبیاءؑ اور صلحاءؒ اور ملائکہ کو مختلف قسم کی شفاعت کی اجازت ہوگی جو بھی شفاعت ہوگی وہ خدا کی اجازت سے ہوگی بالآخر گنہگار مسلمانوں کے حق میں شفاعت کی اجازت ہوگی اور جس کے دل میں کچھ بھی ایمان ہوگا وہ انبیاءؑ اور ملائکہ کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جو کفر و شرک میں مبتلا رہے ان کے لیے اجازت نہ ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بتوں میں تو شفاعت کی صلاحیت ہی نہیں۔ رہے فرشتے سو وہ بغیر اذنِ

خداوندی کے شفاعت نہیں کر سکتے۔

فائدہ اس رکوع میں سات قُلْ مذکور ہیں اور اس کے بعد آخر سورت میں پانچ قُلْ مذکور ہیں گویا کہ یہ سورت قُلْہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فتح الرحمٰن میں لکھتے ہیں۔ "و سود نکند درخواست نزدیک اللہ تعالیٰ مگر برائے کسیکہ دستوری دادہ باشد برائے او اہل محشر مضطرب شوند تا آنگاہ کہ اضطراب دور کردہ آید از دل ایشاں گویند چہ فرمودہ است پروردگار شما ملأ اعلیٰ گویند کہ فرمودہ است سخن راست (یعنی اذن شفاعت داد) و او ست بلند مرتبہ بزرگ قدر" انتہیٰ۔

اور شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں "سود نکند درخواست نزدیک اللہ تعالیٰ مگر برائے کسیکہ دستوری دادہ باشد برائے او۔ اہل محشر مضطرب شوند تا آنگاہ کہ اضطراب دور کردہ آید از دل ایشاں گویند چہ چیز فرمودہ است پروردگار شما ملأ اعلیٰ گویند فرمودہ است سخن راست یعنی اذن شفاعت داد و او ست بلند مرتبہ بزرگ قدر" انتہیٰ الکلام۔

حاصل کلام یہ کہ اس آیت میں قیامت کے دن کے ایک واقعہ کا ذکر ہے اور حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ۔ کی ضمیر اہل محشر کی طرف راجع ہے جیسا کہ سورۂ نباء کی یہ آیت يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔ اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن پیش آئے گا اور اس آیت میں تقدیر کلام اس طرح ہے۔ لا تنفع الشفاعة عنده يوم القيامة الا لمن اذن له فقزع ما ورد على القلوب من المهابة اذا ذهب الفزع عن قلوبهم سال بعضهم بعضا۔ دیکھو صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۹۹ ج ۳۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں جس حکم کا ذکر ہے وہ آخرت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیا سے بھی متعلق ہے جیسا کہ احادیث کثیرہ سے معلوم اور مفہوم ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے مقصود اللہ تعالیٰ کے مقام عظمت و رفعت کو بیان کرنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے اور ان سے کلام کرتا ہے تو فرشتے اللہ کا کلام سنکر ہیبت کے مارے تھرا اٹھتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں اور ان پر ایک غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے پھر جب وہ گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو بعض بعض سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا تو حاملان عرش اور ملأ اعلیٰ کے فرشتے اپنے سے نیچے والے فرشتوں کو خبر دیتے ہیں کہ اللہ نے جو حکم دیا ہے وہ حق اور بجا اور درست ہے اور حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ۔ کی ضمیر فرشتوں کی طرف راجع ہے اور فُزِّعَ سے اس خوف اور ہیبت کا دور ہونا مراد ہے کہ جو فرشتوں کو کلام الٰہی اور حکم خداوندی کے سننے کے وقت لاحق ہوتی ہے۔

دیکھو حاشیہ[1] صادی علی تفسیر الجلالین صـ۲۹۹ ج ۳ وحاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی صـ۹۸ ج ۴ -

پس جب ملائکہ مقربین کی یہ حالت ہے تو مشرکین بتوں سے کیا امید رکھتے ہیں اور آیت کی یہ دوسری تفسیر عبداللہ بن مسعودؓ اور مسروقؒ سے منقول ہے اور اسی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے اختیار کیا ہے۔ اور حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری صـ۳۸۱ ج ۱۳ کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ. وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور آیت کی تفسیر میں راجح قول بھی یہی ہے اور قُلُوْبِهِمْ کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع ہے اور فُزِّعَ سے اس خوف اور دہشت اور گھبراہٹ کا دُور ہونا مراد ہے جو فرشتوں پر کلام الٰہی کے سماع کے وقت طاری ہوتی ہے اور باقی اقوال جو آیت کی تفسیر میں وارد ہوتے ہیں وہ ان احادیث صحیحہ مذکورہ کے خلاف ہیں.

لیکن اس ناچیز اور ہیچمداں کے نزدیک سب سے زیادہ راجح قول اول ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اختیار فرمایا کہ یہ آیت واقعہ آخرت سے متعلق ہے اس لیے کہ آیت کے سیاق وسباق کے زیادہ مناسب یہی ہے کہ اسکو آخرت وقیامت کا واقعہ قرار دیا جائے کیونکہ اس آیت کا تمام سیاق وسباق مشرکین کے اس قول کی تکذیب وتردید میں ہے جو یہ کہتے تھے.

---

[1] قال الصاوی اختلف (المذکور فی الآیة) هل هذا الامر فی الآخرة او الدنیا فقیل فی الآخرة ویؤیدہ ما فی سورة النبا۔ یَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا وعلی هذا فیکون فی الکلام حذف والتقدیر لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ یوم القیامة اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ فَفُزِّعَ ما ورد علی القلوب من المهابة حتی اذا ذهب الفزع عن قلوبهم سأل بعضهم بعضا وقیل فی الدنیا ویؤیدہ ما ورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ اذا اراد ان یوحی بامر وتکلم بالوحی اخذت السموٰت والارض منه رجفة اورعدة شدیدة خوفا من اللہ تعالیٰ فاذا سمع اهل السموٰت ذلك صعقوا وخروا للہ سجدا فیکون اول من یرفع راسه جبریل فیکلمه اللہ تعالیٰ ویقول له من وحیه ما اراد ثم یمر جبریل بالملائکة کلما مر بسماء سأله ملائکتها ماذا قال ربنا یا جبریل فیقول جبریل قال الحق وهو العلی الکبیر قال فیقول کلهم کما قال جبریل فینتهی جبریل بالوحی حیث امره اللہ تعالیٰ الی آخر ما قال کذا فی حاشیه الصاوی علی تفسیر الجلالین صـ۲۹۹ ج ۳ وهکذا قال ابن الشیخ فی حاشیته علی تفسیر جبیت. وقیل انما یریحون من غشیة تصیبهم عند سماع کلام اللہ تعالیٰ لما روی ابوهریرة عنه علیه الصلاة والسلام انه قال اذا قضی اللہ الامر فی السماء ضربت الملائکة باجنحتها خضعانا لقوله کانه سلسلة علی صفوان فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ ثُمَّ ذکر ابن الشیخ الحدیث الذی ذکرہ الصاوی (حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی صـ۹۰ ج ۴)

قَالُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ ۔

اور اس کے جواب میں حق جل شانہ کا یہ ارشاد لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ دوسری آیتوں سے ملتا جلتا ہے ۔ کما قال تعالیٰ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وقال تعالےٰ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْضٰى ۔ وقال تعالےٰ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۔

آیت میں اصل مقصود آخرت کا واقعہ بیان کرنا ہے لیکن آیت اپنے ظاہری الفاظ اور ظاہری مدلول کے اعتبار سے عام ہے دنیا اور آخرت دونوں کی متحمل ہے دونوں معنی کی اس میں گنجائش ہے ۔ پس جن احادیث میں وحی کے وقت فرشتوں کا ہیبت زدہ ہونا مذکور ہے وہ اس عموم کا ایک فرد ہے اس کے منافی اور مخالف نہیں دیکھو حاشیۂ[1] صاوی علی تفسیر الجلالین ص۲۹۹ ج ۳ وتفسیر مظہری ص۲۶ ج ۸ ۔

نکتہ ملائکہ مقربین ۔ سوال کرنے والے فرشتوں کے جواب میں اجمالاً اتنا کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جو حکم دیا ہے وہ حق اور درست ہے اور اس کی تفصیل اور تصریح نہیں کرتے وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی غرض اور ان کا مقصود اس جواب سے ان کے خوف اور گھبراہٹ کو دور کرنا ہے کہ تم گھبراؤ مت ۔ اس لیے ملائکہ مقربین اس اجمال پر اکتفا کرتے ہیں اور حکم کی تفصیل نہیں بتلاتے ۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم ۔ گذشتہ آیات میں مشرکین سے بطور تبکیت وتوبیخ ایک سوال کا حکم تھا اب آئندہ آیات میں مشرکین سے ایک دوسری توبیخ وتبکیت کے سوال کا حکم ہے ۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ الخ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔

اے نبی آپ ان سے سوال کیجئے ۔ اچھا بتلاؤ کہ تم کو روزی کون دیتا ہے آسمانوں سے کون تمہارے

---

[1] علامہ صاویؒ نے حاشیۂ جلالین میں اوّل دو قول نقل کیے ہیں (جن کا ذکر کر چکے ہیں) پھر اخیر میں فرماتے ھیں فتحصل ان الفزع على القول بانه في الآخرة يكون من جميع الخلق وعلى القول بانه في الدنيا والآخرة فرح الله عليهم بهذه الآية الشاملة للامرين فتدبر ۔ انتهى كلامه ص۲۹۹ ج ۳ اور علی ھذا قاضی ثناء اللہ نے اپنی تفسیر میں قول اول کو اختیار فرمایا اور اس کو ذکر کر کے دوسرے قول کو اس عنوان سے ذکر کیا ۔ قلت وكذلك ياخذهم الغشية كلما قضى الله امرا كما روى البخاري اذا قضى الله الامر في السماء ضربت الملائكة باجنحتها اسی عموم کی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہٗ وتعالےٰ اعلم اور حافظ ابن کثیرؒ کا احادیث کو نقل کر کے آخر میں یہ فرمانا ولا شك ان هذا اولى ما دخل في هذه الآية ص۵۳۶ ج ۳ بھی اسی عموم کی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے ۔

لیے مینہ برساتا ہے اور زمین سے کون تمہارے لیے سبزہ اُگاتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی روزی دیتا ہے۔ روزی کے جس قدر آسمانی یا زمینی اسباب ہیں وہ سب اسی کے ہاتھ میں ہیں اس سوال کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں اگرچہ کافر الزام کے ڈر سے زبان سے اس کا اقرار نہ کریں اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اس مسئلہ توحید میں تحقیق ہم یا تم میں سے ایک فریق یا تو صریح ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں یہ تو ممکن نہیں کہ دونوں حق پر ہوں۔ اہل توحید اور اہل شرک دونوں حق پر ہوں یا دونوں غلطی پر ہوں۔ لامحالہ ایک حق پر ہوگا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور دوسرا باطل پر ہوگا اور وہ گمراہ ہوگا اور دلائل سے توحید کا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

لہٰذا اب آپؐ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ جب شرک کا باطل ہونا اور مشرک کا مجرم ہونا ثابت ہوگیا تو سُن لو کہ قیامت کے دن تم سے ہمارے جرائم کی باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس نہ ہوگی۔ ہر ایک اپنے اپنے عمل کا ذمہ دار ہوگا۔ اور کہہ دیجئے کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے اور تمہارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور وہی ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں اور اس کے فیصلہ میں غلطی کا امکان نہیں یہاں تک مشرکین کے شبہات کے جوابات سے فراغت ہوئی۔ اب بطور زجر و توبیخ فرماتے ہیں۔ اے نبی آپؐ ان مشرکین سے کہئے کہ اچھا جن کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ذرا مجھے یہ بھی تو دکھاؤ کہ وہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں۔ ہرگز کوئی خدا کا شریک نہیں بلکہ وہ معبود برحق صرف ایک اللہ ہے جو غالب ہے اور حکمت والا ہے جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور اس کے احکام کی حکمت کی کوئی حد نہیں اور عزیز حکیم کا شریک بنانا تمہاری صریح غلطی اور سینہ زوری ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا، سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور

نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

ڈر سنانے کو، لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ اور کہتے ہیں

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ

کب ہے یہ وعدہ؟ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ تم کو وعدہ

يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ہے ایک دن کا نہ دیر کرو گے اس سے ایک گھڑی اور نہ شتابی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا

اور کہنے لگے منکر ہم ہرگز نہ مانیں گے یہ قرآن، اور نہ

بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ

اس سے اگلا - اور کبھی تو دیکھے جب گنہگار کھڑے کیے گئے ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ ۚ يَقُولُ

اپنے رب کے پاس - ایک دوسرے پر ڈالتا ہے بات - کہتے ہیں

الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ

جن کو کمزور سمجھا جاتا تھا، بڑائی کرنے والوں کو اگر تم نہ ہوتے

لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ

تو ہم ایماندار ہوتے - کہنے لگے بڑائی کرنے والے کمزور گنے

اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ

گیوں کو، کیا ہم نے روک رکھا تم کو سوجھ کی بات سے -

جَاءَكُمْ ۖ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا

تمہارے پاس پہنچے پیچھے کوئی نہیں، تمہیں تھے گنہگار - اور کہنے لگے کمزور گنے گئے

لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا

بڑائی کرنے والوں کو، کوئی نہیں! پر فریب سے رات دن کے، جب تم ہم کو حکم

أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ

کرتے، کہ ہم نہ مانیں اللہ کو اور ٹھہراویں اس کے ساتھ برابر کے اور چھپے چھپے پچھتانے

لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ

لگے جب دیکھا عذاب - اور ہم نے ڈالے ہیں طوق، گردنوں میں منکروں

كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

کے ۔ وہی بدلہ پاتے ہیں جو کرتے ہیں ۔

اثبات رسالت محمدیہ و عموم بعثت و اثبات قیامت

قال اللہ تعالیٰ. وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ .... الیٰ .... هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(ربط) اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی رازقیت کا ذکر تھا اب آگے رسالت محمدیہ کا مضمون ذکر کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ آپ کی بعثت فقط عرب کے لیے مخصوص نہیں بلکہ آپ کی بعثت تمام عالم کے لیے ہے۔ انبیاء سابقین کی طرح کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ بعثت سے مقصود ہی توحید اور تذکیر آخرت ہے اس لیے آئندہ آیات میں منکرین وحدانیت اور منکرین رسالت اور منکرین قیامت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں۔ (حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۹۲ ج ۴) آئندہ آیات میں اوّل رسالت عامہ کا اعلان فرمایا اور پھر منکرین قیامت کا رد فرمایا۔

نیز گزشتہ آیات میں رزق حسی کا ذکر تھا اور ان آیات میں رزق معنوی کا ذکر ہے اس لیے کہ جو ہدایت نبی کے واسطے سے لوگوں کو پہنچی وہ اللہ کا رزق معنوی ہے اور ان کی روحانی اور ابدی حیات کا سامان ہے گذشتہ کتابوں میں تحریف ہوگئی مگر یہ قرآن ابدی حیات کا سامان ہے قیامت تک اسی شان کے ساتھ محفوظ رہے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہم عزیز اور حکیم ہیں ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہم نے آپ کو تمام آدمیوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے نہ کہ کسی خاص قوم اور خاص حصۂ ملک کی طرف۔ جب کہ آپ سے پہلے دیگر انبیاء کرام کو خاص خاص قوموں اور خاص خاص مقامات کی طرف بھیجا گیا اور یہ فضیلت خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ آپ تمام جن اور انس اور عرب اور عجم سب کی طرف مبعوث ہوئے۔

ترا دادند منشور سعادت — وزاں پس نوع انساں آفریدند
پری را جملہ در خیل تو کردند — پس آنگہے سلیماں آفریدند

ایمان لانے پر ہماری رضا اور ثواب کی خوشخبری دینے والا اور ایمان نہ لانے پر ہمارے غضب اور قہر سے ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ جانتے اور سمجھتے نہیں جانوروں کی طرح بے عقل ہیں ثواب اور عقاب کو نہیں سمجھتے اور جہالت کی حالت یہ ہے کہ یہ لوگ جب آپ سے ثواب اور عقاب اور قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو بطور تمسخر آپ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ یہ ثواب اور عذاب یا قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا ہمیں اس کا وقت بتلاؤ اگر تم سچے ہو آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ

تم سے ایک خاص دن کا پختہ وعدہ ہے جس کو اللہ نے کسی حکمت سے پوشیدہ رکھا ہے مگر اس کے علم میں معین ہے اس دن سے تم نہ ایک گھڑی پیچھے رہو گے اور نہ آگے بڑھو گے۔ ایک لمحہ کی اس میں تقدیم و تاخیر نہ ہو گی۔ جمہور علماء کے نزدیک اس سے یوم قیامت مراد ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ موت کا وقت مراد ہے اللہ نے نہ کسی کو کسی کی موت کا وقت بتلایا اور نہ قیامت کا وقت بتلایا۔ اللہ نے کسی حکمت سے قیامت اور موت کے وقت کو پوشیدہ رکھا ہے خوب سمجھ لو کہ قیامت کا انکار اور حساب و کتاب سے بے فکری یہی کفر کی جڑ ہے۔

اب آئندہ آیات میں کفار کے عناد کو بیان کرتے ہیں کہ ان کو قیامت کے انکار پر کس درجہ اصرار ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ کافر بنے ہیں جب وہ اس قسم کی آیتیں قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ سنتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے جو آخرت اور قیامت کی باتیں بیان کرتا ہے اور نہ اس کتاب پر ایمان لائیں گے جو قرآن سے پہلے موجود ہے جن میں جنّت اور جہنم کا ذکر ہے کافروں کی یہ ساری زوری اور شوری دنیا ہی میں ہے وہاں جاکر یہ سب باتیں ختم ہو جائیں گی۔ اور کاش آپ اس وقت کی حالت کو دیکھتے کہ جب یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو اس وقت ان پر ایک سخت خوف کی کیفیت طاری ہو گی کہ آپس میں سوال وجواب کریں گے اور ایک دوسرے پر بات ڈالے گا جب کام بگڑ جاتا ہے تو ایک دوسرے پر الزام رکھتا ہے اس وقت کمزور متکبرین سے کہیں گے کہ تم ہماری بربادی اور تباہی کا سبب بنے اگر تم منحوس نہ ہوتے تو ہم مسلمان ہو جاتے اور متکبرین یعنی کفر کے سردار کمزوروں سے جو اُن کے پیرو بنے ہوئے تھے جواب میں یہ کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو زبردستی ہدایت سے روکا تھا جب کہ ہدایت تمہارے پاس پہنچ گئی تھی اور حق تم پر واضح ہو گیا تھا ہرگز نہیں بلکہ تم خود ہی مجرم بنے اپنے اختیار سے تم نے حق کو ٹھکرایا ہم نے تم کو مجبور نہیں کیا بلکہ ظاہر میں بہکایا اور پھسلایا تھا اپنے خود کردہ کا الزام ہمارے سر کیوں لگاتے ہو اور اس کے جواب میں کمزور اپنے سرکشوں سے یہ کہیں گے بے شک تم نے ہم کو مجبور نہیں کیا بلکہ دن رات کی تمہاری مکاریوں اور چالاکیوں نے ہم کو ہدایت سے باز رکھا کہ تم دن رات ہم کو یہی حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو نہ مانیں اور اس کے لیے شریک اور ہمسر ٹھہرائیں اور دن رات تم ہم سے یہی کہتے تھے کہ یہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ مر کر خاک ہو جائیں گے نہ ثواب اور نہ عذاب جو کچھ کرنا ہے اس کے لیے کر لو آخرت کا نام نہ لو اور دونوں گروہ اس کہنے سننے کے بعد پشیمان ہوں گے اور جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو شماتت سے بچنے کے لیے اپنی پشیمانی کو ایک دوسرے سے چھپائیں گے اور ہم ان سب کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے تاکہ ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھ لیں اور پھر سب کو ایک دوسرے کے روبرو ایک ساتھ جہنم میں جھونک دیں گے۔ اور نہیں سزا دیئے جائیں گے مگر ان کے اعمال کے مطابق ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق سزا ملے گی جس درجہ کا کفر اور مکر ہو گا اسی درجہ کی سزا ہو گی اور عذر کی

کسی کو گنجائش نہ ہوگی۔

<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر کہنے

مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا

لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ ہم تمہارے ہاتھ بھیجا نہیں مانتے۔ اور کہنے لگے

نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ

ہم کو زیادہ ہے مال اور اولاد، اور ہم پر آفت

بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ

نہیں آتی۔ تو کہہ، میرا رب ہے جو پھیلا دیتا ہے روزی

لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

جس کو چاہے، اور ماپ کر دیتا ہے لیکن بہت لوگ سمجھ

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ

نہیں رکھتے۔ اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ نہیں کہ

تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۫

نزدیک کر دیں ہمارے پاس تمہارا درجہ، پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی

سو ان کو ہے بدلہ دونا اُن کے کیے پر اور وہ جھروکوں

الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا

میں بیٹھے ہیں خاطر جمع سے۔ اور جو لوگ دوڑتے ہیں ہماری آیتوں کے

مُعْجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ اِنَّ

ہرانے کو وہ مار میں پکڑے آتے ہیں۔ تو کہہ، میرا

رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ

رب پھیلا دیتا ہے روزی، جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور ماپ

لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

کر دیتا ہے اس کو۔ اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز، وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

بہتر ہے روزی دینے والا۔ اور جس دن جمع کرے گا اُن سب کو، پھر کہے گا فرشتوں کو

اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ

کیا یہ لوگ تھے تم کو پوجتے؟ وہ بولے پاک ذات ہے

وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ

تیری ہم تیری طرف ہیں، نہ اُن کی طرف۔ نہیں پر پوجتے تھے جنوں کو۔ یہ اکثر

بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

انہی پر یقین رکھتے ہیں۔ سو آج تم مالک نہیں ایک دوسرے کے

نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا

بھلے کے، نہ بُرے کے، اور کہیں گے ہم ان گنہگاروں کو، چکھو

عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

تکلیف اس آگ کی جس کو تم جھوٹ بتاتے تھے۔ اور جب پڑھی

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ

جاویں ان پاس ہماری آیتیں کھلی، کہیں اور نہیں مگر یہ ایک مرد ہے کہ چاہتا

أَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا

ہے روک دے تم کو اُن سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے۔ اور کہیں، اور

هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ

نہیں، یہ جھوٹ ہے باندھ لیا۔ اور کہتے ہیں منکر ٹھیک بات کو

لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ

جب پہنچے ان تک اور نہیں، یہ جادو ہے صریح۔ اور ہم نے دی

مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ

نہیں ان کو کچھ کتابیں جن کو پڑھتے ہیں اور بھیجا نہیں ان پاس تجھ سے پہلے

مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا

کوئی ڈرانے والا۔ اور جھٹلایا ہے ان سے اگلوں نے اور یہ نہیں پہنچے

مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ ع

دسویں حصہ کو جو ہم نے اُن کو دیا تھا، پھر جھٹلایا میرے بھیجوں کو، تو کیسا ہوا بگاڑ میرا؟

عیش پرستوں کے ایک شبہ کا جواب

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ... الیٰ ... فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں ان عیش پرستوں کے وبال اور نکال کا ذکر تھا کہ جو نبوت کے منکر تھے اب ان آیات میں ان عیش پرستوں کا ایک شبہ ذکر کرکے اس کا جواب دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ منکرین کی اس قسم کی باتوں سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ مشرکین اور کفار اپنے مال و دولت کی کثرت پر فخر کرتے تھے اور اس کو اپنی مقبولیت کی دلیل قرار دیتے تھے ان آیات میں ان کے اس شبہ کو نقل کرکے اس کا جواب دیا گیا کہ مال و دولت اور جاہ و حشمت اور کثرت اولاد کو اپنی مقبولیت اور افضلیت کی دلیل نہ سمجھیں مال و دولت کی قلت اور کثرت عزت اور

حقارت کی دلیل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کفر کا یہ قدیم دستور ہے کہ وہ اپنی دنیاوی خوشحالی سے عذاب آخرت کی نفی پر استدلال کرتے رہے ہیں۔ کما قال تعالےٰ وَ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں عذاب آخرت سے کوئی ڈرانے والا پیغمبر مگر یہی ہوا کہ وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو اور کہنے لگے کہ ہم لوگ مال اور اولاد میں سب سے زیادہ ہیں اللہ نے ہم کو مال و دولت اور عزت و وجاہت دی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اور ہم تو کبھی بھی عذاب نہیں دیئے جائیں گے۔ مال و اولاد کی کثرت اس امر کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں اے نبی آپؐ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تحقیق میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔ ناسمجھی کی بنا پر دنیاوی رزق کی وسعت اللہ کے راضی ہونیکی دلیل سمجھتے ہیں دنیاوی رزق کی فراخی اور تنگی کا دارومدار اللہ کی حکمت اور مشیت پر ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو رزق زیادہ دیا اور کسی کو کم۔ مقصود بندوں کا امتحان ہے دنیاوی رزق کی فراخی اور تنگی آخرت کی سعادت اور شقاوت کی دلیل نہیں اور اے منکرین آخرت خوب سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو ہمارا مقرب بنا دے لیکن ہمارا مقرب وہ شخص ہے جو ایمان لایا اور جس نے نبی کی ہدایت کے مطابق نیک کام کیے ایمان اور عمل صالح یہ دونوں چیزیں ہمارے قرب کا ذریعہ ہیں نہ کہ مال و دولت اور کثرت اولاد سو ایسے لوگوں کے لیے ہماری بارگاہ سے دوہری جزا ہے بمقابلہ ان کاموں کے جو انہوں نے کیے اور وہ بہشت کے بالاخانوں میں بے خوف و خطر بیٹھے ہوں گے ان کو نہ کسی عذاب کا خوف ہوگا اور نہ نعمت کے منقطع ہونے کا ڈر ہوگا اور جو لوگ ہماری آیتوں کی رد کی کوشش میں اور ہمارے نبی کے ہرانے اور عاجز کرنے کی فکر میں رہے ایسے ہی لوگ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور دنیاوی مال و دولت ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔ ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے اہل دنیا کے ایک عام خیال کی تردید فرمائی ہے وہ یہ کہ عموماً اہل دنیا مال و دولت اور جاہ و حشمت اور کثرت اولاد کو باعث افضلیت خیال کرتے ہیں جیسا کہ ہمیشہ سے اہل دنیا انبیاء و مرسلین سے کہتے رہے کہ ہم مال و دولت اور اولاد رکھتے ہیں ہمیں کیوں عذاب ہونے لگا۔ اللہ تعالےٰ نے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ جس کی چاہتا ہے روزی وسیع کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد لوگوں کو اللہ کے نزدیک کچھ عزت حاصل نہیں کرا سکتا بجز اس کے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ اللہ کے مقرب بنے مال اور اولاد قرب خداوندی کا ذریعہ نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح قرب خداوندی کا ذریعہ ہیں بلکہ بعض اوقات مال و اولاد عذاب اور مصیبت بن جاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ۔

وَقَالَ تَعَالٰی۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝

بسا اوقات بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس بنگلہ بھی ہے اور موٹر بھی ہے مگر پریشانیوں میں اور مقدمات میں مبتلا ہیں۔ یہ لوگ قابل رحم ہیں بہر حال قرب خداوندی کا ذریعہ اور وسیلہ ایمان اور عمل صالح ہے ایمان سے اللہ تعالیٰ سے تعلق درست ہوتا ہے اور عمل صالح سے عبدیت کا تعلق درست ہوتا ہے ہاں اگر مال و دولت کو اللہ کی راہ میں لگا دے تو اس سے اللہ کے یہاں عزت حاصل ہو سکتی ہے باقی محض مال اور اولاد کو عزت کا ذریعہ سمجھنا خیالِ خام ہے اسلام نے افضلیت کا اصل اصول ایمان اور اعمال صالحہ کو قرار دیا ہے جو مہاجرین اولین میں علی سبیل الکمال والتمام پایا جاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے مال اور اولاد سب کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

مال و اولادت بمعنی دشمنند گرچہ نزدیکت دو چشم روشنند
اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ را یاد گیر مال و ملک ایں جہاں برباد گیر

اے نبی آپ مؤمنین سے کہہ دیجئے کہ تحقیق میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیت اور حکمت کے تابع ہے فضیلت کی دلیل نہیں اور جو چیز تم خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ سو خدا تعالیٰ تم کو دنیا یا آخرت میں اس کا عوض اور بدلہ دے گا۔ اور اس سے بہتر دے گا اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے جو خدا کے لیے خرچ کرو گے خدا اسکے عوض کا ذمہ دار ہے جن لوگوں نے مال و دولت کو ایمان اور ہدایت نبی کے مطابق خرچ کیا آخرت میں ان کو نفع دے گا۔ اور جن لوگوں نے اپنا مال و دولت ہماری آیتوں کے رد کرنے میں اور نبی کے مقابلہ میں خرچ کیا۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ قیامت کے دن اس کی ذلت اور فضیحت ان کے سامنے آجائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جس دن اللہ سب لوگوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں کو کہے گا کہ کیا یہ کافر تمہاری پرستش کیا کرتے تھے مشرکین کی غلطی ظاہر کرنے کے لیے فرشتوں سے سوال ہو گا۔ فرشتے جواب میں کہیں گے۔ اے اللہ تو پاک ہے اس سے کہ تیرے سوا کسی کو معبود بنایا جائے تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ کہ یہ لوگ ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ درحقیقت شیاطین کی عبادت کرتے تھے ان میں کے اکثر شیاطین کے معتقد ہیں ان کے کہنے پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے پس آج کے دن کسی کو کسی نفع اور نقصان کا کوئی اختیار نہیں کسی معبود باطل کو اپنے پرستش کرنے والے کے واسطے نہ نفع پہنچانے کی قدرت ہے اور نہ نقصان دور کرنے کی طاقت ہے۔ اور اس دن ہم ان لوگوں سے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ بے محل عبادت کو رکھ کر نقصان اٹھایا یہ کہیں گے کہ جس آگ کی تم تکذیب کرتے تھے اور اس کو جھوٹ جانتے تھے آج اس کے عذاب کا مزہ

چکھو اور بلاشبہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق ہیں دنیا میں ہمارے پیغمبروں کا مذاق اڑایا کرتے تھے جب ان کے سامنے ہماری کھلی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو یہ لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ نہیں ہے یہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے مگر تم جیسا ایک مرد ہے چاہتا یہ ہے کہ تم کو ان چیزوں کی عبادت سے روک دے جن کو تمہارے آباء و اجداد قدیم زمانہ سے پرستش کرتے چلے آرہے تھے یعنی اس مرد کا مدعا یہ ہے کہ تم کو بت پرستی سے روک دے اور اپنے خود ساختہ آئین کا تم کو تابع بنائے اور یہ کہا کہ نہیں ہے یہ کلام جو یہ مرد پڑھتا ہے مگر جھوٹ اپنی طرف سے بنا کر خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا اور کافروں نے اس امر حق کی بابت یعنی قرآن کی بابت جب ان کے پاس پہنچا یہ کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے حالانکہ ان کو تو چاہیئے تھا کہ اس نعمت غیر مترقبہ اور اس علم و ہدایت کی قدر کرتے اس لیے کہ ہم نے اس قرآن سے پہلے کفار مکہ کو ایسی کتابیں نہیں دی تھیں جنہیں یہ پڑھتے ہوں اور اسے پڑھ کر شریعت الہٰی کا علم ہوتا اور نہ آپ سے پہلے ان کی جانب کوئی ڈرانے والا بھیجا جو ان کو حق کی دعوت دیتا اور عذاب الہٰی سے ڈراتا۔ بنی اسرائیل کی طرف تو رسول بھی آئے اور ان کی ہدایت کے لیے کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ مشرکین عرب کے حق میں تو نبی کی بعثت اور قرآن کا نزول بالکل ایک نئی نعمت اور دولت تھی ان کو چاہیئے تھا کہ اس کی قدر کرتے اور اس پر ایمان لاتے مگر ان لوگوں نے اس کی قدر نہ کی اور جو ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی انبیاء کی تکذیب کی اور یہ مشرکین عرب تو اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے اگلے کافروں کو دیا تھا یعنی جو مال و دولت اور اولاد کی کثرت اور جسمانی قدرت ان کو دی تھی مشرکین عرب کو ان کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا پس اگلے کافروں نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی پس دیکھ لو کہ ان پر کیسا عذاب آیا کہ بالکل نیست و نابود کر دیئے گئے ان کی اجڑی ہوئی بستیوں سے عبرت پکڑو۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ

تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو، کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو

فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ

اور ایک ایک پھر دھیان کرو۔ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں۔ یہ تو

هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

ایک ڈرانے والا ہے تم کو، آگے آگے ایک بڑی آفت کے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا تھا کچھ نیگ۔ سو تمہیں کو پہنچے میرا نیگ ہے

عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ

اسی اللہ پر، اور اسی کے سامنے ہے ہر چیز۔ تو کہہ میرا

رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ

رب پھینکتا جاتا ہے سچا دین وہ جاننے والا چھپی چیزیں۔ تو کہہ آیا دین سچا۔

وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ

اور جھوٹ کو نہ پہلا وار نہ دوسرا۔ تو کہہ اگر میں بہکا ہوں

فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا

تو یہی کہ بھکوں گا اپنے بُرے کو۔ اور اگر میں سوجھا ہوں تو اس سبب

یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ

سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب۔ وہ سنتا ہے نزدیک۔ اور کبھی تو دیکھے جب

فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّ

یہ گھبرا دیں گے، پھر بھاگے نہیں بچتے۔ اور پکڑے آئے نزدیک جگہ سے۔ اور

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ

کہنے لگے، ہم نے اس کو یقین مانا۔ اب کہاں ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے دور جگہ

بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾ ۚۖ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَیَقْذِفُوْنَ

سے۔ اور اس سے منکر ہو رہے آگے سے اور پھینکتے رہے

بِالْغَیْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ

بن دیکھے نشانے پر دور جگہ سے۔ اور اٹکاؤ پڑ گیا ان میں اور

بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْیَاعِهِمْ مِّنْ

جو ان کا جی چاہے ان میں جیسا کیا گیا ہے ان کے راہ والوں سے

قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ (۵۴)

پہلے - وہ لوگ تھے دھوکے میں جو چین نہ لینے دیتا -

خاتمۂ سورت بر کلمۂ حکمت و موعظت

قال اللہ تعالےٰ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ---- الیٰ ---- اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۔

(ربط) ابتدائے سورت سے یہاں تک توحید اور رسالت اور قیامت تینوں مضمون بیان ہوئے اب سورت کو ایک نصیحت پر ختم فرماتے ہیں جس سے توحید اور رسالت اور قیامت یعنی دین کے اصول ثلاثہ کی حقانیت واضح ہو جائے۔ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ سے توحید کی طرف اشارہ ہے اور مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ - سے رسالت کی طرف اشارہ ہے اور بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ سے یوم آخرت کیطرف اشارہ ہے تفسیر کبیر ص۲۴ ج ۷۔

اور قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ سے مشرکین کے اس شبہ کو قطع کرنا ہے کہ آپ کا فرمانا کسی طمع اور غرض پر مبنی نہیں بلکہ فقط تمہاری ہدایت اور اصلاح مقصود ہے۔

اور اس ذیل میں کافروں کے گزشتہ شبہ کا جواب بھی دے دیا گیا کہ مال اور اولاد کی کثرت کسی کو اللہ کے قہر اور عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ مال و دولت والے ہلاک ہوئے اور خدا کے رسول غالب ہوئے ان واقعات کے بیان کرنے کے بعد کافروں کو غور و فکر کرنے کی نصیحت کرتے ہیں تاکہ کافروں پر نبی کریمؐ کی حقانیت اور صداقت واضح ہو چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپؐ ان کافروں سے جو آپؐ کی نبوت کے منکر ہیں کہہ دیجئے کہ میں تم کو ایک مختصر بات کی نصیحت کرتا ہوں وہ یہ کہ تم محض خدا کے لیے دو دو یا ایک ایک کھڑے ہو پھر خدا کی طرف متوجہ ہو کر غور و فکر کرو اور ابتدا سے لے کر اس وقت تک میرے تمام احوال اور اطوار کو یاد کرو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے تمہارے اس ساتھی میں جنون کا نام و نشان نہیں جیسا کہ تم بغیر سوچے سمجھے گمان کیے ہوئے ہو اس کا حال دیکھو اور اس کا قال سنو اس کی ہر بات سے کمال عقل ظاہر ہے اس کی ہر بات حکمت اور ہدایت سے لبریز ہے وہ نہ مفتری ہے اور نہ دیوانہ ہے صرف خدا کا رسول ہے اس کی کچھ شان نہیں سوائے اس کے کہ وہ تم کو آئندہ کے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے اور آئندہ کی مصیبت اور آفت سے ڈرانا کمال عاقبت اندیشی ہے اور ناصح حقیقی ہونے کی دلیل ہے اے نبی آپؐ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس نصیحت پر کچھ بدلہ اور صلہ نہیں چاہتا جو کچھ کہتا ہوں اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے اور اس پر یہ کہتا ہوں کہ میں تم سے جو کچھ عوض اور بدلہ مانگوں وہ سب تمہارے واسطے ہے وہ تم ہی رکھو مجھے تم سے اجر کی طلب اور آرزو

نہیں میرا اجر میرے اللہ پر ہے۔ اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے وہی مجھے میرے کام کا اجر دے گا اب بھی تم اگر نہ مانو تو تم جانو وہ میری نبوت اور صداقت اور اخلاص اور بے غرضی پر گواہ ہے اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ تحقیق میرا پروردگار اوپر سے مجھ پر حق پھینکتا جاتا ہے اور باطل پر گراتا جاتا ہے۔ تاکہ باطل پاش پاش ہو جاوے وہ علّام الغیوب ہے اس کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ حق کو اوپر سے اتارے گا اور باطل پر گرائے گا اور حق کے گرنے سے وہ باطل چور چور ہو جائے گا۔ اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ اب حق آگیا اور اب اس کے سامنے باطل فروغ نہ پائے گا اور باطل کو نہ پہلی بار ظہور ہوتا ہے اور نہ دوسری بار۔ اب دن بدن باطل مٹتا چلا جائے گا اسی سے تم کو میری صداقت اور نبوت کا یقین ہو جانا چاہیئے۔ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے گمان میں بالفرض میں گمراہ ہوں تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ میں اپنی ذات پر گمراہ ہوں اس گمراہی کا ضرر مجھ کو ہی پہنچے گا۔ میری گمراہی سے تم کیوں اس قدر بیتاب اور پریشان ہو اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس سبب سے ہے کہ میرا پروردگار مجھ پر وحی بھیجتا ہے تحقیق میرا پروردگار سننے والا ہے اور میرے نزدیک ہے اس کی رحمت اور عنایت کبھی مجھ سے جدا نہیں ہوتی۔

تتمہ تہدید منکرین و مکذبین

(ربط) گزشتہ آیت میں منکرین اور مکذبین کی تہدید اور توبیخ تھی۔ کما قال تعالیٰ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ اب ان آیات میں اسی تہدید اور توبیخ کا تتمہ ہے۔ شیخزادہ ص۸۷ ج۴۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ منکرین اور مکذبین کو یہ معلوم رہنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جب چاہے ان کو قریبی جگہ سے اور ان کے قدموں سے پکڑ کر زمین کے اندر پہنچا دے (ذکر روایت ابن عباسؓ مشتمل بر قصۂ عجیبہ تفسیر عزیزی ص۲۳۳) اس لیے اب آئندہ آیات میں کافروں کے حسرتناک انجام کو بیان فرماتے ہیں۔

اے پیغمبر کاش آپ اس وقت کو دیکھیں کہ جب یہ لوگ بروز قیامت یا بوقت موت گھبرائیں گے اور بھاگنے کی کوشش کریں گے پس بھاگ نہیں سکیں گے۔ عذاب سے بچ جانے کا کوئی مفر نہ ہو گا کسی طرف بھاگ کر نہیں نکل سکیں گے اور قریب ہی جگہ سے پکڑ لیے جاویں گے یعنی بہت ہی آسانی کے ساتھ فوراً گرفتار کر لیے جائیں گے اور اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم دین حق پر ایمان لے آئے اور یقین کر لیا کہ تیرے پیغمبروں نے جو کہا تھا وہ سب حق تھا اور تمنا کریں گے کہ ہم کو دنیا میں لوٹا دیا جائے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور اتنی دور جگہ سے ایمان کا پکڑنا اور وہاں تک ان کا ہاتھ پہنچنا کیسے

ممکن ہے ایمان کے پکڑنے کی قریبی جگہ تو دنیا تھی اب جب کہ دنیا سے چل کر دار آخرت میں پہنچ گئے تو یہ تو دار الجزاء ہے جو بہت ہی دور ہے اتنی دور سے ایمان کو کیسے پکڑ سکتے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ پہلے اس حق کا انکار کرتے تھے اور اس سے پہلے دنیا میں بے دیکھے دور جگہ سے اٹکل کے تیر چلاتے تھے اور نبی کو ساحر اور شاعر اور مجنون بتلاتے تھے اور بعث اور حشر و نشر کا انکار کرتے تھے اور شہوات کے نشہ میں چور تھے اب آنکھیں کھلیں تو ایمان کی سوجھی خوب سمجھ لو کہ اب تم ایمان کی جگہ سے بہت دور آگئے ہو اتنی دور جگہ سے ایمان تک ہاتھ پہنچنا محال ہے اور اب ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا ہے قبول ایمان کے بارہ میں ان کی آرزو پوری نہ ہوگی ایمان حاصل کرنے کی جگہ دنیا تھی وہ دور ہوگئی ؎

سدا دور دوراں دکھاتا نہیں گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

جیسا کہ ان کے ہم مشرب کافروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا جو ان سے پہلے کفر کر چکے ان میں اور انکی خواہشوں میں پردہ ڈال دیا گیا کہ ان کی آرزو پوری نہ ہوئی اور آخرت میں بھی ان کا ایمان مقبول نہ ہوگا۔

تحقیق یہ سب لوگ جب دنیا میں تھے تو ایسے دریائے شک میں غرق تھے کہ جو ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جب کہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب ایمان کا وقت تھا تو سخت شک اور اضطراب میں پڑے رہے لہٰذا اب ایمان قبول نہ ہوگا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آج بتاریخ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ یوم پنجشنبہ بوقت ۷ بجے صبح سورۂ سبا کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا۔

اے اللہ اپنی رحمت سے اس کو قبول فرما اور باقی تفسیر کے اتمام اور اکمال کی توفیق عطا فرما اور اپنی عبدیت اور انابت اور شکر نعمت سے سرفراز فرما اور خاتمہ بالخیر فرما آمین یارب العالمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃُ فَاطِرٍ

یہ سورت مکی ہے جس میں پینتالیس ۴۵ آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔ اس سورت کا نام "فاطر" ہے جس کے معنی خالق اور قاہر کے ہیں اس سورت میں خدا تعالے کے فاطر اور قادر اور قاہر اور خالق اور رازق ہونے کا بیان ہے جس کے شروع ہی میں اللہ تعالے کی خالقیت اور اس کی رازقیت اور اس کی مشیت کو بیان فرمایا۔

اور اس سورت کا نام "سورۃ الملائکہ" بھی ہے چونکہ اس سورت میں ملائکہ کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کو سورۃ الملائکہ بھی کہتے ہیں۔ گزشتہ سورت میں اس امر کا ذکر تھا کہ مشرکین نے فرشتوں کو اپنا معبود ٹھہرایا ہے۔ اب اس سورت میں اللہ تعالے نے فرشتوں کا ذکر کیا کہ وہ بھی اللہ کی ایک مخلوق ہے اور حکم خداوندی کے لیے مسخر ہے اور تابع فرمان الٰہی ہے دن رات اللہ کی عبادت اور بندگی میں لگے ہوئے ہیں وہ کیسے خدا ہو سکتے ہیں گذشتہ سورت میں یہ ذکر تھا کہ مشرکین فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ کما قال تعالے ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اَہٰۤؤُلَآءِ اِیَّاکُمۡ کَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ اس لیے اس سورت کے شروع میں فرشتوں کا احکام خداوندی کی تعمیل اور بجا آوری میں مشغول ہونا بیان کیا تاکہ ان کی عبدیت ظاہر ہو کہ فرشتے خدا کے بندے ہیں اور تابع فرمان الٰہی ہیں وہ کیسے کسی کو اپنی عبادت کا حکم دے سکتے ہیں۔

یہ سورت ان پانچ سورتوں کی آخری سورت ہے جن کا آغاز الحمد سے ہوا ان سورتوں میں اللہ تعالے نے چار نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور تمام نعمتوں کی اصل یہی چار نعمتیں ہیں جن کا مجموعہ سورۂ فاتحہ میں مذکور ہے۔ پہلی نعمت ایجادِ اوّل ہے اور دوسری نعمت بقاءِ اوّل ہے۔ اور تیسری نعمت ایجادِ دوم ہے اور چوتھی نعمت بقاءِ دوم ہے تاکہ بندے ان نعمتوں سے آگاہ ہوں اور اللہ کی حمد و ثناء کریں۔ ایجاد اوّل اور بقاء اوّل سے دنیاوی زندگی اور سامانِ حیات مراد ہے اور ایجاد دوم اور بقاء دوم سے اُخروی زندگی اور آخرت کی بقاء اور دوام مراد ہے اور یہ ایجاد دوم اور بقاء دوم سب سے اعلیٰ اور ارفع نعمت ہے انسانی پیدائش اور دنیاوی زندگی کا آخری انجام یہی اُخروی بقاء اور دوام ہے۔ سورۂ سبا میں زیادہ تر دنیاوی زندگانی اور اس کی نعمتوں کا بیان تھا اور اس سورت میں زیادہ تر اُخروی اور روحانی زندگی اور اس کے بقاء اور دوام کا ذکر ہے۔ اور اسی ذیل

میں اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت کے انعامات کو اور اہل شقاوت کی مصیبتوں اور ذلتوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا اس لیے کہ سعادت سے بڑھ کر کوئی رحمت اور نعمت نہیں اور شقاوت سے بڑھ کر کوئی ذلت اور مصیبت نہیں۔

سورۂ الحمد میں مبداء اور معاد کی تمام نعمتوں کا اجمالاً ذکر کیا اور باقی ان چار سورتوں میں کسی جگہ کسی نعمت کو تفصیل کے ساتھ اور کسی نعمت کو اجمال اور ایجاز کے ساتھ بیان کیا اور چونکہ یہ سورت ان پانچ سورتوں میں کی آخری سورت ہے جن کو الحمد سے شروع فرمایا اس لیے اس سورت میں آخری انجام یعنی سعادت اور شقاوت کا کافی بیان فرمایا۔ لہٰذا عاقل اور دانا کا کام یہ ہے کہ انجام کی فکر کرے اور اللہ کے وعدہ کو حق جانے اور شیطان کے دھوکہ میں نہ آئے اور بُرے اعمال کو اچھا نہ سمجھے آخرت کی عزت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے اور آخرت کی فکر اور اس کی تیاری یہی سعادت ہے اور آخرت کا انکار اور اس سے غفلت یہی شقاوت ہے۔

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

آیاتھا ۴۵ ۳۵ سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ ۴۳ رکوعاتھا ۵

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۴۵ آیات اور ۵ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ

سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین، جس نے ٹھہرائے فرشتے

رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِى

پیغام لانے والے جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار۔ بڑھاتا ہے

الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱ مَا

پیدائش میں جو چاہے، بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے - جو

يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا

کھول دے اللہ لوگوں پر کچھ مہر، تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا اور جو

يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے سوا ، اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيْمُ ۝۲ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ

حکمتوں والا - لوگو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر -

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ

کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوا روزی دیتا تم کو آسمان اور

الْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳ وَاِنْ

زمین سے - کوئی حاکم نہیں مگر وہ - پھر کہاں سے الٹے جاتے ہو - اور اگر

يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَى

تجھ کو جھٹلاویں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول تجھ سے پہلے - اور اللہ

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

تک پہنچتے ہیں سب کام - لوگو! بے شک وعدہ اللہ کا

حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ

ٹھیک ہے، سو نہ بہکاوے تم کو دنیا کا جینا - اور نہ دغا دے تم کو

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ

اللہ کے نام سے وہ دغاباز - تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم سمجھ رکھو اُسکو

عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ۝۶

دشمن - وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کہ ہوویں دوزخ والوں میں -

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

جو منکر ہوئے ان کو سخت مار ہے ، اور جو یقین لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۷ اَفَمَنْ
اور کیے بھلے کام، ان کو ہے معافی اور نیگ بڑا ۔ بھلا ایک

زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ
شخص کہ بھلی سمجھائی اس کو اُس کے کام کی برائی، پھر دیکھا اس نے اسکو بھلا۔ کیونکہ اللہ بھٹکاتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ
جس کو چاہے، اور سجھاتا ہے جس کو چاہے۔ سو تیرا جی نہ جاتا رہے

نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا
اُن پر پچھتا پچھتا کر ۔ اللہ کو سب معلوم ہے جو

يَصْنَعُوْنَ ۝۸
کرتے ہیں ۔

تحمید خداوند حمید و مجید برائے اثبات توحید
و تذکیر نعم و تحذیر از نقم

قال تعالیٰ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ الیٰ ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ سورت کے اخیر میں کفار و مشرکین کی ہلاکت کا ذکر تھا کہ ان پر اللہ کا قہر نازل ہوا۔ اور ہلاک اور برباد ہوئے اور کافروں کی ہلاکت اور بربادی اللہ کی نعمت ہے جس پر شکر واجب ہے۔ کما قال تعالیٰ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اس لیے اس سورت کا آغاز اللہ کی حمد و ثناء سے کیا گیا (روح المعانی ص ۱۴۵ ج ۲۲) اور اسی ذیل میں اللہ تعالےٰ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا ذکر کر کے شکر پر متنبہ کیا اور ناشکری کے انجام سے ڈرایا۔

اس سورت کا زیادہ حصہ اثبات توحید اور ابطال شرک اور منکرین توحید اور منکرین قیامت کی تہدید اور توبیخ میں ہے اور بعض آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا ذکر ہے جو آپ کو کفار

کی تکذیب سے رنج وغم ہوتا تھا اور بعض آیات میں جزاء اور سزا اور ایمان اور عمل صالح کی عزت اور کفر اور اعمال سیئہ کی ذلت اور خواری کا بیان ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے اور دونوں سورتوں کے مضامین میں مناسبت ظاہر ہے پہلی سورت کی طرح اس سورت کو بھی اللہ تعالٰی نے اپنی نعمتوں کے حمد اور شکر سے شروع فرمایا اول اپنے آثار نعمت اور دلائل قدرت کو ذکر فرمایا تاکہ توحید ثابت ہو۔ بعدہٗ مسئلۂ رسالت بیان فرمایا۔ وَاِنْ یُّکَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اس کے بعد معاد کا مضمون بیان فرمایا۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔

چنانچہ فرماتے ہیں تمام ترحمد وثنا اسی خدائے پاک کے لیے لائق ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے عدم سے چیر[1] کر آسمان اور زمین کو نکالا اور وجود کا لباس ان کو پہنایا تاکہ دنیا اس کی قدرت کا جلوہ دیکھے اس لیے کہ یہ دونوں اس کی عجیب وغریب رحمتوں اور نعمتوں کے معدن اور مخزن ہیں جن کو دیکھ کر دنیا کے عقلاء حیران اور سرگرداں ہیں کہ سارا جہان زمین کے فرش پر آسمان کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے۔

آسمان اور زمین کے اختلاط اور امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے جیسے مرد اور عورت کے اختلاط اور امتزاج سے بچہ پیدا ہوتا ہے آسمان بمنزلہ مرد کے ہے اور زمین بمنزلہ عورت کے ہے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اسی طرح سمجھو کہ علوی اور سفلی کے امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے آسمان بمنزلہ فاعل کے ہے اور زمین بمنزلہ قابل کے ہے اور زمین کے ثمرات بمنزلہ اولاد کے ہیں جس کا اصل سرچشمہ آسمان ہے۔ کما قال تعالٰی وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔

پس تمام خوبی اللہ کے لیے ہے جو آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور اس خدا کے لیے ہے جو فرشتوں کا پیدا کرنے والا ہے اپنے نبیوں کی طرف ان کو اپنا قاصد اور ایلچی بنانے والا ہے کہ آسمان سے اللہ کا پیغام لے کر جلد آسمان سے اتریں اور پیغمبروں کو پہنچائیں تاکہ زمین سے گمراہی کی گندگی دور ہو اور وحی اور الہام اور رؤیائے صالحہ سے شیاطین کے وسوسوں کی ظلمت دور ہو پھر یہ فرشتے جو اللہ کا پیغام لے کر آسمان سے زمین پر اترتے ہیں اور پھر زمین سے آسمان پر چڑھتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالٰی نے پروں والا اور بازو والا بنایا ہے تاکہ ان پروں کے ذریعے عالم بالا کی پرواز کر سکیں اور اللہ کا حکم لے کر آسمان سے زمین پر جلد پہنچیں۔ غرض یہ کہ فرشتوں کے پر اور بازو ہیں دو دو اور تین تین

---

[1] "فطر" کا اصل مادہ لغت میں شک کے لیے ہے چنانچہ انفطار اور تفطر اسی سے ماخوذ ہے۔ اس ترجمہ میں فاطر کے اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔

اور چار چار اور یہ بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے بازو بھی نورانی ہیں اور اصل حقیقت اور کیفیت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پھر خدا کے پیغمبر جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے وہی کچھ ان کا حال بتا سکتے ہیں فلسفی اور سائنس دان دائرۂ محسوسات میں صرف اتنا بتلا سکتے ہیں کہ کبوتر کے دو بازو ہیں اور دو پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اُڑتا ہے مگر کس طرح اڑتا ہے اور اس کے طیران (اڑنے کی) حقیقت اور کیفیت کیا ہے یہ بیان نہیں کر سکتا اور یہ فلسفی دو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور دو پیروں سے چلتا ہے مگر اپنے دیکھنے اور چلنے کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر اور عاجز ہے اور اگر اس فلسفی کی چار آنکھیں اور چار پیر ہوتے تو کیسے دیکھتا اور کیسے چلتا یا دو زبانیں ہوتیں تو کیسے بولتا یہاں فلسفی دم بخود ہے فلسفی خدا تعالے کے متعلق تو خوب زبان چلاتا ہے ذرا اپنے متعلق بھی تو کچھ زبان چلائے اور ہلائے جو خدا دو پیر اور دو آنکھیں دینے پر قادر ہے وہی خدا چار آنکھیں اور چار پیر دینے پر بھی قادر ہے اور وہی خدا دونوں آنکھیں پھوڑ دینے اور دونوں ٹانگیں توڑ دینے پر بھی قادر ہے۔ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اس کی قدرت کے اعتبار سے دو اور چار اور توڑنا اور پھوڑنا اور جوڑنا سب برابر ہے۔ اور بڑھاتا ہے وہ فاطر (قادر) پیدائش میں کمیت اور کیفیت اور صورت اور صفت کے اعتبار سے جو چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ لہٰذا فرشتوں کے تین چار بازو سُن کر تعجب نہ کرنا چاہیئے اس کی صنعت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا وہ قادر مطلق اور خالق مطلق ہے جس طرح چاہے بنائے اس نے اپنی قدرت اور حکمت سے جس مخلوق کی خلقت اور صنعت میں جتنی چاہی زیادتی کر دی کسی کو دو پایہ بنایا اور کسی کو چار پایہ اور کسی کو چہل پایہ (کنکھجورا) بنایا مکھی کی آنکھ بظاہر ایک دکھائی دیتی ہے مگر انکشافات جدیدہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جب بذریعہ خوردبین دیکھو تو اس کی آنکھیں آٹھ ہزار سے زیادہ نظر آتی ہیں۔ لوگوں کے حواس خمسہ کم و بیش اور مختلف ہیں کوئی کم دیکھتا ہے اور کوئی زیادہ اور کوئی کم سنتا ہے اور کوئی زیادہ۔ کسی کو عقل اتنی زیادہ دی کہ آسمان تک پرواز کر سکے۔ کسی کو بے بال و پر بنایا۔ اسی طرح اللہ تعالے نے اپنی کسی حکمت سے فرشتوں کی خلقت میں تفاوت رکھا کسی کے دو اور کسی کے تین اور کسی کے چار بازو بنائے اور کسی کے اس سے بھی زیادہ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے شب معراج میں جبریل کو دیکھا کہ اس کے چھ سو بازو ہیں۔

زجاج ؒ اور فراءؒ اور جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ میں جس زیادتی کا ذکر ہے وہ ملائکہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے ہر خلقت و صنعت اور قد و قامت اور حواس ظاہرہ اور باطنہ سب کو شامل ہے جس میں حُسنِ صورت اور حُسنِ سیرت اور آنکھوں کی ملاحت اور زبان کی حلاوت اور خوش آوازی اور نغمۂ دلکش اور جسامت اور جسمانی قوت اور عقل کی جودت اور متانت وغیرہ وغیرہ سب يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ میں داخل ہے کسی خاص نوع کے ساتھ مخصوص نہیں اور

امام رازیؒ نے تفسیر میں اسی عموم کو اختیار کیا ہے اسی طرح سمجھو کہ فرشتے اللہ کی ایک نورانی مخلوق ہے جو ہوا سے زیادہ لطیف ہے اور ان کی خلقت اور پیدائش میں اس نے اپنی حکمت سے تفاوت رکھا ہے کسی کو دو پر عطا کیے۔ اور کسی کو تین اور کسی کو چار اور کسی کو اس سے بھی زیادہ۔ وہ قادر مطلق اور حکیم مطلق ہے وہ اپنی پیدائش اور بناوٹ میں جو کمی اور زیادتی جانتا ہے اس پر کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں سارا عالم اس کی قدرت کے سامنے اور سارے عالم کی عقلیں اس کے علم وحکمت کے سامنے بے بال و پر ہیں کسی کی مجال نہیں اس کے آسمان قدرت وحکمت تک پرواز کر سکے۔ جسم انسانی کی طرح روح انسانی کی بھی ایک خاص شکل اور خاص ہیئت ہے مگر وہ لطیف اور مجرد من المادہ ہے اور لطافت کی وجہ سے ادراک اور احساس سے بالا اور برتر ہے روح کی شکل اور ہیئت کو انسان کی ظاہری ہیئت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح فرشتوں کے پروں اور بازوؤں کو پرندوں کے پروں اور بازوؤں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

نکتہ طیور یعنی پرندے جسم خاکی ہیں اللہ تعالے نے ان کو خلاء میں پرواز کرنے کے لیے پر عطا کیے۔ فرشتے جسم نورانی ہیں اللہ تعالے نے ان کو عالم بالا کی پرواز کے لیے نورانی پر عطا کیے جن کی دلفریبی کی کوئی حد نہیں جسم طیور چونکہ خاکی ہے اس لیے بالطبع مائل بہ سفل (پستی) ہے اور ملائکہ نورانی ہیں اس لیے بالطبع مائل بہ عُلُو (بلندی) ہیں۔ اور چونکہ فرشتے تدابیر عالم پر مامور ہیں اس لیے اللہ تعالے نے ان کو نورانی اور لطیف بال و پر عطا کیے تاکہ عالم علوی اور عالم سفلی کے ہبوط اور صعود میں ان کو مدد دیں (ماخوذ از تفسیر عزیزی صـ۲۳۴)

اور وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ کوئی اس کی قدرت میں مزاحم نہیں اس لیے کہ اللہ تعالے لوگوں کے لیے جس جسمانی یا روحانی رحمت اور نعمت کا دروازہ کھول دے جیسے بارش اور روزی اور نعمت وصحت اور امن وعافیت اور علم وحکمت اور ایمان اور ہدایت۔ اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ روک لے تو کوئی اس کو چھوڑنے والا نہیں اور وہی زبردست اور حکمت والا ہے اس کا کھولنا اور بند کرنا سب حکمتوں پر مبنی ہے جس بندہ کو اللہ تعالے نے کوئی فضیلت اور نعمت عطا کی اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے خدا نے کوئی نعمت اور فضیلت روک لی اسے کوئی دے نہیں سکتا تمام خزائن رحمت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

اے لوگو جب تم نے دیکھ لیا کہ تمام نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے اسی کے دستِ قدرت میں ہیں تو تم اپنے اوپر اللہ کے انعام اور احسان کو یاد کرو۔ اور اپنے منعم اور محسن کا شکر کرو کہ اس نے تم کو عدم سے نکال کر وجود عطا کیا اور بے شمار نعمتیں تم کو عطا کیں اور اس نے تم کو رزق اور سامان بقا دیا ہوشیار ہو جاؤ مطلب یہ ہے کہ نعمت کو یاد کر کے منعم کو پہچانو کہ کس نے تم کو یہ نعمت دی۔ بھلا کیا اللہ کے سوا تمہارا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے کہ آسمان سے بارش برسائے اور زمین سے

نباتات اُگائے کوئی نہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جب اللہ کی حجت تم پر قائم ہوگئی تو پھر کہاں پھرے جاتے ہو کہ توحید کو چھوڑ کر شرک میں اوندھے گرے جا رہے ہو۔ آپ توحید کے بعد آپؐ کی رسالت کو ذکر کرتے ہیں جو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اگر یہ لوگ دربارۂ توحید و رسالت و قیامت آپ کو جھٹلائیں تو آپؐ غم نہ کریں آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے انہوں نے صبر کیا آپؐ بھی صبر کیجئے اور اگر دنیا میں حق کا اثر ظاہر نہ ہوا تو آخرت میں تمام امور اسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے نہ کہ اس کے غیر کی طرف۔ وہاں آپؐ کو صبر کی جزاء اور ان کو تکذیب کی سزا دے گا آپؐ نے نصیحت کر کے دنیا میں ان پر حجت قائم کر دی۔ اے لوگو تحقیق دار آخرت اور قیامت اور جزا اور سزا کے متعلق اللہ کا وعدہ بالکل حق اور درست ہے پس یہ دنیاوی زندگی اور اس کی زینت اور آرائش اور اس کی عیش و عشرت اور آسائش تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے یہ دنیا فانی ہے دائمی نہیں اور ایسا نہ ہو کہ کوئی دھوکہ باز تم کو دھوکہ دے دے اور پیغمبروں کی پیروی سے تم کو روک دے اور آخرت سے تم کو بے فکر کر دے۔ تحقیق یہ شیطان تمہارے باپ کی طرح تمہارا بھی دشمن ہے۔ تمہاری تاک میں ہے۔ پس تم اس کو اپنا دشمن سمجھے رکھو کسی بات میں اس کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھنا۔ ہوشیار رہو اس کے کہنے سے اللہ کی معصیت نہ کرنا معصیت تو معصیت طاعت میں بھی اس سے ہوشیار رہو کہیں ریا اس میں داخل نہ کر دے۔ جز ایں نیست کہ یہ مکار اپنے گروہ کو دنیا کی دعوت دیتا ہے تاکہ انجام کار وہ لوگ بھی اس کے ساتھ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں اور اس کے یاروں اور مصاحبوں میں سے ہو جائیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ انبیاءؑ کی دعوت اور شیطان کی دعوت دونوں تمہارے سامنے ہیں اور اس کا قبول کرنا تمہارے اختیار میں ہے لہٰذا جو لوگ کافر ہوئے اور شیطان کے کہنے پر چلے ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جن لوگوں نے باوجود حق تعالےٰ کی تنبیہ اور نصیحت کے شیطان کا اتباع کیا وہ اہل شقاوت ہیں جن کا انجام دائمی عذاب ہے اور جن لوگوں نے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے یہ لوگ اہل سعادت ہیں۔ جن کو وہم و گمان سے بڑھ کر نعمتیں ملیں گی پس کیا وہ شخص جس کو اس کے برے اعمال مزین اور آراستہ کر کے دکھلائے گئے اور پھر اس نے اس کو اچھا سمجھا ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے ہرگز نہیں پس خوب سمجھ لو کہ یہ حق اور باطل کی تمیز من جانب اللہ ہے تحقیق اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پس آپ کا نفس ان گمراہوں پر حسرتیں نہ کرے بلکہ خداوند علیم و خبیر پر چھوڑ دے کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کو اللہ خوب جانتا ہے لہٰذا آپؐ ان کی گمراہی پر رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں بھلے اور برے کا فرق ان پر واضح ہو چکا تھا۔ اللہ کی حجت ان پر پوری ہو چکی اور اللہ کو پہلے سے اس کا علم تھا۔

لطائف و معارف

ذکر اقوال مختلفہ دربارۂ حقیقت ملائکہ علیہم السلام

۱- اہل اسلام کے نزدیک ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام ہے جو نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور لطیف ہیں اور ہر صورت اور شکل میں نمودار ہو سکتے ہیں صورت اور شکل ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتی ہے کھانے اور پینے اور توالد اور تناسل سے اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے پاک اور منزہ ہیں ذکر الٰہی ان کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو افعال قویہ پر قدرت دی ہے۔ اور یہ باتیں قرآن کریم کی بے شمار آیات اور بے شمار احادیث سے اور صحابہ اور تابعین کے اجماع سے ثابت ہیں اور تمام کتب سماویہ توریت اور انجیل اور زبور سب کی سب فرشتوں کے اقرار اور اعتراف اور ان پر ایمان کے بارہ میں متفق ہیں لہٰذا فرشتوں کا انکار اور فرشتوں کے نزول کا انکار سب کفر ہے اس لیے کہ یہ باتیں دلیل قطعی سے ثابت ہیں۔

۲- قدیم فلاسفہ کے نزدیک ملائکہ ارواح مجردہ کا نام ہے یعنی ایسے حقائق کا نام ملائکہ ہے جو بذات خود قائم ہوں اور لوازم مادہ سے بالکلیہ پاک اور بری ہوں اور وہ نفوس ناطقۂ انسانی سے ایک علیحدہ نوع ہے جو صاحب ادراک و شعور ہے۔ یہ قدیم فلاسفہ کا مذہب ہے۔

۳- اور فلاسفۂ عصر سرے سے وجود ملائکہ کے منکر ہیں۔

۴- اور نصاریٰ کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ملائکہ ان نفوس ناطقہ کا نام ہے جو انسانی جسموں سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہوں تو وہ ملائکہ ہیں اور اگر بد ہوں تو شیاطین ہیں۔

۵- بعض بت پرستوں کا مذہب یہ ہے کہ ارواح کواکب کا نام ملائک ہے جو سعادت اور نحوست کا اثر دنیا پر ڈالتے ہیں۔

۶- اور مجوس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم کی اصل دو چیزیں ہیں۔ نور اور ظلمت۔ نور ہمیشہ اخیار اور پسندیدہ لوگوں کو پیدا کرتا رہتا ہے یہ گروہ ملائکہ کا گروہ ہے۔ اور ظلمت خبیث اور شریر لوگوں کو پیدا کرتی ہے ان کا نام شیاطین ہے۔

۷- نیچریوں کے نزدیک جو ہر چیز کو نیچر کا اثر مانتے ہیں۔ ملائکہ اجسام نورانیہ کا نام نہیں بلکہ ان قوائے فطریہ کا نام ملائکہ ہے جو نیکی کی طرف میلان پیدا کرتی ہے اور جو قوتیں برائی کی طرف کھینچتی ہیں ان کا نام شیاطین ہے یہ زمانۂ حال کے نیچریوں کا مذہب ہے جو سرسید علی گڑھی کے پیرو ہیں اور سرسید نے

جس بے باکی سے ملائکہ اور شیاطین کے وجود کا انکار کیا ہے اور آیات اور احادیث میں جو تحریف کی ہے یہود اور نصاریٰ میں بھی اس تحریف کی نظیر نہیں۔

نیچریوں کا یہ عقیدہ صریح الحاد اور زندقہ ہے اور صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے سرسید کے نزدیک فرشتہ ایک قوت کا نام ہے جو دکھائی دینے کے قابل نہیں اور قرآن اور حدیث سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہے کہ فرشتہ ایک جسم لطیف کا نام ہے جس کا دکھائی دینا ممکن ہے اور انبیاء کرامؑ نے فرشتوں کا مشاہدہ کیا ہے اور مرنے کے وقت ہر شخص فرشتوں کو دیکھتا ہے اور قیامت کے دن کافر بھی فرشتوں کو دیکھیں گے۔ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ اور حدیث میں ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر اذان دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے۔

غرض یہ کہ نیچریوں کا یہ عقیدہ کہ ملائکہ قوائے فطریہ کا نام ہے۔ صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے از رُوئے اسلام ملائکہ ایک ایسی لطیف اور نورانی مخلوق کا نام ہے جو عالم مادی کے ظلمات سے پاک اور منزہ ہے اللہ کی مخلوقات کی کوئی شمار نہیں اس کی بے شمار مخلوقات میں سے ایک نوع فرشتوں کی بھی ہے جو تمام انواع مخلوقات سے علیحدہ اور جدا ہے اور عالم مادی کی صفات اور کیفیات سے مبرا ہے۔

اب ہم چند آیات قرآنیہ پیش کرتے ہیں جو اس خیال خام کے قلع قمع کے لیے کافی ہیں۔

۱۔ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوائے فطریہ کے کچھ پَر اور بازو لگا رکھے ہیں۔

۲۔ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ۔

یعنی فرشتے عرش عظیم کو گھیرے ہوئے ہیں۔

۳۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ۔

قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا عرشِ عظیم کو گھیرے میں لینے والے اور اس کو اٹھانے والے یہ قوائے فطریہ ہیں۔

۴۔ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ اور مؤمنین صالحین نبی کے دوست اور معین اور مددگار رہیں۔

۵۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر دروازہ سے جنت میں داخل ہوں گے اور اہلِ جنّت کو سلام کریں گے۔

۶۔ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اہلِ دوزخ قوائے فطریہ سے یہ درخواست کریں گے کہ آپ خدا تعالیٰ سے ہماری موت کا قطعی فیصلہ کرا دیجئے۔

۷۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کے الفاظ اور حروف کی نگرانی کرتے ہیں۔

۸۔ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے اللہ نے قوائے فطریہ کو مقرر کیا ہے۔

۹۔ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔

کیا ان نیاچرہ کے نزدیک قوائے فطریہ ان کے اعمال کی کتابت کرتے ہیں۔

۱۰۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بعض قوائے فطریہ کو اپنا ایلچی اور سفیر بنا رکھا ہے۔

۱۱۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ خدا کے معزز بندے ہیں۔

۱۲۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن قوائے فطریہ خدا کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔

۱۳۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ پڑھتے رہے ہیں۔

۱۴۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ۔

کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ ہر وقت خدا تعالےٰ کے سامنے صف بستہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں۔

۱۵۔ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ مثلاً کشش ثقل اور قوت اتصال خوفِ خداوندی سے ڈرتے رہتے ہیں۔

۱۶۔ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ موت کے وقت اہلِ ایمان پر قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے ہر انسان

کے قوائے فطریہ پہلے ہی سے موجود ہیں۔

۱۷۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ۔

کیا شب قدر میں قوائے فطریہ کا نزول ہوتا ہے۔

۱۸۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ ۱۹۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔

کیا ان آیات کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ انسان کی روح قبض کرتے ہیں۔

۲۰۔ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ۔

کیا آیت کا یہ مطلب ہے کہ قوائے فطریہ جب کفار کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو ان کے منہ اور دُبُر (سرین) پر کوڑے مارتے ہیں۔

۲۱۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔

کیا جہنم پر انیس قوائے فطریہ کا پہرہ ہے۔

۲۲۔ زنان مصر نے یوسف علیہ السلام کے جمال بیمثال کو دیکھ کر یہ کہا مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔ یہ تو بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے تو کیا زنان مصر کے نزدیک یوسفؑ کسی قوت فطریہ کا نام تھا اور کسی آدمی کا نام نہ تھا۔

الغرض اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جو اس جنون اور بکواس کو رد کرتی ہیں کہ "ملائکہ قوائے فطریہ کا نام ہے"۔ صرف قصۂ پیدائش آدمؑ کو لے لیجئے جس میں ملائکہ کا سوال وجواب مذکور ہے کیا یہ سوال قوائے فطریہ کی طرف سے تھا۔ قرآن کریم میں ملائکہ کے انکار اور ان کی دشمنی اور عداوت کو کفر قرار دیا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔

کیا اس آیت میں قوائے فطریہ کی دشمنی کو کفر کہا گیا ہے۔ ہم نے آج تک کسی بیوقوف کو بھی نہیں سُنا کہ وہ اپنے قوائے فطریہ یعنی قوت باصرہ اور قوت سامعہ اور قوت غاذیہ اور قوت دافعہ اور قوت مفکرہ کو اپنا دشمن سمجھتا ہو۔

ان احمقوں سے کوئی پوچھے تو سہی کہ کیا کراماً کاتبین اور ملائکۃ الموت اور منکر ونکیر اور جنت وجہنم کے فرشتے۔ کیا ان سب سے قوائے فطریہ مراد ہیں۔

احادیث صحیحہ وصریحہ

اور جن احادیث صحیحہ وصریحہ میں ملائکہ اور ان کے اقوال اور افعال اور احوال کا ذکر آیا ہے وہ شمار سے باہر ہیں اور اس قدر صریح اور واضح ہیں کہ نہ مجال انکار کی ہے اور نہ گنجائش تاویل کی ہے۔ حدیث جبریلؑ جو ایک معروف ومشہور ہے جس میں حضورؐ کی وفات سے کچھ پہلے جبریل امینؑ کا آنا اور آنحضرتؐ

سے ایمان اور اسلام اور احسان اور قیامت کے متعلق سوال کرنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا مذکور ہے کیا یہ سب سوالات قوائے فطریہ کی طرف سے تھے جو لباس جبرئیلی میں نمودار ہوتے تھے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔

اطلاع جاننا چاہیئے کہ ملائکہ کا وجود قرآن اور حدیث سے صراحۃً ثابت ہے خان بہادر سرسید علی گڑھی اپنی تفسیر میں شد و مد سے وجود ملائکہ اور وجود شیاطین کا منکر ہے اور آیات قرآنیہ میں عجیب عجیب تاویلیں کرتا ہے۔ سرسید نے ملائکہ اور شیاطین کے بارہ میں جو تحریفات کی ہیں ان کو مولانا عبدالحق صاحب دہلوی نے اپنی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں نقل کر کے ان کا ہذیان اور بکواس ہونا ثابت کیا ہے ناظرین کرام مقدمۂ تفسیر حقانی جو تفسیر کے ساتھ چھپا ہوا ہے از صفہ ۲ تا صفہ ۶۰ ملاحظہ کریں۔

واللہ الہادی الی سواء الطریق۔

وجود ملائکہ پر فلاسفۂ حال کے شبہات اور اُن کے جوابات

فلاسفۂ حال چونکہ سرے سے وجود ملائکہ کے قائل نہیں اس لیے ہم ان کے چند شبہات مع جوابات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

پہلا شبہ منکرین ملائکہ کا ایک شبہ یہ ہے کہ اگر ملائکہ (فرشتے) اللہ کی کوئی مخلوق ہے اور موجود ہے تو ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتی۔

جوابات (۱) یہ ہے کہ فرشتے بوجہ لطافت کے نظر نہیں آتے ایک شیشہ میں صاف وشفاف ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی تو کیا اس وجہ سے کوئی فلسفی ہوا کے وجود کا انکار کر سکتا ہے۔

(۲) فلاسفۂ حال اس بات کے قائل ہیں کہ یہ تمام عالم ایک غیر محسوس مادہ سے بھرا ہوا ہے جسے ایتھر کہتے ہیں۔

(۳) نیز بہت سے اجرام ہوائی ایسے ہیں کہ آلات کے ذریعہ سے تو محسوس ہوتے ہیں بغیر آلات کے محسوس نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یہ امر ممکن ہے کہ ہم کسی چیز کو آلات نہ ہونے کی وجہ سے نہ دیکھ سکیں اگرچہ وہ چیز فی الواقع موجود ہے۔

کھانے میں اگر سنکھیا اور زہر ملا دیا جائے تو بسا اوقات وہ اتنا قلیل ہوتا ہے کہ انسان اس زہر کو نہ قوت باصرہ سے محسوس کر سکتا ہے اور نہ قوت شامہ سے مگر بندر اس کو سونگھ کر فوراً پہچان سکتا ہے۔ اور نیولا تو اسے دیکھ کر ہی پہچان لیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حق جل شانہ نے ان کا ادراک اور احساس انسان کو عطا

نہیں فرمایا اور دوسری کمتر مخلوق کو اس کا ادراک عطا فرمایا ہے تو کیا اسی طرح یہ ممکن نہیں کہ فرشتوں کا ادراک اور احساس حضرات انبیاء کو عطا کیا ہو اور عام انسانوں کو ان کا ادراک نہ عطا کیا ہو۔ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جانوروں کو یہ احساس دیا گیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ مرغ فرشتہ کو دیکھ کر بولتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے۔ شہد کی مکھی کبھی راستہ نہیں بھولتی یہ قوتِ حافظہ انسان کو نہیں دی گئی۔ چیونٹی سوراخ کی گہرائیوں میں سے مٹھائی کی خوشبو محسوس کر لیتی ہے یہ اس کی قوت شامہ ہے بندر اور بہت سے حشرات الارض اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھتے ہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ ہزاروں میل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو بغیر ریڈیو کے نہیں سنائی دے سکتیں ہزاروں میل کی آواز سننے کے لیے اس آلہ کا ہونا شرط ہے لہٰذا جس کے پاس ریڈیو نہ ہو وہ ہزاروں میل کی آواز نہیں سن سکتا اسی طرح ممکن ہے کہ فرشتوں کے دیکھنے کے لیے کوئی خاص بینائی شرط ہو جو انبیاء کو عطا کی گئی ہو۔ پس جس طرح ریڈیو کا انکار معتبر نہیں اسی طرح فرشتوں کا انکار بھی معتبر نہیں۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ فرشتے ایسے قوی تصرفات پر کیسے قادر ہوئے جن کا ذکر قرآن اور حدیث میں آتا ہے جیسے کسی فرشتہ یا جنّ کا طرفۃ العین میں تخت بلقیس کو سلیمان علیہ السّلام کے سامنے لاکر رکھ دینا یا فرشتوں کا آسمان سے زمین پر اترنا اور پھر ان کا واپس ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب یہ ہے کہ فرشتے غایت درجہ لطیف اور نورانی ہیں اور لطیف اور نورانی شئے کی تاثیر بھی نہایت قوی ہوتی ہے آگ اور بھاپ اور بجلی اور پانی کی طاقتوں کا حال ہماری نظروں کے سامنے ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں عنصر خاکی کو لے لیجیے۔ جس کی دیگر عناصر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں سوائے لطافت اور کثافت کے اور کیا فرق ہے بجلی کے کرشمے آج دنیا کے سامنے ہیں پس قوم ثمود کا فرشتہ کے چیخ مارنے سے کلیجے پھٹ کر مرجانا کیوں مستبعد سمجھتے ہو۔ بارود کو دیکھیے کہ ظاہر میں کچھ نہیں مگر ذرا آگ لگے تو اس میں اتنی قوت آجاتی ہے کہ پہاڑوں کو بھی اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ بھاپ اپنی لطافت کی وجہ سے ایک پوری ٹرین کو صدہا میل کھینچ کر لے جاتی ہے اور بجلی کی قوت سے جرِّ ثقیل کے آلات بڑے بڑے جہازوں کو اوپر اٹھا لیتے ہیں تو اگر کوئی خدا کا فرشتہ قوم لوط کی بستیوں کو اٹھا کر الٹا کر دے تو کیوں انکار کرتے ہو۔

تیسرا شبہ فرشتوں کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آیات اور احادیث سے ثابت ہے لیکن عقلاً شئی واحد کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا غیر معقول ہے۔

جواب لطیف شئے کا مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہونا آج کل بھی مشاہدہ سے ثابت

عـه یہ مضمون اصول اسلام مصنفہ ناچیز میں بھی مذکور ہے۔ بمناسبت مقام یہاں ناظرین کرام کی سہولت کے لیے اس کا اعادہ کر دیا گیا۔ تاکہ مضمون سابق کی تکمیل ہو جائے۔

ہے مادۂ اثیریہ (ایتھر) کا مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں نمودار ہونا اہل سائنس کے نزدیک مسلّم ہے
قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا۔
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ اے بنی آدم یہ شیطان تمہارے وجود سے پہلے ہی تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھنا دوست نہ بنانا۔

و کان الفضیل بن عیاض یقول یاکذاب یامفتری اتق اللہ ولا تسب الشیطان فی العلانیۃ وانت صدیقہ فی السر۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۲۳ ج ۱۴)	(جو شخص شیطان کو برا بھلا کہتا) تو فضیل ابن عیاضؒ اس سے یہ کہتے کہ اے کذاب اور اے مفتری اللہ سے ڈر اور اعلانیہ طور پر شیطان کو برا مت کہہ۔ حالانکہ اندرونی طور پر تو شیطان کا سچا اور پکا دوست ہے۔

وَاللّٰہُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا
اور اللہ ہے جس نے چلائیں ہیں بادیں پھر اُبھارتیاں ہیں بدلی

فَسُقْنٰہُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ
پھر ہانک لے گئے ہم اس کو ایک مر گئے دیس کو پھر جلائی ہم نے اس سے زمین اس کے

مَوْتِہَا ؕ کَذٰلِکَ النُّشُوْرُ ﴿۹﴾ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّۃَ
مرگئے پیچھے، اسی طرح ہے جی اُٹھنا۔ جس کو چاہیئے عزت،

فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا ؕ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ
تو اللہ کی ہے عزت ساری۔ اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا اور کام نیک

الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ ؕ وَالَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَہُمْ
اس کو اٹھا لیتا ہے۔ اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے اُن کو

عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَمَکْرُ اُولٰٓئِکَ ہُوَ یَبُوْرُ ﴿۱۰﴾
سخت مار ہے۔ اور ان کا داؤ ہی ٹوٹے گا۔

ذکر دلائل توحید مع دیگر مضامین مناسبۂ مقام

مثل ترغیب خشیت و فکر آخرت و ترہیب از غفلت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۔

(ربط) اوپر سے توحید کا مضمون چلا آرہا ہے اب آگے پھر اپنے عجائب صنعت اور بدائع قدرت کو ذکر کرتے ہیں تاکہ ان میں غور و فکر کریں اور عبرت پکڑیں اور سعادت اور شقاوت کو سمجھیں اور آخرت کی فکر کریں جو منزل مقصود ہے اس لیے اب آئندہ آیات میں اثبات وحدانیت اور اثبات معاد اور حشر و نشر کے لیے اپنے دلائل قدرت کو ذکر کرتے ہیں جو قیامت کا نمونہ ہیں اور اللہ وہ ذات ہے کہ جو ہواؤں کو بھیجتا ہے یعنی وہ ہواؤں کو حکم دیتا ہے پس وہ فوراً رواں ہو جاتی ہیں پھر وہ بادل کو اٹھاتی اور ہنکاتی ہیں اور پھر جہاں حکم الٰہی ہوتا ہے وہاں اس کو پہنچاتی ہیں پھر ہم اس ابر کو ہنکا کر ایک مردہ زمین کی طرف لیجاتے ہیں پھر اس کے پانی سے زمین کو زندہ کرتے ہیں بعد اس کے مردہ اور افسردہ ہونے کے اور وہ مردہ زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے مُردوں کا زندہ ہو کر جی اٹھنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بعث اور نشور کا ارادہ فرمائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک بارش نازل کرے گا جو تمام زمین پر برسے گی اور تمام مردہ جسم اپنی قبروں سے اُگ اٹھیں گے جس طرح دانہ زمین سے اگتا ہے پس اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اس کی قدرت کے لحاظ سے یہ اور وہ سب برابر ہیں اجزاء اور سحاب کو اور اجزاء اور اعضاء کو جمع کرنا اس کے نزدیک یکساں ہے پس جس طرح زمین پانی سے زندہ ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے دن بھی مردے ایک بارش کے پانی سے زندہ ہوں گے۔ لہٰذا جو شخص اللہ کے نزدیک عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ اللہ کی اطاعت اور عبودیت کو لازم پکڑے اور لباس تقویٰ اختیار کرے اس لیے کہ تمام تر عزت بالذات حق تعالیٰ کے لیے ہے وہی عزیز مطلق ہے اس کے ساتھ تعلق سے عزت حاصل ہوتی ہے ؎

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت ۔۔۔ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جو دنیا اور آخرت کی عزت کا خواستگار اور طلب گار ہے تو اس کو چاہیئے کہ عزیز مطلق کی عبودیت اور اطاعت اختیار کرے جس درجہ کی عبودیت اختیار کروگے اور جس درجہ کا تقویٰ اور پرہیزگاری لازم پکڑوگے اسی درجہ کی عزت تم کو حاصل ہوگی۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۔

سچی عزت جس میں ذلت کا شائبہ نہ ہو اللہ کی اطاعت سے ملتی ہے اور اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر اگر دنیا میں کوئی عزت نظر آئے تو وہ جھوٹی عزت ہے حقیقی اور سچی عزت نہیں کافروں کو جو دنیا میں

عزت حاصل ہے وہ اندرونی حقیقت کے اعتبار سے ذلت ہے۔ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا۔ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَکُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا کَلَّا۔ اور جن بتوں کو تم معبود بناتے ہو ان کے نزدیک تو عزیز اور ذلیل کا کوئی فرق ہی نہیں اور نہ وہ کسی کے کلام کو سنتے ہیں اور نہ کسی کے عمل کو وہ جانتے ہیں۔

اب آئندہ آیات میں اللہ کے یہاں عزت حاصل کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں جس کا حاصل ذکر الٰہی اور اعمال صالحہ ہیں یعنی قولی اور فعلی اطاعت سے عزت حاصل ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اللہ ہی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات۔ یعنی اس کی بارگاہ قبولیت کی جانب بلند ہوتے ہیں پاکیزہ کلمات میں ذکر اللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تلاوت قرآن اور تسبیح وتہلیل اور تحمید وتمجید سب داخل ہیں۔ اور عمل صالح کو اللہ اوپر اٹھاتا ہے اور بلند کرتا ہے جس سے بندہ کے درجے بلند ہوتے ہیں پس جس کو عزت اور علو اور رفعت درکار ہو وہ ایمان لائے اور اللہ کا ذکر کرے اور اعمال صالحہ بجالائے۔

نکتہ کلمات اور اذکار کا تعلق چونکہ ذات باری تعالےٰ سے ہے ان کا اوپر کو چڑھنا ان کا ذاتی اور طبعی اقتضاء ہے اس لیے ان کے لیے صعود کا لفظ استعمال کیا گیا اور اعمال صالحہ کا تعلق بندہ سے ہے جو سفلی ہے۔ اعمال صالحہ کا اوپر کو چڑھنا ذاتی اور طبعی نہیں۔ بلکہ کسی کے سہارے ہے اس لیے اعمال صالحہ کے لیے لفظ رفع کا استعمال کیا گیا جس کے معنی اوپر اٹھانے کے ہیں جس کے لیے کوئی اٹھانے والا چاہیئے اور جو لوگ اس کے خلاف طریقہ اختیار کرتے ہیں مثلاً جو لوگ مکر اور فریب اور برائیوں میں لگے رہتے ہیں ان کے لیے کوئی عزت نہیں ایسے لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے جو ان کی ذلت وخواری کا پورا سامان ہوگا اور ان مکاروں کا مکر وفریب عنقریب نیست اور نابود ہو جائے گا۔ اور الٹا انہیں پر پڑے گا۔ کما قال تعالیٰ وَلَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ۔

وَاللّٰهُ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ جَعَلَکُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ

اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے، پھر بوند پانی سے، پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے۔

وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَمَا

اور نہ پیٹ رہتا ہے کسی مادہ کو اور نہ وہ جنتی ہے بن خبر اس کے۔ اور نہ

یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ ؕ

عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں۔

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ

یہ اللہ پر آسان ہے ۔ اور برابر نہیں دو دریا

هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ

یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے پینے میں رچتا ، اور یہ کھارا کڑوا ۔

وَمِن كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً

اور دونوں میں سے کھاتے ہو گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جس کو

تَلْبَسُونَهَا ۖ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِن

پہنتے ہو ۔ اور تو دیکھے جہاز اس میں چلتے ہیں پھاڑتے تا تلاش

فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ

کرو اس کے فضل سے اور شاید تم حق مانو ۔ رات پیٹھاتا ہے دن میں اور

يُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

دن پیٹھاتا ہے رات میں ، اور کام لگایا سورج اور چاند

كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ

ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہرائے وعدہ پر ، یہ اللہ ہے تمہارا رب اسی کی

الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ

بادشاہی ہے ۔ اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا ، مالک نہیں ایک

مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَ

چھلکے کے ۔ اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار ۔ اور

لَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ

اگر سنیں پہنچیں نہیں تمہارے کام پر اور دن قیامت کے منکر ہونگے

بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿۱۴﴾

تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتاویگا تجھ کو جیسا بتاوے خبر رکھنے والا۔

ذکر دلیل آخر بر توحید و امکان حشر و نشر و اثبات قضاء و قدر

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ....الیٰ .... وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ٥

اب آئندہ آیات میں امکان حشر و نشر پر ایک اور دلیل ذکر کرتے ہیں جو توحید کی بھی دلیل ہے۔ اوپر کی آیتوں میں دلائل آفاق کا ذکر تھا اب ان آیات میں دلائل انفس کا ذکر کرتے ہیں۔ (تفسیر کبیر ص۳۳ ج۷)

اور اللہ ہی نے پہلے تم کو یعنی تمہارے باپ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا پھر تم کو نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑا جوڑا بنایا یعنی مرد و عورت بنایا جس سے باہم جفت ہوتے ہو اور کسی کو مرد بنانا اور کسی کو عورت بنانا حالانکہ مادہ دونوں کا ایک ہے یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ جنتی ہے مگر سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ پہلے ہی سے اس کو اس کا علم ہوتا ہے۔ اور نہیں زندگی پاتا کوئی بڑی عمر والا اور نہ کم کی جاتی ہے کسی کی عمر مگر یہ سب پہلے سے لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے ہر ایک کی عمر اللہ کے علم میں مقرر اور مقدر ہے اور یہ سب اللہ پر بہت آسان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عمر کی کمی اور زیادتی سب اللہ کی قضاء و قدر سے ہے اس دلیل میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح انسان بتدریج قوت کی منزل کو پہنچتا ہے اسی طرح اسلام بتدریج ترقی کی منزل پر پہنچے گا۔

ذکر دلیل

اور دو دریا برابر نہیں ایک نہایت شیریں پیاس کو بجھانے والا جس کا پانی نہایت خوشگوار ہے اور دوسرا نہایت شور اور تلخ اور پھر تم ان دونوں میں سے ہر ایک سے تازہ گوشت یعنی مچھلی کھاتے ہو یہ اللہ کی نعمت بھی ہے اور اس کی قدرت کی دلیل ہے کہ مادہ دونوں کا ایک ہے مگر مزہ مختلف ہے۔

دلیل آخر

اور پھر خاص کر تم دریائے شور سے زیور یعنی موتی اور مونگا نکالتے ہو جس کو تم پہنتے ہو یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے کہ ایک دریا سے مختلف قسم کے موتی نکل رہے ہیں یہ کسی مادہ اور ایتھر کا اقتضاء

نہیں بلکہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے یہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ کسی دریا کا پانی شیریں بنا یا اور کسی کا تلخ اور پھر دریاؤں میں مختلف قسم کی مچھلیاں اور مختلف قسم کے موتی پیدا کیے۔

دلیلِ دیگر

اور اے مخاطب دیکھتا ہے تو دریا میں کشتیوں کو کہ پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم ان میں سفر کر کے اللہ کے فضل کو یعنی معاش کو تلاش کرو یعنی بحری تجارت کر سکو اور تاکہ تم پھر اس نعمت پر خدا کا شکر کرو کہ دریا جیسی ہولناک اور خطرناک چیز کو تمہارے لیے ایک نعمت اور منفعت کا ذریعہ بنا دیا۔ غرض یہ کہ سمندر سمندر ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں لیکن ہم نے اپنی قدرت سے کسی کو میٹھا کر دیا اور کسی کو کڑوا مگر قابلِ انتفاع دونوں ہیں۔ دونوں میں مچھلیاں ہیں جن کو تم مزے سے کھاتے ہو اور موتی وغیرہ بھی دونوں سے نکلتے ہیں اور کشتیاں بھی دونوں میں چلتی ہیں اور تم طرح طرح سے فائدے اٹھاتے ہو یہ سب کچھ ہم نے اس لیے کیا تاکہ تم ہماری قدرت پر ایمان لاؤ اور ہماری نعمتوں کا شکر کرو اور ایمان اور عمل صالح سے ہماری بارگاہ میں عزت حاصل کرو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں مؤمن اور کافر کی مثال ہے کہ ان دونوں میں برابری کی کوئی صورت نہیں اس لیے کہ ایک حلاوتِ ایمان کی وجہ سے آبِ شیریں ہے اور دوسرا کفر اور معصیت کی تلخی کی بنا پر آبِ شور ہے ؎

آں آبِ حیات آمد وایں نقش سراب ست ایں عین خطا باشد وآں محض صواب ست

دلیلِ دیگر

اور وہی خدائے برحق ہے کہ جو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ سردی میں رات بڑھ جاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور گرمی میں دن بڑھ جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ دن رات کا مجموعہ تو چوبیس گھنٹہ ہی رہا مگر سردی میں رات کی گھڑیوں میں زیادتی ہو گئی اور گرمی میں دن کی ساعت میں زیادتی ہو گئی۔ دن اور رات میں یہ کمی اور زیادتی یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے رات کے تاریک اجزاء کو دن میں داخل اور شامل کر کے ان کو روشن کر دیتا ہے اور بعض اوقات دن کے روشن اجزاء کو رات میں داخل اور شامل کر کے ان کو تاریک کر دیتا ہے یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے جس طرح اَمکِنہ کا اختلاف خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے اسی طرح اَزمنہ کا اختلاف بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دلیل دیگر

اور اسی خدا نے سورج اور چاند کو اور تمام کواکب اور نجوم کو اپنے حکم کا تابع بنایا اسی کے حکم کے مطابق ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا یعنی قیامت تک اسی طرح حرکت کرتے رہیں گے اور اپنے مقرر وقت پر طلوع وغروب کرتے رہیں گے۔ طلوع اور غروب کا اختلاف اور دن اور رات اور سردی اور گرمی کا اختلاف یہ سب کچھ شمس وقمر اور کواکب اور نجوم کی طبیعت اور مادہ کا اقتضاء نہیں اور نہ ان کی ذاتی تاثیر ہے بلکہ سب خداوند قدیر کی تسخیر ہے اس دلیل میں اشارہ اس طرف ہے کہ رات اور دن کی طرح کبھی کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور کبھی اسلام کا۔ اللہ کے یہاں ہر ایک کی مدت مقرر ہے۔ یہی تمہارا خدا ئے پروردگار ہے جس کی قدرت اور نعمت کے کرشمے تمہاری نظروں کے سامنے ہیں اسی کے لیے بادشاہی ہے اسی کی اطاعت میں اور اسی کے ذکر میں عزت ہے اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ اس قدر حقیر اور ذلیل ہیں کہ ایک گٹھلی پر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں ایک حقیر اور فقیر کو اپنا حاجت روا بنانا سراسر ذلت ہے یہ بت تو ایسے عاجز ہیں کہ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری پکار کا جواب نہیں دے سکتے۔ یہ تو دنیا میں ان کا حال ہوا اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا صاف انکار کر دیں گے بلکہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے۔ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ کَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ کٰفِرِیْنَ اور کہیں گے۔ مَا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ۔

اور ہم نے تم کو شرک کی حقیقت اور انجام سے آگاہ کر دیا ہے ہوش میں آجاؤ۔ خداوند خبردار کی طرح کوئی تم کو آگاہ نہیں کر سکتا۔ اگر دنیا اور آخرت کی عزت چاہتے ہو تو خداوند علیم وخبیر پر ایمان لاؤ اور اس کی اطاعت کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔

فائدۂ جلیلہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آفتاب و ماہتاب حسب حکم خداوندی گردش کرتے رہتے ہیں۔ فلاسفۂ مغرب نے ایک شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ آفتاب زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔

جواب (۱) یہ ہے کہ فلاسفۂ مغرب کا یہ خیال محض ایک تخمینہ اور اٹکل ہے جس پر کسی قسم کی بھی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ یہ کفار محض اٹکل سے باتیں کرتے ہیں اگر فلاسفۂ مغرب کا یہ خیال صحیح ہوتا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے تو لامحالہ زمین کے گھومنے سے قطب ستارہ ضرور متبدل ہوتا رہتا حالانکہ وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتا ہے اور ٹھیک اسی جگہ رہتا ہے جہاں پہلے تھا بلکہ جو لوگ زمین کے شمال اور جنوب میں رہتے ہیں ہر ایک کی جہت متبدل ہو جانی چاہیے۔

حالانکہ تمام سال میں ہم کسی وقت کسی کی جہت کو متبدل نہیں پاتے پس ثابت ہوا کہ زمین کی گردش کا خیال بالکل غلط ہے۔

(۲)- نیز اگر زمین گردش کرتی تو لازم تھا کہ دریاؤں اور کنوؤں کے پانی منقلب ہو جاتے بلکہ گھڑوں اور کٹوروں کے پانی پلٹ جاتے لہٰذا یہ کہنا کہ کرۂ زمین آفتاب کے گرد بہت زور سے چکر لگاتا ہے۔ بالکل غلط اور باطل ہے۔

(۳)- نیز جدید فلاسفہ کے نزدیک آفتاب سے زمین تک ساڑھے نو کروڑ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ بھی محض اٹکل ہے جس پر دلیل کوئی نہیں نہ عقلی اور نہ تجربی پس اگر زمین آفتاب کے گرد گردش کرے تو زمین اس گردش سے آفتاب کے گرد جو دائرہ بنائے گی وہ ستاون کروڑ سے زیادہ کا دورہ ہوگا لہٰذا فلاسفۂ عصریہ بتلائیں کہ آپ کو ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلہ کا اور ستاون کروڑ سے زیادہ دورہ کا علم کیسے ہوا۔ اس بارے میں آپ کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل تجربی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ أَنتُمُ ٱلْفُقَرَآءُ إِلَى ٱللَّهِ ۖ وَٱللَّهُ

لوگو! تم ہو محتاج اللہ کی طرف ۔ اور اللہ

هُوَ ٱلْغَنِىُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿١٥﴾ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ

وہی ہے بے پروا سب خوبیوں سراہا۔ اگر چاہے تم کو لے جاوے اور لے آوے

بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٧﴾

ایک نئی خلقت ۔ اور یہ اللہ پر مشکل نہیں ۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ

اور نہ اٹھاوے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے کوئی بوجھوں مرتا

إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَىْءٌ وَلَوْ كَانَ

اپنا بوجھ اٹھانے کو کوئی نہ اٹھاوے اس میں سے کچھ ، اگرچہ ہو

ذَا قُرْبَىٰٓ ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ

ناتے والا ۔ تو تو ڈر سنا دیتا ہے اُن کو جو ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى فَإِنَّمَا

اپنے رب سے بن دیکھے - اور کھڑی رکھتے ہیں نماز - اور جو کوئی سنورے گا، تو یہی کہ

يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۚ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾ وَمَا يَسْتَوِي

سنورے گا اپنے بھلے کو - اور اللہ کی طرف ہے پھر جانا - اور برابر نہیں

الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾

اندھا اور دیکھتا - اور نہ اندھیرا اور نہ اُجالا -

وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَ

اور نہ سایہ اور نہ لوں - اور برابر نہیں جیتے اور

لَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ أَنْتَ

نہ مردے - اور اللہ سُناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں

بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيْرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّآ

سُنانے والا قبر میں پڑوں کو - تُو تو یہی ہے ڈر کی خبر سنانے والا - ہم نے

أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ

بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر، خوشی اور ڈر سناتا - اور کوئی فرقہ نہیں

إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ

جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈرانے والا - اور اگر وہ تجھ کو جھٹلاویں تو آگے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

جھٹلا چکے ہیں اُن سے اگلے - پہنچے ان پاس رسول اُن کے لیکر کھلی باتیں

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِيْنَ

اور ورق اور چمکتی کتاب - پھر پکڑا میں نے

كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٢٦﴾ ع

منکروں کو، تو کیسا ہوا بگاڑ میرا۔

ذکرِ فقر و احتیاجِ بشر و استغنائے خداوندِ برّ و بحر

قال اللہ تعالیٰ۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ... الیٰ ... فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ

(ربط) اوپر سے منکرین توحید کا رد چلا آرہا ہے اب یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ متکبر اور مغرور ہیں اور دراہم معدودہ کے نشہ میں چور ہیں اور خدا کی پکڑ سے بے فکر ہیں اور اس کی یاد سے دور ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ کل عالم اپنے وجود میں اور اپنی بقاء میں اللہ کا محتاج ہے اور خاص کر انسان تو سب سے زیادہ حاجتوں میں جکڑا ہوا ہے اور خدا وند ذوالجلال غنی مطلق اور بے نیاز مطلق ہے جب چاہے پکڑ سکتا ہے اللہ کو نہ کسی کے مال و دولت کی حاجت ہے اور نہ کسی کی عبادت کی حاجت ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے پس اگر تم کو دنیا اور آخرت کی عزت مطلوب ہے تو اس کا ذریعہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ بندہ سر سے پیر تک حاجتوں کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ خدائے برحق کے تعلق ہی سے اس کو عزت حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو تمام مخلوقات میں تم ہی سب سے زیادہ اللہ کے محتاج ہو آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات اور ہوا اور پانی کے بغیر تم زندہ نہیں رہ سکتے اور کمال احتیاج کمال ذلت کی دلیل ہے ہر مخلوق اللہ کی محتاج ہے مگر انسان کے برابر کوئی محتاج نہیں دنیا سے اگر انسان معدوم ہو جائے تو کسی مخلوق کا کوئی نقصان نہیں لیکن اگر ہوا اور پانی اور حیوانات اور نباتات میں سے کسی چیز کی کمی ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا پس تمام مخلوقات میں سے کمال احتیاج انسان ہی میں منحصر ہے اور کمال حاجت کمال ذلت کی دلیل اور علامت ہے اور اللہ ہی ہر طرح بے نیاز ہے۔ اسے تمہاری عبادت اور بندگی کی بھی حاجت نہیں۔ اور وہ ہر طرح ستودہ ہے اور کمال بے نیازی اور کمال ستودگی۔ یہی کمال عزت ہے کہ تمام مخلوق ہر حال میں اس کی محتاج ہے اور اس کے سامنے ذلیل و خوار ہے وہ غنی مطلق اگر چاہے تو تم کو صفحۂ ہستی سے لے جائے اور تم سب کو عدم اور فنا کے گھاٹ اتار دے اور تمہارے بدلہ میں دوسری مخلوق لے آوے جو اللہ کی اطاعت کرے اور تمہاری طرح اس کی نافرمانی نہ کرے اور یہ بات اللہ پر کچھ دشوار نہیں بلکہ بہت آسان ہے جس مخلوق کو چاہے۔ مٹائے اور جس کو چاہے۔ پیدا کرے۔ لہٰذا تم کو اس عزیز مطلق کے قہر اور غضب سے ڈرنا چاہئے اور خوب سمجھ لو کہ قیامت کے دن تمہاری محتاجی اور لاچارگی میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گا۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ خدا کے قہر اور غضب کے بوجھ کو اٹھا سکے دنیا میں تو دوسرے کا بوجھ اٹھانا ممکن ہے۔

مگر آخرت میں یہ ممکن نہیں اور اگر کوئی نفس جو اپنے گناہوں سے مر رہا ہو کسی دوسرے کو اپنا بوجھ بٹانے کے لیے پکارے تو اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔ اگرچہ وہ اس کا قرابتی ہو کوئی کسی کا جواب بھی نہ دیگا۔ ہر ایک اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار ہو گا حتیٰ کہ اولاد بھی ماں باپ سے عذر کرے گی کہ ہم میں آپ کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں۔

فائدہ اور قرآن و حدیث میں جو یہ آیا ہے جو دوسروں کو گمراہ کرے گا اور وہ اس کے کہنے سے گنہگار ہو گا تو اسکے گناہ کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لادا جائے گا سو وہ درحقیقت دوسرے کا بوجھ نہیں بلکہ اپنے اغواء اور بہکانے کا بوجھ ہے جس کو یہ اٹھائے گا اور یہ بوجھ اسی کے فعل کا ہے۔ قال تعالیٰ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ مضلین پر دوہرا بوجھ ہو گا ایک اپنے ذاتی گناہوں کا اور دوسرا بوجھ دوسروں کے اضلال اور اغواء کا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آپ کی یہ ہدایت اور نصیحت اگرچہ انذار کامل ہے یعنی پورا ڈرانا ہے مگر ان ضدی اور عنادی لوگوں کے حق میں موثر اور کارگر نہیں جو آخرت کے منکر ہیں جز ایں نیست کہ آپ کا انذار یعنی آپ کا ڈرانا اور نصیحت کرنا انہیں لوگوں کے حق میں مفید ہے جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں اور ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں ایسے لوگ گناہوں کے بوجھ سے پاک اور ہلکے ہو جاتے ہیں اور جو شخص ایمان لاکر اور اعمال صالحہ کرکے پاکی حاصل کرے تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے پاکی حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو غنی حمید ہے اس کو اس کی پاکی سے کوئی نفع نہیں اور سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اس وقت ایمان اور عمل صالح کا فائدہ حاصل ہو گا جو کفر اور معصیت سے پاک ہو گا وہ جنت میں جاسکے گا اور جس نے دنیا میں اللہ کے سامنے عاجزی اور مسکنت کی ہوگی اس کو وہاں عزت حاصل ہو گی اب آئندہ آیت میں مؤمن اور کافر کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے یعنی جیسے اندھا اور بینا یکساں نہیں اسی طرح مؤمن اور کافر بھی یکساں نہیں جیسے نابینا سیاہی اور سفیدی کے فرق کے ادراک سے قاصر ہے اسی طرح کافر حق اور باطل کے فرق کے ادراک سے قاصر ہے۔ بینا اور نابینا اگرچہ بہت سے اوصاف میں ایک دوسرے کے شریک ہیں لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جیسے عالم اور جاہل میں فرق ہے اسی طرح مؤمن اور کافر میں بھی فرق ہے اور نہ تاریکیاں اور روشنی برابر ہیں یعنی باطل اور حق برابر نہیں اور نہ سایہ اور دھوپ برابر ہیں یعنی ثواب اور عقاب برابر نہیں اور زندہ اور مردے برابر نہیں مؤمن روح ایمان سے زندہ ہے اور کافر روح ایمان سے خالی ہونے کی وجہ سے مردہ اور بے جان ہے۔ اور مردوں کو زندہ کرنا اور انکو سنانا خدا کی قدرت میں تو ہے مگر بندہ کی قدرت میں نہیں بیشک اللہ جس کو چاہے سنائے اور ہدایت دے اور اے نبی آپ میں یہ قدرت نہیں کہ آپ ان لوگوں کو سنائیں جو قبروں میں مردہ پڑے ہوئے ہیں۔ نبی کا کام یہ ہے کہ اللہ کا پیغام کافروں کے کان تک پہنچا دے باقی کافروں کے مردہ دلوں کا زندہ کرنا یہ نبی کی قدرت میں نہیں۔ اے نبی آپ تو فقط ڈرانے والے اور خدا کی خبر پہنچانے والے ہیں۔

ایمان کی روح کسی کے دل میں ڈال کر اس کو زندہ کر دینا اور اس کو سنا دینا اور منوا دینا یہ آپ کے اختیار میں نہیں یہ ہمارا کام ہے اگر یہ لوگ آپ کی بات کو نہ مانیں تو غم نہ کریں۔ باقی احادیث میں جو مردوں کو سلام اور کلام کا خطاب آیا ہے سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں جو پڑا ہے وہ اس کا دھڑ ہے وہ نہیں سنتا۔ (باقی مفصل بحث سورۂ نمل کے اخیر میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے)

ابتدائے کلام میں مؤمن اور کافر کو اعمیٰ اور بصیر کے ساتھ تشبیہ دی یہ تشبیہ باعتبار باطن کے تھی اور اخیر آیت میں زندہ اور مردہ کے ساتھ تشبیہ دی اور یہ تشبیہ پہلی تشبیہ سے زیادہ بلیغ ہے۔ اس تمام کلام سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تسکین ہے کہ آپ کا کام کلام حق کو ان کے کانوں تک پہنچا دینا ہے باقی دل میں اتارنا یہ ہمارا کام ہے تحقیق ہم نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا۔ جن کے دل زندہ ہیں یا جن میں زندگی کی کچھ رمق باقی ہے وہ کچھ سن لیں گے اور آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجنا یہ کوئی عجیب بات نہیں آپ سے پہلے کوئی امت ایسی نہیں کہ جس میں خدا کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔ پھر ان میں بھی بکثرت کافر گذرے ہیں اسی طرح آپ کی امت میں بھی جو مردہ دل ہیں وہ ایمان نہ لاویں گے۔ اور اگر قریش مکہ آپ کی تکذیب کریں تو نہ تعجب کیجئے اور نہ غم کیجئے ان سے پہلے لوگ بھی پیغمبروں کی تکذیب کر چکے ہیں ان کافروں کے پاس بھی ان کے رسول واضح معجزات اور اللہ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے مگر ان کی قوموں نے بھی کفر کیا تو پھر پکڑا میں نے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا پس دیکھ لو کہ میرا عذاب ان پر کیسا ہوا ان آیات سے مقصود آپ کی تسلی ہے کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں ہر پیغمبر کی آمد کے بعد لوگ دو گروہ ہو گئے۔ بعضے ایمان لائے اور بعضوں نے تکذیب کی اور اپنے انجام کو پہنچے ان سب کے بعد ہم نے آپ کو یہ کتاب منیر (قرآن کریم) دی اگر یہ لوگ اس کی تکذیب سے باز نہ آئے تو ہو سکتا ہے کہ ان کا بھی وہی انجام ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا
تو نے نہ دیکھا؟ کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی، پھر ہم نے نکالے
بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ
اس سے میوے طرح طرح ان کے رنگ، اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں
بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾
سفید اور سرخ طرح طرح ان کے رنگ، اور بھجنگ کالے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ

اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپایوں میں کئی رنگ کے ہیں

كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

اسی طرح - اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

تحقیق اللہ زبردست ہے بخشنے والا۔

تہدید بر غفلت از عدم نظر در آثار قدرت

قال اللہ تعالےٰ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً .... الیٰ .... اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۔

(ربط) اوپر سے توحید کا مضمون چلا آرہا ہے اب ان آیات میں منکرین توحید کی تہدید ہے کہ آثار قدرت ان کی نظروں کے سامنے ہیں اگر ذرا نظر اٹھا کر دیکھیں تو فوراً سمجھ میں آجائے کہ توحید حق ہے اور شرک باطل ہے اور مخلوقات میں جو اختلاف اور تفاوت ہے وہ سب اسی کی قدرت اور مشیّت کا کرشمہ ہے کسی بے شعور مادہ ایتھر اور نیچر کا اثر نہیں اس لیے آئندہ آیات میں پھر اپنی انواع قدرت کو ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ایک ہی شئے سے مختلف قسم کی چیزیں پیدا کرتا ہے کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اسی ایک پانی سے زمین سے قسم قسم کے پھل نکالے جن کی رنگتیں مختلف ہیں اور ہر ایک کا مزہ اور اس کی خوشبو دوسرے سے جدا ہے۔ باعتبار کمیت کے اور باعتبار کیفیت کے اور باعتبار صورت کے اور باعتبار لذت کے ہر پھل دوسرے پھل سے مختلف ہے حالانکہ مادہ سب کا ایک ہے۔ اور اسی طرح پہاڑوں میں مختلف قسم کی اور مختلف رنگتوں کی راہیں اور گھاٹیاں ہیں بعض سفید اور بعض سرخ اور طرح طرح ان کے رنگ ہیں اور بعضے بہت سخت سیاہ ہیں اور ہر ٹکڑے کی تاثیر مختلف ہے اسی طرح دلوں کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ اور اسی طرح لوگوں میں سے اور حیوانات میں سے اور چوپایوں میں سے مختلف رنگ والے ہیں۔ جس طرح لوگوں کی اَلسنہ اور اَلوان یعنی ان کی زبانیں اور رنگتیں مختلف ہیں اسی طرح دواب اور انعام کی ایک جنس بلکہ ایک نوع کی رنگتیں مختلف ہیں یہ سب خدا کی قدرت کے کرشمے ہیں کہ اصل مادہ سب کا ایک ہے مگر صفات اور کیفیات مختلف ہیں ظاہر ہے کہ یہ اختلافات خود بخود تو پیدا نہیں ہوگئے حالانکہ مادہ سب کا ایک ہے تو یہ بوقلمونی کہاں سے آئی اور علیٰ ہذا زمین کے ٹکڑوں میں اختلاف کہ

کسی زمین سے زعفران پیدا ہوتا ہے اور کسی سے انار اور انگور اور جھڑ بیر۔ یہ اختلاف بھی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے ورنہ طبیعت اور مادہ میں سب یکساں ہیں اور علت فاعلیہ بھی سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ یہ رنگ برنگ کا اختلاف اس کی قدرت کی گلکاری ہے۔

اسی طرح بندوں کے احوال[1] مختلف ہیں کوئی خدا سے ڈرتا ہے اور کوئی نہیں ڈرتا۔ جز این نیست کہ اللہ کے بندوں میں سے بن دیکھے اللہ سے صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جو صاحب علم اور صاحب فہم ہیں جو اللہ کی شان عظمت کو جانتے اور پہچانتے ہیں وہی خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں جس درجہ کا علم اور معرفت ہے اسی درجہ کی خشیت ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ پس عند اللہ کرامت اور فضیلت بقدر تقویٰ ہے اور تقویٰ بقدر علم ہوتا ہے نہ بقدر عمل۔ پس جس کا علم اور اس کی معرفت زیادہ ہوگی اسی کو اللہ کا خوف زیادہ ہوگا اور جس کا علم کمتر ہوگا اس کا خوف بھی کمتر ہوگا حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا علم رکھتا ہوں اور تم سب سے زیادہ اس کا خوف رکھتا ہوں۔ (رواہ البخاری) اور جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو اس کا علم بھی کم ہو جاتا ہے۔

علم چندانکہ بیشتر خوانی   چوں عمل در تو نیست نادانی

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ علم کثرتِ روایت کا نام نہیں بلکہ علم تو ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے قلب پر ڈال دیتا ہے۔

امام مالکؒ کی "نور" سے مراد نور فہم اور نور معرفت ہے۔ کما قال تعالیٰ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ معلوم ہوا کہ عالم وہ ہے جو عاقل اور فاہم ہو بغیر عقل اور فہم کے محض الفاظ قرآنی اور الفاظ نبوی کو یاد کر لینے کا نام علم نہیں اللہ کے نزدیک عالم وہ ہے جو اللہ کی عظمت شان اور جلالت قدر کو جانتا ہو اور اس سے ڈرتا ہو اور اس کے احکام پر چلتا ہو باقی جو شخص رسمی طور پر عالم اور فاضل کہلاتا ہو مگر خدا سے نہ ڈرتا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔

آیت میں "خشیت" سے خوف تعظیم مراد ہے یعنی دل پر خدا کی عظمت اور جلال کا خوف اس قدر غالب ہو کہ ہر وقت اس بات سے ڈرتا رہتا ہو کہ حقوق ربوبیت میں کوئی تقصیر نہ ہو جائے اور کوئی بات خلاف ادب نہ سرزد ہو جائے اور حدود و فرائض سے قدم باہر نہ ہو جائے۔

بے شک اللہ بڑی عزت والا ہے جو اس سے نہ ڈرے اسے پکڑنے والا ہے اور جو بندہ اس

[1] قال الامام القرطبی فی تفسیر قولہ تعالیٰ کَذٰلِکَ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا قولہ "کذالک" ھنا تم الکلام ای کذلک تختلف احوال العباد فی الخشیۃ ثم استانف فقال اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (تفسیر قرطبی ص ۳۴۳ ج ۱۴)

سے ڈرے اور اپنی تقصیر پر توبہ کرے تو اسے معاف کرنے والا ہے پس جس ذات کی یہ شان ہے اس سے خوف اور خشیت فرض اور لازم ہے۔

لطائف و معارف

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا جز ایں نیست کہ خدا کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں اس آیت میں علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو اللہ کی عظمت اور جلال کا اور اس کے احکام اور اوامر اور نواہی کا علم ہو۔ اور پھر وہ اللہ کے حکموں پر چلتے ہوں جس درجہ کا علم ہو اسی درجہ کا اس کو خوف ہوگا خشیت خداوندی علم اور معرفت پر موقوف ہے۔ علم خشیت کے لیے شرط ہے مگر علت تامہ نہیں جیسے طہارت نماز کے لیے شرط ہے مگر نماز کے لیے علت تامہ نہیں اور جس علم کے بعد خوف خداوندی حاصل نہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ علم اللہ کے نزدیک معتبر نہیں اور ایسے عالم جو خدا سے نہ ڈرتے ہوں وہ اللہ کے نزدیک عالم نہیں اگرچہ دنیا ان کو علامہ کہتی ہو۔

علم چند آنکہ بیشتر خوانی چوں عمل در تو نیست نادانی

نیز علم سے وہ علم مراد نہیں جو محض قال کے درجہ میں ہو بلکہ وہ علم مراد ہے جو حال کے درجہ میں ہو اور ظاہر و باطن اس کے رنگ میں رنگین ہو گیا ہو وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ؎

علمے کہ راہ حق نماید جہالت است

علم را بر دل زنی یارے بود علم را بر تن زنی مارے بود
جان جملہ علمہا ایں است ایں کہ بدانی من کیستم در یوم دیں

علم دین سے مقصود تزکیۂ نفس اور اصلاح عمل ہے ورنہ ہیچ ہے۔ جیسے علم طب سے مقصود جسمانی صحت کی حفاظت ہے محض دواؤں کے نام اور ان کے خواص یاد کر لینا مقصود نہیں یہ ناممکن ہے کہ واقع میں کوئی شراب پیئے اور اس کو نشہ نہ ہو۔ اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی حقیقۃً علم دین کا ایک جام پیئے اور اس پر دین کا نشہ اور سکر نہ آئے۔ عالم دین خدا کے نزدیک وہ ہے کہ علم دین اس کے دل میں گھر کر گیا ہو محض باتیں بنانے اور لمبی تقریر کرنے سے اللہ کے نزدیک عالم نہیں ہو جاتا اگر واقع میں دل میں خشیت اور خوف خداوندی ہوتا تو معاصی پر جرأت نہ کرتا۔ حدیث میں ہے اللّٰھم انی اسالك من خشیتك ما تحول بینی وبین معاصیك۔

معلوم ہوا کہ "خشیت" اس خوف کو کہتے ہیں جس سے بندہ اور معصیت کے درمیان حیلولت واقع ہو جائے اور اگر اسے یہ خشیت حاصل نہیں کہ جو عاصی اور معاصی کے درمیان حائل ہو تو سمجھ لو کہ اسے صحیح علم بھی حاصل نہیں عالم کو چاہیئے کہ رسمی طور پر تحصیل علم کو مقصود نہ جانے بلکہ خشیت کو مقصود جانے۔

اور تحصیل خشیت کا اہتمام کرے اور خشیت مقصودہ اور مطلوبہ وہ ہے جو نفس اور شیطان اور معصیت سے حجاب بن جائے۔

نکتہ اس آیت میں لفظ اِنَّمَا آیا ہے جو قصر اور حصر کے لیے ہے بظاہر اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا کا مطلب یہ ہے کہ خشیت الٰہیہ صرف علماء میں منحصر ہے یعنی جہلاء کو خشیت نہیں ہوتی۔ سو جاننا چاہیے کہ اس آیت میں کلمۂ انما ایسا ہے۔ جیسے اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ میں لفظ انما آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تذکّر کے لیے عقل کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر عقل کے تذکر ممکن نہیں اسی طرح اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خشیت خداوندی کے حصول کے لیے خدا کی عظمت اور جلال کا علم ضروری ہے خواہ وہ علم تعلّم سے حاصل ہو جائے یا کسی کی فیض صحبت سے یا حق تعالیٰ کی توفیق سے یا اس کی عنایت سے یا کسی باطنی جذبہ سے۔

نکتۂ دیگر اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ یعنی اللہ بڑی عزت والا اور غلبہ والا اور بڑا زبردست ہے لہٰذا اس سے ڈرنا چاہیے۔ اور وہ بڑا بخشنے والا ہے وہ اپنے سے ڈرنے والوں کو بخش دیتا ہے عزیز کے لفظ سے خشیت کی ضرورت کو بیان کیا اور غفور کے لفظ سے خشیت کے ثمرہ کو بیان فرمایا۔

نکتۂ دیگر عزیز کے بعد غفور کا لفظ اس لیے فرمایا تاکہ غلبۂ خوف سے ناامیدی کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے۔ ناامیدی سے بچانے کے لیے اپنی مغفرت اور رحمت کی امید دلائی اشارہ اس طرف ہے کہ شان عزت و حکومت کی بنا پر اول کچھ باز پرس ہو گی مگر بعد میں انتہا رحمت پر ہو گی۔ لہٰذا تم مایوس نہ ہونا۔ اپنے ایمان کو خوف اور رجاء کے درمیان رکھو اس کی عزت و جلال پر نظر کر کے ڈرتے رہو بے فکر نہ ہو جاؤ اور اس کی مغفرت اور رحمت پر نظر رکھو اور اس سے ناامید نہ ہو جاؤ۔

نکتۂ دیگر اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا وجہ اس قصر اور حصر کی یہ ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ اور انبیاء سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں پس جس عالم میں خوف خداوندی نہ ہو وہ انبیاء کا وارث نہیں اور آیت میں علماء سے وہی علماء مراد ہیں جو علم اور عمل دونوں میں انبیاء کے وارث ہوں محض رسمی علماء مراد نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ خوف خداوندی سے دین بھی درست ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ لہٰذا اگر ایسی پاکیزہ زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو تو علم دین حاصل کرو اور اس پر عمل کرو یہاں تک کہ وہ عمل تمہارا حال ہو جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کرتے ہیں نماز

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ

اور خرچ کیا کچھ ہمارا دیا چھپے اور کھلے امیدوار ہیں

تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ

ایک بیوپار کے جو کبھی نہ ٹوٹے - تا پورا دے اُن کو نیگ اُن

وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

کے اور بڑھتی دیوے اپنے فضل سے، تحقیق وہ ہے بخشنے والا قبول کرتا۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ

اور جو ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب، وہی ٹھیک ہے.

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

سچا کرتی آپ سے اگلی کو - مقرر اللہ

بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ

اپنے بندوں سے خبر رکھتا ہے دیکھتا - پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ جو

اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ

چُنے ہم نے اپنے بندوں میں سے، پھر کوئی ان میں بُرا کرتا ہے اپنی جان کا.

مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ

اور کوئی ان میں ہے بیچ کی چال پر، اور کوئی ان میں ہے کہ آگے بڑھ گیا لیکر خوبیاں اللہ کے حکم

اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ

سے، یہی ہے بڑی بزرگی - باغ ہیں بسنے کے،

يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

جن میں جاویں گے وہاں گہنا پہنائے گا ان کو کنگن سونے کے

وَلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ

اور موتی ۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہے ۔ اور کہیں گے شکر

لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ

اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے غم ۔ بیشک ہمارا رب بخشتا ہے

شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ

قبول کرتا ۔ جس نے اتارا ہم کو رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے ۔

لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾ وَ

نہ پہنچے اس میں ہم کو مشقت ، اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکنا ۔ اور

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ

جو منکر ہیں ان کو ہے آگ دوزخ کی ۔ نہ ان پر تقدیر پہنچتی ہے کہ

فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ

مر جاویں اور نہ ان پر ہلکی ہوتی ہے وہاں کی کچھ کلفت ، یہی

نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا

سزا دیتے ہیں ہم ہر نا شکر کو ۔ اور وہ چلاتے ہیں اس میں اے رب !

أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ

ہم کو نکال ، کہ ہم کچھ بھلا کام کریں ، وہ نہیں جو کرتے تھے ، کیا ہم نے

نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ

عمر نہ دی تھی تم کو جتنے میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو ، اور پہنچا تم کو

النَّذِيرُ ۖ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿٣٧﴾

ڈر سنانے والا ۔ اب چکھو کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا مددگار ۔

مدح وثنا علما وصلحا امت وتوصیف وشان علم نبوت

و ترغیب بر تجارت آخرت

قال اللہ تعالیٰ. اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ .... الیٰ .... فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۔

(ربط، گزشتہ آیت یعنی اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا میں علماء کا ذکر تھا اب ان آیات میں علماء کی اور ان مؤمن بندوں کی مدح فرماتے ہیں جو کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ انبیاءؑ کے وارث وہی علماء ہیں جو نبی کے علم پر عمل بھی کرتے ہیں اور ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ امت کے طبقات مختلف ہیں بعض نہایت پسندیدہ اور سابق بالخیر ہیں اور بعض ظالم ہیں اور بعض درمیانہ ہیں۔ منزل مقصود سب کی آخرت ہے اور یہ دنیا دار تجارت ہے اور پہلا گروہ اس تجارت میں سب سے زیادہ کامیاب ہے اور یہ سابق بالخیرات کا گروہ ہے جو فضیلت اور مرتبہ میں سب سے فائق ہے اور دوسرا گروہ مقتصد (درمیانہ) ہے اللہ ان کی کوتاہیوں کو معاف کرے گا۔

اس لیے اب آئندہ آیات میں آخرت کی تجارت اور اس کی کامیابی کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ تحقیق جن بندوں کی یہ صفت ہے کہ وہ یہ سمجھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں کہ یہ ہمارے پروردگار کی نازل کردہ کتاب ہے اور اس کے موافق عمل بھی کرتے ہیں اور اس کے احکام کے پیچھے پیچھے[۱] چلتے ہیں۔ اور نماز بھی درست رکھتے ہیں یعنی اس کی پابندی کرتے ہیں اور اس کے حقوق ادا کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ظاہر اور پوشیدہ طور پر ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اگر پوشیدہ خرچ کرنے کا موقعہ ہے تو پوشیدہ خرچ کرتے ہیں اور اگر اعلانیہ خرچ کرنے کا موقعہ ہے تو اعلانیہ خرچ کرتے ہیں جس طرح بھی میسر ہو اگرچہ عام طور پر افضل صدقہ وہی ہے جو پوشیدہ ہو ایسے ہی لوگ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کوئی خسارہ نہ ہوگا اس سے آخرت کی تجارت مراد ہے اور اس تجارت کا انجام اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان تاجران آخرت کو پورا پورا اجر دیں گے بلکہ اپنے فضل سے اور زیادہ دیں گے جتنے کا استحقاق ہے اس سے زیادہ ملے گا تحقیق اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت فرمانے والے ہیں۔ کوتاہیوں سے درگذر فرماتے ہیں اور بڑے قدردان ہیں کہ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتے ہیں لہٰذا جو تم

---

[۱] اشارہ اس طرف ہے کہ یَتْلُوْنَ کا مادہ تلاوت بھی ہے جس کے معنی قرأت کے ہیں اور تلوٌ بھی ہے جس کے معنی اتباع اور پیروی اور پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں اور آیت میں جو لفظ یتلون آیا ہے وہ دونوں معنی کو شامل ہے اس لیے کہ محض تلاوت اور محض قرأت بدون عمل اور اتباع کے چنداں مفید نہیں۔ واللہ اعلم ،

کو ملے اس کو خدا کا فضل سمجھو اپنا استحقاق نہ سمجھو۔

اس آیت میں آخرت کی تجارت کے نفع اور کامیابی کی امید کا طریقہ بتلایا کہ ان تین کاموں کے کرنے سے آخرت کی تجارت میں کامیابی کی امید اور توقع ہے۔ ایک[1] تلاوتِ قرآن پاک جو تمام اذکار اور عبادات نافلہ کی جڑ ہے اور قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے اور خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف ہے۔ دوسرے[2] نماز کی درستی اور پابندی جو تمام فرائض اور جسمانی عبادتوں کی جڑ ہے اور دین کا ستون ہے اور تیسرے[3] ظاہر اور پوشیدہ طور پر خیرات وصدقات کرنا جس میں تمام مالی عبادتیں آگئیں سو جو لوگ یہ تین کام کرتے ہیں وہ امید رکھتے ہیں کہ ان کی تجارت میں ہرگز خسارہ نہ ہوگا معلوم ہوا کہ توقع اور امید کے لیے عمل ضروری ہے ورنہ بغیر عمل کے نہ تجارت ہے اور نہ کوئی امید کی جا سکتی ہے بغیر عمل کے امید اور توقع نہیں بلکہ محض تمنا اور آرزو ہے بغیر زراعت کے پیداوار کی توقع رکھنا اس کا نام امید نہیں بلکہ ایک خیال خام ہے اسی طرح بغیر اعمال صالحہ کے رحمت اور مغفرت کی امید رکھنا یہ امید نہیں بلکہ ایک خیال خام ہے (ماخوذ از رجاء الغیوب ملقب بہ صحیح امید وعظ نمبر ۱۴۷- از مواعظ حضرت حکیم الامت تھانویؒ از سلسلۂ تبلیغ)

حکایت امام احمد بن حنبلؒ نے حق جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا کہ آپ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریبی راستہ کون سا ہے فرمایا تلاوتِ قرآن یعنی قرآن کا اور میرے کلام کا پڑھنا۔ عرض کیا۔ بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ۔ سمجھ کر یا بلا سمجھ کر۔ ارشاد ہوا بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ۔ یعنی سمجھ کر ہو یا بلا سمجھ کر ہو۔ دونوں طرح موجب قرب ہے یہاں تک توحید کا مضمون بیان ہوا۔ اب نبوتؐ رسالت کا مضمون بیان کرتے ہیں۔ اور اے پیغمبر جو کتاب ہم نے وحی کے ذریعہ تجھ پر نازل کی ہے وہی حق ہے اور اپنے سے پہلی نازل کردہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حال جاننے والا اور دیکھنے والا ہے کہ کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب کرتا ہے اور کون اس کا اتباع کرتا ہے اور کون اس سے انحراف کرتا ہے پھر پیغمبر کے بعد ہم نے اپنے بندوں میں سے اس آخری کتاب ہدایت کا یعنی قرآن کا ان لوگوں کو وارث بنایا جن کو ہم نے دنیا میں سے اسی میراث کے لیے منتخب کیا یعنی ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو یعنی اہل ایمان کو اس قرآن کا وارث بنایا یعنی ہم نے ایسی امت کو اس کتاب ہدایت سراپا خیر و برکت کا وارث بنایا جو مجموعی ہیئت سے تمام امتوں سے بہتر اور برتر ہے اور ایمان لانے والے کافروں کے لحاظ سے برگزیدہ ہوتے ہیں لیکن اس کے سب افراد یکساں نہیں ان کی تین قسمیں ہیں پس ان میں سے بعض[1] تو ظالم ہیں کہ فرائض اور واجبات کے بھی تارک ہیں باوجود ایسی کتاب کے وارث ہونے کے پھر بھی برائیوں اور گناہوں سے دستکش نہیں ایمان کے ساتھ گناہ بھی کرتے ہیں اور اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور گناہوں کے بعد توبہ بھی کر لیتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ۔ وقال تعالیٰ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔

اور بعض ان میں سے متوسط اور میانہ رو ہیں نہ تو پورے اطاعت گذار اور نہ بالکل گنا ہوں میں غرق کما قال تعالےٰ۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا۔ اور بعض ان میں سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے ہیں جو میدان اطاعت میں سب سے آگے نکل گئے یہ اللہ کے کامل بندے ہیں جو اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں اوروں سے سبقت لے گئے یہ گروہ جنت میں بلاحساب وکتاب داخل ہوگا۔ اور مقتصد یعنی میانہ رو سے محاسبہ ہوگا اور ظالم اپنے ظلم اور بد عملی کی وجہ سے حزن اور غم کو پہنچے گا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنص صریح امت مرحومہ کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے جن میں اعلیٰ گروہ سابقین اولین کا تھا۔ اور وہ صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ مخصوص تھا اور اس گروہ کو مقربین بھی کہا گیا ہے اور دوسرا گروہ اوسط اور میانہ رو ہے وہ اصحاب الیمین اور ابرار کے نام سے پکارا گیا ہے اور سب سے کم تیسرا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور اعتقاد صحیح رکھتا ہے مگر اعمال میں اس سے کوتاہی واقع ہوتی ہے اور بالآخر بذریعہ توبہ واستغفار اور بذریعہ ندامت اس کا تدارک کرتا ہے۔ اور خلیفہ راشد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقین اور مقربین میں سے ہو (ازالۃ الخفاء)

اور یہ خدا تعالےٰ کا بڑا ہی فضل ہے کہ ساری دنیا میں سے اس امت کو اس نعمت اور کرامت کے لیے منتخب فرمایا۔ کہ میراث کی طرح بلامشقت ومحنت ان کو ایسی کامل کتاب عطا کی پس اللہ تعالےٰ کا اس امت کو اپنے اس عظیم عطیہ کے لیے منتخب کرنا یہ خدا تعالےٰ کا بڑا ہی فضل ہے یا یہ معنی ہیں کہ بعض بندوں کا خیرات اور نیکیوں میں سب سے سبقت لے جانا اور آگے بڑھ جانا یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اگر خدا تعالےٰ کی توفیق نہ ہوتی تو خیرات میں سبقت نہ کر سکتے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ آیت میں جن تین قسموں کا ذکر ہے وہ سب اہل ایمان کی قسمیں ہیں اور بعض علماء نے آیت میں جو ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کا ذکر ہے اس کو کافر پر محمول کیا ہے اور اہل نجات صرف دو فریق ہیں۔ مُقْتَصِدٌ اور سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ۔ یہ دو گروہ تو جنت میں داخل ہوں گے اور اس قول کی بنا پر پہلا فریق یعنی ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ جنت میں داخل نہ ہوگا اور یہ قول احادیث صریحہ وصحیحہ کے خلاف ہے۔

محققین کے نزدیک صحیح اور راجح قول پہلا قول ہے اور اسی کو امام ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے اختیار کیا ہے اور آیات کا سیاق وسباق بھی اسی کو مقتضی ہے کہ آیت میں جن تین اقسام کا بیان ہوا ہے وہ سب اہل اصطفاء اور اہل ایمان ہی کی اقسام کا بیان ہے جو اس کتاب ہدایت پر ایمان لائے اور اس کے وارث بنے اور وارث وہ ہے جس کا نسب صحیح ہو اور وہ صحیح النسب اہل ایمان کا گروہ ہے مگر سب ورثاء ایک رتبہ کے نہیں ہوتے ان کی تین قسمیں ہیں۔ ذوی الفروض۔ اور عصبات اور ذوی الارحام۔

ابتداء آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان برگزیدہ بندوں کا ذکر فرمایا جن کو اس نے اپنی رحمت سے اس کتاب کا وارث بنایا پھر ان برگزیدہ بندوں کی تین قسمیں بیان کیں سب سے اول فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ[1] کو ذکر کیا اور پھر مُّقْتَصِدٌ[2] کو اور پھر سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ[3] کو۔ معلوم ہوا کہ ظالم اور مقتصد اور سابق بالخیرات یہ تینوں قسمیں اہل ایمان کی ہیں جو خدا تعالیٰ کے نزدیک من حیث الایمان والاسلام پسندیدہ اور برگزیدہ ہیں اور ظاہر ہے کہ کافر اور منافق کسی صورت میں خدا کے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ نہیں ہو سکتا اور نہ کافر اور منافق کا دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے معلوم ہوا کہ ظالم لنفسہ سے کافر مراد نہیں بلکہ گنہگار مسلمان مراد ہے جس نے گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کیا۔ قرآن کریم میں ظالم کا اطلاق کافر پر بھی آیا ہے اور گنہگار پر بھی۔ اس لیے کہ ظلم کے درجات ہیں۔ شرک ظلم عظیم اور معصیت اور گناہ اس سے کم کا ظلم ہے بلکہ قرآن کریم میں ظلم کا اطلاق خلاف اولیٰ پر بھی آیا ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ کی دعا میں رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ۔

بہرحال شروع آیت میں ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا سے امت محمدیہ کے تمام مسلمان مراد ہیں جو علی اختلاف المراتب اس کتاب ہدایت کے وارث بنے اور یہ سب اہل نجات ہیں۔ اور بالآخر سب جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ اخیر آیت میں ہے۔ ابتداء آیت میں اجمالاً اہل ایمان اور اہل اسلام کو ذکر کیا جو اس کتاب ہدایت کے وارث بنے۔

بعد ازاں اہل ایمان کی اقسام کا بیان فرمایا کہ وہ تین قسمیں ہیں۔ ظالم اور مقتصد اور سابق بالخیرات۔ اور یہ تینوں گروہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے پھر جب اہل اسلام کی اقسام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اس کے بالمقابل اہل کفر اور دوزخیوں کا بیان شروع فرمایا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ آیت میں جن اقسام ثلاثہ کا ذکر ہے وہ سب اہل اصطفاء یعنی اہل اسلام کے اقسام ہیں اب اخیر میں ان اقسام ثلاثہ کی نجات اور دخول جنت کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا الخ یہ تینوں گروہ بالآخر ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اس آیت میں يَدْخُلُوْنَهَا کی ضمیر اصناف ثلاثہ کی طرف راجع ہے لہٰذا يَدْخُلُوْنَهَا کی ضمیر کو صنف اخیر یعنی سابق بالخیرات کے ساتھ مخصوص کرنا تخصیص بلا دلیل ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان اور ابوالدرداء اور ابن مسعود اور عقبہ بن عمرو اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے کہ يَدْخُلُوْنَهَا کی ضمیر اصناف ثلاثہ کی طرف راجع ہے۔ (تفسیر قرطبی ص۳۴۶ ج ۱۴)

عہ۔ جن علماء نے اس آیت میں "ظالم" سے کافر مراد لیا ہے انکی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں جن اقسام ثلاثہ کا ذکر ہے یہ وہی اقسام ثلاثہ ہیں جو سورۂ واقعہ میں مذکور ہیں وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً۔ مگر احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہی معلوم ہوا ہے کہ سورۂ فاطر کی آیت میں ظالم سے گنہگار مسلمان مراد ہے۔ آیات کی تفصیل کے لیے تفسیر ابن جریر و ابن کثیر و تفسیر قرطبی دیکھیں۔

گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یعنی اسی امت کو کتاب ہدایت کا وارث بنانا یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اب اس آیت میں اس فضل کبیر کے نتیجہ کو بیان فرمایا کہ ان تینوں گروہوں کا انجام بخیر ہوگا اور یہ سب علی حسب المراتب ضرور جنت میں داخل ہوں گے اور یہ وارثان قرآن جنت کے وارث ہوں گے اور داخل ہونے کے بعد ان کو بادشاہوں کی طرح خالص سونے اور صاف موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے۔ اور جنات عدن میں ان کا لباس حریری ہوگا اور یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر یہ کہیں گے حمد ہے اس خدا کی جس نے ہم سے غم کو دور کیا یہاں آنے کے بعد کوئی فکر اور غم نہیں بے شک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا اور بڑا قدردان ہے کہ اس نے ہمارے گناہوں کو تو معاف کر دیا اور معمولی حسنات پر وہم وگمان سے بڑھ کر اجر عطا کیا ایسا پروردگار جس نے اپنے فضل سے ہم کو دار قیام اور دوام میں اتارا جہاں ہم کو نہ کوئی مشقت پہنچی ہے اور نہ تکان۔ اس گھر میں نہ کوئی رنج وغم ہے اور نہ کوئی محنت ومشقت ہے اور نہ کوئی کام سے تھکنا ہے اور نہ کسی قسم کا فکر اور اندیشہ ہے۔ یہاں تک تو اہل ایمان اور اہل سعادت کی تینوں قسموں کی جزاء کا بیان ہوا۔ اب آگے ان کے برخلاف اہل کفر اور اہل شقاوت کی جزاء وسزا کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کر کے برگزیدہ افراد سے یعنی اہل ایمان اور اہل سعادت کی تینوں قسموں سے بالکلیہ خارج ہوئے اور قرآن کی وراثت سے محروم ہوئے ان کے لیے آتش دوزخ ہے ان کا کام کبھی تمام نہ ہوگا۔ جو مر ہی جائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی۔ ہم ہر کفر کرنے والے کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں اور یہ کفار جو دوزخ میں پڑے ہوئے ہوں گے فریاد کے لیے دوزخ میں چیخیں ماریں گے اور شور وغل مچائیں گے اور کہیں گے کہ اے پروردگار اب ہم کو جہنم سے نکال دے اور دوبارہ ہم کو دنیا میں بھیج دے وہاں پہنچ کر ہم نیک کام کریں گے برخلاف ان کاموں کے جو پہلے دنیا میں کیا کرتے تھے اب ہم دوبارہ واپسی کے بعد پہلے جیسے عمل نہ کریں گے۔

جوابِ خداوندی

جواب ملے گا کیا ہم نے اس دنیا میں تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر سکے چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں ہدایت پائی ان کو بھی تو اتنی ہی عمر ملی تھی جتنی تم کو ملی تھی مگر تم نے اس کو غفلت میں کھو دیا اور پھر ہم نے صرف عمر اور وقت ہی دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمہارے پاس ہماری طرف سے ڈرانے والا بھی آیا جس نے تم کو خواب غفلت سے خوب جھنجھوڑا مگر تم پھر بھی ہوش میں نہ آئے سو اب اس نہ ماننے کا مزہ چکھو اس لیے کہ یہاں ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو ان کو عذاب سے چھڑائے کیونکہ اس مدت میں تم پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی اور تم نے نہ کوئی عبرت پکڑی اور نہ کسی کی نصیحت پر کان دھرا ایسی حالت میں کون تمہاری مدد کر سکتا ہے ایسے سرکشوں کا کوئی مددگار نہیں لہٰذا

اب دنیا میں دوبارہ واپسی ممکن نہیں جو خود ہی اپنی جان پر ظلم کرے اس کا کون مددگار ہو سکتا ہے۔

لطائف و معارف

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ اس آیت میں دو جملے مذکور ہیں ایک اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ اور دوسرا وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ اور یہ عطف من قبیل عطف الخاص علی العام ہے۔

اور آیات میں "نذیر" سے مراد نبی اور اس کے نائبین ہیں جنہوں نے احکام الٰہی کی تبلیغ کی اور راہ حق کی دعوت دی اور بعض کہتے ہیں کہ نذیر سے بڑھاپا اور ہم عمروں کی موت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے میں اور ہم عمروں کی موت سے بھی تمہاری غفلت نہ گئی اور آنکھ نہ کھلی کہ کچھ آخرت کا سامان کرتے بڑھاپا آجانے کے بعد کس چیز کا انتظار رہ گیا۔ اللہ کی حجت تو بلوغ سے بھی پوری ہو جاتی ہے کیونکہ تذکر اور نصیحت کے لیے بلوغ کا زمانہ بھی کافی ہے لیکن اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تو مزید الزام کا مستوجب ہے اس لیے کہ تذکر کی مدت انتہا کو پہنچ گئی اور حجت پوری ہو گئی جوانی میں جب معاش کو سمجھ سکتا ہے تو معاد کو کیوں نہیں سمجھ سکتا۔

اور اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ میں خطاب اگرچہ کفار کو ہے مگر مقصود سب کو سنانا ہے اس لیے کہ اصل علت غفلت ہے جس میں سب شریک ہیں اگرچہ مراتب غفلت میں فرق ہے تاکہ سب سن لیں اور متنبہ ہو جائیں۔ دیکھیے عدالت میں جب مجرم کو سزا دی جاتی ہے تو اس کا اعلان کیا جاتا ہے جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ مجرم نہیں وہ بھی سن لیں اور متنبہ ہو جائیں اور غفلت میں نہ رہیں غرض یہ کہ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ عمر کے ہر جزء کو عمر کا جزء اخیر سمجھو۔ غفلت سے تنبہ کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ آیت میں اجمالاً اس طریق کی طرف اشارہ فرمایا کہ غفلت سے تنبہ کا طریقہ تذکر ہے اور حدیث میں اس کا صراحۃً حکم دیا۔ چنانچہ فرمایا۔ اذا قمت فی صلاتک فصل صلاۃ مودع یعنی جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو ایسی طرح نماز پڑھو جیسے دنیا کو رخصت کر رہے ہو یعنی یہ سمجھو کہ یہ عمر کا جزء اخیر ہے حدیث میں اگرچہ نماز کا ذکر ہے مگر یہ علت ہر عمل میں پائی جاتی ہے اس لیے زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ سب میں یہی مضمون پیش نظر رہنا چاہیے اس تنبہ اور استحضار کا فائدہ یہ ہوگا کہ طول امل کے مفاسد سے محفوظ ہو جائے گا یا کم از کم کمی ہی آجائے گی بیمہ کمپنی کی بنا ہی تمام تر طول امل پر ہے جس کی حقیقت قمار یعنی جوا ہے۔ آپ خود دیکھ لیجیے کہ جو شخص بیمہ کراتا ہے کمپنی والے کیسی کیسی شرطیں لگاتے ہیں اور ڈاکٹروں سے اس کے قویٰ کا معائنہ کراتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے۔ اذا اصبحت فلا تحدث نفسک بالمساء و اذا امسیت فلا تحدث نفسک بالصباح یعنی جب تو صبح کرے تو اپنے نفس سے شام کے منصوبوں کی

باتیں نہ کرنا اور جب تو شام کرے تو صبح کے منصوبوں کی باتیں نہ کرنا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موت کو یاد رکھو اور موت کے تذکر اور تفکر کو اپنا حرزِ جان بناؤ جس درجہ کا تذکر ہوگا اسی درجہ تقلیل معاصی میں مفید اور معین ہوگا۔ ملخص از وعظ نمبر ۱۴۸ مسمّٰی بہ دواء العیوب ملقب بہ شام خورشید۔

فائدہ دربارۂ تقویٰ معاصی دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے دوم وہ کہ جن کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف نہیں جیسے ڈاڑھی منڈانا جھوٹ بولنا۔ غیبت کرنا۔ شیخی مارنا۔ ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا۔ اس قسم کے گناہوں کو یکلخت ترک کردینا چاہئے اور پہلی قسم کے گناہوں کو بتدریج۔ کذا فی شام خورشید صـ۳۴ وعظ نمبر ۱۴۸ از مواعظ تبلیغ۔

نکتہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کی تین قسموں کو بیان کیا اور سب سے پہلے ظالم کو ذکر کیا۔ اس کی یا تو یہ وجہ ہے کہ دنیا میں ظالموں کی کثرت ہے یا یہ اشارہ ہے کہ ظالم ظلم اور معصیت کی وجہ سے اہل اصطفاء سے خارج نہیں ہوا بلکہ ایمان کی وجہ سے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے جس درجہ کا ایمان ہے اسی درجہ کا وارث ہے جب تک ایمان ہے جنت کی وراثت سے محروم نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ

اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اس کو خوب معلوم

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ

ہے جو بات ہے دلوں میں۔ وہی ہے جس نے کیا تم کو قائم مقام

فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ

زمین میں۔ پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اس پر پڑے اس کی ناشکری۔ اور

الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ

منکروں کو نہ بڑھے گا ان کے انکار سے، اُن کے رب کے آگے مگر بیزاری۔ اور منکروں

الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ

کو نہ بڑھے گا اُن کے انکار سے مگر نقصان۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اپنے شریک

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا

جن کو پکارتے ہو اللہ کے سوائے۔ دکھاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ

زمین میں ؟ یا کچھ ان کا ساجھا ہے آسمانوں میں ؟ یا

اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ

ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب سو یہ سند رکھتے ہیں اس کی ، کوئی نہیں

يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰ اِنَّ

پر جو وہ بتاتے ہیں گنہگار ایک دوسرے کو، سب فریب ہے۔ تحقیق

اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَ

اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کہ ٹل نہ جاویں۔ اور

لَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ

اگر ٹل جاویں تو کوئی نہ تھام سکے ان کو اس کے سوا۔

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۱

وہ ہے تحمل والا بخشتا۔

بیان علم و حلم خداوندی

قال اللہ تعالےٰ۔ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الی ... اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔

(ربط) اوپر اکثر آیات میں اثبات توحید اور ابطال شرک اور دلائل قدرت اور صفات کمال کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالےٰ اپنے علم کو اور اپنے حلم کو بیان کرتے ہیں کہ وہ باوجود علیم و قدیر ہونے کے حلیم و غفور بھی ہے مجرمین کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔

کما قال تعالٰی۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔ ان کے شرک کا مقتضی تو یہ تھا کہ آسمان و زمین پھٹ جائیں لیکن اللہ کے حلم کی وجہ سے تھمے ہوئے ہیں جیسا کہ ان آیات کے اخیر میں ہے۔ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا بے شک اللہ تعالٰی آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے اللہ تعالٰی عالم الغیب ہے اس کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ دنیا میں واپس جانے کے بعد بھی وہی کرو گے جو پہلے کرتے تھے اور تمہارا یہ وعدہ کہ ہم دنیا میں واپسی کے بعد نیک عمل کریں گے۔ سیاسی لوگوں کی طرح جھوٹا وعدہ ہے جس سے مقصود وقتی طور پر جان خلاص کرنی ہے سو وہ اگر تم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دے تو اسے معلوم ہے کہ تم دنیا کی واپسی کے بعد بھی عمل صالح نہ کرو گے۔ کما قال تعالٰی وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ اس لیے کہ وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ ان کے سینوں میں کفر اور مکر اور جھوٹ چھپا ہوا ہے۔

اسی خدا نے تم کو زمین میں پہلی امتوں کا قائم مقام بنایا اور تصرف اور اختیار اور اقتدار کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں دیں اور یہ حق تعالٰی کی بہت بڑی نعمت تھی مگر ایمان نہ لائے۔ پس جو شخص کفر کرے تو اس کے کفر کا ضرر اسی پر پڑے اور نہیں زیادہ کرتا کفر اور شرک کافروں کے حق میں مگر آخرت کے خسارہ اور نقصان کو اور بسا اوقات کفر کا نقصان دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے بس آپ ان نادانوں کی توبیخ اور سرزنش کے لیے ذرا ان سے یہ کہئے کہ بھلا بتلاؤ تو سہی کہ جن کو تم شریک ٹھہرائے ہوئے ہو اور اللہ کے سوا ان کو اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہو ذرا مجھے ان کے حال سے آگاہ کرو اور مجھے دکھلاؤ کہ وہ کیا چیز ہے جو انہوں نے زمین میں سے پیدا کی ہے اور زمین کا وہ کونسا حصہ اور جزء ہے جو ان کا بنایا ہوا ہے یا آسمانوں کی پیدائش میں ان کا کوئی حصہ ہے کہ انہوں نے بھی کوئی آسمان بنایا ہے بہر حال شرک کے لیے ان کے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ نقلی۔ کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس میں شرک کا صحیح ہونا لکھا ہو۔ اور اس میں شرک کی تعلیم و تلقین مذکور ہو پس وہ اس کتاب سے کسی روشن دلیل پر ہوں جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ یہ کفر اور شرک ٹھیک اور درست ہے مگر ان میں کوئی بات بھی نہیں مگر کافر اور ظالم آپس میں مکر و فریب کی رو سے ایک دوسرے سے وعدہ کرتے ہیں کہ یہ بت تمہاری شفاعت کریں گے یہ سب خیال خام ہے اللہ کے حلم سے دھوکہ میں پڑ گئے ہیں اس کی قدرت پر نظر نہیں کرتے کیا اس قدرت عظیم میں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالٰی آسمان اور زمین کو روکے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں۔ یعنی اللہ کی قدرت عظیم کا ایک کرشمہ ہے کہ آسمان وزمین باوجود بڑے بڑے اجسام ہونے کے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں کسی کی یہ مجال نہیں کہ ذرہ برابر اپنی جگہ سے جنبش کر سکے اور اگر آسمان وزمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو سوائے اللہ تعالٰی کے کسی کی مجال نہیں کہ ان کو روک سکے۔ اور تھام سکے۔ کما قال تعالٰی وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَمِنْ آيَاتِهِ

اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۔

خلاصہ یہ کہ شرک پر کوئی دلیل نہیں بلکہ شرک تو فساد عالم اور اس کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے ان کے کفر کا مقتضی تو یہ تھا کہ غضب الٰہی جوش میں آتا اور ان پر قہر خداوندی نازل ہوتا لیکن حلم الٰہی کی وجہ سے قہر خداوندی کا نزول رکا ہوا ہے اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار مجرمین کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا اور آمرزگار ہے کفر اور معصیت کو دیکھتا ہے مگر عذاب میں جلدی نہیں کرتا ورنہ اگر چاہتا تو ایک دم سے ان پر آسمان گرا دیتا یا زمین میں ان کو دھنسا دیتا۔ نافرمانوں کو چاہیے کہ عذاب نہ آنے کو اللہ کے حلم اور بردباری کی دلیل سمجھیں اس کے عفو کلی کی دلیل نہ سمجھیں۔

جب تک دنیا قائم ہے اسوقت تک آسمان اور زمین اپنی جگہ قائم ہیں جب قیامت ہوگی تو اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔

فائدۂ جلیلہ دربارۂ حرکت آسمان وزمین جمہور علماء اسلام کا یہ مذہب ہے کہ نہ آسمان حرکت کرتا ہے اور نہ زمین (روح المعانی ص۱۸۸ ج۲۲) قدیم فلاسفہ آسمان کو متحرک اور زمین کو ساکن کہتے ہیں اور جدید فلاسفہ آسمان کے وجود کے تو قائل نہیں اور زمین کو آفتاب کے گرد متحرک مانتے ہیں جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

فائدۂ دیگر حق جل شانہٗ کے اس قول اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا میں اس بات کی دلیل ہے کہ آسمان اور زمین کا قیام اور بقاء سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے اس میں فلاسفہ کے اس قول کے رد کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ آسمان وزمین کے حدوث کی تو علت ہے مگر بقاء کی علت نہیں (تفسیر عزیزی ص۲۴۳) عمارت کو اپنے وجود اور حدوث میں بانی کی ضرورت ہے اپنے بقاء میں عمارت کو بانی کی ضرورت نہیں۔

حکماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ جو علت حدوث کی ہے وہی علت بقاء کی ہے۔ عالم کو اپنے وجود اور بقاء میں باری تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو زمین کو اپنے روشن ہونے اور روشن رہنے میں آفتاب کی شعاعوں سے نسبت ہے زمین اپنی روشنی کے وجود اور حدوث میں بھی آفتاب کی تجلی اور اس کے طلوع کی محتاج اور اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے آفتاب اپنی حرکت طلوعی میں زمین کو روشنی عطا کرتا ہے اور حرکت غروبی میں اپنے عطیہ کو زمین میں سے واپس لے لیتا ہے۔

۱؎ قال الآلوسی المشهور عند السلف ان السموٰت لاتدور وانها غیر الافلاك وكثير من الاسلاميين ذهبوا الى انها تدور وانها ليست غير الافلاك واما الارض فلا خلاف بين المسلمين فى سكونها والفلاسفة مختلفون والمعظم على السكون ومنهم من ذهب الى انها متحركة وان الطلوع والغروب بحركتها ورد ذلك فى موضعه كذا فى روح المعانى ص۱۸۸ ج۲۲ ـ

معلوم ہوا کہ جس طرح زمین ابتداءً اپنے روشن ہونے میں آفتاب کی محتاج ہے اسی طرح زمین اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔

فائدہ ایک روایت میں ہے کہ منجانب اللہ موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے گئے کہ ان کو ہاتھ میں تھامے رکھیں اور جبرئیل کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو سونے نہ دو۔ تین راتیں تو اس طرح گذار دیں بالآخر نیند کا غلبہ ہوا اور شیشے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! بالفرض اگر مجھ پر نیند اور اونگھ آتی تو شیشہ کی طرح یہ آسمان و زمین ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ (تفسیر عزیزی ص ۲۴۳)

****

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ

اور قسم کھاتے تھے اللہ کی، تاکید کی قسمیں اپنی، اگر آوے اُن پاس کوئی

نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ

ڈر سنانے والا، البتہ بہتر راہ چلیں گے ہر کسی ایک اُمت سے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا

پھر جب آیا اُن پاس ڈر سنانے والا۔ اور زیادہ ہوا ان کا

نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾ اِسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ وَمَكْرَ

بدکنا۔ غرور کرنا مُلک میں، اور داؤ کرنا

السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ

بُرے کام کا۔ اور برائی کا داؤ الٹے گا اسی داؤ والوں پر۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ

پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں اگلوں کے دستور کی۔ سو تو نہ پاوے گا

لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ

اللہ کا دستور بدلتا۔ اور نہ پاوے گا اللہ کا دستور

تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا

ٹلتا - کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں آخر

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا

کیسا ہوا انجام ان کا جو ان سے پہلے تھے ؟ اور تھے اُن

أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن

سے سخت زور میں - اور اللہ وہ نہیں جس کو تھکا دے کوئی

شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ

چیز آسمانوں میں نہ زمین میں - وہی ہے

عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا

سب جانتا کر سکتا - اور اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کو اُن کی کمائی پر،

مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ

نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک ہلنے چلنے والا، پر ان کو ڈھیل دیتا ہے

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ

ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ تک، پھر جب آیا اُن کا وعدہ تو اللہ کی

كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾

نگاہ میں ہیں اُس کے سب بندے -

تشنیع و تقریع بر کفر و مکر

قال اللہ تعالیٰ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ .... الی .... فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ یہ مشرکین کفر و شرک کی وجہ سے بھی قہر الٰہی کے مستحق ہیں لیکن

اللہ کے حلم سے بچے ہوئے ہیں اب آئندہ آیات میں ان کے مکر و فریب اور ان کی بدعہدی کو بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ بدعہدی کی وجہ سے مستحق قہر و غضب ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ مشرکین عرب آپ کی بعثت سے پہلے بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھایا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ اگر خدا کی طرف سے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آتا تو ہم ہدایت اختیار کرنے میں پہلی امتوں سے بڑھ کر ہوتے یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح تکذیب نہ کرتے بلکہ ان سے بہتر ہوتے کما قال تعالیٰ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ۔

یعنی اگر ہمارے پاس اوّلین جیسی کوئی ہدایت اور نصیحت ہوتی تو بے شک ہم اللہ کے مخلص بندوں میں سے ہو جاتے۔ پس جب خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کامل ترین نذیر آ گیا اور اپنے ساتھ ایک کتاب ہدایت بھی لے کر آیا تو ساری قسمیں اور سارے وعدے بھلا دیئے اور اس نذیر کے آنے سے بجائے ہدایت اور رغبت کے ان کی نفرت میں اور زیادتی ہو گئی۔ اور اس کی دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے اور زمین میں سرکشی کرنے لگے اور اس نذیر کے ہلاک کرنے کے بُرے بُرے مکر کرنے لگے اور لوگوں کو راہ حق سے روکنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ کافر کفر بھی کرتے ہیں اور عہد شکنی بھی کرتے ہیں اور استکبار کا شکار ہیں اور مکار اور مسخرے ہیں کہ قہر خداوندی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں اور دین کے خلاف سازشوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اور نہیں گھیرتا بُرا مکر مگر خود مکاروں کی جان کو۔ الٹی چالیں الٹی چال کرنے والوں ہی پر پڑا کرتی ہیں۔ حق اور صواب کو چالوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ وقتی طور پر اپنی چالاکیوں پر خوش ہو لیں مگر انجام کار دیکھ لیں گے کہ مکر کا نقصان مکار ہی پر پڑتا ہے۔ پس کیا یہ مکار اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے کافروں اور مکاروں کے ساتھ برتا گیا پس اے نبی آپ اللہ کے دستور میں نہ کوئی تبدیلی پائیں گے یعنی کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اللہ کے دستور کو بدل دے اور نہ پاوے گا تو اللہ کے دستور کو ٹلتا ہوا۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کے دستور کو اور قانون عذاب کو کافروں اور مکاروں سے پھیر کر دوسری طرف لے جائے اور ان سے دفع کر کے غیروں پر رکھ دے بلکہ وہ عذاب اسی قوم پر واقع ہو گا جس کے لیے مقرر ہو چکا ہے یہ ناممکن ہے کہ عذاب مستحق سے ہٹ کر غیر مستحق پر واقع ہو جائے "تبدیل" سے مراد عذاب کو رحمت سے بدل دینے کے ہیں اور "تحویل" سے عذاب کو مجرمین سے غیر مجرمین کی طرف منتقل کر دینے کے ہیں۔

کیا یہ کفر کرنے والے زمین میں پھرے نہیں کہ دیکھیں کہ آخر کیا انجام ہوا ان سے پہلے کفر کرنے والوں اور مکر کرنے والوں کا اور وہ لوگ ان سے قوت اور جسامت اور مال و دولت میں بہت زیادہ تھے مگر باوجود اس کے اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکے اور خدا کے مقابلہ میں ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور کوئی چیز آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں کہ خدا تعالیٰ کو پکڑنے سے عاجز کر سکے بے شک وہ دانا اور توانا

ہے نہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اس کی قدرت سے خارج ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے پکڑنے لگے اور اپنے علم کے موافق ان کو کفر اور معصیت پر مہلت نہ دے تو زمین کی پشت پر کسی جاندار کو زندہ باقی نہ چھوڑے لیکن وہ اپنے حلم کی وجہ سے ان کو ایک میعاد معین تک مہلت دے رہا ہے اگر کفر اور معصیت کی نحوست سے انسان ہلاک ہوتے تو حیوانات بھی ہلاک ہوجاتے۔ جیسے نوح علیہ السّلام کے زمانہ میں کفر کی نحوست سے جانور بھی ہلاک ہوئے تو اس وقت بھی اگر کفر اور معصیت کے وبال میں پکڑیں تو سب نیست و نابود ہو جائیں۔ بارش اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو تمام حیوانات کے لیے سامانِ حیات ہے پس اگر خدا تعالیٰ بندوں کی بداعمالی کی وجہ سے آسمان سے بارش روک لے تو سب حیوانات مرجائیں پس جب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آئے گا تو پھر ایک دم کی مہلت نہ ملے گی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو دیکھنے والا ہے اور جاننے والا ہے کہ کون ہلاکت کا مستحق ہے اور کون نجات کا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۷ جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ یوم چہارشنبہ بوقت ۴ بجے سورۃ الملائکہ کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی فللہ الحمد اولاً و آخراً۔ اے اللہ اپنی رحمت سے باقی تفسیر کے اتمام کی بھی توفیق دے اور ایمان پر قائم رکھ اور اعمال صالح اور اپنی مرضیات پر چلنے کی بھی توفیق دے آمین۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔ وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه وسيدنا ومولانا محمد وعلىٰ اٰله واصحابه اجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَفْسِیرِ سُورَۂ یٰسٓ

یہ سورت مکی ہے اس میں تراسی ۸۳ آیتیں اور پانچ ۵ رکوع ہیں۔ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے جو شخص اس سورت کو ایک بار پڑھے گا اللہ اس کو دس قرآن کا ثواب عطا کرے گا۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی)۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے اس سورت کو قرآن کا قلب (دل) فرمایا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دل ہر زندگی کا دارومدار ہوتا ہے اور روحانی زندگی کا دارومدار ایمان پر ہے جس کے اہم ترین اصول تین ہیں۔ توحید اور رسالت اور قیامت۔ اس سورت میں ایمان کے ان تین اہم اصول کو جو دین کا دل اور جان ہیں نہایت مدلّل اور مفصل بیان کیا گیا ہے اور ان سب کی جڑ حشر ونشر کا اقرار اور آخرت کی فکر اور تیاری ہے جو اس سورت میں خاص طور پہ بیان کی گئی ہے اور منکرین حشر کے شبہ کا نہایت مدلل اور مکمل اور مفصّل جواب دیا گیا ہے اور ایمانی حیات کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ خدا سے ڈرتا ہو اور آخرت کا یقین رکھتا ہو اور اسکی فکر اور تیاری میں ہو اور ظاہر ہے کہ خوفِ خدا اور آخرت کا یقین اور اس کی فکر یہی سارے دین کا دل ہے جس پر روحانی زندگانی کا دارومدار ہے جس دل کو آخرت کا فکر ہے وہ دل تو زندہ ہے ورنہ مردہ ہے۔

دین کے اصول تین ہیں توحید اور رسالت اور قیامت۔ سورت کا آغاز رسالت کے مضمون سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید کو بیان کیا پھر اخیر میں حشر ونشر اور معاد جسمانی پر مفصل اور مدلل کلام کیا اور اسی پر سورت کو ختم کیا۔

(ربطِ سورت) گزشتہ سورت میں زیادہ تر توحید اور رسالت کا مضمون تھا اور اخیر سورت میں مستکبرین اور منکرین نبوت کی تہدید تھی اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ اب اس سورت کو اثباتِ رسالت اور مستکبرین کی تہدید سے شروع فرماتے ہیں اور حسب سابق آپؐ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپؐ ان مستکبرین کے انکار اور استکبار سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ اور پھر ان متکبرین اور مستہزئین کی تہدید اور عبرت اور نصیحت کے لیے اصحابِ قریہ کا قصہ ذکر فرمایا پھر اخیر سورت تک اثباتِ توحید اور اثباتِ حشر ونشر کا مضمون چلا گیا جس پر دل اور روح کی زندگی کا دارومدار ہے۔

(ربط دیگر) گزشتہ سورت میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ لَئِنْ جَآءَھُمْ نَذِیْرٌ لَّیَکُوْنُنَّ اَھْدٰی مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ اب اس سورت میں قسم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو بیان کیا اور لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ سے یہ بتلایا کہ کفار جس انذار کے انتظار میں تھے تو ان کے حسب انتظار ان کے انذار کے لیے یہ نبی آگیا ہے اب چاہیئے کہ حسب وعدہ اس مُنذِرِ برحق پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں اور مُنذِرِ برحق کی تکذیب سے انذار اور تخویف کے لیے اصحاب قریہ کا قصہ ذکر فرمایا تاکہ اس کو مُنذِرِ برحق سمجھ کر آخرت کا راستہ معلوم کریں۔

اٰیَاتُھَا ۸۳ (۳۶) سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ (۴۱) رُکُوْعَاتُھَا ۵

سورۂ یٰسین مکی ہے اس میں ۸۳ آیات اور ۵ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳

قسم ہے اس پکے قرآن کی - تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۵

اوپر سیدھی راہ کے - اُتارا زبردست رحم والے کا -

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶

کہ تو ڈرا دے ایک لوگوں کو کہ ڈر نہ سنا ان کے باپ دادوں نے سو وہ خبر نہیں رکھتے -

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۷

ثابت ہو چکی ہے بات ان بہتوں پر، سو وہ نہ مانیں گے -

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ

ہم نے ڈالے ہیں اُن کی گردنوں میں طوق، سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک

فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ

پھر اُن کے سر اُلل رہے ہیں - اور بنائی ہم نے اُن کے آگے

سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا

دیوار اور ان کے پیچھے دیوار پھر اُوپر سے ڈھانک دیا سو ان کو

یُبْصِرُوْنَ ۝۹ وَسَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ

نہیں سوجھتا - اور برابر ہے تو نے ان کو ڈرایا یا نہ

تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ

ڈرایا یقین نہیں کرتے۔ تُو تو ڈر سنا دے اُس کو جو چلے

الذِّکۡرَ وَخَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ

سمجھانے پر، اور ڈرے رحمٰن سے بن دیکھے۔ سو اس کو دے خوشخبری معافی کی

وَّاَجۡرٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا

اور عزت کے نیگ کی۔ ہم ہیں جو جلاتے ہیں مردے اور لکھتے ہیں جو

قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ۗ وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ

آگے بھیج چکے، اور ان کے پیچھے نشان رہے۔ اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک

اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ ع

کھلی اصل میں۔

اثبات رسالت محمدیہ مؤکد بقسمے کہ آں دلیل نبوت است

ومقرون بہ بیان تفاوت استعداد در قبول حق وہدایت وتہدید

مکذبین نبوت و منکرین قیامت

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰسٓ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ۔

(ربط) گزشتہ سورت میں کفار کے استکبار اور انکار کا ذکر تھا کہ وہ آپؐ کی نبوت و رسالت کے منکر ہیں اور آپؐ کو جھوٹا بتلاتے ہیں اب اس سورت میں آپؐ کی نبوت و رسالت کو قسم کے ساتھ بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ یٰسین۔ اس کی مراد اور اس کے معنی کو اللہ ہی خوب جانتا ہے یٰسین حروف مقطعہ میں سے ہے جو خزانۂ غیب کا ایک سر مکتوم ہے۔ جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک اس کی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں اور ابن عباسؓ اور عکرمہؒ اور ضحاکؒ اور حسن بصریؒ اور سفیان بن عیینہؒ سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ یٰسین کے معنی یا انسان کے ہیں اس لیے کہ آپؐ سید البشر اور سید الانس

والجان ہیں لفظ یٰسین یا انسان کا مخفف ہے اور انسان سے انسان کامل مراد ہے جس کا مصداق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قسم ہے اس قرآن حکیم کی جو غایت درجہ محکم ہے اور سراپا علم و حکمت ہے اس کا ہر حرف علم اور حکمت کا منبع اور سرچشمہ ہے جہاں باطل کا اور سحر کا کہیں گذر نہیں اور نہ اس میں شعر و شاعری کا کوئی شائبہ ہے جس کو یہ نبی امی تم کو پڑھ کر سنا رہا ہے۔ اے نبی آپ بلاشبہ خدا کے پیغمبروں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں جو سیدھا خدا تک پہنچانے والا ہے۔ "صراط مستقیم" سے دین اسلام اور دین حق مراد ہے اور یہ کفار ٹیڑھے راستہ پر ہیں یعنی دین باطل پر ہیں صراط مستقیم پر استقامت ہی منزل مقصود تک پہنچاتی ہے اور یہی قرآن حکیم جو علم اور حکمت سے بھرا پڑا ہے آپ کی رسالت کی دلیل ہے اور آپ کی گفتار اور کردار بھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حق پر ہیں اور سیدھی راہ پر ہیں اور یہی راہ خدا تک پہنچانے والی ہے جس نے اس راہ سے اعراض اور انحراف کیا وہ گمراہ ہوا۔

نکتہ | وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ قسم ہے اور اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ جواب قسم ہے۔ اس قسم سے ایک تو کفار کا رد مقصود ہے جو قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ یہ رسول نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں قسم کھا کر آپ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں دوم یہ کہ یہ قسم دراصل جواب قسم کی دلیل ہے۔ دلائل نبوت اور براہین رسالت میں سب سے بڑی دلیل آپ کی نبوت کی یہ قرآن حکیم ہے جس طرح توریت اور انجیل حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت کی دلیل تھی اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ قرآن آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے اور اس کے بعد یہ جملہ (عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ) پہلے جملہ کی تاکید ہے اس لیے کہ جو رسول ہوگا وہ ضرور راہ راست پر ہوگا۔ ان آیات میں قرآن حکیم کی قسم کھا کر آپ کی رسالت کو بیان کیا قرآن حکیم آپ کی نبوت کی سب سے بڑی علمی دلیل ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت و رسالت کو قسم کے ساتھ بیان کیا آپ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کی رسالت کو قسم کھا کر نہیں بیان فرمایا اور اس کے بعد آنے والے جملہ لِتُنْذِرَ قَوْمًا سے یہ بتلایا کہ نبی کا کام اِنذار ہے نہ کہ اِجبار یعنی نبی کا کام فقط ڈرانے کا ہے باقی ہدایت دینا یہ اللہ کا کام ہے اور یہ قرآن حکیم ایسے رب العزت کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا ہے جو بڑا ہی مہربان ہے اور یہ قرآن تیری نبوت کا سب سے بڑا نشان ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا فرمان ہے۔ یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ اس قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرائیں جن کے قریبی آباء و اجداد قریبی زمانہ فترت میں کسی رسول کے ذریعہ خدا کے قہر سے نہیں ڈرائے گئے پس وہ حق اور ہدایت سے غافل اور بے خبر ہیں اس لیے وہ اس بات کے محتاج تھے کہ کوئی ہادی برحق آئے اور ان کو خدا کا راستہ بتلائے اور خواب غفلت سے ان کو بیدار کرے سو اس عزیز رحیم نے اپنی رحمت سے

آپ کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔

تنبیہ کوئی اس سے یہ خیال نہ کرے کہ آپ صرف عرب کے لیے مبعوث ہوئے تھے آپ تو سارے ہی عالَم کے لیے مبعوث ہوئے مگر چونکہ آپ عربی تھے اس لیے آپ کی دعوت اور خطاب کے بالذات اور اول مخاطب عرب تھے جو دوسروں کی نفی پر دلالت نہیں کرتا اس لیے کہ آپ کی عموم بعثت بیشمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ کما قال تعالیٰ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا وغیر ذالک من الآیات جس میں ساری دنیا شریک ہے یہ کتاب حکمت جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے وہ بلاشبہ اپنی ذات سے تمام عالَم کے لیے اور عرب وعجم کے لیے باران رحمت اور مشعل راہ ہے لیکن البتہ تحقیق ان میں سے اکثر لوگوں پر جو نفس اور شیطان کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں پہلے ہی سے تقدیری طور پر۔ ان پر کلمۂ حق اور حکم محکم جاری ہو چکا ہے اور "حق القول" سے کلمۂ حق لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ مراد ہے اور اس کے ہم معنیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ جیسی آیتیں مراد ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافروں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے پس یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے لہٰذا اے نبی آپ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جن کو اللہ تعالیٰ ازل میں جانتا ہے کہ یہ لوگ کفر اور عناد پر رہیں گے جیسے ابوجہل اور ابی بن خلف اور عتبہ اور شیبہ وامثالہم۔ ان میں سے اکثروں پر خدا کا کہا پورا ہوا جو ازلی بدنصیب اور دل کے اندھے تھے ان کو آفتاب ہدایت کی روشنی سے فائدہ نہ ہوا۔

اب آئندہ آیات میں اس بات کی علت بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لائیں گے سو عالم اسباب میں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عناد کی وجہ سے توفیق خداوندی سے محروم کردیئے گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ تحقیق ہم نے اپنی کسی حکمت اور مصلحت سے ان بدبختوں کی گردنوں میں بڑے بھاری طوق ڈال دیئے ہیں اور ایسے چپکا اور چمٹا دیئے ہیں کہ وہ ان کی گردنوں سے نہ نکل سکیں پس وہ طوق ان کی گردنوں سے لپٹ گئے ہیں اور ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں جو خوب اچھی طرح ان کی گردنوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور وہ ان میں بہت سخت جکڑے ہوئے ہیں۔ پس ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے کہ ان کے سر اوپر کو اُلل کر رہ گئے ہیں یعنی اُوپر اُٹھ گئے ہیں لہٰذا اب وہ اپنا سر نیچے نہیں جھکا سکتے اور ایسے سخت جکڑے ہوئے ہیں کہ اب وہ اپنا سر ہلا بھی نہیں سکتے جیسے کسی جانور کو جب پانی یا چارہ دینا منظور نہیں ہوتا تو اس کا منہ بند کر دیتے ہیں اور سر اس کا باندھ دیتے ہیں تاکہ وہ جانور نہ سر ہلا سکے اور نہ ہاتھ ہلا سکے یہی حال ان معاندین کا ہے جو نفسانیت اور عناد کے طوقوں میں ایسے جکڑ دیئے گئے ہیں کہ وہ حق کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے ان آیات میں جو مثال ذکر کی گئی ہے وہ اس کافر کی ہے جس نے حق کو خوب پہچان لیا اور پھر بجائے اس کے قبول کرنے کے اس کی دشمنی اور عداوت پر تُل گیا۔

اور علاوہ ازیں ہم نے ایک آڑ اور بڑی دیوار تو ان کے سامنے کھڑی کر دی ہے اور ایک آڑ اور بڑی دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی ہے اور پھر اس کے علاوہ ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ کما قال تعالیٰ - وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ تاکہ آنکھ پس پردہ کی کسی چیز کو نہ دیکھ سکے۔ لہٰذا ایسی حالت میں یہ لوگ حق کو نہیں دیکھ سکتے جب آگے اور پیچھے سے دیوار حائل ہو اور اوپر سے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا تو پھر راہ کیسے نظر آئے۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان کی شقاوت ازلیہ کی مثال بیان فرمائی ہے کہ فرض کرو کسی کے گلے میں اتنا بڑا طوق ہے کہ وہ ٹھوڑی تک اس میں جکڑا ہوا ہے تو لامحالہ اس کا منہ اوپر کو اُلل جائے گا اور وہ اپنے زیر قدم اور پاس کی راہ کو بلکہ کسی چیز کو بھی نہ دیکھ سکے گا اور مزید برآں جب آگے اور پیچھے بڑی بڑی دیواریں کھڑی کر دی جائیں اور اوپر سے آنکھوں پر کوئی پردہ ڈال دیا جائے تو پھر دور اور نزدیک کی کسی چیز کے نظر آنے کی کوئی صورت نہیں۔

کفار کی اس کیفیت اور حالت کو بیان کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی مقصود ہے کہ آپ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھیں ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگ چکی ہے اور آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے۔ اور جب یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ گئے تو ایسوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ اب ان میں ایمان کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی اور یہ برابری ان کے حق میں ہے نبی کے حق میں نہیں نبی کو بہرحال اِنذار کا اجر ملے گا۔ اللہ کے علم ازلی میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ کفر پر مریں گے ایسے لوگوں کو انذار اور تبلیغ اتمام حجت کے لیے ہے ہاں البتہ آپ کا ڈرانا صرف ایسے شخص کو سودمند ہو سکتا ہے جس میں ایمان اور قبول حق کی کوئی صلاحیت تو موجود ہو اور وہ شخص ہے کہ جو نصیحت کی پیروی کرے یعنی نصیحت کو سنے اور اس کے سمجھنے کی کوشش کرے اور سمجھ میں آجانے کے بعد اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور بغیر دیکھے غائبانہ خدا سے ڈرتا ہو۔ خدا سے بغیر دیکھے ڈرنا اور بغیر دیکھے آخرت اور قیامت کے احوال اور اہوال سے ڈرنا کہ دیکھئے آخرت میں مجھ پر کیا گزرے گی یہ خوف ہی طلب حق پر آمادہ کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ڈرانا ایسے ہی شخص کو سودمند ہو سکتا ہے کہ جو طالب حق ہو اور خدا سے ڈرتا ہو اور جو شخص سرے ہی سے خدا کا قائل نہ ہو یا اس کے دل میں خدا کا ڈر ہی نہ ہو اس کو ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے پس ایسے خدا ترس بندہ کو گزشتہ تقصیرات پر خدا کی مغفرت کی اور طاعات پر آئندہ زمانہ میں بڑے اچھے ثواب اور انعام کی خوشخبری سنا دیجئے جو اس کو اس عالم سے گذرنے کے بعد ملے گا۔ بے شک ہم قیامت کے دن مُردوں کو دوبارہ زندہ کریں گے تاکہ دنیا میں اِنذار اور تبشیر کے ثمرہ کو ظاہر کریں اور یہ ثمرہ دوبارہ زندگی ہی میں ظاہر ہوگا اور ہم یعنی ہمارے کراماً کاتبین ہمارے حکم سے ان کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں جو انہوں نے اپنی زندگی میں کیے اور ان آثار و نشانات کو بھی لکھتے جاتے ہیں جو انہوں نے اپنے مرنے کے بعد چھوڑے۔ آثار سے وہ اعمال مراد ہیں جن کا اثر مرنے کے بعد بھی باقی رہے جیسے علم دین

کے بارہ میں کوئی کتاب لکھی یا کوئی ناول اور ڈرامہ لکھا یا مسجد اور دینی مدرسہ بنا کر چھوڑا یا سینما اور کالج بنا کر چھوڑا۔ اسی کے مطابق جزا و سزا ملے گی۔ غرض یہ کہ لفظ آثار عام ہے خواہ وہ آثار حسیہ ہوں یا معنویہ۔ سب کے سب نامۂ اعمال میں درج ہیں اور مذکورہ بالا تمام چیزیں ان الفاظ کے عموم میں داخل ہیں۔ حتیٰ کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جاتے وقت جو قدم زمین پر پڑتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں ان پر بھی اجر ہے جیسا کہ بعض احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ دیارکم تکتب اٰثارکم اس لیے کہ محققین کے نزدیک اٰثَارَہُمْ سے مطلق آثار مراد ہیں خواہ وہ آثار حسی ہوں یا معنوی اس لیے اٰثَارَہُمْ میں وہ نشان قدم بھی داخل ہوں گے جو طاعت اور معصیت اور مسجد اور سینما کی طرف چلنے میں ظاہر ہوں۔

اور ہمارا علم اسقدر وسیع اور محیط ہے کہ ہم اس کتابت کے محتاج نہیں جو وقوع عمل کے بعد ہوئی ہے کیونکہ ہم نے تو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے اللہ تعالےٰ کو پہلے ہی سے سب چیزوں کا علم ہے اور ہر چیز پہلے ہی سے ہمارے احاطۂ علم میں ہے مگر جزاء اور سزا وقوع کے بعد ملتی ہے۔ ہر چیز وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وقوع کے بعد نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ہے۔ "امام مبین" سے لوح محفوظ مراد ہے جو کتاب اعمال کے علاوہ ہے جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور جو قیامت کے دن بندوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا

اور بیان کرو ان کے واسطے ایک کہاوت لوگ اس گاؤں کے جب آئے اس میں

الْمُرْسَلُوْنَ ۚ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ

بھیجے ہوئے۔ جب بھیجے ہم نے ان کی طرف دو

فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ

تو ان کو جھٹلایا پھر ہم نے زور دیا تیسرے سے تب کہا ہم تمہاری طرف

مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ

آئے ہیں بھیجے۔ وہ بولے تم تو یہی انسان ہو جیسے ہم، اور رحمٰن

اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾

نے کچھ نہیں اُتارا، تم سارا جھوٹ کہتے ہو۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ

کہا ہمارا رب جانتا ہے ہم بیشک تمہاری طرف بھیجے آئے ہیں ۔ اور ہمارا ذمہ

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ

یہی ہے پہنچا دینا کھول کر ۔ بولے ہم نے نامبارک دیکھا تم کو ۔ اگر تم

لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

نہ چھوڑو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے اور تم کو لگے گی ہمارے ہاتھ سے

اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ

دُکھ کی مار ۔ کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے ۔ کیا اس سے کہ تم کو سمجھایا ، کوئی

اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ

نہیں ! پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے ۔ اور آیا شہر کے پرلے سرے سے

رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾

ایک مرد دوڑتا ۔ بولا ، اے قوم ! چلو راہ پر اُن بھیجے ہوؤں کے ۔

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

چلو راہ پر ایسوں کی ، جو تم سے نیگ نہیں مانگتے اور راہ سوجھے ہیں ۔

قصۂ اصحاب القریہ برائے عبرت و نصیحت مکذبین رسالت

قال اللہ تعالیٰ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ... الیٰ ... وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں معاندین اور مکذبین رسالت کا ذکر تھا اب آگے ان کی تہدید اور عبرت کے لیے ایک آبادی کا قصہ بیان کرتے ہیں تاکہ مشرکین مکہ کو معلوم ہو جائے کہ مستکبرین اور منکرین نبوت کا کیا انجام ہوتا ہے اور ایسوں کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے اس قصہ کے ذکر کرنے سے مسئلۂ نبوت و رسالت

کی تائید اور تکذیب کرنے والوں کی تہدید مقصود ہے تاکہ مکذبین رسالت اس سے عبرت پکڑیں۔ اور جان لیں کہ ذکر اور نصیحت سے اعراض کا کیا انجام ہوتا ہے۔

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں جس قریہ کا ذکر ہے اس سے شہر انطاکیہ مراد ہے جو شام کے علاقہ میں ایک بستی ہے اور اس قصہ میں جن مرسلین کا ذکر ہے ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مراد ہیں جو شہر انطاکیہ میں وعظ اور نصیحت اور تبلیغ اور دعوت کی غرض سے آئے تھے۔ تاکہ وہاں کے بت پرستوں کو توحید اور رسالت اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دیں ——— حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے کچھ پہلے ان تین حواریوں کو انطاکیہ کی طرف بھیجا کہ ان کو دین حق کی دعوت دیں اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان حواریوں کو اللہ کے حکم سے بھیجا تھا اس لیے اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْہِمُ اثْنَیْنِ میں ان کے ارسال کو خداوند ذوالجلال کی طرف منسوب کیا گیا غرض یہ کہ اس رکوع میں جن کو مرسلین کہا گیا وہ خداوند کے بلاواسطہ رسول نہ تھے بلکہ نائب رسول یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تھے اور وہ تینوں عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ اور ایلچی تھے ان کی طرف سے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی اور ان کی شریعت کے اتباع کی دعوت دیتے تھے اس لیے اہل قریہ نے ان مبلغین کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قائم مقام اور وکیل سمجھ کر اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہا۔ اہل قریہ کی طرف سے ظاہر میں یہ خطاب حواریین کو تھا مگر در پردہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تھا اس لیے کہ اصل رسول تو عیسیٰ علیہ السلام تھے اور یہ حواری ان کے وکیل اور قائم مقام اور نمائندہ تھے اور "رسل" اور "مرسلین" کے معنی فرستادہ کے ہیں۔ خواہ خدا تعالیٰ کے رسول مرسل ہوں یا کسی نبی کے فرستادہ ہوں۔ لفظ مرسل کا اطلاق سب پر آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی ایک جماعت آئی تو یہ فرمایا۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ اس آیت میں مرسلین سے فرشتے مراد ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے بھیجا تھا۔

اور ملکہ بلقیس نے جو سلیمان علیہ السلام کے پاس قاصد اور ایلچی بھیجے تھے ان پر بھی مرسلین کا اطلاق آیا ہے۔ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ۔

اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ان آیات میں مرسلین سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ مراد ہوں۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں شخص بلاواسطہ خدا کے رسول تھے اس قریہ والوں کی طرف اول دو رسول بھیجے گئے۔[1] جیسے اہل مصر کی طرف اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۴ ج ۱۵

[1] قال الامام القرطبی قیل هم رسل من الله علی الابتداء وقیل ان عیسی علیه السلام بعثهم الی انطاکیة للدعاء الی الله تعالیٰ وهو قوله تعالیٰ اذ ارسلنا الیهم اثنین واضاف الرب ذلك الی نفسه لان عیسیٰ علیه السلام ارسلهما بامر الرب وکان ذلك حین رفع عیسیٰ الی السماء اھ تفسیر قرطبی ص ۱۴ ج ۱۵۔

غرض یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اسی قریہ والوں کی طرف اوّل دو رسول بھیجے پھر بعد میں ان کی تائید اور تقویت کے لیے تیسرا رسول بھیجا۔ تینوں نے مل کر ان بت پرستوں کو توحید کی دعوت دی۔ اہل قریہ نے ان کے جواب میں کہا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہ تم لوگ تو ہم ہی جیسے بشر اور آدمی ہو۔ اہل قریہ کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تینوں شخص بلا واسطہ خدا کے رسول تھے جن کو اللہ تعالےٰ نے اہل انطاکیہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ نہ تھے پس اگر یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ اور ایلچی یا ان کے فرستادہ ہوتے تو اہل قریہ ان سے یہ نہ کہتے مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کیونکہ آدمی کی طرف سے آدمی کے ایلچی ہونے کے وہ بھی منکر نہ تھے نیز اگر وہ تینوں حضرت عیسیٰؑ کے حواری ہوتے تو وہ خود کہتے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ پیام لے کر آئے ہیں اور ہم ان کے قاصد اور ایلچی ہیں اس لیے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس قریہ سے قریہ انطاکیہ مراد نہیں بلکہ گزشتہ زمانہ کی کوئی بستی مراد ہے جہاں یہ واقعہ گذرا ہے اور ہم کو اس کی تفصیل اور تعیین معلوم نہیں نیز یہ بستی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والی بستیوں میں سے ہے۔ منکرین اور مکذبین رسالت سے نہیں اور نہ یہ بستی عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس رکوع میں جس قریہ کا قصہ ذکر کیا گیا ہے اس سے انطاکیہ مراد نہیں بلکہ پہلے زمانہ کی کوئی بستی مراد ہے جس کا ہمیں علم نہیں اور یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے زمانہ کے مکذبین رسالت کا ہے جہاں اوّل بار خدا تعالےٰ نے دو رسول بھیجے اور پھر ان کی مدد کے لیے تیسرا رسول بھیجا پھر ان تین رسولوں کی مدد کے لیے شہر کے کنارہ سے ایک مرد صالح آیا جس نے رسولوں کی اطاعت اور اتباع کے متعلق نہایت معقول اور مدلل تقریر کی جس پر نادانوں نے برا فروختہ ہو کر اس مرد صالح کو قتل کر دیا یا خدا تعالےٰ نے اپنی رحمت اور عنایت سے اس کو صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ بہرحال اس قریہ سے قریہ انطاکیہ مراد نہیں بلکہ کوئی اور بستی مراد ہے اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ یہ قصہ کس بستی کا ہے اور کن رسولوں اور پیغمبروں کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ بستی کی تعیین سے سکوت کیا جائے اس لیے کہ ان آیات کی تفسیر اس قریہ کی اور رسولوں کی تعیین پر موقوف نہیں اس قصہ کے بیان سے منکرین رسالت کی تہدید مقصود ہے وہ بہرصورت حاصل ہے۔

مقصود کفار مکہ کو سنانا ہے کہ سن لیں منکرین نبوت و رسالت کا یہ انجام ہوتا ہے جو اہل قریہ کا ہوا پس اے ہمارے نبی آپ یہ قصہ اہل مکہ کو سنا دیجئے تاکہ جو ایمان کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ ایمان لے آئیں اور جو کٹر کافر ہیں وہ روز بد کے لیے تیار ہو جائیں غرض یہ کہ آیات قرآنیہ تعیین قریہ کے بارے میں مبہم ہیں اس لیے اب ہم بھی تعیین سے سکوت کرتے ہیں اور قرآن کریم نے جس اجمال اور ابہام کے ساتھ اس قصہ کو ذکر کیا ہے اسی کے مطابق ہم اس کی تفسیر کرتے ہیں چنانچہ حق جل شانہٗ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان مکذبین رسالت کے لیے اگلوں کی تکذیب اور ان کی بدانجامی کی ایک داستان بیان کیجئے جس سے ان کو معلوم ہو کہ ان سے پہلے ایک قوم نے پیغمبروں کی تکذیب کی پھر وہ لوگ قیامت سے پہلے ہی دنیاوی

عذاب میں گرفتار ہوئے یعنی ان کے سامنے اس بستی والوں کا حال بیان کر۔ جس میں تین رسول آئے تھے۔ اوّل بار ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے پس لوگوں نے ان کو جھٹلایا اور سنتے ہی فوراً ان کی تکذیب کردی۔ پھر دوسری بار ہم نے تیسرے رسول سے ان کو قوت دی۔ ان دونوں کی تائید اور تقویت کے لیے تیسرے کو ہم نے وہاں جانے کا حکم دیا تاکہ تین کے جمع ہوجانے سے دعوت اور تبلیغ میں قوت پیدا ہو۔ پس ان تینوں رسولوں نے بستی والوں سے کہا کہ ہم تینوں من جانب اللہ تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ تم کو خدا کا راستہ بتلائیں۔ بت پرستی کو چھوڑو اور توحید و رسالت پر ایمان لاؤ اہل قریہ نے جواب دیا کہ تم کچھ نہیں سوائے اس کے کہ تم ہم ہی جیسے آدمی ہو۔ صفات بشریہ میں ہم اور تم یکساں ہیں پس خدا نے تم کو نبوت اور رسالت کے ساتھ کیوں خاص کیا اور علاوہ ازیں مسئلۂ نبوت و رسالت سرے ہی سے غلط ہے اس لیے کہ تمہارے قول کی بنا پر نبوت کا دار و مدار وحی الٰہی ہے اور اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز یعنی وحی اور کتاب نازل نہیں کی جیسے یہود نے عناد میں کہا تھا۔

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ اسی طرح ضد اور عناد میں ان لوگوں نے بھی یہی کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ ہم خدا کے فرستادہ ہیں اور خدا نے بذریعہ وحی کے ہم کو یہ حکم دیا ہے یہ سب غلط ہے وحی کوئی چیز نہیں۔ اور بولے کہ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ نے ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور ہم پر یہ وحی نازل کی ہے۔ اللہ کو اگر پیغام دینا منظور ہوتا تو کسی فرشتہ کو بھیجتا انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی جھوٹ نہیں بنایا بلکہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھیجا ہے بلاشبہ ہم تمہاری طرف خدا کا پیغام دے کر بھیجے گئے ہیں سو وہ ہم نے تم تک پہنچا دیا ہے اور ہمارا کام تو صرف اللہ کے پیغام اور احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دینا ہے اب آگے ماننا اور نہ ماننا وہ تمہارا کام ہے اس کے بعد شاید اہل شہر قحط اور دیگر مصائب میں مبتلا کر دیئے گئے ہوں۔ جیسا کہ اللہ کی سنت ہے کہ عذاب نازل کرنے سے پہلے نافرمانوں کو قحط وغیرہ میں مبتلا کرتے ہیں۔ تاکہ متنبہ ہوجائیں۔ مگر وہ بدبخت الٹا پیغمبروں پر الزام لگانے لگے اور بولے کہ تحقیق ہم نے تم کو منحوس پایا۔ کہ تمہاری وجہ سے ہم کو یہ نحوست پہنچی جب سے تمہارے منحوس قدم اس شہر میں آئے بارش نہیں برسی اور ہماری سب کھیتیاں خشک ہوگئیں اور قوم میں نا اتفاقی ہوگئی اور بولے کہ تحقیق ہم تم کو منحوس سمجھتے ہیں۔ جب سے تم آئے ہو ہم طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں جب سے تم اس شہر میں آئے ہو اس وقت سے بارش نہیں ہوئی اور ہماری سب کھیتیاں خشک ہوگئیں۔ اگر تم اپنے اس دعوے سے اور اپنی اس تبلیغ اور دعوت سے اور ایسی باتوں سے باز نہ آئے تو سُن لو کہ ہم تم کو سنگسار کردیں گے اور تمہارا کام تمام کردیں گے اور بلکہ اس سے پہلے ہی تم کو ہماری طرف سے سخت تکلیف پہنچے گی یعنی طرح طرح سے ہم تم کو ستائیں گے۔ ان رسولوں نے کہا کہ تمہارا یہ شگونِ بد اور یہ نحوست سب تمہارے ساتھ ہے ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ نحوست جو تم کو پہنچی ہے۔ وہ تمہاری طرف سے آئی ہے اور اس پر ڈھٹائی یہ ہے کہ ڈراتے اور دھمکاتے ہو ہم کو۔ ہم اللہ

کے فرستادہ ہیں اور مجسم رحمت ہیں حق اور ہدایت لے کر آئے ہیں جس چیز کو تم نے نحوست سمجھا ہے وہ محض تمہارا گمان ہے اور اپنی وہمی اور خیالی نحوست کو ہماری طرف منسوب کرنا یہ بھی تمہارا خواب و خیال ہے جس پر عقلاً و نقلاً کوئی دلیل نہیں نحوست کا اصل منشا کفر اور معصیت ہے جو تمہیں چمٹا ہوا ہے کیا محض اس لیے کہ ہماری طرف سے تم کو نصیحت کی گئی ہے تم ہمیں الزام دینے لگے اور نصیحت اور دعوت حق کو نحوست بتلانے لگے اور ہمیں دھمکانے اور ڈرانے لگے تمہاری یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ تم خود حد سے گذر جانے والے لوگ ہو اور یہ مصیبت اور نحوست تمہارے افعال بد کا نتیجہ ہے بلا وجہ اور بلا دلیل تم اس کو ہماری طرف منسوب کرتے ہو اور ہماری نصیحت کو نحوست کا سبب بتلانے لگے ہو۔ اور ہم جو کہہ رہے ہیں وہ سامان سعادت و سعودت ہے نہ کہ نحوست۔ اور جب اس گفتگو کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی تو اسی اثنا میں ایک چوتھا شخص یعنی ایک مرد کامل منتہائے شہر سے مرسلین کی تائید اور اعانت کے لیے دوڑتا ہوا آیا۔ اور لوگوں کو نصیحت کرنے لگا اور یہ کہا کہ اے میری قوم عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم خدا کے ان فرستادوں کا اتباع اور ان کی پیروی کرو جو حق دے کر تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں لہٰذا ان کا کہنا مانو۔ بالکل سچے لوگ ہیں۔ خدا کی طرف سے تمہارے پاس نیک پیغام لے کر آئے ہیں اور تم کو صدق اور امانت اور عفاف اور صلہ رحمی اور مکارم اور محاسن اعمال اور توحید اور حسن عبادت کا حکم دیتے ہیں جس سے مقصود محض تمہاری خیر خواہی ہے اور جو شخص ایسی پاکیزہ باتوں کا حکم دے وہ کبھی منحوس نہیں ہو سکتا۔ عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسی پاکیزہ ہستیوں کا اتباع عقلاً واجب ہے اور ان کی پیروی سراسر خیر و برکت ہے اور باعث سعادت ہے اور اس سے اعراض نحوست ہے نیز ان کے واجب الاتباع ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ عقل سلیم یہ حکم دیتی ہے کہ ایسے ناصح مخلص کی پیروی کرو جو تم سے کوئی اجرت اور معاوضہ نہیں مانگتا۔ وہ ناصح مخلص ہے وہ تم سے نہ مال کا طالب ہے اور نہ جاہ کا طالب ہے۔ بے غرض ہے حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک ہے محض تمہاری شفقت اور خیر خواہی کے لیے تم نادانوں کی طرف سے یہ مشقتیں برداشت کر رہا ہے ایسے شخص کی پیروی میں کیا تردد ہے مخلص اور بے غرض ناصح کا اتباع عقلاً واجب ہے اور علاوہ ازیں ان کے واجب الاتباع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ خود راہ راست پر ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں اور تم کو بھی راہ راست پر چلانا چاہتے ہیں لہٰذا ان کے اتباع اور پیروی سے گریز میں تمہارے لیے کوئی عذر نہیں مگر ان بدبختوں اور بدعقلوں نے ایک نہ سنی۔ بالآخر اس چوتھے شخص کو شہید کر ڈالا۔ جیسا کہ عنقریب آتا ہے۔

نکتہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کلمۂ حق کو بشہادت قلبی پہچان لیتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کر کے خلق اللہ کو کلمۂ حق کی دعوت دیتی ہے۔ آخرت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد جو مراتب و منازل ہیں وہ ان کو عطا کیے جائیں گے اور یہ صفت خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ہے (ازالۃ الخفاء)

وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ

اور مجھ کو کیا ہے کہ میں بندگی نہ کروں اسکی جس نے مجھ کو بنایا اور اسی کی طرف

تُرْجَعُونَ ۝٢٢ ءَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً إِنْ يُرِدْنِ

پھر جاؤ گے بھلا میں پکڑوں اسکے سوا اوروں کو پوجنا کہ اگر مجھ پر چاہے

الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا

رحمٰن تکلیف ، کچھ کام نہ آوے مجھ کو انکی سفارش اور نہ وہ مجھ

يُنْقِذُونِ ۝٢٣ إِنِّي إِذًا لَفِي ضَلٰلٍ مُبِينٍ ۝٢٤ إِنِّي آمَنْتُ

کو چھڑاویں تو تو میں بھٹکا رہوں صریح میں یقین لایا

بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ۝٢٥ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ

تمہارے رب پر مجھ سے سن لو حکم ہوا کہ چلا جا بہشت میں بولا کسی طرح

قَوْمِي يَعْلَمُونَ ۝٢٦ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ

میری قوم معلوم کریں کہ بخشا مجھ کو میرے رب نے اور کیا مجھ کو

الْمُكْرَمِينَ ۝٢٧ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ

عزت والوں میں اور اتاری نہیں ہم نے اسکی قوم پر اس کے پیچھے کوئی

جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ۝٢٨ إِنْ كَانَتْ إِلَّا

فوج آسمان سے اور ہم اُتارا نہیں کرتے یہی تھی ایک

صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خٰمِدُونَ ۝٢٩ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ

چنگھاڑ ، پھر تبھی سب بجھ رہے کیا افسوس ہے بندوں پر

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٣٠

کوئی رسول نہیں آیا ان پاس جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ

کیا نہیں دیکھتے کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں ؟ کہ وہ

اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا

ان پاس پھر نہیں آتے اور ساروں میں کوئی نہیں جو اکٹھے نہ آویں

مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

ہمارے پاس پکڑے

بقیہ قصہ مردِ صالح مشتمل بر پند و نصائح برائے اصلاح قوم

قال اللہ تعالیٰ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ .... اِلیٰ .. وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ

خلاصۂ کلام یہ کہ منتہائے شہر سے ایک مرد صالح دوڑتا ہوا آیا اور اپنی قوم کو نصیحت کرنے لگا کہ تم مرسلین کی پیروی کرو کیونکہ یہ لوگ خود غرضی سے بالکلیہ پاک ہیں جو مانع اتباع ہے اس لیے کہ وہ تم سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں مانگتے لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا کے مصداق کامل ہیں اور خود حق اور راہ راست پر ہیں اور تم کو بھی حق اور راہ راست کی دعوت دے رہے ہیں جو اتباع اور پیروی کا داعی اور مقتضی ہے اور میں نے تو حق کو پہچان لیا اور دل وجان سے اسکو قبول کر لیا اور جو بات میں نے اپنے لیے پسند کی ہے وہی تمہارے لیے پسند کرتا ہوں اور آخر مجھے کیا ہوا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہاری طرح شرک اور بت پرستی میں مبتلا رہوں اور کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور پردۂ عدم سے نکال کر وجود کا خلعت مجھ کو پہنایا اور نیست سے ہست کیا ہم پر خالص حق اسی ذات کا ہے جس نے ہم کو پیدا کیا جس میں میں اور تم برابر ہیں ایک بندہ اور پروردہ اپنے آقا اور مربی سے کیسے آزاد ہو سکتا ہے بندہ پر حق ہے کہ وہ اپنے خالق کی بندگی کرے جس نے اسکو وجود بخشا اور پالا اور آخر کار اس چند روزہ زندگی کے بعد پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جس خالق اور فاطر کے پاس سے تم آئے تھے پھر اسی کی طرف تم کو جانا اور لوٹنا ہے اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے کیا منہ دکھاؤ گے تم اس کے دائرۂ حکومت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتے وہی ہمارا مبداء ہے اور وہی ہمارا منتہا ہے تم ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے خالق اور فاطر کے پیغام کو سنے اور اپنے مبداء اور معاد کو پہچانے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کل مولود یولد

علی الفطرۃ اور قرآن کریم میں ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا وہ انسان ہی کیا ہوا جسے اپنے خالق اور مربی سے انس نہ ہو۔

نکتہ وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ اس مرد صالح نے بات اپنے اوپر رکھ کر قوم کو سنادی اور وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ سے قوم کو خطاب کیا کہ اپنے مآل اور انجام کی فکر کرو۔

یہ تو خالق کے مستحق عبادت ہونے کو بیان کیا اب آگے بت پرستی کا رد ہے کہ تمہارے یہ بت کس طرح لائق عبادت نہیں کیا میں اپنے خالق اور فاطر کو چھوڑ کر ان بتوں کو اپنا معبود بنالوں جو بالکل عاجز ہیں کہ باختیار خود اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتے اور جن کی درماندگی اور عاجزی کی یہ کیفیت ہے کہ اگر خدائے مہربان اپنی کسی رحمت اور حکمت سے کسی وقت مجھے کسی تکلیف اور ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے تو میرے لیے ان بتوں کی نہ تو کوئی سفارش کام آئے گی اور نہ یہ بت اپنی قدرت یا قوت سے مجھے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکیں گے تحقیق میں ایسی حالت میں اگر انکو معبود مان لوں تو صریح گمراہی میں جا پڑوں تم لوگ غور نہیں کرتے کہ تم کیسی صریح گمراہی میں مبتلا ہو میری نصیحت کو گراں نہ جانو میں تمہارا صریح خیرخواہ ہوں تحقیق میں تمہارے پروردگار پر ایمان لے آیا ہوں جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو پرورش کرتا ہے پس تم میری بات سنو اور تم سبھی اپنے خالق اور پروردگار پر ایمان لے آؤ۔

(یا یہ معنی ہیں) کہ اگر تم ایمان نہیں لاتے تو تم میرا کلمۂ ایمان سُن لو اور میرے ایمان پر گواہ ہو جاؤ تاکہ تم دنیا اور آخرت میں میرے ایمان کی گواہی دے سکو۔

نکتہ بِرَبِّكُمْ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو میرا خالق اور پروردگار ہے وہی تمہارا بھی پروردگار ہے پھر اس سے برگشتگی کی کیا وجہ پس جب مرد صالح نے اپنا کلام نصیحت التیام اس حد تک پہنچا دیا تو اہل قریہ سن کر غصہ میں جامہ سے باہر ہو گئے اور اس مرد صالح و ناصح پر ٹوٹ پڑے اور پتھروں سے یا گلا گھونٹ کر نہایت بے دردی سے اسکو مار ڈالا۔

اور بعض علماء سلف جیسے حسن بصریؒ سے یہ منقول ہے کہ اہل قریہ اس مرد صالح کو ابھی قتل کرنے نہ پائے تھے اسکے مار ڈالنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو زندہ صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا اور اسکو یہ حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا دنیا کے جیل خانہ سے تو نکل آیا اب ہمارے مہمان خانہ میں قیام کر کما قال تعالیٰ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ: جنت میں داخل ہونے کے بعد اس مرد صالح کو پھر اپنی قوم

---

[1] قال الامام القرطبیؒ وقال الحسن لما اراد القوم ان یقتلوہ رفعه اللّٰه الی السماء فھو فی الجنة لا یموت الا بفناء السماء (تفسیر قرطبی ص ۱۹ ج ۵)

کی فکر ہوئی اور کہنے لگا کاش میری قوم جانتی کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور انبیاء کے اتباع کی برکت سے میری مغفرت کردی اور مجھ کو عزت اور کرامت والوں میں سے بنا دیا اگر میری قوم کو میرا حال معلوم ہوجائے تو وہ سب ایمان لے آئیں پس جب اہل قریہ مرسلین کی تکذیب کر چکے اور خدا کے ایک ولی کے قتل کے درپے ہوئے تو غضب الٰہی جوش میں آیا کہ ان سنگدلوں سے اس کا انتقام لیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور اس مرد صالح کے قتل کے بعد یا اس کے رفع الی السماء کے بعد یا تکذیب مرسلین کے بعد یا اس سارے ماجرے کے بعد ہم نے اس خبیث قوم سے انتقام لینے کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہمیں اتارنے کی حاجت اور ضرورت تھی انکا ہلاک کرنا کچھ مشکل نہ تھا کفار خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں خدا کی نظر میں اس قدر ذلیل اور حقیر ہیں کہ انکے ہلاک کرنے کیلئے آسمانی لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے خدا تعالیٰ کے لیے تو آسمان اور زمین کا اور سارے عالم کا تباہ کرنا بھی مشکل نہیں ایک بستی کی تو حقیقت ہی کیا ہے اور اہل قریہ کے ہلاک کرنے کیلئے کچھ نہیں ہوا مگر صرف ایک چیخ کافی ہوئی چنانچہ جبریل امین ؑ نے یا کسی اور فرشتہ نے اس شہر کے کنارہ پر ایک چیخ ماری جس سے یکلخت سب کے سب تباہ اور برباد ہوگئے پس ناگاہ اسی وقت سب بجھے ہوئے ہوگئے جبریل ؑ اور فرشتہ کی ایک کرخت آواز سے سب کے کلیجے پھٹ اور بجھی ہوئی آگ کی طرح سب ٹھنڈے ہوگئے اور حیات کی حرارت ختم ہوئی اور کوئی باقی نہ بچا خدا تعالیٰ دشمنوں سے اپنے دوستوں کا اس طرح انتقام لیتا ہے سن لو اور سمجھ لو مطلب یہ ہے کہ ہماری حکمت اور مصلحت اس بات کو مقتضی نہیں کہ کسی قوم کے ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر اتاریں اور نہ ہمیں اسکی ضرورت تھی ہمارے نزدیک تو سارے جہان کا ہلاک کرنا بھی آسان ہے ہمارے نزدیک سب ہیچ اور ناچیز ہیں گذشتہ قوموں نے جب خدا کی نافرمانی کی اور پیغمبروں کا مقابلہ کیا تو خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو ہوا سے تباہ کیا اور کسی قوم پر پتھر برسائے اور کسی قوم کو سخت آواز نے پکڑا اور کسی کو زمین میں دھنسایا اور کسی کو دریا میں غرق کیا۔

غرض یہ کہ گذشتہ قومیں اس طرح ہلاک کی گئیں ان کے ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نازل نہیں کیا گیا۔ کما قال تعالیٰ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا۔

خدا تعالیٰ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے اس لیے گذشتہ قوموں کے ہلاک کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے یہ اسباب پیدا کیے ورنہ خدا تعالیٰ کو تو اسکی بھی ضرورت نہ تھی وہ چاہتا تو دم کے دم میں سب کا دم نکل جاتا۔

اور جنگ بدر اور جنگ احزاب اور جنگ حنین میں فرشتوں کے جو لشکر اتارے گئے اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اعزاز اور اکرام مقصود تھا یہ آپ کی خصوصیت تھی آپ کی عظمت شان اور جلالت قدر

کے اظہار کیلئے فرشتوں کے لشکر اتارے گئے نیز یہ معاملہ صحابہ کرامؓ کی دلجوئی اور انکی قدر افزائی کے لیے تھا ورنہ ابوجہل کا لشکر ہلاک کرنے کیلئے فرشتوں کے لشکر کی ضرورت نہ تھی غرض یہ کہ جنگ بدر اور جنگ احزاب میں فرشتوں کا لشکر اتارنا محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور کرامت اور جلالت شان کو ظاہر کرنے کے لیے اور صحابہ کرام کی بشارت اور انکی سکینت اور طمانینت کے لیے تھا کما قال تعالیٰ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ورنہ ہزار کافروں کے ہلاک کرنے کیلئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا قوم لوط کی تمام بستیوں کو یکلخت اوپر سے نیچے پھینک دیا دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازیؒ ص۵۷ ج ۷ وحاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی ص۱۲۷ ج۴۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جنگ بدر میں جو فرشتوں کا لشکر اتارا گیا اس سے قریش کے لشکر کو ہلاک کرنا مقصود نہ تھا بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور صحابہ کرامؓ کی کرامت تھی محض صحابہ کی تقویت قلوب کے لیے فرشتوں کا لشکر اتارا گیا اور کفار قریش صحابہ کرام کے ہاتھوں مارے گئے اور قید کیے گئے دیکھو روح المعانی ص۲ ج ۲۳ و روح البیان ص۳۶۸ ج ۷۔

اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب قریہ کی سرکشی اور شرارت کی سزا کے لیے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ اسکی ضرورت تھی ایک تند آواز نے سب کا خاتمہ کر ڈالا فرشتہ کی ایک چیخ سب کی ہلاکت کے لیے کافی ہوئی۔

نکتہ اور وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ میں مِنْۢ بَعْدِهٖ کی قید شاید اس لیے لگائی گئی تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اگرچہ بعد میں بھی اس قسم کے لوگ ہوتے کہ جو اس قسم کے عذاب کے مستحق ہوتے مگر ہم نے اپنی رحمت سے انکے ہلاک کرنے کے لیے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اب آگے انکے اس عمل بد پر اظہار افسوس کا بیان ہے اے حسرت وافسوس تو کہاں ہے یہ وقت تیرے حاضر ہو جانے کا ہے تو حاضر ہو کر ان بندوں اور گندوں پر نازل ہو جا جو خدا کے نبیوں کی تکذیب اور استہزاء میں اور خدا کے ولیوں کی تذلیل اور تحقیر میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔

ان سرکشوں کا حال یہ ہے کہ نہیں آیا انکے پاس کوئی رسول مگر اسکے ساتھ ٹھٹھا کرتے انبیاء اور اولیاء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر بھی انکی حسرت کا سبب بنا پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ حاضرین گذشتہ امتوں کے حال بداعمال سے بھی عبرت نہیں پکڑتے اور نصیحت حاصل نہیں کرتے کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو تکذیب رسل اور انکے ساتھ استہزاء کی سزا میں غارت اور ہلاک کر ڈالا اور باوجود اسکے پھر بھی تکذیب رسل اور ان کے ساتھ استہزاء سے باز نہیں آتے کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ جو سرکش ہلاک کر دیئے گئے اور عذاب کی چکی میں پیس دیئے گئے اور انکا قصہ ختم ہوا اب وہ لوٹ کر انکی طرف نہیں آتے یعنی وہ پھر دنیا میں انکے پاس نہیں آتے جو آکر لوگوں کو اپنا حال بتلائیں مرنے کے بعد کسی مردہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ باختیار خود عالم آخرت سے عالم دنیا میں دو

چار گھنٹے ہی کیلئے آجاتے اور جن مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے وہ محض اللہ کے حکم سے کسی حکمت کی بنا پر تھا باختیار خود نہ تھا اور کوئی نہیں مگر قیامت کے دن سب کے سب جمع کرکے ہمارے حضور میں حاضر کیے جائیں گے اور اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے اور مجرم تو پابجولاں زنجیروں میں جکڑے ہوئے حاضر کیے جائیں گے اپنے انجام کو سوچ لیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا

اور ایک نشانی ہے انکو زمین مردہ اسکو ہم نے جلایا

وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيْهَا

اور نکالا اس میں سے اناج سو اسی میں سے کھاتے ہیں اور بنائے ہم نے اس

جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ

میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہائے اس میں بعضے

الْعُيُوْنِ ﴿٣٤﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ

چشمے کہ کھاویں اس کے میووں سے اور وہ بنایا نہیں انکے ہاتھوں نے

اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا

پھر کیوں شکر نہیں کرتے پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾

چیز کے اس قسم سے جو اُگتا ہے زمین میں اور آپ ان میں اور جن چیزوں میں کہ ان کو خبر نہیں

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ښ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ

اور ایک نشانی ہے انکو رات ادھیڑ لیتے ہیں ہم اس سے دن پھر تبھی یہ رہ جاتے ہیں

مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ

اندھیرے میں اور سورج چلا جاتا ہے اپنی ٹھہری راہ پر یہ سادھا

تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى

ہے اس زبردست باخبر کا اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں

عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ

تک کہ پھر آرہے جیسے ٹہنی پرانی نہ سورج کو پہنچے کہ پکڑ لے

اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ

چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر

فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ

کوئی ایک ایک گھیرے میں پھرتے ہیں اور ایک نشانی ہے ان کو کہ ہم نے اٹھالی انکی نسل

فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اس بھری کشتی میں اور بنا دیئے ہم نے انکو اس طرح کے

مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ

جس پر چڑھتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو انکو ڈبا دیں پھر کوئی نہ پہنچے

لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا

انکی فریاد کو اور نہ وہ خلاص کیے جاویں مگر ہم اپنی مہر سے اور کام چلانے کو

اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

ایک وقت تک

ذکر دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت و امکان حشر و نشر

قال اللہ تعالیٰ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ .... اِلٰى ..... وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۔

(ربط) گذشتہ آیات میں ان سرکشوں کا حال بیان کیا جو توحید کے بھی منکر تھے اور نبوت و رسالت کے بھی

منکر تھے اور حشر و نشر کے بھی منکر تھے اب آگے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے توحید ثابت ہو اور شرک کا ابطال ہو اور حشر و نشر کا امکان ثابت ہو۔

(نیز) گذشتہ مضمون کے ختم پر یہ فرمایا وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ جس سے ان کفار کو تنبیہ تھی جو معاد کے منکر اور اس سے غافل تھے اب آگے دلائل قدرت کو ذکر کرتے ہیں تاکہ حشر و نشر کا اقرار کریں اور آخرت کی کچھ فکر کریں اور ان دلائل قدرت کے ضمن میں اپنی نعمتوں کو بھی شمار کیا تاکہ اپنے منعم حقیقی کو پہچانیں اور اسکا شکر کریں اور کفر اور کفران سے باز آجائیں اور منعم حقیقی کی توحید کے قائل ہوں اور منعم حقیقی کے مرسلین یعنی خدا کے فرستادوں کی دعوت و تبلیغ کی طرف کان لگائیں تاکہ راہ راست پر چل سکیں اور منعم حقیقی کو راضی کر سکیں بعد ازاں حق تعالیٰ نے کفار ناہنجار کی طعن آمیز باتوں کو نقل کر کے انکا جواب دیا اور جس شبہ کی بناء پر دوبارہ زندہ ہونے کو وہ محال سمجھتے تھے اس شبہ کا مفصل اور مدلل جواب دیا اور اس مضمون پر سورت کو ختم کیا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ قادر مطلق ہے وہ بلاشبہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے شبہ اور وسوسہ میں نہ پڑو اور اس مقام پر جس قدر دلائل قدرت ذکر کیے ان میں سے ہر دلیل کے ضمن میں متعدد دلائل ہیں ہر دلیل متعدد دلائل کا مجموعہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اوّل

قال تعالیٰ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ

یہ اسکی قدرت کی پہلی دلیل ہے کہ اللہ کی آیات قدرت میں سے ایک زمین ہے جو ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے اسکے حالات میں غور کر لو کہ ہم خشک زمین کو تر و تازہ کر کے اس میں قسم قسم کے پھل اور غلے پیدا کرتے ہیں جو تمہاری زندگی کا سامان ہے تاکہ تم لوگ اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو مگر افسوس تم شکر نہیں کرتے تمام عالم مل کر بھی ایک پھل پیدا کرنے پر قادر نہیں پس خوب سمجھ لو کہ جو ذات زمین سے غلوں اور پھلوں کے نکالنے پر قادر ہے وہ زمین سے مُردوں کے نکالنے پر بھی قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان کافروں کے لیے خدا کی قدرت کی ایک عظیم نشانی مردہ زمین ہے یعنی خشک اور بے گھاس زمین ہے جسکو بارش کے ذریعہ ہم نے زندہ اور سرسبز کیا اور اس میں سے دانہ نکالا یعنی غلہ اور اناج نکالا پس اسی دانہ سے یہ لوگ کھاتے اور زندہ رہتے ہیں اور اسی زمین میں ہم نے قسم قسم کے باغات بناتے کھجوروں کے اور انگوروں کے کسی زمین میں انگور پیدا ہوتا ہے مگر خرما پیدا نہیں ہوتا جیسے کابل کی زمین اور کسی زمین میں کھجور پیدا ہوتا ہے اور انگور پیدا نہیں ہوتا جیسے مدینہ کی زمین یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کسی مادہ اور ایتھر کا تقاضہ نہیں اور زمین میں ہم نے چشمے جاری

کیے جن میں سے اکثر کا پانی شیریں اور خوشگوار ہے جو نالوں اور نہروں اور ندیوں کی طرح جاری ہے تاکہ لوگ ان باغات کے پھلوں سے کھائیں جنکو اللہ نے پیدا کیا اور یہ سب کچھ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا اور نہ انکے معبودوں نے تخم ریزی اور آبپاشی کی بظاہر اگرچہ انکے ہاتھوں نے کی ہے مگر غلوں اور پھلوں کا پیدا ہونا یہ تو خدا ہی کے دست قدرت کا کرشمہ ہے پس کیا یہ لوگ اللہ کی ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے جس نے یہ نعمتیں پیدا کیں اور خالص اللہ کی عبادت نہیں کرتے کہ جو ان نعمتوں کا خالق ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام متقابل اور متضاد الانواع واقسام کو پیدا کیا از قسم نباتات جن کو زمین اگاتی ہے کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا کوئی شیریں اور کوئی تلخ اور خود آدمیوں کی ذاتوں میں سے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو عرب اور کسی کو عجم اور کسی کو شامی اور کسی کو حبشی۔

اور ان چیزوں سے جن کو یہ نہیں جانتے مختلف اقسام پیدا کیں جیسے اس نے قسم قسم کے چرند اور پرند اور حشرات الارض پیدا کیے پس جو ذات تنہا ان بے شمار مخلوقات کی خالق ہے اسکی عبادت کریں اور اسی کو خدائے وحدہٗ لاشریک مانیں مخلوقات میں ایک دوسرے کا مقابل موجود ہے مگر خدا تعالیٰ کا کوئی مقابل نہیں کما قال تعالیٰ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ پس جس ذات کا کوئی جوڑ اور مقابل نہیں وہی لائق پرستش ہے زوجیت مخلوق کی صفت ہے اور فردیت خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی صفت ہے۔

دلیل دوم

قال تعالیٰ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ... الیٰ... وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ

یہ اسکی قدرت کی دوسری دلیل ہے کہ اس نے لیل و نہار کو اور شمس و قمر کو پیدا کیا دن رات کا یکے بعد دیگرے آنا اور رات کا اندھیرا اور دن کی روشنی اور آفتاب و ماہتاب کا ایک خاص روشنی پر رہنا جس میں نہ کبھی کمی ہوتی ہے اور نہ زیادتی یہ بھی اسکے کمال قدرت کی دلیل ہے جس کی حقیقت کے ادراک سے دنیا کی عقلیں حیران ہیں تمام عالم مل کر بھی اس پر قادر نہیں کہ لیل و نہار اور طلوع و غروب میں کوئی تغیر کر سکے۔

گذشتہ آیت میں زمین کی نشانی کا ذکر فرمایا جو باشندگان عالم کا مکان ہے اب آئندہ آیت میں لیل و نہار کی نشانی کو ذکر فرماتے ہیں جو لوگوں کے لیے زمان ہے اور مکان اور زمان میں مناسبت ظاہر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور انکے لیے ہماری قدرت کی ایک نشانی رات ہے جس کے اندر سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں یعنی اس میں سے دن کی روشنی کو کھینچ لیتے ہیں پس وہ اس وقت تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو جاتے ہیں "سلخ" کے معنی لغت میں بدن سے پوست (کھال) اتار لینے کے ہیں زمانہ اور

وقت میں اصل ظلمت یعنی تاریکی ہے اور آفتاب کی روشنی امر عارضی ہے اور آفتاب اور دن کی روشنی رات کے وقت کو بمنزلہ پوست کے ساتر ہے یعنی اپنے اندر چھپاتے ہوئے ہے پس جب اللہ تعالیٰ اس روشنی کو اس وقت اور زمانہ سے یا اس ہوا اور خلا سے یا روشنی کے مکان سے کھینچ لیتا ہے تو لوگ اسی دم تاریکی میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان پر رات آجاتی ہے دن کی روشنی رات کو کھال کی طرح اپنے اندر چھپائے ہوئے تھی جب خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس کھال کو اتار لیا تو رات نمودار ہوگئی جس طرح جانور کی کھال کھینچ لینے سے اندر کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح جب خلاء اور ہوا سے روشنی کھینچ لی گئی تو اندر سے ظلمت اور تاریکی اور اندھیرا ظاہر ہو گیا اور لوگ روشنی سے نکل کر تاریکی اور اندھیرے میں داخل ہو گئے پس سمجھ لو کہ جس ذات کے ہاتھ میں ان تقلبات اور تصرفات کی باگ ہے وہی تمہارا معبود برحق ہے۔

غرض یہ کہ آیت ہذا یعنی نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ میں جو لفظ نسلخ بطور استعارہ استعمال کیا گیا بقدر ضرورت حضرات مدرسین کے لیے اسکی تشریح کر دی گئی حضرات اہل علم اسکی تفصیل کے لیے روح المعانی اور حاشیہ شیخزادہ علی تفسیر البیضاوی دیکھیں۔

اور اللہ کی قدرت کی ایک نشانی آفتاب ہے جو بحکم خداوندی اپنی قرار گاہ یعنی اپنے ٹھکانہ کی طرف چلتا رہتا ہے جو اسکے لیئے مقرر ہے یہ اندازہ ہے جو مقرر کردہ ہے خدائے غالب اور باخبر کا یعنی آفتاب کی یہ سیر خدائے عزیز کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا اور علیم وحکیم کا مقرر کیا ہوا ہے جس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں یہ سب خداوند عزیز وعلیم کی تسخیر ہے آفتاب کی مجال نہیں کہ خدا کی مقرر کردہ سیر سے ذرہ برابر انحراف کر سکے خدا تعالیٰ نے جو اسکی چال مقرر کر دی ہے ذرہ برابر اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا خدا کے حکم کے مطابق طلوع وغروب کرتا ہے حق جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے آفتاب کے نور کی ایک خاص حد اور خاص مقدار مقرر فرما دی ہے اسی طرح اسکی حرکت اور مسافت کی بھی ایک حد مقرر فرما دی ہے اور یہ سب کچھ اس علیم وقدیر کا مقرر کردہ اندازہ ہے جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے آفتاب باذن خداوندی اسی طرح چلتا رہے گا اور مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اسکو حکم ہوگا کہ جہاں سے تو آیا ہے یعنی جدھر سے تو غروب ہوا ہے ادھر ہی لوٹ جا پس اس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔

"مستقر" کے معنی قرار گاہ یعنی منتہائے سیر کے ہیں جہاں پہنچ کر اس کا دورہ ختم ہو جاتا ہے اس آیت میں لفظ مستقر سے یا تو "روزانہ" کا منتہائے سیر مراد ہے یا "سال بھر" کا منتہائے سیر مراد ہے یعنی منازل بروج مراد ہے جن کو آفتاب سال بھر میں قطع کرتا ہے آفتاب برابر چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک سال میں اس کا دورۂ بروج ختم ہوتا ہے (۳) یا مستقر سے دائرۂ نصف النہار مراد ہے جہاں پہنچ کر آفتاب کا ارتفاع اور بلند ہونا ختم ہو جاتا ہے اور انحطاط اور زوال شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ

غروب ہو جاتا ہے (۴) یا مستقر سے منتہائے عمر دنیا یعنی روز قیامت مراد ہے جو آفتاب کی سیر و حرکت کا منتہیٰ ہے قیامت تک آفتاب اسی طرح چلتا رہے گا جب قیامت آجائے گی اس وقت اس کا طلوع اور غروب ختم ہو جائے گا اس وقت آفتاب کو قرار حاصل ہو جائے گا جب قیامت آجائے گی تو آفتاب ٹھہر جائے گا اور اسکی حرکت باقی نہ رہے گی اور روزِ قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے کہ اس روز بساط عالم ہی لپیٹ دی جائے گی (۵) یا مستقر شمس یعنی آفتاب کی قرار گاہ اور منتہائے سیر سے عرش الٰہی مراد ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آفتاب غروب کے بعد ہر رات عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں جا کر سجدہ کرتا ہے اور طلوع کے لیے اذن مانگتا ہے تو اس کو اذن دیا جاتا ہے تب وہ طلوع کرتا ہے الیٰ آخر الحدیث معلوم ہوا کہ آفتاب کا مستقر زیر عرش ہے اور یہ آفتاب کا مستقر مکانی ہے جیسا کہ روزِ قیامت آفتاب کا مستقر زمانی ہے۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستقر سے عام معنی مراد لیے جائیں جو ان تمام امور کو شامل ہوں جو ماقبل میں ذکر کیے گئے یعنی مستقر سے مطلق قرار گاہ اور ٹھکانا مراد لیا جائے خواہ وہ حرکت یومیہ کے اعتبار سے ہو یا سالانہ دورہ کے اعتبار سے ہو یا منتہائے عمر دنیا کے اعتبار سے ہو اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے آفتاب کی رفتار اور حرکت کے لیے جو نقطہ اور حد متعین کر دی ہے آفتاب قیامت تک اپنی حد معین پر باذنِ خداوندی اسی طرح برابر حرکت کرتا رہے گا یہ سب عزیز و علیم کی تقدیر اور تسخیر ہے کوئی اس میں ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں کر سکتا البتہ جب خدا تعالیٰ خود چاہیں گے تو اس نظام کو درہم برہم کر دیں گے طلوع و غروب کا یہ نظام خدا تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

اس آیت میں آفتاب کے جَرَیان اور استقرار کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں قمر کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ سورج کی طرح ایک حال پر نہیں رہتا گھٹتا بڑھتا رہتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور چاند کی سیر اور رفتار کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں جن کو وہ برابر طے کرتا رہتا ہے منازلِ قمر اٹھائیس ہیں ہر رات قمر ایک منزل میں نزول کرتا ہے نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے ابتداء میں ماہتاب کا نور شب بہ شب زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ چودھویں رات میں اس کا نور پورا ہو جاتا ہے پھر اس میں کمی شروع ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اخیر ماہ میں چاند کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک اور پتلا ہو جاتا ہے[۱] ہر ماہ کے آخر میں اور ہر ماہ کے شروع میں چاند کمان کی طرح باریک ہو جاتا ہے اخیر مہینہ میں جب چاند باریک اور پتلا ہو جاتا ہے تو دو رات کے لیے پوشیدہ ہو جاتا ہے پھر شروع مہینہ میں بشکل ہلال ہو کر ظاہر ہوتا ہے چاند کا اس طرح گھٹنا اور بڑھنا یہ بھی

---

[۱] قال ابن الشیخ حتی صار القمر فی اخر الشھر واول الشھر الثانی فی دقتہ واستقواتہ واصفرارہ کالعرجون القدیم روح البیان ص ۳۹۹ ج ۷۔

اسکی قدرت کی نشانی ہے غرض یہ کہ شمس اور قمر دونوں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر ایک کی سیر اور رفتار کیلئے اور طلوع اور غروب کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے لہٰذا نہ سورج کی یہ مجال ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور اسکی منزل میں نزول کر جاتے اور اسکی حد میں داخل ہو جاتے اور نہ چاند کی یہ مجال ہے کہ وہ سورج کو پکڑ سکے حالانکہ ماہتاب تیز رفتار ہے اور آفتاب سست رفتار ہے سورج سال بھر میں اپنی منزلیں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں اپنی منزلیں قطع کر لیتا ہے غرض یہ کہ دونوں کی سیر اور رفتار اللہ تعالیٰ کی تسخیر اور تقدیر کے تابع ہے دونوں کا ایک منزل میں جمع ہونا ناممکن اور محال ہے اور ایک کا دوسرے کے وقت میں ظہور اور طلوع ناممکن ہے خدا تعالیٰ نے زمین کے جس خطہ اور حصہ میں طلوع و غروب کا جو نظام مقرر کر دیا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں رد و بدل کر سکے اور نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جاتے یعنی یہ ممکن نہیں کہ دن پورا ہونے سے پہلے ہی رات آ جاتے دن ہو یا رات اپنے مقرر وقت سے پہلے نہیں آسکتا۔

چاند اور سورج سب کے سب اپنے اپنے آسمان میں یا اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے اور گھومتے اور چلتے رہتے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اپنے دائرہ یا مدار سے باہر قدم نکال سکے اور کسی سیارہ سے جا کر ٹکرا جاتے سب ستارے آفتاب و ماہتاب وغیرہ اپنے اپنے آسمان میں تیرتے رہتے ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں تیرتی رہتی ہیں۔

غرض یہ کہ چاند اور سورج اور سیارات سب کے سب حسب تسخیر خداوندی اپنے اپنے چرخے اور اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے رہتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے انکے لیے مقرر کر دیا ہے کوئی سیارہ دوسرے سیارہ سے مزاحم نہیں ہو سکتا ہر سیارہ اپنی جگہ اس طرح حرکت کرتا رہتا ہے کہ گویا کہ مچھلیاں دریا میں تیرتی پھرتی ہیں۔

لطائف و معارف

(۱) وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا الخ سے معلوم ہوا کہ چاند اور سورج حرکت کرتے رہتے ہیں اور آسمان اور زمین ساکن ہیں۔

(۲) شمس اور قمر اور ہر سیارہ کی خدا تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جو انکو معلوم ہے اسی کے مطابق وہ حرکت کرتے ہیں اور بے شمار آیات اور احادیث سے ثابت ہے کہ شمس اور قمر اور کواکب اور نجوم اور جمادات اور نباتات میں ایک قسم کا شعور اور ادراک ہے یہ سب چیزیں اللہ کی تسبیح اور تحمید کرتی ہیں اور اسکو سجدہ کرتی ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ

سجود الشمس

(۳) اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ آفتاب غروب کے بعد عرش کے نیچے جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور خدا تعالیٰ سے طلوع کی اجازت مانگتا ہے سو اسکو مل جاتی ہے مگر قیامت کے قریب جب وہ زیر عرش سجدہ کرے گا اور چلنے کی اجازت چاہے گا تو اسکو اجازت نہ ملے گی اور یہ کہا جائے گا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی پھر لوٹ جا اور وہیں سے طلوع کر چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا اسکے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتے گا اور کسی کا ایمان قبول نہ ہوگا۔

(۴) انسان کی طرح کائنات عالم کے لیے تسبیح و تحمید اور رکوع و سجود ثابت ہے مگر ہر نوع کا رکوع اور سجود اسکے جسم اور وجود کے لائق اور مناسب ہے۔

مثلاً انسان کے سجدہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دے لیکن شمس اور قمر اور شجر و حجر کا سجدہ انکی شان کے لائق ہے جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے انسان کی تسبیح اور تحمید کے معنی یہ ہیں کہ وہ زبان سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہے مگر شجر اور حجر اور پہاڑوں کی تسبیح اور تحمید کے یہ معنی نہیں کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ۔

بہر حال سجودِ شمس حق ہے اب رہا یہ امر کہ وہ سجدۂ روحانی ہے یا جسمانی ہے آنی ہے یا زمانی ہے اسکی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو ٭ کہ کس نہ کشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

دلیل سوم

قال اللہ تعالیٰ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ

یہ اس کی قدرت کی تیسری دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے گراں بار کشتیوں کو دریا میں چلاتا ہے جن پر تم لمبے لمبے سفر کرتے ہو اگر وہ غرق کر دے تو کون ہے جو تمہاری فریاد رسی کر سکے یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ تمہیں غرق نہیں کرتا یہ گراں بار کشتیاں اسکی قدرت کی بھی دلیل ہیں اور اسکی نعمت اور رحمت کی بھی دلیل ہیں ایک سمندر میں بڑے سے بڑے جہاز کی ایک تنکے کے برابر بھی حقیقت نہیں اللہ کی رحمت سے سہولت کے ساتھ سفر طے ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ایک نشانی انکے لیئے یہ ہے کہ ہم نے انکی ذریت کو بھری ہوئی کشتی میں

سوار کیا کہ وہ بھری ہوئی کشتی گہرے پانی میں تخت کی طرح چلتی ہے جس کا آغاز نوح علیہ السلام سے ہوا اور اسکے علاوہ ہم نے ان کے لئے کشتی کی مانند ایسی چیز پیدا کی جس پر وہ سواری کر سکیں جیسے اونٹ اور گھوڑے اور خچر وغیرہ وغیرہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ سے وہ تمام قسم کے جہاز اور کشتیاں مراد ہیں جو کشتی اول کے بعد اسکی مماثلت اور مشابہت میں بنائی گئیں یہ معنی ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ سے منقول ہیں (تفسیر قرطبی ص۳۵ ج ۱۵) بہر حال لوگوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکر گذار ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے بر اور بحر میں تمہاری سواری اور بار برداری کا انتظام کر دیا اور اگر ہم چاہیں تو اہل کشتی کو دریا میں غرق کر دیں پس کوئی نہ انکے لئے فریاد رس ہو جو انکو غرق سے بچالے اور نہ یہ لوگ مصیبت اور آفت سے چھٹکارا پا سکتے ہیں مگر یہ کہ رحمت کریں ہم اپنی طرف سے اور فائدہ پہنچاویں انکو ایک وقت مقرر تک دنیوی زندگی تک یعنی جب ہم انکو ایک خاص وقت تک فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو انکو نہیں ڈبوتے یہ سب ہماری رحمت اور عنایت ہے ورنہ وہ تو کفر اور شرک کی وجہ سے غرق ہی کے مستحق تھے۔

⁂ ⁂ ⁂

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ

اور جب کہیئے انکو بچو اپنے سامنے آتے سے اور اپنے

وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ

پیچھے چھوڑے سے شاید تم پر رحم ہو اور کوئی حکم نہیں پہنچتا انکو

اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾

اپنے رب کے حکموں سے جسکو ٹلا نہیں رہتے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ

اور جب کہیئے انکو خرچ کرو کچھ اللہ کا دیا کہتے ہیں

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ

منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلا دیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اسکو کھلاتا

إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۴۷﴾

تم لوگ تو نرے بھٹک رہے ہو

کفار کی سرکشی اور سنگدلی کا بیان

قال اللہ تعالیٰ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ.. الیٰ.. إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ

(ربط) گذشتہ آیات میں دلائل قدرت کو اور اپنی نعمتوں کو ذکر کیا کہ کفر اور شرک سے باز آجائیں اور منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہوں اب آئندہ آیات میں کفار کے عناد اور انکی سنگدلی کو بیان کرتے ہیں کہ بڑے ہی سرکش ہیں کتنے ہی دلائل بیان کر و مگر ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا اپنی جہالت اور ضلالت پر سختی سے جمے ہوتے ہیں نہ آگے کی فکر ہے نہ پیچھے کی فکر ہے نہ پچھلے گناہوں کا خیال ہے اور نہ آئندہ گناہوں کی بدانجامی سے خطرہ ہے نوبت بایں جا رسید کہ ضد اور عناد میں ان چیزوں سے بھی اعراض کرتے ہیں کہ جو عقلاء عالم کے نزدیک بلکہ انکے نزدیک بھی مسلّم اور مستحسن اور قابلِ فخر ہیں مثلاً جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں کچھ خرچ کر و (جو انکے نزدیک بھی کارخیر ہے) تو بطور تمسخر یہ کہتے ہیں کہ ہم کیوں خرچ کریں خدا خود قادر ہے وہ صاحب احتیاج کی حاجت کو پورا کر سکتا ہے تو جب خدا ہی نے ہمیں دیا تو ہم کیوں دیں مگر یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ کسی کو رزق نہیں دیتے یہ سارا عالم، عالم اسباب ہے سارا عالم اسباب و وسائل کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اسباب و وسائل کو خدا تعالیٰ نے اپنی داد و دہش کا روپوش اور واسطہ اور ذریعہ بنایا ہے اللہ کی تقدیر اور اسکی مشیت کا کسی کو علم نہیں اسباب کے پردہ میں اسکی مشیت کا ظہور ہوتا ہے زمین سے غلہ پیدا ہوتا ہے دراصل اگانے والا خدا تعالیٰ ہے مگر زمین اسکی نعمتِ رزق کا واسطہ ہے اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ فقراء کو دیا کریں اصل دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اغنیاء کے ہاتھ اللہ کی عطاء کا واسطہ اور ذریعہ ہیں انکے واسطہ سے فقراء کو رزق پہنچتا ہے آخر ان دولت مندوں کو جو رزق مل رہا ہے وہ بھی اسباب و وسائل کے واسطہ سے مل رہا ہے بلا واسطہ خدا تعالیٰ انکو رزق نہیں دے رہا ہے اور آسمان سے کوئی خوان انکے گھر میں نہیں اتر رہا ہے بادشاہ بعض دفعہ خزانچی سے دلواتا ہے دونوں صورتوں میں وہ بادشاہ ہی کی عطا ہے خزانچی عطاء شاہی کا ایک واسطہ ہے یہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو مختلف قسم پر پیدا کیا ہے کسی کو امیر اور کسی فقیر اور امیر کو یہ حکم دیا کہ ہماری عطاء کردہ دولت میں سے کچھ حصہ فقیروں اور مسکینوں پر خرچ کرے مختلف قسم کی مخلوق پیدا کرنے سے اللہ کا مقصود بندوں کا امتحان ہے کہ کون بخل کرتا ہے اور کون اسکی دی ہوئی نعمت اور دولت کو اسکے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے پس تعجب ہے کہ ان لوگوں میں نہ کوئی تقویٰ ہے اور نہ خوفِ خدا ہے کہ حکم خداوندی پر چلیں

اور نہ مخلوق پر رحم ہے بڑے ہی سنگدل ہیں اور اپنے بخل کیلئے خدا کی مشیت کو بہانہ بناتے ہیں تاکہ فقیروں کو دے کر اپنے مزوں اور چٹخاروں اور گلچھروں میں فرق نہ آئے۔

خدا نے جو امیروں کو فقیروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو! میں نے تم کو جو مال و دولت دیا ہے اسکا اصل مالک میں ہوں میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری اس دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ میرے غریب بندوں کی مدد میں خرچ کرو جس طرح میں تمہاری ذات کا مالک ہوں اسی طرح تمہارے پاس جو دولت ہے اس کا مالک بھی میں ہی ہوں اور یہ تمام مال و دولت جو تمہارے ہاتھ میں ہے وہ سب میری امانت ہے جب چاہوں واپس لے سکتا ہوں میں نے ہی تو دیا ہے میرے حکم کے مطابق خرچ کرو میری مشیت کو بہانہ نہ بناؤ میں نے اپنی حکمت سے کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا تم کون ہو جو ہماری مشیت میں دخل دو، ہم نے جو حکم دیا اسکی تعمیل کرو تم ہمارے بندے ہو اور ہم تمہاری جان و مال کے مالک ہیں ہمارا حکم ہے کہ ہماری دی ہوئی دولت میں سے تم فقیروں کی امداد کرو ہماری مشیت یہ ہے کہ ہم کسی حکمت اور مصلحت سے بعض بندوں کو بعض بندوں کے ہاتھ سے رزق پہنچانا چاہتے ہیں۔

اب آئندہ آیات میں انکی سنگدلی کو بیان کرتے ہیں کہ کیسے ہی خطروں سے انکو ڈرایا جاتے تو ڈرنا تو کیا ان باتوں کو سنتے تک نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ان سنگدلوں سے کہا جاتا ہے کہ اس عذاب سے ڈرو جو تمہارے ہاتھوں کے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے یعنی دنیا اور آخرت کے عذاب سے ڈرو یا اس عذاب سے ڈرو جو تم سے پہلے تکذیب کرنے والے گروہوں پر آچکا ہے اور اس عذاب سے جو تمہارے پیچھے یعنی آخرت میں آنے والا ہے یعنی ایمان لے آؤ شاید تم پر رحم ہو تو ڈرنا تو کیا ان باتوں کو سنتے تک نہیں اعراض کرتے ہیں اور التفات بھی نہیں کرتے اور اس نصیحت کی کوئی تخصیص نہیں وہ تو ایسے سنگدل ہیں کہ کوئی نشانی اللہ کی نشانیوں میں سے انکے پاس نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور اسکی طرف التفات نہیں کرتے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے تم کو جو روزی دی ہے اس میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں اس کے محتاج بندوں پر خرچ کرو تو یہ کافر اہل ایمان سے بطور طعن و استہزاء کہتے ہیں ہم کیوں ایسے شخص کو کھانا دیں کہ اگر اللہ چاہتا تو وہ خود اسکو کھانا دے دیتا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان کافروں کو کچھ خیر و خیرات کرنے کو کہتے جو انکے نزدیک

۱؎ اشارہ اس طرف ہے کہ وَاِذَا قِیْلَ کی جزاء محذوف ہے کما قال القرطبی والجواب محذوف والتقدیر اِذَا قِیْلَ لَهُمْ ذٰلِكَ اعرضوا دلیله قوله بعد (وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ) فاكتفى بهذا عن ذالك (تفسیر قرطبی ص۳۶ ج ۱۵)

بھی امر مستحسن ہے اور وہ خود اس پر فخر کرتے ہیں تو بطور طعن مسلمانوں سے یہ کہتے کہ تم یہ کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتا ہے پس جب خدا نے انکو روزی نہیں دی تو ہم کیوں دیں اگر خدا کو دینا ہوتا تو وہ خود دیدیتا ہم تو خدا کی مشیت پر چلتے ہیں جسے خدا نے کھانے کو نہیں دیا ہم بھی اسکو نہیں دیتے اے گروہ مؤمنین! تم صریح گمراہی میں ہو کہ تم ہم کو مشیت الٰہی کے خلاف کرنے کا حکم دیتے ہو۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ کافروں کے قول کا تتمہ نہیں بلکہ اللہ عزّ وجلّ کا قول ہے جس سے کافروں کے شبہ اور وسوسہ کا رد ہے اور اللہ کی طرف سے کفار کو خطاب ہے کہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو کسی کو یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کے حق میں کیا چاہتا ہے اپنے بخل اور خسّت کیلئے اور نیک کام نہ کرنے کیلئے خدا کی تقدیر اور مشیت کو بہانہ بنانا یہ صریح گمراہی ہے مثلاً اگر ان کا کوئی بچہ بھوکا ہو تو اسے بھی کھانا نہ دینا چاہیئے اور یہی کہہ دینا چاہیئے کہ اگر خدا اسے کھانا دینا چاہتا تو خود کھلا دیتا سب کو معلوم ہے کہ اللہ نے ساری مخلوق کو یکساں نہیں بنایا بعضوں کو مالدار اور بعضوں کو فقیر بنایا تاکہ فقیر صبر کریں اور امیر شکر کریں اور امیروں کو حکم دیا کہ ہماری دی ہوئی دولت میں سے محتاجوں کی مدد کریں پس خدا کی مشیت اور تقدیر کو بہانہ بنانا اور خیر و خیرات کے بارہ میں خدا نے جو حکم دیا ہے اسکو چھوڑ دینا یہ محض خطا اور صریح ظلم و جفا ہے اور کھلی گمراہی ہے۔

(نظم) درویش را خدا بتوانگر حوالہ کرد ⁂ تا کار او بسازد و فارغ کند دلش
از روئے بخل گر نشود ملتفت بدو ⁂ فردا بود ندامت و اندوہ حاصلش

قیل ان ابابکر الصدیق رضی اللہ عنہ کان یطعم مساکین المسلمین فلقیہ ابوجھل فقال یا ابابکر اتزعم ان اللہ قادر علی اطعام ھٰؤلاء قال نعم قال فما بالہ لم یطعمھم قال ابتلی قوما بالفقر وقوما بالغنی وامر الفقراء بالصبر وامر الاغنیاء بالاعطاء فقال واللہ یا ابابکر ما انت الا فی ضلال اتزعم ان اللہ قادر علی اطعام ھولاء وھو لا یطعمھم ثم تطعمھم انت فنزلت ھذہ الآیۃ ونزل قولہ تعالیٰ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی

روایت کیا گیا کہ صدیق اکبرؓ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اتفاق سے ابوجہل آپ کو مل گیا اور کہنے لگا کہ اے ابوبکرؓ کیا تمہارا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ انکے کھانا کھلانے پر قادر ہے۔

ابوبکرؓ نے کہا ہاں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انکے کھلانے پر قادر ہے ابوجہل نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے انکو بھوکا رکھا اور کھانے کو نہیں دیا ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کسی قوم کو اللہ نے فقر سے آزمایا اور کسی قوم کو اللہ نے مالداری سے آزمایا اور فقراء کو صبر کا حکم دیا اور دولت مندوں کو شکر اور

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الاٰیات
(تفسیر قرطبی ص ۳۷ ج ۱۵)

جود وکرم کا حکم دیا ابوجہل نے کہا اے ابوبکرؓ خدا کی قسم تو خالص گمراہی میں ہے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقیروں کے کھانا کھلانے پر قادر ہے اور باوجود قدرت کے پھر انکو کھانا نہیں دیتا اور پھر تو انکو کھانا کھلاتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا الی قولہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور یہ آیت نازل ہوئی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الیٰ اٰخر الاٰیات اللہ تعالیٰ نے کسی کو تندرستی اور توانائی عطا کی اور کسی کو بیماری اور لاچاری اور اسی طرح کسی کو امیری دی اور کسی کو فقیری اور کسی کو حسن وجمال عطا کیا اور کسی کو سیاہ فام بنایا یہ اختلاف اور تفاوت اور تنوع معاذاللہ کسی بخل اور خِسّت پر مبنی نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت پر ہے خداوند ذوالجلال کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں اور اسکے جود وکرم کی انتہا نہیں اس نے جس کسی کو فقیر اور نادار بنایا وہ حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے بخلاف ان لوگوں کے جو فقراء اور مساکین کے نہ دینے کیلئے خدا کی مشیت کا حوالہ دیتے ہیں یہ سراسر بخل اور خِسّت پر مبنی ہے اور صریح جہالت اور ضلالت اور حماقت ہے اور فقراء اور مساکین کی امداد کے بارہ میں ان لوگوں کا یہ کہنا کہ اگر اللہ چاہتا تو خود انکو کھلا دیتا یہ سب انکی سنگدلی اور بے رحمی کی دلیل ہے یہ تمام عالم خیر وشر کا اور پاک اور ناپاک کا مجموعہ ہے جس میں عطر اور گلاب بھی ہے اور پاخانہ اور پیشاب بھی ہے سب خدا ہی کی مشیت سے ہے اس نے پاک اور پاکیزہ چیزوں کے استعمال کا حکم اور ناپاک اور گندی چیزوں کے استعمال کو منع فرمایا بندہ کا کام یہ ہے کہ خدا کے حکم پر چلے نہ کہ اسکی قدرت اور مشیت کو اپنے بُرے فعل کے لیے بہانہ بنائے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ
اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً
سچے ہو یہی راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی

وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾
جو ان کو پکڑے گی جب آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾
پھر نہ سکیں گے کہ کچھ کہہ مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر جاویں گے

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

اور پھونکا جاوے نرسنگا پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل

يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ

پڑیں گے کہیں گے اے خرابی ہماری! کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے

هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾ إِن

یہ وہ ہے جو وعدہ دیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا بھیجے ہوؤں نے یہی

كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا

ہوگی ایک چنگھاڑ پھر تبھی وہ سارے ہمارے پاس

مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا

پکڑے آئے پھر آج کے دن ظلم نہ ہوگا کسی جی پر کچھ۔ اور وہی

تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ

بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے تحقیق بہشت کے لوگ

الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي

آج ایک دھندے میں ہیں باتیں کرتے وہ اور ان کی عورتیں

ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ

سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیے لگائے انکو وہاں ہے میوہ

وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾

اور انکو ہے جو مانگ لیں سلام بولنا ہے رب مہربان سے

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ

اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گنہگارو! میں نے نہ کہہ رکھا تھا تم کو؟

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

اے آدم کی اولاد! کہ نہ پوجو شیطان کو وہ کھلا دشمن

مُّبِيْنٌ ۝۶۰ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۱

ہے تمہارا اور یہ کہ پوجو مجھ کو یہ راہ ہے سیدھی

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا

اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلق کو پھر کیا تم کو بوجھ

تَعْقِلُوْنَ ۝۶۲ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۶۳

نہ تھی یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا

اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۶۴ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓي

پیٹھو اس میں آج کے دن بدلہ اپنے کفر کا آج ہم مہر کر دینگے

اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا

اُن کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے انکے ہاتھ اور بتادیں گے انکے پاؤں جو

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۶۵ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ

کچھ وہ کماتے تھے اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں انکی آنکھیں

فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝۶۶ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ

پھر دوڑیں راہ لینے کو پھر کہاں سے سوجھے اور اگر ہم چاہیں صورت بدل

عَلٰي مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝۶۷ ع

دیں انکی جہاں کی تہاں پھر نہ سکیں گے چلنا نہ وہ اُلٹے پھر سکیں

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝۶۸ وَمَا

اور جس کو ہم بوڑھا کریں اوندھا کریں خلقت میں پھر کیا بوجھ نہیں رکھتے اور ہم نے

عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ

نہیں سکھایا اسکو شعر کہنا اور یہ اسکے لائق نہیں یہ تو نری سمجھوتی ہے اور

قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ

قرآن ہے صاف تا ڈر سناوے اسکو جس میں جان ہو اور ثابت ہو بات

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ

منکروں پر — اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنا دیئے ان کو اپنے

اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا

ہاتھوں بنانے سے چوپائے پھر وہ انکا مال ہیں اور عاجز کر دیا

لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا

ان کو انکے آگے ، پھر ان میں کوئی ہے انکی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور انکو ان میں

مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ

فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے اور پکڑے ہیں اللہ

دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

کے سوا اور حاکم کہ شاید انکو مدد پہنچے نہ سکیں گے انکی مدد

نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

کرنی اور یہ انکی فوج ہو کر پکڑے آویں گے

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ

اب تو غم نہ کھا انکی بات سے ہم جانتے ہیں جو چھپاتے

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

ہیں اور جو کھولتے ہیں

منکرین حشر و نشر کی تہدید اور وعید

قال اللہ تعالیٰ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ .... الیٰ .... اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں زیادہ تر دلائل توحید کا ذکر تھا اور اس سے ذرا پہلے وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ میں مسئلہ حشر و نشر کا ذکر تھا اب پھر مسئلہ حشر و نشر کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور انکا ایک سوال نقل فرماتے ہیں وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: یعنی یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اسکے وقت کے اظہار سے مصلحۃً اعراض فرمایا اور اجمالی طور پر صرف اتنا بتادیا کہ قیامت ناگہاں آئے گی جب لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوں گے ناگہاں صور پھونکا جائے گا اور پھر اس دن کے بعض ہولناک واقعات سے آگاہ کردیا اور بعد ازاں حشر و نشر کے مکذبین اور مستہزئین پر تہدید فرمائی اور بتلایا کہ تم عذاب آخرت کے منکر ہو یہ بھی ممکن ہے کہ خدائے قہار کی طرف سے دنیا ہی میں تم پر کوئی عذاب آجائے اور اپنے اس ارشاد وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ الخ میں دنیاوی عذاب سے تہدید ہے کہ تم آخرت کے عذاب کا انکار کرتے ہو خدا کی قدرت سے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تم پر دنیا ہی میں کوئی عذاب بھیج دے خدا تعالیٰ دنیا ہی میں تمہارے طمس اور مسخ پر قادر ہے اور اسکے بعد وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ سے بڑھاپے کے تغیر کو ذکر کیا جو طمس اور مسخ کے قریب قریب ہے اور طمس اور مسخ کا ایک نمونہ ہے اس قسم کی باتوں سے قرآن بھرا پڑا ہے یہ سب خدا کی قدرت کے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ ہیں اور حق شناسی کیلئے کافی اور شافی ہیں مگر یہ معاندین قرآن کریم کے اس قسم کے حقائق اور معارف کو اور حکمت اور موعظت کی باتوں کو سن کر یہ کہتے ہیں کہ یہ سب شاعرانہ باتیں جن کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شاعرانہ رنگ میں بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انکے جواب میں فرماتے ہیں کہ انکی یہ بات بالکل بیہودہ اور غلط ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ہم نے اپنے نبی کو ہرگز شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ منصب نبوت کے لائق اور مناسب ہے یہ قرآن تو خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو حکمت اور موعظت سے بھرا پڑا ہے پھر اس کے بعد شرک کی برائی بیان کی

اور دلائل قدرت سے توحید کا اثبات فرمایا اور اسی پر سورت کو ختم کیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ آیات میں انکے بخل اور خست کو اور نصیحتوں اور ہدایتوں سے اعراض کو بیان کیا اب آئندہ آیات میں انکی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے اعراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ آخرت پر ایمان نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے خاتم الانبیاء کے وقت تک تمام انبیاء قیامت کی اور آخرت کی جزاء و سزا کی متواتر اور برابر خبر دیتے چلے آئے جنمیں ذرہ برابر شک نہیں مگر یہ گمراہ اسکو بعید سمجھتے ہیں اور نہایت بیباکی سے یہ کہتے ہیں کہ کہاں ہے وہ قیامت کا وعدہ جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو تو دکھلاؤ حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک سخت آواز کا جو یکایک انکو آکر

ایسی حالت میں پکڑلے گی کہ یہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے اور اپنے دنیاوی کاروبار میں مشغول ہوں گے صَیۡحَةً وَّاحِدَةً سے نفخہ اولیٰ مراد ہے۔ اسرافیل علیہ السلام جب پہلی بار صور پھونکیں گے تو اس کی سخت آواز سے سب فنا ہو جائیں گے پس اس وقت نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کو واپس ہو سکیں گے اس سخت آواز کے بعد جہاں ہوں گے وہیں مرجائیں گے اور اتنی مہلت بھی نہ ملے گی کہ اپنے معاملہ کو پورا کر سکیں۔ کیا اس عذاب کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اور پھر چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے پھر یکایک اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں گے اور نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان جو چالیس سال کی مدت ہوگی اس میں کافروں سے عذاب اٹھالیا جاوے گا اور وہ اس عرصہ میں آرام سے سوتے رہیں گے جب نفخہ ثانیہ کے بعد قبرستان سے اٹھائے جائیں گے اور میدان حشر اور حساب و کتاب کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے جگا دیا ہم تو آرام سے سو رہے تھے کس نے ہم کو جگایا اور ہم کو اس مصیبت کے میدان میں لا کھڑا کیا تو اس وقت فرشتے یا اہل نجات ان کو جواب دیں گے کہ یہی وہ قیامت ہے جس کا رحمٰن نے تم سے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا مگر تم نے نہ مانا اور پیغمبروں کی تکذیب کی۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نہیں ہوگا یہ نفخہ ثانیہ مگر ایک سخت آواز پھر سب کے سب یکلخت ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائینگے۔ پس اس دن جو جزا کا دن ہے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور نہیں جزا دیئے جاؤ گے آج اے اہل محشر مگر جو کام تم کرتے تھے کافروں کو جو سزا ملے گی وہ ان کے عمل کے مطابق ہوگی مگر اہل ایمان کو علاوہ جزا کے اپنے مزید فضل سے وہ ثواب عطا کرے گا جسکا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا کافروں کے ساتھ معاملہ عدل کا ہوگا اور اہل ایمان کے ساتھ معاملہ فضل در فضل کا ہوگا اس لیئے اب آگے اہل جنت کا انعام اور ان کی عیش و عشرت کو بیان کرتے ہیں کہ تحقیق اہل جنت اس روز عیش و راحت کے شغل میں ہوں گے اور شاداں و فرحاں ہوں گے خدا کی مہمانی ہوگی اور عیش و کامرانی کی کوئی انتہا نہ ہوگی اہل جنت اور انکی بیبیاں سایوں میں شاہانہ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے اور ان کیلیئے جنت میں قسم قسم کے پھل ہوں گے جنکا دنیا میں تصور بھی نہیں اور اس کے علاوہ جس چیز کی وہ خواہش کریں گے وہ انکے لیئے حاضر کر دیجائیگی اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان کیلیئے رب رحیم کیطرف سے بلاواسطہ سلام ہوگا۔

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنی عیش و عشرت میں ہوں گے کہ یکایک ان پر ایک نور ظاہر ہوگا تو وہ لوگ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اللہ عزوجل کی تجلی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے یہ فرمائیگا السلام علیکم یا اھل الجنة (سلام ہو تم پر اے اہل جنت) پس تمام اہل جنت اس نور کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں گے اور کسی چیز کی طرف التفات نہیں کریں گے یہاں تک کہ وہ نور ان سے مستور ہو جائیگا مگر اس نور کی برکتیں باقی رہ جائیں گی۔

(دیکھو تفسیر قرطبی[1] ص ۴۵ ج ۱۵)

---

[1] قال القرطبیؒ وروی من حدیث جریر بن عبداللہ البجلیؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال بینا اھل الجنة فی نعیمھم اذ سطع لھم نور فرفعوا رؤسھم فاذا الرب قد اطلع علیھم من فوقھم فقال السلام علیکم یا اھل الجنة فذلک قولہ تعالیٰ سَلٰمٌ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ فینظر الیھم وینظرون الیہ فلا یلتفتون الی شیء من النعیم ماداموا ینظرون الیہ حتی یحتجب عنھم فیبقی نورہ وبرکاتہ علیھم فی دیارھم ذکرہ الثعلبی والقشیری ومعناہ ثابت فی صحیح مسلم وقد بیناہ فی یونس عند قولہ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَةٌ (تفسیر قرطبی ص ۴۵ ج ۱۵)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کی نعمت وکرامت کو بیان کیا اب آیندہ آیات میں اہل جہنم کی ذلت وخواری کو بیان کرتے ہیں چنانچہ[1] میدان حشر میں جب اہل جنت کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا تو اس وقت کافروں کو یہ حکم ہوگا کہ اے مجرمو! آج تم نیکوں سے علیحدہ ہوجاؤ دنیا میں اگرچہ ملے جلے تھے مگر اب تمہارا ٹھکانہ علیحدہ ہے اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے جدا کر دیا جائے گا پس اے مجرمو! آج تم اہل جنت سے الگ ہوجاؤ اب تمہارے لیے خاص طور پر سزا کا حکم ہونے والا ہے پھر فرشتوں کی زبانی انکو ملامت اور سرزنش ہوگی اور یہ کہا جائے گا کہ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہ کرنا تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ صرف میری بندگی کرنا یہی سیدھا راستہ ہے مگر تم اس دشمن کے کہنے پر چلے اور میرے عہد وپیمان کو پس پشت ڈال دیا اور تحقیق اس شیطان نے تم میں سے بہت کی گذشتہ مخلوق کو گمراہ کر ڈالا جن کے گمراہی اور انجام بد سے تم کو قرآن میں بار بار آگاہ کر دیا گیا پس کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے تھے کہ اپنے دشمن کے فریب میں نہ آؤ کہ گذشتہ مخلوق کی طرح گمراہ ہوجاؤ اور مستحق عذاب ہوجاؤ اچھا اب اپنی گمراہی کا مزہ چکھو لو یہ وہ جہنم ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا رہا آج اپنے کفر اور معصیت کی بنا پر اس میں گرو اور اب اس میں داخل ہوجاؤ یہ تمہارے کفر کا بدلہ اور نتیجہ ہے اس سرزنش اور ملامت کے بعد مجرمین اپنے کفر اور شرک کا انکار کریں گے اور قسمیں کھا کر یہ کہیں گے وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ خدا کی قسم ہم بتوں کو نہیں پوجتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم انکے مونہوں پر مہر لگا دیں گے جیسے دنیا میں انکے دلوں پر مہر کر دی گئی تھی آج ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے تاکہ وہ جھوٹ نہ بول سکیں اور انکے ہاتھ خود ہم سے کلام کریں گے اور انکے پاؤں خود ہمارے سامنے گواہی دیں گے ان تمام کاموں کی جو وہ کیا کرتے تھے زبان اور پاؤں خود بخود بولیں گے اور اپنی گفتار اور کردار کی خود بخود گواہی دیں گے کہ ہم نے یہ کہا تھا اور یہ کیا تھا جس میں ان مشرکین اور مجرمین کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہ ہوگا اور کفار اپنے اختیار سے بات کرنے پر قادر نہ ہوں گے خود انکے اعضاء اور جوارح بولیں گے جب کفار کراماً کاتبین کی گواہی کو نہ مانیں گے تو اللہ تعالیٰ خود کافروں کے اعضاء اور جوارح سے انکے اعمال کی گواہی دلوائے گا اور انکے اعضاء اور جوارح کو گویائی عطا کرے گا اور فقط ہاتھ اور پاؤں گواہی نہ دینگے بلکہ باقی اعضاء بھی گواہی دیں گے کما قال تعالیٰ

---

[1] یقال لهم هذا عند الوقوف للسؤال حين يؤمر باهل الجنة الى الجنة اى اخرجوا من جملتهم ...... يمتاز المجرمون بعضهم من بعض فيمتاز اليهود فرقة والنصارىٰ فرقة والمجوس فرقة والصابئون فرقة وعبدة الاوثان فرقة وعنه ايضًا وان لكل فرقة فى النار بيتا تدخل فيه ويرد بابه فتكون فيه ابدا لاترىٰ ولاتُرىٰ (تفسير قرطبى ج ۱۵ ص ۴۶)

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

جو اعضاء اور جوارح دنیا میں انکے مدد گار تھے آج وہ خود انکے خلاف گواہی دیں گے دنیا میں زبان انکے حکم سے بولتی تھی اب آخرت میں اللہ کے حکم سے بولے گی گویائی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اسکو اختیار ہے کہ جسکو چاہے عطا کر دے جیسا کہ قرآن کریم میں منصوص ہے قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ غرض یہ کہ قیامت کے دن کافر کی گویائی ختم کر دی جائے گی اور اسکے اعضاء اور جوارح کو گویائی عطا کر دی جائے گی تاکہ اس پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے یہ عذاب تو آخرت میں ہوگا اور اگر ہم چاہتے تو دنیا ہی میں انکی آنکھیں ہٹ کر دیتے یعنی اگر ہم چاہتے تو دنیا ہی میں انکی ظاہری آنکھیں بھی ہٹ کر دیتے اور مطلق اندھا بنا دیتے تو پھر راستہ کی طرف دوڑتے کہ راستہ دیکھ پائیں لیکن پھر کہاں راستہ پائیں جب آنکھ ہی نہ رہی تو راستہ کہاں سے نظر آتے یعنی جس طرح دنیا میں ہم نے انکو دل کا اندھا بنا دیا کہ راہِ حق انکو نظر نہیں آتی اسی طرح اگر چاہتے تو ہم دنیا میں انکو ظاہری آنکھوں کا بھی اندھا بنا دیتے۔

اور اسی طرح اگر ہم چاہتے تو ہم انہی کی جگہ پر انکی صورتیں مسخ کر دیتے پھر وہ نہ آگے چلنے پر قادر ہوتے اور نہ پیچھے لوٹنے پر قادر ہوتے یعنی اگر ہم چاہتے تو انکے کفر اور عناد کی وجہ سے انکی آنکھوں کو مٹا دیتے یعنی انکے چہرہ کو ایک مسطح تختہ بنا دیتے کہ آنکھ اور پلک کا اس میں نام و نشان نہ رہے یا انکی صورتیں بدل ڈالتے اور انسانی صورت کے علاوہ کسی حیوانی یا جمادی کی صورت میں تبدیل کرتے ہم اس پر قادر تھے لیکن ہم نے اپنی رحمت سے ایسا نہیں کیا یہ ہماری عنایت ہے کہ ہم نے انکو بینائی عطا کی کہ یہ دیکھتے اور چلتے اور پھرتے رہیں اور ہماری قدرت سے ان باتوں کو مستبعد نہ سمجھو آخر دیکھ لو کہ جس کی عمر ہم دراز کرتے ہیں یعنی جسے ہم بہت بوڑھا کر دیتے ہیں تو خلقت اور بناوٹ میں اسکو اوندھا اور الٹا کر دیتے ہیں کہ وہ دن بدن کمزور ہوتا چلا جاتا ہے اور اسکی قوت نامیہ اور باصرہ گھٹتی چلی جاتی ہے جتنی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنا ضعف بڑھتا جاتا ہے پس کیا اپنے اس تغیر اور تبدل کو دیکھ کر لوگ سمجھتے نہیں کہ خدا تعالیٰ تمہارے طمس اور مسخ پر بھی قادر ہے کیا ان کفار کو اتنی عقل نہیں کہ اپنی اس ترقی معکوس کو دیکھ کر یہ سمجھ لیں کہ ہمارے وجود کی باگ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جب چاہے ہماری صورت اور ہیئت کو تبدیل کر سکتا ہے اتنا نہیں سمجھتے کہ جو صورت بنانے پر قادر ہے وہ صورت کے بدلنے پر قادر ہے۔

نزد قدرت کار ہا دشوار نیست ٭ کار اُو را حاجتے در کار نیست

غرض یہ کہ قرآن کریم اس قسم کی حکمت اور عقل و دانائی اور نصیحت اور موعظت کی باتوں سے بھرا پڑا ہے جن کا عین حقیقت اور عین حکمت ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے مگر یہ کفار نابکار جب ان حکمت اور موعظت کی باتوں کو سنتے ہیں اور جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو یہ

کہتے ہیں کہ یہ سب شاعرانہ خیالات اور تک بندیاں ہیں تو اللہ تعالیٰ انکی اس بات کا رد فرماتے ہیں اور نہیں سکھائی ہم نے اپنے نبی کو شاعری اور نہ وہ آپؐ کی طبیعت اور فطرت کے لائق اور مناسب ہے آپؐ کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ سراپا حقیقت اور واقعیت اور صداقت اور حکمت اور موعظت ہوتا ہے اور شاعری کا دارومدار تکلف اور تصنع اور تخیل اور مبالغہ اور تعلی اور تفاخر پر ہوتا ہے اور نبی ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

اور علیٰ ہذا اس قرآن کو شاعری سے کوئی واسطہ نہیں، نہیں ہے یہ قرآن جس کو ہم نے آپؐ پر نازل کیا اور جو ہم نے آپؐ کو سکھایا مگر خالص پند و نصیحت ہے اور وہ ایسی کتاب ہے جو دن رات عبادت خانوں اور خلوت خانوں میں پڑھی جاتی ہے اور حقائق اور معارف اور احکام اور حدود کو ظاہر کرتی ہے تاکہ یہ کتاب ہدایت و حکمت اور صحیفۂ موعظت اس شخص کو ڈراوے جو زندہ دل ہے اور حق و باطل کے فرق کو سمجھتا ہے اور کافروں اور منکروں پر جن کے دل آثارِ حیات سے خالی ہیں اور حقیقت کے اعتبار سے مردہ ہیں ان پر اس روشن کتاب سے اللہ کی حجت پوری ہو کہ قیامت کے دن وہ یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں کسی نے نہیں سمجھایا اور نہیں بتلایا ہم نے اپنی رحمت سے لوگوں کی نصیحت اور ہدایت کے لیے ایسی واضح روشن کتاب نازل کر دی جو دین اور دنیا کی نصیحتوں اور ہدایتوں پر مشتمل ہے اور ان پر اپنی حجت پوری کر دی مگر یہ نادان اس روشن کتاب کو کبھی شعر اور کبھی سحر اور کبھی کہانت بتلاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اُمّی بنایا ہے خط و کتابت سے آپؐ کو کوئی واسطہ نہیں تاکہ لوگوں پر اللہ کی حجت پوری ہو اور لوگ سمجھ جائیں کہ اس اُمّی (ان پڑھ) کی زبان فیض ترجمان سے جو حقائق و معارف کا دریا بہہ رہا ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے بندہ کا ساختہ پرداختہ نہیں اور یہ قرآن جو اس نبی امی پر نازل ہو رہا ہے وہ سب کے سامنے ہے کہ وہ سراسر امور حکمت و موعظت اور احکام ہدایت پر مشتمل ہے اور دنیا اور آخرت کی سعادت کی کنجی ہے اسکو شعر اور سحر اور کہانت سے کیا واسطہ ہے مدت العمر آپؐ نے کبھی کوئی شعر نہیں بنایا آپؐ خود تو کیا شعر کہتے کسی کا شعر اگر آپؐ اپنی زبان سے پڑھتے تو وہ آپؐ کی زبان سے اس طرح نکلتا کہ اسکا وزن صحیح سالم نہ رہتا۔

فائدہ اور بعض آیات قرآنیہ اور بعض کلمات نبویہ اگرچہ اوزانِ شعریہ پر موزون ہیں لیکن انکو شعر نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ انکی موزونیت اتفاقی ہے من حیث الشعریت اور بالقصد نہیں اللہ تعالیٰ کا یا اسکے رسول کا مقصود افادۂ علم و حکمت ہے اسکو شعر کے ارادہ اور قصد سے بطرز شعر نہیں لایا گیا اسکی موزونیت محض اتفاقی ہے متکلم کا ہرگز یہ مقصود نہیں کہ اس کلام کی موزونیت من حیث الشعریت ہو خاص کر جب کہ قرآن خود اسکے شعر ہونے کی نفی کرتا ہے اور نبی کریمؐ کے شاعر ہونے کی نفی کرتا ہے جب تک کوئی شخص قولِ موزون کہنے کا ارادہ نہ کرے وہ شاعر نہیں ہوتا اور جو کلام موزون بلا قصد زبان پر جاری ہو جائے وہ شعر شمار نہیں ہوتا شعر اور شاعری کے لیے موزونیت کا قصد

اور ارادہ شرط ہے اتفاقیہ زبان سے کسی موزون کلام کا نکل جانا اس سے کسی کے نزدیک کوئی شاعر نہیں ہو جاتا اور نہ وہ اتفاقی کلامِ موزون شعر کہلاتا ہے۔

رجوع بسوئے مضمون وحدانیت و تذکیر نعمت

اُوپر سے سلسلۂ کلام دلائلِ قدرت اور تذکیر نعمت کا چلا آرہا ہے اخیر میں مشرکین کے اس قول کی تردید کی کہ جو قرآن کریم کے ان دلائل اور براہین کو شاعرانہ تخیلات بتلاتے تھے اب پھر انہی دلائل قدرت اور انواع واقسام کی نعمتوں کے ذکر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان معاندین کے اعراض و تکذیب سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کیا انہوں نے دیکھا اور جانا نہیں کہ ہم نے انکے نفع کے لیئے ایسی چیزیں پیدا کیں کہ جن کو خاص ہمارے ہاتھوں نے بنایا کوئی دوسرا آدمی اس میں شریک نہیں اور نہ معین و مددگار ہے یعنی ہم نے انکے لیئے خاص اپنے دست قدرت سے مویشی اور چوپائے پیدا کیئے پھر ہمارے مالک بنانے سے یہ لوگ ان چوپایوں کے مالک ہو گئے یعنی ان سے نفع اٹھاتے ہیں اور پھر ان مویشیوں کو ہم نے ان کیلئے تابع بنا دیا کہ جس طرح چاہیں ان سے کام لیں اور فائدہ اٹھائیں پس بعض ان میں سے انکی سواریاں ہیں جن سے سواری کا کام لیتے ہیں اور بعض مویشی ایسے ہیں جن کو کھاتے ہیں یعنی جن کا گوشت کھاتے ہیں اور اسکے علاوہ بھی ان لوگوں کیلئے ان میں فوائد ہیں جیسے صُوف اور اُون اور چربی اور پینے کی چیزیں ہیں یعنی دودھ پھر بھی یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے جس نے انکو یہ نعمتیں عطا کیں بلکہ بجائے شکر کے کفر اور شرک میں مبتلا ہیں اور سوائے خدا کے اور معبود بنا رکھے ہیں شاید ان معبودوں کی طرف سے ان کی کوئی مدد کی جائے اس امید پر انکو معبود بنایا ہے شاید کسی مصیبت کے وقت یہ انکے کام آویں اور انکی مدد کریں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ معبود انکی کوئی مدد نہیں کر سکتے محض پتھر ہیں جس کا جی چاہے انکو توڑ دے اور ان پر جو چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے تو ان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ مکھی سے چھین لیں اور بلکہ یہ بت پرست خود ہی اپنے بتوں کے لیے مفت کی ایک فوج بنے ہوئے ہیں دنیا میں اپنے باطل معبودوں کا ایک لشکر ہیں جو انکے سامنے حاضر رہتے ہیں مگر مدد کچھ نہیں کر سکتے یا یہ معنی ہیں کہ آخرت میں ہر معبود باطل آگے آگے جہنم میں ہوگا اور یہ اسکے پرستار بمنزلہ لشکر کے اسکے پیچھے پیچھے ہوں گے۔

مشرکین کی ان کفریات اور خرافات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ ہوتا تھا تو آئندہ آیت میں آپ کی تسلی فرماتے ہیں پس غم میں نہ ڈالیں آپ کو ان کی خرافات باتیں جو خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ "وہ صاحب اولاد ہے" اور "اسکے شریک ہیں" یا آپ کو شاعر اور ساحر اور مجنون کہتے ہیں

آپ انکی باتوں سے آزردہ اور غمگین نہ ہوں ہم انکے ظاہر و باطن کو خوب جانتے ہیں یہ بچ کر ہم سے کہاں جائیں گے۔

بے شک ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ بغض اور عداوت یہ دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ کلمات کفر و شرک زبان سے یہ ظاہر کرتے ہیں ہم سب کا بدلہ لیں گے آپ غمگین نہ ہوں ان پر اللہ کا محاسبہ ہے وہ وقت پر ان سے حساب لے گا اور انکو سزا دیگا آپ انکی خرافات پر صبر کیجئے۔

بآشکارہ نہاں ہرچہ کردی وگفتی ∴ جزا دہد بتو دانائے آشکارہ نہاں

∴ ∴ ∴

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ

کیا دیکھتا نہیں آدمی کہ ہم نے اسکو بنایا ایک بوند سے پھر تبھی ہو گیا

خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ

جھگڑتا بولتا ∴ اور بٹھاتا ہے ہم پر کہاوت اور بھول گیا اپنی پیدائش

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾ قُلْ يُحْيِيْهَا

کہنے لگا کون جلاوے گا ہڈیاں جب کھوکھری ہو گئیں تو کہہ انکو جلاوے گا

الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ ۙ

جس نے بنایا اُن کو پہلی بار اور وہ سب بنانا جانتا ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ

جس نے بنادی تم کو سبز درخت سے آگ پھر اب تم اسی

مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

سے سُلگاتے ہو کیا جس نے بنائے آسمان

وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَ

اور زمین نہیں سکتا کہ بناوے ایسے آدمی کیوں نہیں اور

هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ
وہ ہے اصل بنانے والا سب جانتا اسکا حکم یہی ہے جب چاہے کسی چیز کو کہ
يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ
کہے اسکو ہو وہ ہو جاوے سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ
مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

منکرین حشر کا ایک شبہہ یا وسوسہ اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ ..... الیٰ ... فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں دلائل اور براہین سے وحدانیت کو ثابت کر دیا اور اس ضمن میں انکار حشر کا بھی ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ثبوت حشر و نشر پر دلائل قائم کرتے ہیں اور منکرین حشر کے ایک شبہ اور استبعاد کا جواب دیتے ہیں یہ لوگ حشر و نشر کو ناممکن اور محال اور بعید از عقل جانتے تھے اور عجیب عجیب باتیں کرتے تھے چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز اُبی بن خلف یا عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی لے کر حضور پرنور کی مجلس میں حاضر ہوا جبکہ سرداران قریش بھی موجود تھے اس ہڈی کو ہاتھ میں لے کر ریزہ ریزہ کرتا جاتا تھا اور ہوا میں اڑاتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ اے محمد! کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ خدا ان متفرق ریزوں کو دوبارہ زندہ کرے گا آپ نے فرمایا ہاں بے شک تجھ کو مارے گا اور دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر تجھ کو جہنم میں دھکیلے گا یہ آیتیں یعنی اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ سے اخیر سورت تک اسی کے بارہ میں نازل ہوئیں جن میں اسکے اس استبعاد کا مکمل اور مفصل اور مدلل جواب دیا گیا اور ایسا کافی اور شافی جواب دیا گیا کہ جس میں کسی جدید اور قدیم فلسفی کو بھی دم مارنے کی مجال نہیں جو شخص اس دلیل کو کسی نمرود صفت کے سامنے پیش کرے گا تو وہ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ کی حالت کا مشاہدہ کرے گا۔

حق جل شانہٗ نے منکرین حشر کے اس استبعاد کے جواب میں جو ارشاد فرمایا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ جو خدا تم کو پہلی بار ایک نطفہ اور پانی کے ایک ناپاک قطرہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری بار تمہارے پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت جسم انسانی کے مختلف اور متفرق اجزاء کا مجموعہ ہے اور انسان کے اعضاء متفرقہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اس ایک قطرۂ آب (نطفہ) میں سر اور آنکھ اور کان اور ہاتھ اور کمر اور ٹانگوں اور پیروں کے تمام اجزاء لطیفہ جمع ہیں اور یہ تمام اجزاء لطیفہ اجزاء ارضیہ سے مستحیل شدہ ہیں اس لیئے کہ منی کے تمام اجزاء دراصل غذاء سے پیدا شدہ ہیں پس جو خدائے علیم و قدیر پہلی بار جسم کے ان اجزاء متفرقہ سے انسان کو پیدا کرسکتا ہے وہ مرنے کے بعد گلی اور سڑی ہڈیوں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے آدمی کو دوبارہ بھی زندہ کرسکتا ہے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا خدا کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہے دوسرا جواب اللہ تعالیٰ نے اس استبعاد کا یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سرسبز درخت سے آگ نکالی پس جو خدا سبز درخت سے آگ نکال سکتا ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کرسکتا ہے اور جو بار اول انسان کو نطفہ جیسی ناچیز شئ سے پیدا کرسکتا ہے وہ دوسری بار انسان کو گلی سڑی ہڈیوں سے بھی پیدا کرسکتا ہے اور پھر اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے استبعاد کا تیسرا جواب دیا خاص حجت کے بعد ایک عام حجت ذکر فرمائی کہ وہ خدا جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے آسمان و زمین جیسی با عظمت مخلوق کو پیدا کیا وہ کیوں ایک انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوگا اسکی قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے تو اس کا صرف یہ کہنا کافی ہے کہ ہوجا وہ چیز فوراً ہوجاتی ہے ہر چیز اسکے قبضۂ قدرت میں ہے اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا بھی اسکی قدرت میں ہے اس جواب کے بعد اپنی قدرت کے آثار عجیبہ کو ذکر کیا اور اسی مضمون پر سورت کو ختم کیا۔

فائدہ جلیلہ دربارۂ معاد جسمانی

ناظرین کرام ان آیات کی تفسیر کو بغور و فکر پڑھیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن اور حدیث میں جس معاد اور حشر کی خبر دی گئی ہے وہ حشر جسمانی ہے اس جسم انسانی کی بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ کی جائیں گی اور روح کا دوبارہ تعلق انہی اجزاء ترابیہ کے ساتھ ہوگا جن سے دنیاوی جسم مرکب ہے اور اسی بدن عنصری کے ساتھ علیٰ وجہ الکمال والتمام انسان دوبارہ زندہ کیا جائیگا اور حشر کے بعد جو جسم عطا ہوگا وہ ہو بہو پہلے جسم کے پورا پورا مشابہ ہوگا جو اسکو دنیا میں حاصل تھا اور اسی حشر جسمانی پر تمام انبیاء و مرسلین کا تمام صحابہ و تابعین کا اور تمام اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے صرف فلاسفہ معاد جسمانی کے منکر ہیں اور معادِ روحانی کے قائل ہیں اور فلاسفہ جو معاد جسمانی کے منکر ہیں انکا انکار اس بات پر مبنی ہے کہ انکے نزدیک اعادۂ معدوم محال ہے جس پر فلاسفہ آج تک کوئی دلیل قائم نہیں کرسکے تفصیل کیلئے روح المعانی دیکھیں علامہ آلوسیؒ نے اس مقام پر معاد جسمانی اور روحانی کے متعلق مفصل کلام کیا ہے۔

کیا انسان نے یہ نہیں دیکھا اور نہیں جانا کہ ہم نے اسکو ایک بوند سے پیدا کیا کہ جو بظاہر ایک

بے روح چیز ہے اور اس میں ہوش و حواس اور اعضاء اور جوارح کچھ بھی نظر نہیں آتے بس جب وہ قدرت الٰہی سے پیدا اور زندہ ہو گیا حالانکہ وہ اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا تو بڑا جھگڑالو ظاہر ہوا کہ کمال بے ادبی اور غایت حماقت اور بوسیدہ عقل سے ہماری قدرت میں جھگڑنے لگا اور ہمارے لیئے ایک مثال بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا اور ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر یہ کہنے لگا کہ ان بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جیسے اُبی بن خلف یا عاص بن وائل یا دونوں جو بعث اور حشر کے منکر تھے وہ یہی کہتے تھے۔

اے ہمارے نبی آپؐ اس سے کہہ دیجئے کہ ان ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے اپنی قدرت کاملہ سے انکو اول مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر مخلوق کو اور ہر قسم کی پیدائش کو تفصیل کے ساتھ خوب جانتا ہے کوئی مخلوق اپنی پیدائش سے اتنی آگاہ نہیں جتنا کہ خالق اپنی مخلوق اور اسکی پیدائش سے آگاہ ہے اس کو ذرہ ذرہ کی کنہ و حقیقت کا کمالِ علم حاصل ہے اور ذرہ ذرہ اسکے قبضۂ قدرت میں مسخر ہے جو ذرہ ہوا میں اڑتا پھرتا ہے وہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں مسخر ہے وہ جب چاہے ان ہوا کے ذرات کو جمع کر کے زندہ کر سکتا ہے اور یہ تمام ذرات جو ہوا میں اور خلاء میں پراگندہ ہیں وہ سب اسکو تفصیل کے ساتھ معلوم ہیں وہ ہر شخص کے اجزاء کو متفرق اور پراگندہ ہونے کی حالت میں خوب جانتا اور پہچانتا ہے وہ ان اجزاء کے جمع کرنے اور اکٹھا کرنے اور ملانے پر خوب قادر ہے جس طرح وہ ان اجزاء کے متفرق کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ انکے جمع کرنے پر بھی قادر ہے آخر کیا یہ نطفہ انسان کے متفرق اجزاء کا مجموعہ نہیں جن سے یہ انسان پیدا ہوا ہے۔

بوسیدہ ہڈیوں کا دوبارہ زندہ کر دینا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ انسان کے جسم میں سے اجزاء بسیط کو ایک نطفہ کی شکل میں نکال کر انسان کو پیدا کرنا عجیب و غریب ہے یہ نادان انسان اپنی اصل خلقت کو بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اسکے تمام بدن سے ذرات بسیط اور اجزاء لا تتجزّٰی کو نطفہ کی شکل میں جمع کیا اس نطفہ میں تمام جسم کے اجزاء لا تتجزّٰی جمع ہیں اس نطفہ میں آنکھ اور کان اور منہ اور ہاتھ اور پیر اور کمر اور پیٹ اور ٹانگیں سب جمع ہیں اور سب اللہ کے علم میں ہیں جس طرح ایک تخم میں درخت کی تمام شاخیں اور پتے اور پھول اور پھل ذرات بسیط اور لا تتجزّٰی کی شکل میں اجمالاً موجود ہوتے ہیں۔

اسی طرح سمجھو کہ تمام اعضاء انسانی کے ذرات بسیط اور اجزاء لا تتجزّٰی اجمالاً نطفہ میں جمع ہوتے ہیں یہ ناپاک اور گندہ قطرہ جب رحم میں داخل ہو جاتا ہے تو چند ماہ میں اس سے اُبی بن خلف اور عاص بن وائل جیسا جھگڑالو انسان پیدا ہوتا ہے اور ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر اڑاتا ہے اور خداوند قدیر کے عجز کے لیے ایک مثال بیان کرتا ہے اور اس وقت اسکی عقل ایسی بوسیدہ اور پراگندہ ہو جاتی ہے کہ اپنی پیدائش کو بھول جاتا ہے کہ خدا نے مجھ کو کس طرح پیدا کیا ہے۔

جس ذات نے اسکو پہلی بار نطفہ سے (یعنی جسم کے اجزاء متفرقہ) بنایا اور پہلی بار اسکو پیدا کیا ہے

وہی ذات پاک دوسری بار بھی اسکے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے زندہ کرنے پر قادر ہے انسان جس طرح اپنی اشیاء مملوکہ اور مصنوعہ کے اجزاء متفرقہ کے جمع اور تفریق پر قادر ہے تو اس بوسیدہ عقل والے کو خدا تعالیٰ کی جمع و تفریق میں کیوں شبہ لاحق ہوا وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ خدا تعالیٰ پر کوئی شے پوشیدہ نہیں وہ اپنی مخلوقات کی حقیقت اور کیفیت سے پورا پورا خبردار ہے بخلاف بندہ کے کہ اسکو اپنی مصنوعات کی بھی پوری خبر نہیں ہوتی بندہ کا علم اور اسکی قدرت گھٹتی اور بڑھتی ہے اور خدا تعالیٰ کا علم اور اسکی قدرت ازلی اور ابدی ہے وہ اپنی ہر مخلوق کو مجملاً اور مفصلاً خوب جانتا ہے اسکی قدرت کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا سب برابر ہے۔

دوسرا جواب

اور خدائے قادر وہ خدا ہے کہ جس نے تمہارے لیئے سرسبز اور ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی پس تم اس درخت سے آگ جلاتے ہو اس درخت سے مرخ اور عفار کا درخت مراد ہے جو سرزمین حجاز میں پیدا ہوتا ہے وہاں جب کسی کو آگ نہیں ملتی تو وہ ان درختوں کے پاس آکر انکی دو شاخیں لے کر آپس میں رگڑتا ہے تو اس سے آگ پیدا ہوتی ہے جیسے چقماق کے پتھر سے آگ نکالی جاتی ہے اسی طرح اس سرسبز درخت سے آگ نکالی جاتی ہے حالانکہ آگ اور پانی ایک دوسرے کی ضد ہیں خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مرخ اور عفار کی دو سرسبز ٹہنیاں جن سے پانی ٹپکتا ہو آپس میں رگڑنے سے ان میں سے آگ نکل پڑتی ہے پس جو خدا ایک سرسبز درخت سے آگ نکالنے پر قادر ہے تو جو چیز پہلے زندہ اور تروتازہ اور پھر خشک ہو گئی اس کو دوبارہ حسب سابق طراوت اور تازگی پر لانے پر کیوں قادر نہیں۔

تیسرا جواب

اَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین جیسے اجسام عظیمہ پیدا کیئے وہ اسپر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے پانچ سات فٹ کے انسان کو دوبارہ پیدا کر دے کیا جس خدا نے اتنے بڑے بڑے اجسام آسمان اور زمین بناتے کیا وہ مثل بشر کے دوبارہ بنانے پر قادر نہیں حالانکہ آسمان و زمین اتنے بڑے ہیں کہ روئے زمین کے ارب ہا ارب انسان خدا کی پیدا کردہ زمین پر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی بڑے خوان میں چند دانے پڑے ہوں اگر روئے زمین کے درختوں کے پتے اور کیڑے اور مکوڑے اور حیوانات اور سمندر کی مچھلیاں اور بیابانوں کے ذرات کو جمع کیا جائے تو روئے زمین کے ارب ہا ارب انسانوں کو ان سے وہ نسبت بھی نہ ہوگی جو ایک کو ایک

اور سب سے ہوتی ہے پس جو خدا اس غیر محدود کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اسے روئے زمین کے انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے ہاں کیوں نہیں وہ بلا شبہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور کیوں نہ ہو وہ تو تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور ہر چیز کی حقیقت اور کنہ کو جاننے والا ہے اسے انسان کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا عدم سے نکال کر وجود میں لانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسکو کسی آلہ اور امداد کی ضرورت نہیں بلکہ جو چیز اسکے علم میں ہے اس سے یہ کہدیتا ہے کہ ہو جا سو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے اسے کسی چیز کا پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں اسکی ایجاد اور تخلیق کیلئے صرف اس کا ارادہ اور مشیت کافی ہے پس تم کو چاہیئے کہ اپنی بوسیدہ عقل کو چھوڑو اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لاؤ اور اس ذات کی تسبیح و تقدیس کرو جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی اور ملکیت ہے اور اسکے ملکوت میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اور یقین رکھو کہ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اگرچہ تم اس وقت دوبارہ زندگی کا لاکھ انکار کرو مگر جانا تم کو اسی کے پاس ہے جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا دوبارہ زندہ ہو کر اسی کے سامنے پیش ہونا ہے اس وقت تم کو اپنے کفر اور انکار کی سزا ملے گی۔ یہ آیتیں ابی بن خلف کے بارہ میں یا عاص بن وائل کے بارہ میں یا دونوں کے حق میں نازل ہوئیں جو کچھ بھی ہو آیات مذکورہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں اور ہر منکر بعث کا جواب ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین بعث وحشر کے ایک استبعاد اور وسوسہ کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم اور قدرت ہر ہر ذرہ کو محیط ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو پہلی بار وجود عطا کیا اور زندگی بخشی اور جب تک چاہا اسکو زندہ رکھا اسیطرح مرنے کے بعد جب چاہے گا اسکو زندہ کرے گا اس لیئے کہ وہ اسکے ہر ہر ذرہ کو خوب جانتا ہے جہاں وہ متفرق پڑا ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ گذشتہ امتوں میں سے ایک شخص پر موت آئی جو بدعمل تھا اس نے اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو لکڑیوں کا ایک بڑا انبار جمع کرنا اور پھر اس میں آگ لگانا جب آگ خوب تیز ہو جائے تو مجھ کو اس میں ڈال کر جلا دینا یہاں تک کہ جب میرا گوشت پوست سب کوئلہ ہو جائے تو اسکو باریک پیس کر آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں اڑا دینا اسکے اہل وعیال نے حسب وصیت اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا اللہ تعالیٰ نے بحر و بر کو حکم دیا کہ اسکی راکھ کے ذرات کو جہاں جہاں ہوں جمع کر کے حاضر کریں جب وہ تمام ذرات جمع ہو گئے تو اللہ نے انکو زندہ ہو جانے کا حکم دیا اس طرح سے وہ شخص دوبارہ زندہ ہو کر موجود ہو گیا اللہ عزوجل نے اس سے پوچھا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی اس نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے یہ حرکت تیرے خوف کی وجہ سے کی اور تو اندرون حال کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسکو بخش دیا (رواہ احمد والبخاری ومسلم وغیرہم)

قطرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت ⁂ از خزینہ قدرت تو کے گریخت
گر در آید در عدم یا صد عدم ⁂ چوں بخواہد اوکند از سر قدم

غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو عقل سلیم دی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہزار بار پیدا کرنے اور ہزار بار موت دینے اور ہزار بار زندہ کرنے پر قادر ہے اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے نہ محال ہے اور نہ بعید ہے۔

الحمد للہ کہ آج شب یکشنبہ میں بعد نماز عشاء بتاریخ ۲۵ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۳ھ کو سورۂ یٰسین کی تفسیر سے فراغت ہوئی والحمد للہ اولا وآخرا ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم ویارب یسر لی اتمام تفسیر بقیۃ القرآن الکریم فانک انت المیسر لکل عسیر وعلی ما تشاء قدیر وبالاجابۃ جدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

تفسیر سُورۃ الصّافات

سورۂ صافات بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

(ربط سورت) گذشتہ سورت میں زیادہ تر تین مضمون تھے توحید، رسالت اور قیامت، پہلی سورت کا آغاز مضمون رسالت سے فرمایا اور اس سورت کا آغاز توحید کے مضمون سے فرمایا اس سورت میں بھی انہی تین مضامین کا بیان ہے دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں لہٰذا دونوں سورتوں میں مناسبت ظاہر ہے پہلی سورت میں مبدأ اور معاد کی تحقیق زیادہ تھی اور اس سورت میں توحید اور رسالت کی تحقیق زیادہ ہے۔

نیز مشرکین بت پرستی کرتے تھے اور توحید کے منکر تھے اور ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے کہ وہ قضاء وقدر میں شریک ہیں اس لیے انکی پرستش کرتے تھے اور جنوں اور شیاطین کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہ آسمان پر جا کر کچھ اوپر کی خبریں لاکر لوگوں کو دیتے ہیں اور کاہنوں کے بھی بڑے معتقد تھے اور قیامت کے منکر تھے اس سورت میں مشرکین کی ان تمام باتوں کا دلائل اور براہین سے رد ہے۔

آیاتہا ۱۸۲ — ۳۷ سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ۵۶ — رکوعاتہا ۵

سورۂ صافات بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ

قسم صف باندھنے والوں کی قطار ہوکر پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر - پھر پڑھنے والوں کی

ذِكْرًا ﴿۳﴾ إِنَّ إِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

یاد کر - بے شک حاکم تمہارا ایک ہے رب آسمانوں کا اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا

اور جو انکے بیچ ہے اور رب مشرقوں کا ہم نے رونق دی ورلے آسمان کو ایک

بِزِيْنَةِ ٱلْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾

رونق جو تارے ہیں اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش سے

لَا يَسَّمَّعُوْنَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ

سن نہیں سکتے اوپر کی مجلس تک اور پھینکے جاتے ہیں ہر طرف سے ہانکے

جَانِبٍ ﴿۸﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿۹﴾

گئے اور ان کو مار ہے ہمیشہ

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ

مگر جو اُچک لایا جھپ سے پھر پیچھے لگا اسکو انگارہ

ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

چمکتا

اثبات توحید اور منکرین حشر کی تردید اور تہدید اور وعید

قال اللہ تعالیٰ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۔ ۔ ۔ الیٰ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ

قسم ہے ان فرشتوں کی جو بارگاہ الوہیت اور مقام عبودیت میں اپنے اپنے مقام پر درجہ بدرجہ صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور حکم الٰہی کے منتظر رہتے ہیں اور اس کھڑے ہونے میں آداب عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں جیسے دنیا میں اہل دنیا عبادت میں خدا کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں آگے آنے والا ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ

پس جس طرح ہم صف باندھ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح فرشتے قطار باندھ کر اللہ کا حکم سننے کے انتظار میں صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ فرشتے بوقت عبودیت اللہ کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور مل کر کھڑے ہوتے ہیں جیسے نمازی نماز میں اور مجاہدین جہاد میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ کے حکم سے اجرام علویہ اور سفلیہ کی تدبیر پر مامور ہیں وہ ان شیاطین کو ڈانٹ کر بھگاتے اور ہنکاتے ہیں جو اوپر جا کر چوری چھپے سے اللہ کی باتیں اور آسمان کی خبریں سننا چاہتے ہیں کہ ملأ اعلیٰ اور آسمانوں میں فرشتوں کی جو باتیں ہو رہی ہیں ان میں کوئی بات سن کر لے بھاگیں اور کاہنوں کے کانوں میں اس کا القاء کریں کہ آسمانوں میں یہ باتیں ہو رہی ہیں جیسا کہ اسی آیت میں آگے آنے والا ہے وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا اس کلمہ سے ان بے ادب کافروں کا رد مقصود ہے کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی شیطان آپ کے پاس آکر آپ کو غیب کی خبریں سنا جاتا ہے اسکے ابطال کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہاں تک شیطانوں کی رسائی نہیں عالم بالا کی خبریں انکو حاصل نہیں ہو سکتیں اگر کوئی شیطان ملأ اعلیٰ کی طرف جانے کا قصد کرتا ہے تو وہ ایک آتشیں شعلہ سے مار بھگا دیا جاتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو بادلوں کو ہنکاتے ہیں اور جس زمین پر بارش کا حکم ہوتا ہے وہاں انکو لے جاتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جنات اور شیاطین کو بنی آدم کے ایذاء اور تکلیف پہنچانے سے ڈانٹتے اور روکتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو شیاطین کو الہامات فاسدہ کے القاء سے روکتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو ذکر الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اور لیل و نہار اللہ کی تسبیح و تقدیس میں اور اسکی یاد میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں آنے والا ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ کا حکم سننے کے منتظر رہتے ہیں پھر جب وہ حکم اوپر سے اتر جاتا ہے تو ایک دوسرے کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء کرامؑ پر نازل ہوتے ہیں اور کلمات الٰہیہ کی ان

پر تلاوت کرتے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور مسروقؒ اور سعید بن جبیرؒ اور عکرمہؒ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ اور سدیؒ اور ربیع بن انسؒ کا بھی یہی قول ہے کہ اس آیت میں "صافات" اور "زاجرات" اور "تالیات" سے ملائکہ کی اقسام مراد ہیں جو مقام عبودیت میں تعمیل حکم کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور بادلوں کو ڈانٹ کر چلاتے ہیں اور خدا کا ذکر کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ ان قسموں سے خواہ فرشتے مراد ہوں یا عبادت گذار انسان مراد ہوں یا غازی اور مجاہدین مراد ہوں جو جہاد میں گھوڑوں کو ہنکاتے ہیں اور میدان جہاد میں صف بستہ ہو کر کافروں کا مقابلہ کرتے ہیں اور پھر گھوڑوں کو للکار کر اور ہنکا کر دشمن پر حملہ کرتے ہیں اور اس حالت میں وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں یا علماء ربانیین مراد ہوں جو وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کی معصیت سے زجر اور توبیخ کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی ان پر تلاوت کرتے ہیں اور یاد الٰہی سے غافل نہیں رہتے اور اسکے علاوہ اور بھی اقوال ہیں یہ الفاظ اپنے عموم کی وجہ سے ان تمام معانی کو محتمل ہیں اور یہ تمام چیزیں قابل قسم ہیں کہ اللہ کے نزدیک باعظمت اور باتوقیر ہیں اور آیات قدرت بھی ہیں بہرحال جو بھی مراد ہو اللہ تعالیٰ ان قسموں کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

بے شک تمہارا معبود اپنی ذات و صفات میں اور اپنے اقوال و افعال میں ایک ہے یعنی یکتا اور یگانہ ہے یہ جواب قسم ہے قسم کھا کر اپنی توحید الوہیت کو بیان فرمایا اب آئندہ اس بات میں اپنی توحید ربوبیت کو بیان کرتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے تمام فرشتے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ الٰہ خدائے برحق ایک ہے اور وہی آسمان و زمین کا خالق ہے اور وہی سارے عالم میں متصرف ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ وہ رب السموٰت والارض ہے اور تمام ثوابت اور سیارات سب اسکے حکم کے سامنے مسخر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں وہی رب ہے آسمانوں کا اور زمین کے درمیان تمام چیزوں کا اور وہی رب ہے تمام مشرقوں کا آفتاب اور ماہتاب اور جو کوکب ہر روز جس مشرق سے بھی طلوع کرتا ہے وہ اسی کے حکم سے طلوع کرتا ہے۔

نکتہ مشارق کا ذکر کیا اور فقط اسی کے ذکر پر اکتفا کیا اور مغارب کا ذکر نہ کیا اس لیے کہ دو ضدوں میں سے ایک ضد کا ذکر دوسری ضد کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ میں فقط حر کا ذکر کیا مراد حر اور برد دونوں ہی ہیں۔

یا یہ وجہ ہے کہ اس لفظ سے کواکب پرستوں کے رد کی طرف اشارہ ہے جو کواکب کی الوہیت کے قائل تھے سو انکی الوہیت کا ظاہراً احتمال انکے طلوع اور نورانیت سے ہو سکتا ہے نہ کہ غروب سے اسلیے کہ غروب سے انکی نورانیت اور تاثیر ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں گذرا فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ اور غروب ایک قسم کی دناءت اور پستی و زوال ہے غروب کی حالت میں کواکب کی الوہیت کا ظاہراً بھی کوئی امکان نہیں اس لیے مغارب کا ذکر نہیں کیا

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھا کر اپنی توحید کو بیان فرمایا قرآن کریم میں جا بجا اس قسم کی قسمیں جواب قسم کی تاکید اور اہتمام کیلئے لائی گئی ہیں اور عموماً جس جگہ بھی قسم لائی گئی ہے وہ درحقیقت جواب قسم کی دلیل ہے اسلئے کہ فرشتوں کا مقام عبودیت میں صف بستہ کھڑا ہونا اور آسمانوں کا پہرہ دار بننا اور ہر وقت اللہ کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہنا یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے جسکی تعظیم میں یہ فرشتے صف بستہ اور اسکی اطاعت اور عبودیت میں کمربستہ اور اسکی قدرت اور عظمت اور جلال کے سامنے دست بستہ ہیں معلوم ہوا کہ فرشتوں میں الوہیت کی صلاحیت نہیں بہرحال آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز رب نہیں۔

اب آئندہ آیات میں دلائل قدرت اور براہین الوہیت کا نمونہ بیان فرماتے ہیں تحقیق ہم نے آسمان دنیا کو جو انکے سروں سے بہت قریب ہے ستاروں کے ذریعہ زینت بخشی جو ہماری قدرت کا عجیب منظر ہے کہ انکے سروں پر آسمان سائبان اور چھت کی طرح روشن اور مزین ہے ہم نے اپنی قدرت اور حکمت سے آسمان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ستاروں کے ذریعہ ان سے نزدیک تر آسمان کو آرائش دی یہ چیزیں خود بخود نہیں ہو گئیں مطلب یہ ہے کہ یہ کواکب آسمان دنیا کی آرائش اور زینت ہیں اور ہم نے ان ستاروں کے ذریعہ آسمان کو ہر شیطان سرکش کی رسائی سے محفوظ کر دیا کہ کسی شیطان کی وہاں تک رسائی نہ ہو سکے شیاطین میں یہ طاقت نہیں کہ ملأ اعلیٰ تک یعنی فرشتوں کی مجلس اعلیٰ تک رسائی پاسکیں اور انکی باتوں کو سن سکیں یعنی شیاطین میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اوپر جاکر کان لگا کر ملأ اعلیٰ کی باتوں کو سن سکیں کواکب کے ذریعہ ہم نے آسمانوں کو شیاطین کی رسائی سے محفوظ کر دیا ہے۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ ستارے رب نہیں اور نہ وہ الوہیت میں شریک ہیں اور نہ تغیرات عالم میں مؤثر ہیں۔

اور اگر شیاطین اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہیں سے بھگانے اور دھتکارنے کیلئے ہر طرف سے مارے جاتے ہیں تو وہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں پاتے اور فرشتے دھکے دے کر انکو بھگا دیتے ہیں اور شیاطین کے لیے اس دنیوی عذاب کے علاوہ ایک اخروی عذاب ہے جو انکو لازم ہوگا اور وہ کبھی ان سے منقطع نہ ہوگا۔

غرض یہ کہ کسی شیطان کی یہ مجال نہیں کہ ملأ اعلیٰ تک پہنچ کر اور وہاں بیٹھ کر ان احکام کو سن سکے جو تدبیر عالم کے متعلق جاری ہوتے ہیں مگر یہ کہ کسی وقت کوئی شیطان چوری چھپے سے کوئی بات اچک کر لے جاتے اور سن کر وہاں سے بھاگے تو ایک روشن شعلہ اسکے پیچھے لگ لیتا ہے جس سے وہ کبھی مارا جاتا ہے اور کبھی بچ جاتا ہے اور نیچے والے کو وہ خبر پہنچا دیتا ہے اور جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے ان آیات سے مقصود اللہ کی کمال عظمت و قدرت کو بیان کرنا ہے کہ ہم نے آسمان دنیا کو کواکب سے مزین اور آراستہ کیا اور پھر ان کواکب کو آسمان تک شیاطین کی رسائی سے حفاظت کا ذریعہ بنایا اور ہر طرف سے رجم کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین جس طرف سے

بھی جاتے ہیں تو ان پر رجم ہوتا ہے اور استماع پر قادر نہیں مگر شاذ و نادر کبھی کوئی بات لے اڑتے ہیں اور اسکو جادوگروں اور کاہنوں پر القاء کرتے ہیں وہ اس میں سو جھوٹی باتیں ملا کر مشہور کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں متعدد جگہ اس بات کا ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا کو کواکب (ستاروں) کے ذریعہ زینت بخشی اور انکو سرکش شیطانوں سے حفاظت کا ذریعہ بنایا کہ شیاطین آسمانوں تک نہ پہنچ سکیں اور اگر کسی وقت کوشش کرکے آسمان کے قریب تا پہنچ جائیں تو ستاروں سے ہلاک کر دیئے جائیں مطلب یہ ہے کہ ستاروں کے پیدا کرنے میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ آسمان دنیا کی زینت بنیں اور دنیا والوں کو جگمگاتی ہوئی قندیلیں دکھاویں دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نیلگوں سطح پر نہایت آبدار جواہر چمک رہے ہیں جس سے آسمان نہایت خوبصورت اور روشن نظر آتا ہے دوسرا فائدہ کواکب کا یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے آسمان کی حفاظت ہو جاتی کہ شیاطین وہاں تا پہنچ کر کوئی خبر نہ لے سکیں جس کی تفصیل سورۂ حجر کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

علماء اسلام میں مشہور قول یہ ہے کہ ستارے آسمان میں گڑے ہوتے ہیں اور بعض علماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ ستارے آسمان و زمین کے مابین معلق ہیں اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ آفتاب وغیرہ آسمان دنیا سے نیچے ہیں ان علماء کے نزدیک آسمان دنیا کے لیے آفتاب اور ماہتاب کی زینت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دیکھنے والوں کو آسمان دنیا ہی کی زینت دکھائی دیتی ہے اگرچہ وہ آسمان اول سے نیچے ہیں اور فلاسفہ متاخرین کہتے ہیں کہ کواکب فضاء میں قوت جاذبہ کے تناؤ پر قائم ہیں نہ کہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں سو یہ امر اہل اسلام کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قدرت خداوندی کے تصرف میں داخل ہے اور قوت جاذبہ ایک سبب عادی ہے جسکو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اگر کسی دلیل قطعی سے یہ امر ثابت ہو جائے کہ کواکب فضاء ہی میں معلق ہیں تو جن آیات میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کواکب کو آسمان دنیا کی زینت بنایا ہے انکے یہ معنی بیان کیئے جائیں گے کہ ظاہری رؤیت اور مشاہدہ کے اعتبار سے وہ آسمان کی زینت ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خبر تو یہ دی ہے کہ اس نے کواکب سے آسمان کو زینت دی جس کا یہ بیان ہوا اور دوسری خبر اس نے یہ دی ہے کہ اس نے کواکب کو شیاطین کے روکنے کے لیے اور ان کے سنگسار کرنے کے لیے بنایا ہے تاکہ وہ ملائکہ کی باتیں چوری سے سننے کے لیے آسمان کے قریب نہ پہنچ سکیں۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بڑے بڑے سیارے جیسے چاند اور سورج انکی سنگساری کے لیے اوپر سے نیچے پھینکے جاتے ہیں تاکہ یہ شبہ کیا جائے کہ اگر بڑے بڑے ستارے زمین پر پھینک دیئے جائیں تو زمین کو بڑا نقصان پہنچے اور آبادی تباہ ہو جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کواکب سے شعلے جدا ہو کر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اور انہی شعلوں کو ہم شہاب ثاقب یا ٹوٹتے ہوئے ستارے کہتے ہیں جیسا کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے (دیکھو تفسیر کبیر)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ٹوٹنے والے اور گرنے والے ستارے یہ کواکب نورانیہ نہیں بلکہ کواکب نورانیہ

کی شعاعیں اور شعلے ہیں جو شیاطین پر گرتے ہیں اور انکو ہلاک کرتے ہیں ۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ "انہی تاروں کی روشنی سے آگ نکلتی ہے جس سے شیطانوں کو مار پڑتی ہے جیسے سورج اور آتشی شیشہ سے" انتہی یعنی اصل ستارے اپنے حال پر رہتے ہیں اور جو شعلے انکی روشنی سے نکلتے ہیں ان سے شیاطین کو مارا جاتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ستارے دو قسم کے ہیں ایک بڑے بڑے جو لوگوں میں معروف و مشہور ہیں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے انکو اللہ تعالیٰ نے فضاء آسمانی میں معلق کر دیا ہے اس قسم کے ستاروں کو اللہ تعالیٰ شیاطین کے رجم کے لیے تیار کرتا ہے یا وہ پہلے سے موجود ہیں مگر نظر نہیں آتے لیکن جب وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں تو حرکت کی تیزی کی وجہ سے شعلہ کی صورت میں ہو کر شیاطین پر گرتے ہیں ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کیلئے بنایا ہے اور شیاطین کی سنگباری کیلئے بنایا ہے بڑے بڑے ستارے آسمان کی زینت ہیں اور چھوٹے چھوٹے ستارے شیاطین کی سنگساری کے لیے ہیں لہٰذا یہ تحقیق موجودہ علم الافلاک کے اصول مسلمہ کے بھی خلاف نہ ہوگی فرق صرف اتنا ہوگا کہ علماء علم الافلاک کے نزدیک چھوٹے چھوٹے ستاروں کا زمین پر گرنا اس بناء پر ہوگا کہ یہ چھوٹے چھوٹے ستارے جب کسی وقت زمین کے قریب ہو جاتے ہیں تو زمین کی کشش کے باعث زمین کی طرف ٹوٹ کر گر پڑتے ہیں جب یہ ستارے زمین کے قریب ہو جاتے ہیں تو زمین انکو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ ستارے اللہ کے حکم سے شیاطین کو سنگسار کرنے کے لیے پھینکے جاتے ہیں اور فلاسفۂ عصر نے جو زمین کے لیے قانون کشش بنا رکھا ہے انکے پاس اسکی دلیل قطعی تو کیا ہوتی اثبات کشش کیلئے انکے پاس کوئی دلیل ظنی بھی نہیں محض انکا گمان اور تخمینہ ہے جس کا ماننا عقلاً ضروری نہیں اور نہ اسکی کوئی دلیل ہے کہ یہ ستارے خاص خاص اوقات ہی میں کیوں زمین کے قریب ہو جاتے ہیں ۔

(۲) حق جل شانہٗ کے اس ارشاد سے یعنی اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ کواکب آسمان دنیا میں ہیں اور اہل ہیئت کواکب کے جدا جدا آسمان پر ہونے کے قائل ہیں لیکن انکے پاس نہ کوئی دلیل قطعی ہے اور نہ کوئی دلیل ظنی ہے ۔

(۳) جنات اور شیاطین کا مادہ اگرچہ ناری اور آتشی ہے مگر شہاب ثاقب سے ان کا جل جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ انسان کا اصل مادہ خاک ہے مگر اینٹ اور پتھر کے مارنے سے وہ زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی ہلاک بھی ہو جاتا ہے ۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ

اب پوچھ اُن سے یہ مشکل ہیں بنانے ، یا جتنی

خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾
خلقت ہم نے بنائی ہم نے ہی انکو بنایا ہے ایک گارے چپکتے سے

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا
بلکہ تو رہتا ہے اچنبھے میں اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے اور جب سمجھائیے

لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوْٓا
نہیں سوچتے اور جب دیکھیں کچھ نشانی ہنسی میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ
اور کچھ نہیں یہ جادو ہے کھلا کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور

عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ
ہڈیاں کیا ہم کو پھر اٹھانا ہے کیا اور ہمارے باپ دادوں کو اگلے تو کہہ

نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ
ہاں ! اور تم ذلیل ہو گے سو وہ تو یہی ہے ایک جھڑکی

فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾
پھر تبھی یہ لگیں گے دیکھنے اور کہیں گے اے خرابی ہماری یہ آیا دن جزا کا

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اُحْشُرُوا
یہ ہے دن فیصلے کا جس کو تم جھٹلاتے تھے جمع کرو

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ
گنہگاروں کو اور ان کے جوڑوں کو اور جو کچھ پوجتے تھے اللہ کے

دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ
سوا پھر چلاؤ ان کو راہ پر دوزخ کی اور کھڑا رکھو انکو

إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ

ان سے پوچھنا ہے   کیا ہوا تم کو ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے   کوئی نہیں

الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

وہ آج آپ کو پکڑواتے ہیں   اور منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف

يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾

لگے پوچھنے   بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنے سے

قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا

وہ بولے! کوئی نہیں! پر تم ہی نہ تھے یقین لانے والے   اور ہمارا تم پر کچھ

عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ ۖ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ

زور نہ تھا   پر تم ہی تھے لوگ بے حد چلنے والے   سو ثابت ہوئی

عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا

ہم پر بات ہمارے رب کی ہم کو مزہ چکھنا   پھر ہم نے تم کو گمراہ کیا ہم

كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾

تھے آپ گمراہ   سو وہ اس دن تکلیف میں شریک ہیں

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ

ہم ایسا کچھ کرتے ہیں گنہگاروں کے حق میں   وہ تھے کہ ان سے جب کوئی

لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا

کہتا کسی کی بندگی نہیں سوا اللہ کے تو غرور کرتے   اور کہتے کیا ہم

لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ

چھوڑ دیں گے اپنے ٹھاکروں کو کہنے سے ایک شاعر دیوانے کے   کوئی نہیں! وہ لایا ہے سچا دین

وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ

اور سچا مانا ہے رسولوں کو بے شک تم کو چکھنی دکھ والی

الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا

مار اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے مگر

عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾

جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے وہ جو ہیں انکی روزی ہے مقرر

فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى

میوے اور ان کی عزت ہے باغوں میں نعمت کے تختوں

سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾

پر ایک دوسرے کے سامنے لوگ لیے پھرتے ہیں انکے پاس پیالے شراب نتھرے کے

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ

سفید رنگ مزہ دیتے پینے والوں کو نہ اس میں سر پھرتا ہے اور نہ وہ اس

عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾

سے بہکتے ہیں اور انکے پاس ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھتیاں بڑی آنکھوں والیاں

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى

گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے پھر منہ کیا ایک نے دوسرے کی طرف

بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ

لگے پوچھنے بولا ایک بولنے والا ان میں مجھ کو تھا

لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا

ایک ساتھی کہتا کیا تو یقین کرتا ہے کیا جب

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ

مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو بدلا ملنا ہے کہنے لگا بھلا تم

اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿٥٥﴾

جھانک کر دیکھو گے پھر جھانکا تو اس کو دیکھا بیچوں بیچ دوزخ کے

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ

بولا قسم اللہ کی! تو تو لگا تھا کہ مجھ کو گڑھے میں ڈالے اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل

لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا

تو میں بھی ہوتا ان میں جو پکڑے آتے کیا اب ہم کو نہیں مرنا مگر

مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا

جو پہلی بار مر چکے اور ہم کو تکلیف نہیں پہنچنی بے شک یہی ہے

لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾

بڑی مراد ملنی ایسی چیزوں کے واسطے چاہیئے محنت کریں محنت والے

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا

بھلا یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سیہنڈ کا ہم نے اس کو رکھا ہے

فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ

خراب کرنا ظالموں کا وہ ایک درخت ہے نکلتا ہے دوزخ کی

الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ

جڑ میں اس کا شگوفہ جیسے سر شیطانوں کے سو وہ

لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ

کھاویں گے اس میں سے پھر بھریں گے اس سے پیٹ پھر ان کو اسکے

عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى

اوپر ملونی جلتے پانی کی ٭ پھر انکو لے جانا آگ کے

الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ

ڈھیر میں ٭ انہوں نے پائے اپنے باپ دادے بہکے ہوئے ٭ سو وہ انہی کے قدموں پر

يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَ

دوڑتے ہیں ٭ اور بہک چکے ہیں ان سے آگے بہت لوگ پہلے ٭ اور

لَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

ہم نے بھیجے ہیں ان میں ڈر سنانے والے ٭ اب دیکھ کیسا ہوا آخر

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾

ڈرائے ہوؤں کا ٭ مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے

منکرین حشر اور مکذبین رسالت کی تردید اور انکی جہالت اور حماقت کا اظہار

قال اللہ تعالیٰ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا ... الیٰ ... إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ

یہاں تک توحید کا مضمون تھا اب آگے ان لوگوں کی تردید فرماتے ہیں جو حشر ونشر کے منکر تھے اور اسکو محال اور ناممکن بتلاتے ہیں اور کافروں کی سرکشی کو بیان کرتے ہیں کہ باوجود ان قاہرہ قدرتوں کے خدا کے قادر ہونے کا یقین نہیں آتا اور حشر ونشر کو محال بتلاتے ہیں اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں پس جب دلائل مذکورہ سے حق جل شانہٗ کی کمال قدرت ظاہر ہوگئی تو جو لوگ دار آخرت کے منکر ہیں اور حشر ونشر کو محال اور ناممکن بتلاتے ہیں آپ ذرا ان سے دریافت کیجئے کہ وہ کیوں حشر ونشر اور بعث کو محال اور ناممکن سمجھتے ہیں کیا یہ لوگ پیدائش میں مضبوط اور سخت تر ہیں یا وہ چیزیں جنکی پیدائش کا ابھی ذکر ہوا وہ زیادہ مضبوط اور سخت ہیں جیسے آسمان اور زمین اور پہاڑ ظاہر ہے کہ ان اجسام عظیمہ کے مقابلہ میں انسان جیسے ضعیف البنیان ہستی کی کیا حقیقت ہے جو طلب معاش میں رات دن مرتا کھپتا پھرتا ہے تحقیق ہم نے انسانوں کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے جو آسمان اور زمین

سے کسی طرح سخت اور مضبوط نہیں ہو سکتا اور انسان کا اصل مادہ زمین ہے اور پانی ہے پس جب انسان ابتداءً زمین کے اجزاء سے پیدا کیا گیا تو اسکے دوبارہ زمین سے پیدا ہونے کا کیوں انکار کرتے ہو اور کیوں اسے محال ٹھہراتے ہو اور اگر یہ خیال ہے کہ فاعل کو ان چیزوں پر قدرت نہیں تو جو خدا آسمان و زمین کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو انکے اجزاء کو دوبارہ ملانے اور ان میں زندگی ڈالنے پر بھی قادر ہے قدرت اس کی صفت ذاتی ہے جس کی نسبت تمام چھوٹی اور بڑی چیزوں کے ساتھ برابر ہے اور یہ امر بالکل بدیہی ہے اس کا انکار قابل تعجب معلوم ہوتا ہے اور آپؐ کا کافروں سے استفسار تحصیل علم کیلئے نہیں بلکہ بطور تعجب ہے آپ کو اس بات سے تعجب آتا ہے کہ باوجودیکہ قدرت الہیہ کے آثار ظاہر اور روشن ہیں تو پھر دوبارہ زندہ ہونے کو کیوں محال سمجھتے ہیں اور اس انکار سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ بعث اور حشر و نشر کا تمسخر کرتے ہیں یعنی اس کا ٹھٹھا اور مذاق اڑاتے ہیں اور جب انکو دلائل عقلیہ سے بعث اور حشر و نشر کا امکان سمجھایا جاتا ہے تو سمجھتے نہیں دیدہ دانستہ اس سے اعراض کرتے ہیں اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں جو نبی کی صداقت پر دلالت کرے تو بنا بنا کر تمسخر کرتے ہیں گویا کہ ہنسی اور ٹھٹھے کو دعوت دے کر بلا رہے ہیں اور بجائے تصدیق کے ٹھٹھوں میں اسے اڑانے کی کوشش کرتے ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نشانی سے مراد انشقاق قمر ہے اور کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو بدیہی اور حسی چیز کا اس طرح سے انکار صریح جہالت اور حماقت ہے اور برابر یہی کہے چلے جاتے ہیں کہ کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور خاک ہو گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے یا جو ہمارے گذشتہ آباؤ اجداد جو ہم سے سالہا سال پہلے مر چکے اور مختلف مواضع میں دفن ہو چکے وہ بھی دوبارہ زندہ کرکے مختلف مواضع سے اٹھائے جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ خیر ہم تو نئے مُردے ہوں گے شاید ہم دوبارہ زندہ ہو جائیں مگر جو ہم سے صدہا سال پہلے مر چکے ہیں انکا دوبارہ زندہ ہونا تو بالکل ہی محال معلوم ہوتا ہے مشرکین اپنے گمان میں اس چیز کو خدا کی قدرت سے باہر جانتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی آپؐ انکے جواب میں کہدیجئے کہ ہاں مرنے کے بعد تم اور تمہارے تمام آباؤ اجداد سب اٹھائے جاؤ گے درآنحالیکہ تم سب سخت ذلیل اور خوار ہو گے اور تمہارا تکبر کچھ نہ چلے گا پس جس قیامت کو تم محال سمجھ رہے ہو وہ اللہ پر بہت آسان ہے جز ایں نیست کہ وہ صرف ایک ہولناک آواز اور سخت آواز ہو گی اس سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے کہ جب دوسری بار صُور پھونکا جائے گا تو اس وقت سب زندہ ہو کر قبر سے نکل کھڑے ہوں گے اور قیامت کے اس ہولناک منظر کو ٹکٹکی لگاتے ہوئے دیکھتے ہوں گے اور خوف و دہشت کی وجہ سے سب کے ہوش اڑ جائیں گے اور پچھتائیں گے اور حسرت سے یہ کہیں گے ہائے ہماری بربادی یہ تو روز جزاء معلوم ہوتا ہے جس کا انبیاء نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور یہی وہی فیصلہ کا دن ہے کہ جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے اور جسکو تم محال بتلایا کرتے تھے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اس تکذیب کا مزہ چکھنے کا دن ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہو گا کہ تم ان ظالموں

کو اکٹھا کرو جنہوں نے خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا انکو جمع کرو اور انکے ساتھ ان کے جوڑوں کو بھی جمع کرو یعنی ان کے ہم مشربوں کو جو کفر میں ان کے مشابہ اور مماثل اور انکے تابع اور پیرو تھے جیسے زناکاروں کو زناکاروں کے ساتھ اور سود خواروں کو سود خواروں کے ساتھ اور شراب خواروں کو شراب خواروں کے ساتھ اور بت پرستوں کو بت پرستوں کے ساتھ اور ستارہ پرستوں کو ستارہ پرستوں کے ساتھ اور صلیب پرستوں کو صلیب پرستوں کے ساتھ ایک ایک جگہ اکٹھا کرو مطلب یہ ہے کہ ایک قسم کے گنہ گاروں کو ایک جگہ جمع کرو تاکہ سب مل کر ایک ہی قسم کی حسرت اور افسوس میں مبتلا ہوں اور ہر قسم کی حسرت کا نمونہ لوگوں کی نظروں کے سامنے آجائے اور ان ظالموں کے ساتھ ان چیزوں کو بھی جمع کرو جنکی یہ ظالم اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے یعنی انکے ساتھ شیاطین اور اصنام کو بھی جمع کرو اور پھر ان سب کو دوزخ کی راہ دکھاؤ اور پھر یہ حکم ہوگا کہ ذرا انکو ٹھہراؤ اور انکو کھڑا رکھو ان سے باز پرس ہوگی ان سے انکے عقائد اور اخلاق اور اعمال کے متعلق سوال ہوگا اور انکو سرزنش کی جائیگی تاکہ ان پر اللہ کی حجت پوری ہوجائے اور پھر بطور ملامت اور توبیخ ان سے کہا جائیگا کہ آج تم کو کیا ہوا کہ عذاب کا حکم سننے کے بعد ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے جیسے تم دنیا میں ایک دوسرے کے حامی اور مددگار رہتے تھے ابوجہل نے بدر کے دن کہا تھا نحن جمیع منتصر ہم سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں پس جب تم دنیا میں ایک دوسرے کے ہمدم اور دمساز اور ہم نوالہ و ہم پیالہ بنے ہوتے تھے تو آج کیا ہوا ایک دوسرے سے علیحدہ ہو اس وقت یہ ظالم شرمندگی کی وجہ سے کچھ نہیں بول سکیں گے بلکہ یہ لوگ اس دن گردن جھکائے ہوئے سرافگندہ اور دم بخود ہوں گے پھر آپس میں سوال وجواب کریں گے اور ایک دوسرے کو سرزنش کریں گے اور متبعین اپنے سرداروں کو الزام دیں گے کہ ہم تمہارے کہنے سے گمراہ ہوتے اور تمہاری بدولت ہم کو یہ روز بد دیکھنا پڑا اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال وجواب کریں گے اور اپنے سرداروں سے بطور الزام یہ کہیں گے کہ تحقیق تم وہی لوگ ہو کہ جو دائیں جانب سے ہمارے پاس آتے تھے یعنی ہم کو حق سے روکتے تھے اور باطل کو اچھا کرکے دکھلاتے تھے یعنی یمین سے حق کے معنی مراد ہیں یا یمین سے قوت اور غلبہ کے معنی مراد ہیں یعنی تم بزور قوت ہم کو راہ ہدایت سے روکتے تھے زبردستی تم نے ہم کو اس راہ پر لگایا سردار اپنے تابعداروں کے جواب میں پانچ باتیں کہیں گے (۱) یہ کہ ہم نے تم پر کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ تم خود ہی اپنے اختیار سے مؤمن نہ بنے اور تم نے اپنے اختیار سے کفر اور نافرمانی کو اختیار کیا تمہارے گمراہ ہونے میں ہمارے گمراہ کرنے کو کوئی دخل نہیں تمہارے

ضمیر میں پہلے ہی سے سرکشی اور شرارت کا مادہ تھا ہمارے ساتھ مل کر اور زیادہ شریر ہوگئے (۲) دوم یہ کہ ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا اور نہ زبردستی کہ ہم تم کو جبراً و قہراً کفر میں داخل کر دیں اور ایمان سے

روکیں یا نکالیں (سوم) بلکہ تم خود حق سے برگشتہ قوم تھے اور از خود تم کفر اور ضلال میں حد سے گذرنے والے تھے ناصحین کا کہنا تو نہ مانا ہمارے کہنے اور بہکانے میں آ گئے اپنی گمراہی کی نسبت ہماری طرف کیوں کرتے ہو جیسا کہ دوسری جگہ شیطان جہنم میں اپنے معترضین اور الزام دینے والوں سے یہ کہے گا وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ یعنی میرا تم پر کوئی زور نہ تھا میں نے تم کو فقط کفر کی دعوت دی تھی تم نے از خود میری دعوت کو قبول کیا اور انبیاء کی دعوت کو رد کیا پس آج مجھے ملامت نہ کرو اپنے نفسوں کو ملامت کرو (چہارم) وہ سردار یہ کہیں گے کہ پس اصل بات یہ ہے کہ ہم پر غضب اور عتاب کے ساتھ اللہ کا کلمۂ عذاب لازم اور ثابت ہو گیا پس ہم سب بلاشبہ اب اللہ کے عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے جو مقدر ہو چکا تھا وہ آج ہم پر ٹھیک پڑا اور قسمت کا لکھا ہوا پیش آیا بتلاؤ ہم کیا کریں غرض یہ کہ جو کچھ بھی ہو نتیجہ اور انجام یہ ہے کہ ہم سب پر اللہ کا حکم جاری اور نافذ ہوا اور قسمت کا لکھا ہوا سامنے آ گیا (پنجم) پس حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم کو بہکایا سو اسکی وجہ یہ تھی کہ تحقیق ہم خود بہکے ہوئے تھے جس کفر اور گمراہی پر خود تھے اسی کو ہم نے تمہارے لیے اچھا کر کے دکھایا تاکہ تم بھی ہم ہی جیسے ہو جاؤ غرض یہ کہ ہم نے تم کو جبراً زبردستی گمراہ نہیں کیا۔

احکم الحاکمین کی طرف سے مشرکوں کو وعید

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ

فریقین کی اس مخاصمت اور باہمی ملامت کے بعد احکم الحاکمین کی طرف سے یہ فیصلہ ہو گا کہ تم دونوں ہی فریق مجرم ہو پس تحقیق کافروں کے یہ دونوں فریق آج کے دن عذاب میں باہم شریک ہوں گے اس لیے کہ کفر اور گمراہی میں دونوں شریک تھے اگرچہ عذاب کے درجات میں فرق ہو تحقیق ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں کفر کے سردار اور انکے تابعین سب ہی کفر اور گمراہی کے جرم میں شریک تھے اسلیئے دونوں فریق عذاب میں بھی شریک ہوں گے تحقیق ان لوگوں کا جرم یہ تھا کہ یہ لوگ توحید اور رسالت کے منکر تھے ان سب کی حالت یہ تھی کہ جب ان سے لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا کہ خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو تکبر کرتے اور اکڑتے اور ناک بھوں چڑھاتے اور اس بات کے منکر ہو جاتے اور خالص اللہ کی الوہیت سے منہ موڑتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب انکو توحید اور حق کی دعوت دیتے تو از راہ تکبر وغرور یہ کہتے کہ کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ نہ شاعر ہیں اور نہ مجنون بلکہ حق اور ہدایت کو لے کر آئے ہیں اور آپ سے پہلے جس قدر پیغمبر حق اور ہدایت لے کر آئے آپ نے ان سب کی تصدیق کی اور سب کو سچا بتلایا اور ظاہر ہے

کہ جو حق اور ہدایت لے کر آئے وہ مجنون نہیں ہو سکتا اور نہ شاعر ہو سکتا ہے اصول دین میں آپؐ اور تمام انبیاءؑ متفق اور متحد ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کا کلام کل عقلاء اور مرسلین کے مطابق ہو اور سراپا حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہو وہ شاعر اور مجنون کیسے ہو سکتا ہے پھر فرشتوں کی زبانی انکو حکم سنایا جائے گا بیشک تم سب دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو جس طرح کفر اور تکذیب میں شریک تھے اسی طرح تم سب دردناک عذاب میں شریک ہو گئے اور یہ کوئی ظلم نہیں مگر صرف تمہارے اعمال کی جزا ہے جاؤ جہنم میں اور کفر کا مزہ چکھو تمہارا کفر اور تکبّر اس سزا کا باعث بنا ہاں اللہ کے وہ بندے عذاب سے نجات پائیں گے جو کفر اور شرک کی نجاست سے اور اسکے میل کچیل سے بھی پاک وصاف تھے جو عمل کرتے تھے وہ خالص اللہ کیلئے کرتے تھے اس میں انکی کوئی دنیاوی غرض شامل نہ ہوتی تھی ایسے لوگ قیامت کی ذلت اور رسوائی سے محفوظ رہیں گے۔

اب آگے عباد مخلصین کے انعام واکرام کا ذکر فرماتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے عزت وکرامت کی جو روزی مقرر ہے وہ سب کو معلوم ہے جو قرآن میں جا بجا مذکور ہے ہر ایک کو اسکے عمل کے مطابق رزق کریم ملے گا انکے لیے قسم قسم کے میوے ہوں گے جو انکو بطور کرامت ومنزلت ملیں گے جن سے یہ لذت اندوز ہوں گے اشارہ اس طرف ہے کہ جنت کا رزق بطور لذت وفرحت ہو گا نہ کہ بطور ضرورت اِنَّ لَكَ اَنْ لَا تَجُوْعَ فِيْهَا اور یہ لوگ بڑی عزت والے ہوں گے اور ناز ونعمت کے باغوں میں عیش وآرام سے ہوں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور انکے سامنے لطیف اور بہتی ہوئی شراب کا ایک جام پھرایا جائیگا جو دیکھنے میں سفید ہو گی اور پینے میں پینے والوں کو لذیذ اور مزہ دار معلوم ہو گی اس شراب میں نہ کسی قسم کی خرابی ہو گی یعنی اسکے پینے سے انکے پیٹ میں کوئی درد نہ ہو گا اور نہ وہ لوگ اس شراب سے بدمست ہوں گے کہ اسے پی کر بے ہودہ اور بہکی ہوئی باتیں کرنے لگیں بہشتی شراب دنیا کی شراب کی طرح نہ ہو گی کہ عقل خراب کر دے یا کوئی اور خرابی ڈالے اور ان تختوں پر انکے پاس نیچی نگاہ والی اور بڑی آنکھ والی عورتیں ہوں گی یعنی وہ عورتیں باوجود کمال حسن وجمال کے عفیفہ ہوں گی کہ سوائے اپنے شوہروں کے کسی پر نظر نہیں ڈالیں گی اور وہ عورتیں رنگت میں ایسی صاف وشفاف ہوں گی جیسے انڈے ہوں کسی پردہ میں پوشیدہ جو گرد وغبار سے بالکل محفوظ ہوں انڈے کا رنگ سفید ہوتا ہے مگر مائل بہ زردی ہوتا ہے اور تمام رنگوں میں یہ رنگ نہایت خوشنما اور غایت درجہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اہل جنت اس عیش وسرور میں ہوں گے کہ ایک دوسرے پر متوجہ ہوں گے ایک کا منہ دوسرے کے سامنے ہو گا اور اس وقت تفریحاً ایک دوسرے سے دنیا کے واقعات کے متعلق کچھ دریافت کریں گے اسی دوران گفتگو میں اہل جنت میں سے ایک کہنے والا اہل مجلس سے کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی ایک ہم نشین تھا جو بعث کا منکر تھا اور مجھے احمق سمجھا کرتا تھا اور وہ بطور تعجب واستبعاد اور بطریق تکذیب وتمسخر مجھ سے یہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو اس بات کو سچ سمجھتا ہے کہ جب ہم مر جائیں گے اور خشک مٹی ہو جائیں گے

یا جلا کر ہماری راکھ ہوا میں اڑا دی جائے گی اور ہم ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کر کے اپنے اعمال کی جزا دیئے جائیں گے یعنی میرا وہ ساتھی حشر و نشر اور جزا و سزا کا منکر تھا اور اس قسم کی باتوں سے مجھے بہکانا چاہتا تھا اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ اس ساتھی کو دیکھوں کس حال میں ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں سے وہ دو بھائی مراد ہیں جن کا ذکر سورۂ کہف کی اس آیت وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ میں گذرا پھر وہ جنتی بطور تفریح اپنے رفقائے مجلس سے کہے گا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ تم میرے اس ساتھی کو جھانک کر دیکھو کہ وہ دوزخ میں کہاں پڑا ہے اور کس حالت میں ہے تاکہ تم کو اپنے مقام میں اور منکر حشر کے مقام میں فرق معلوم ہو جنت بلندی پر واقع ہے ساتویں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب عرش سے نیچے واقع ہے اور جنت میں بالاخانے ہیں اور دوزخ پستی میں ہے اہل جنت، اہل دوزخ کو اپنے بالاخانوں سے جھانک کر دیکھ سکیں گے پھر وہ جنتی جنت کے بالاخانہ سے اس قرین کو جھانکے گا تو اس قرین کو جہنم کے بیچوں بیچ دیکھے گا اور اسے دیکھ کر یہ کہے گا کہ خدا کی قسم تحقیق تو اس بات کے کہ اپنی گمراہ کن باتوں سے مجھے ہلاک کر ڈالے کہ تیری طرح میں بھی حشر و نشر کا منکر ہو جاؤں اور اگر میرے پروردگار کا مجھ پر فضل نہ ہوتا تو میں بھی جہنم میں تیرے ساتھ پڑے ہوؤں میں یعنی اگر خدا کی توفیق میری دستگیری نہ کرتی تو تیری طرح میں بھی منکر حشر ہو جاتا اور تیری طرح تباہ ہو جاتا۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ

گذشتہ آیت میں اس جنتی قائل کے کلام کا ذکر تھا جس نے اپنے ایک دنیاوی قرین (ساتھی) کو جہنم میں جھانک کر دیکھا تھا اب اس آیت میں (یعنی اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ) میں پھر اسی کے کلام کا ذکر ہے۔

امام رازیؒ اور امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں دو قول نقل کیے ہیں دیکھو تفسیر کبیر[1] ص ۱۳۸ ج ۷

پہلا قول یہ ہے کہ یہ کلام اسی جنتی قائل کے قول کا تتمہ ہے کہ جو جہنم میں جھانکنے اور اپنے قرین کا حال بد دیکھنے کے بعد کہے گا اور مطلب یہ ہے کہ یہ جنتی قائل جب اپنے قرین کے دیکھنے اور اس سے بات کر کے فارغ ہو گا تو اس کی بدحالی کو دیکھ کر متنبہ ہو گا اور قلب خدا تعالیٰ کے شکر سے لبریز ہو جائے گا کہ خدا نے مجھ کو کیا عیش و عشرت عطا کی اس وقت یہ جنتی بطور تحدیث نعمت اور بطور

[1] قال الامام الرازی قولہ تعالیٰ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ فیہ قولان الاول ان اهل الجنۃ لا یعلمون فی اول دخولهم فی الجنۃ انهم لا یموتون فاذا جیئ بالموت علی صورۃ کبش املح وذبح فعند ذلک یعلمون انهم لا یموتون والثانی ان الذی یتکامل خیره وسعادته فاذا عظم تعجبہ بها قد یقول ایدوم هذا الی ایبقی هذا الی وان کان علی یقین من دوامہ تفسیر کبیر ص ۱۳۸ ج ۷

فرحت ولذت جوشِ مسرت میں اپنے یارانِ مجلس سے یا اپنے اس قرین سے کہے گا جس کو دوزخ میں جھانک کر دیکھا ہے اسے دیکھ کر بطور توبیخ وملامت اس سے یہ کہے گا کہ تو دنیا میں دوبارہ زندگی کا منکر تھا اور اسکو محال بتلاتا تھا اب دیکھ لے کہ کیا ہم اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ اس بے مثال اور لازوال نعمت وکرامت میں نہ رہیں گے اور پھر ہم اس جنت میں رہنے والے کبھی مرنے والے نہیں یعنی ہم اب کبھی نہیں مریں گے بجز پہلی بار کی موت کے جو دنیا میں ایک بار ہم پر آچکی اور گذر چکی اور اب ہم زندہ ہیں اور اس دنیاوی موت کے بعد ہم دوبارہ زندہ کیے گئے جسکو تو محال بتلاتا تھا اور اس عیش وعشرت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے الحمد للہ کہ اب ہم مرنے والے نہیں اور نہ کافروں کی طرح آیندہ کسی عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہوں گے جیسا کہ تو اور تیرے ساتھی گرفتار عذاب ومصیبت ہیں تم لوگ مر کر جینے کا انکار کرتے تھے اب تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی حق ہے اور جزا وسزا حق ہے ہمارا حال تو تو نے دیکھ لیا اور تمہارا حال یہ ہے کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ تم پر موت کی کیفیت اور حالت طاری ہے اور آیندہ عذاب کیلئے ہر لمحہ تم کو نئی زندگی مل رہی ہے الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو دوبارہ زندگی عطا کر کے جنت میں خلود اور دوام عطا کیا اور سوائے پہلی موت کے کہ جو ایک بار ہم پر دنیا میں واقع ہو چکی ہے اب ہم دوبارہ مرنے والے نہیں اور نہ ہم پر کوئی عذاب ہوگا اور بدون موت کے اور بدون عذاب کے ہم کو یہ دارِ کرامت عطا فرمایا اہل جنت بطور تحدیث نعمت اپنے خلود اور دوام کا ذکر کریں گے۔

دوسرا قول اس آیت یعنی اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ میں دوسرا[2] قول یہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى اہل جنت کا کلام ہے جو فرشتوں سے ہوگا دخولِ جنت اور دخولِ جہنم کے بعد موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اہل جنت اور اہل جہنم جب اس منظر کو دیکھیں گے کہ موت ذبح ہو گئی تو اس وقت اہل جنت فرطِ مسرت سے فرشتوں سے کہیں گے اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ کیا اب ہم اس کے بعد

---

[1] اس عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ الخ میں ہمزہ استفہام تقریری کے لیے ہے جو معنیٰ تعجب اور مسرت کو متضمن ہے اور حرف فا عطف کے لیے ہے جیسا کہ جا بجا اس کے نظائر میں ہے اور اس جملہ کا عطف ایک جملۂ مقدرہ پر ہے جسکی تقدیر یہ ہے انحن مخلدون منعمون فما نحن بمیتین ای بمن شأنہ الموت وقرئ بِمَائِتِيْنَ تفسیر بیضاوی وحاشیہ شیخزادہ ص ۱۵۵ ج ۴ وحاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۲۸ ج ۳ وتفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۱۵۔

[2] قیل ھو من کلام المؤمنین للملائکۃ حین یذبح الموت ویقال یا اھل الجنۃ خلود بلا موت ویا اھل النار خلود بلا موت (صاوی ص ۲۲۸ ج ۳)

ہم مرنے والے نہیں دنیا میں تو ہم کو ایک مرتبہ موت آچکی تو کیا پھر اس پہلی موت کے بعد ہم کو موت نہیں آئے گی اب تو موت کی موت آچکی ہے اور ہمارے سامنے موت ذبح کردی گئی ہے موت کے ذبح ہوجانے کے بعد اہل جنت فرشتوں سے یہ سوال کریں گے اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ الخ تو فرشتے انکو بشارت دیں گے کہ ہاں اب موت نہیں بلکہ خلود ہی خلود ہے بلا موت کے اور دوام ہی دوام ہے بلا فنا کے یہ بشارت سن کر اہل جنت مطمئن ہوجائیں گے کہ اس زندگانی کے بعد موت نہیں اور نہ آئندہ میں کسی عذاب کا خطرہ ہے ابتدا میں اہل جنت کو یہ علم نہ تھا کہ جنت میں کبھی موت نہیں آئے گی موت کے ذبح کے بعد اہل جنت کو اس کا علم ہوگا کہ اب موت نہیں فرشتوں کے اس اعلان کو سن کر اہل جنت کی خوشی تو زیادہ ہوجائے گی اور اہل دوزخ کا رنج وغم بڑھ جائے گا اور نا امید ہوجائیں گے کہ اب اس عذاب سے ہم کو کبھی رہائی نہ ہوگی تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۱۳۸ ج ۷ اور تفسیر قرطبی ص ۸۴ ج ۱۵ اور تفسیر روح المعانی ص ۸۵ ج ۲۳ دیکھیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موت کے ذبح کے بعد اہل جنت کا فرشتوں سے یہ سوال اور استفہام اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ۔ محض دریافت کرنے کیلئے نہ ہوگا بلکہ اظہار مسرت کے علاوہ اس مشاہدہ کی مزید تاکید کیلئے ہوگا کہ ہم نے جو سمجھا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے نیز کفار کی زجر و توبیخ کو بھی متضمن ہوگا جو بعث کا انکار کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ صرف دنیا کا مرنا ہے اور بس ان دونوں قولوں میں پہلا قول اولیٰ اور بہتر ہے اکثر مفسرین کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ اہل جنت کی یہ بات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں بے شک ایسی ہی چیزوں کے واسطے عمل کرنے والوں کو چاہیئے کہ عمل کریں بھلا یہ بہتر ہے مہمانی کے لحاظ سے جو نعمتیں اور راحتیں اہل جنت کو حاصل ہیں یا درخت زقوم[1] جسکو سینڈ کا درخت کہتے ہیں جو نہایت بدبودار اور زہریلا درخت ہے دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے ایک درخت اگایا ہے جو دوزخ ہی کی آگ سے نشو و نما پا رہا ہے جو درحقیقت ظالموں اور کافروں کے واسطے عذاب جہنم کی ایک خاص مصیبت کے درجہ میں انکے واسطے رکھا گیا ہے کہ جب دوزخی بھوک میں مبتلا ہوں گے تو یہ کھانے کیلئے دیا جائے گا جس کی بدبو اور مزہ کی تلخی سے یہ ممکن ہی نہ ہوگا کہ اسکو حلق سے نیچے اتارا جاسکے یہ آزمائش اور عذاب ہے جس میں انکو مبتلا کیا گیا کفار مکہ نے جب یہ سنا تو مذاق اڑانے لگے اور اعتراض کرنے لگے کہ کوئی درخت آگ میں کیونکر اگ سکتا ہے اور کیسے اس میں باقی رہ سکتا ہے اس احمقانہ بات یا اعتراض کا جواب آئندہ آیت میں دیا جارہا

---

[1] زقوم کا درخت دنیا کے درختوں میں ایک نہایت مسموم اور بدبودار اور بدشکل درخت ہے اگرچہ غیر معروف ہے اور وہ ایسا مسموم ہے کہ اگر بدن سے مس کرجاتے تو بدن میں ورم ہوجاتے اور وہ مرجاتے۔

ہے باقی ان کلمات اور اہل جنت کی نعمتوں کے بیان اور اہل جہنم کے عذاب اور انکی شدتوں کو ذکر کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ یہ کافر اس قدر احمق ہیں کہ عذاب اور ثواب اور عزت اور ذلت کے فرق کو نہیں سمجھتے ورنہ مقصود استفہام نہیں۔

اب انکے اس اعتراض کا کہ درخت آگ میں کیونکر ہوسکتا ہے جواب دیا جارہا ہے تحقیق ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیئے ایک فتنہ کر دیا ہے دیکھیں کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں کافروں کو یقین نہیں آتا کہ آگ میں بھی درخت ہوسکتا ہے کہ جو انکی مزید گمراہی کا سبب بن گیا اس لیے کہ تحقیق وہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے اگتا ہے کافر یہ سن کر کہنے لگے کہ بھلا آگ میں درخت کیسے پیدا ہوسکتا ہے ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ آگ میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے جس کا نام سمندر ہے اور آگ ہی میں وہ جیتا ہے اور آگ ہی سے وہ لذت حاصل کرتا ہے اور آگ ہی سے اسکا نشو ونما ہوتا ہے۔

پس جب خدا تعالیٰ آگ میں ایک حیوان (جاندار) کو پیدا کر سکتا ہے اور آگ ہی کو اسکی غذا بنا سکتا ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ کافروں کے کھانے کے لیے (جو بمنزلہ حیوانات کے ہیں أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ) آگ میں ایک درخت پیدا کر دے اور اسی درخت کو آگ سے محفوظ رکھے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ زقوم ایک خاص درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جیسے طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جسکی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس درخت کے خوشے خبیث اور بدشکل ہونے میں شیطانوں کے سر کے مشابہ ہیں شیطانوں کے سر سے اس لیے تشبیہ دی گئی کہ اگرچہ لوگوں نے شیطانوں کو نہیں دیکھا مگر عام طبیعتوں میں شیطانوں کے سروں کا بدشکل اور بدرنگ اور قبیح المنظر ہونا راسخ اور جاگزیں ہے اور تشبیہ کے لیے دیکھنا ضروری نہیں فی الجملہ علم کافی ہے خواہ وہ حسی ہو یا خیالی جس طرح اس آیت میں ہے مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کے حسن وجمال کو بے مثال دیکھتے ہیں تو اسکو فرشتے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور جو چیز قبیح المنظر ہوتی ہے تو اس کو یہ کہہ دیا کرتے ہیں كَأَنَّهُ رَأْسُ الشَّيَاطِينِ

اردو زبان میں دیکھ لو ہر لمبی بات کو کہتے ہیں کہ "بات کیا ہے شیطان کی آنت ہے" کیا شیطان کی آنت کسی نے دیکھی ہے غرض یہ کہ تشبیہ محاورۂ عرب کے مطابق اور عرف کے موافق ہے عرب اور عجم میں یہ محاورہ ہے کہ جب کسی کی بدصورتی کو بیان کرنا ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ شیطان کی صورت ہے اور جب کسی کی خوبصورتی بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ یہ فرشتہ کی شکل ہے۔

پس تحقیق کفار جبراً و قہراً اس بدبودار اور بدمزہ درخت سے کھائیں گے اور یہ نہ ہوگا کہ زبردستی کی وجہ سے اس میں سے کچھ چکھ لیں اور پھر چھوڑ دیں بلکہ اس سے اپنے پیٹوں کو بھرنے والے ہوں گے یعنی ان پر زبردستی کی جاتے گی کہ وہ اس سے کھائیں اور خوب کھائیں یہاں تک کہ ان کے پیٹ بھر جائیں۔

اہل جنت کا رزق کریم تھا انکے بالمقابل اہل جہنم کا رزق زقوم اور حمیم ہوگا اس درخت سے کھا کر پیاس سے بے تاب اور بے قرار ہو جائیں گے تو پانی مانگیں گے تو اس کھانے کے بعد انکے واسطے پیپ سے ملا جلا کھولتا ہوا پانی ہوگا جو انکی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ اور کھانے کی طرح یہ پانی بھی انکو زبردستی پلایا جائے گا پھر انکی واپسی اور لوٹنا دوزخ کی طرف ہوگا جو ایک دہکتی ہوئی آگ ہے اور ان کا اصل ٹھکانا ہے یہ زقوم اور ماء حمیم بطور مہمانی اور ناشتہ انکو دخول جہنم سے پہلے کھلایا اور پلایا جائے گا اس ناشتہ کے بعد انکو دوزخ میں پہنچا دیا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ ان کو زقوم کھلانے اور ماء حمیم پلانے کیلئے جحیم سے نکالا جائے گا اور زقوم اور ماء حمیم کے کھانے اور پینے کے بعد انکو جہنم کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جس جگہ کافروں کو زقوم اور حمیم کھلایا پلایا جائے گا وہ جگہ جحیم سے باہر ہوگی یا جہنم کے کنارہ پر ہوگی کھلانے اور پلانے کے بعد پھر انکو جحیم کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو انکے عذاب کی اصل جگہ ہے تفسیر کبیر ص ۱۴۲ ج ۷ وحاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۳۹ ج ۳۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بھوکے (اور پیاسے) ہوں گے تو آگ سے ہٹا کر انکو یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دیں گے (موضح القرآن) پس یہ لوگ کبھی جحیم میں ہوں گے اور کبھی حمیم میں هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں یعنی (دوزخیاں را بعد خوردن ونوشیدن ایشاں را باز بدوزخ برند (فتح الرحمٰن)

اب آگے فرماتے ہیں کہ اس دردناک عذاب کی وجہ یہ ہوگی کہ انہوں نے آباء واجداد کو گمراہی کی حالت میں پایا پس یہ لوگ انکی محبت میں بے سوچے سمجھے اور بلا حجت اور بلا دلیل انکے قدم بقدم تیزی کے ساتھ دوڑے چلے جا رہے ہیں ذرا غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ حق پر نہیں ان کا باطل پر ہونا بالکل ظاہر ہے اور ان کفار موجودین سے پہلے بھی تحقیق اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے جو انکو گمراہی کے انجام سے ڈراتے تھے مگر انہوں نے حق کو قبول نہ کیا اور گمراہی سے باز نہ آئے پس دیکھ لیجئے کہ ان لوگوں کا کیسا برا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا اور انہوں نے نہ مانا تو دنیا

۱؎ قال الامام الرازی قال اللہ تعالیٰ ثم ان مرجعهم لالی الجحیم ای بعد اکل الزقوم وشرب الحمیم وهذا یدل علی انهم عند شرب الحمیم لم یکونوا فی الجحیم وذلك بان یکون الحمیم من موضع خارج عن الجحیم فهم یوردون الحمیم لاجل الشرب کما تورد الابل الی الماء ثم یوردون الی الجحیم تفسیر کبیر ص ۱۴۲ ج ۷

وهذا قول مقاتل ان الحمیم خارج الجحیم وقال القشیری ولعل الحمیم فی موضع من جهنم علی طرف منها تفسیر قرطبی ص ۸۸ ج ۱۵۔

ہی میں ان پر عذاب نازل ہوا مگر اللہ کے مخلص بندے کہ وہ ایمان اور اخلاص کی وجہ سے اس برے انجام سے اور دنیاوی عذاب سے محفوظ رہے اور اسی طرح وہ اُخروی عذاب سے بھی محفوظ رہیں گے اب آگے چند انبیاء کرامؑ کے واقعات ذکر فرماتے ہیں اور ان بعض منذرین کا ذکر کرتے ہیں جن کی امتوں نے سرکشی کی اور دنیا میں تباہ اور برباد ہوئے موجودہ زمانہ کے کفار کو چاہیئے کہ ان سے عبرت پکڑیں۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَ

اور ہم کو پکارا تھا نوح نے سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں پکار پر اور بچا دیا اسکو اور

اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ

اس کے گھر کو اس بڑی گھبراہٹ سے اور رکھی اسکی اولاد وہی رہ

الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى

جانے والی اور باقی رکھا اس پر پچھلی خلق میں کہ سلام ہے

نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾

نوح پر سارے جہان والوں میں ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

وہ ہے ہمارے بندوں ایمان دار میں پھر ڈبو دیا ہم نے دوسروں کو

قصۂ اوّل نوح علیہ السّلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ... الیٰ ... ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں توحید اور جنت اور جہنم کا مضمون بیان فرمایا اور پھر اسکے ختم پر یہ فرمایا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اب آگے چند پیغمبروں کے واقعات ذکر فرماتے ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مخلصین کو اور انکے پیروؤں کو دنیا کے عذاب سے بچا لیا اسی طرح وہ انکو آخرت میں عذاب سے بچالے گا اس سلسلہ میں سات قصے ذکر کیے سب سے پہلے نوح علیہ السلام

کا قصہ ذکر فرمایا اور البتہ تحقیق نوح جو ہمارے عباد مخلصین میں سے تھا جب وہ اپنی قوم کے ایمان سے ناامید ہوا تو اس نے مدد کیلئے ہم کو پکارا ہم نے اسکی پکار کو سنا پس ہم اپنے عباد مخلصین کی پکار اور فریاد کو خوب سننے والے اور جواب دینے والے اور انکی دعا قبول کرنے والے ہیں نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کے ایمان سے ناامید ہوئے تو یہ دعا کی — اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ اور یہ دعا کی لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے نوحؑ کی فریاد سنی اور انکو اور انکے پیروؤں کو بڑے بھاری غم اور تکلیف سے بچالیا اور ہم نے صرف انکی اولاد کو غرق ہونے سے باقی رہنے والا رکھا اہل سے مراد اہل دین اور اہل ایمان ہیں صرف ان لوگوں کو نجات دی جو ان پر ایمان لاتے تھے اور تنہا انکی ذریت سے زمین کو آباد کیا اور ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والی امتوں میں باقی چھوڑا یعنی سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ چھوڑا ساری امتیں انکو سلام بھیجتی ہیں عالم انس اور عالم جن اور عالم ملائکہ میں ان پر سلام ہے تحقیق ہم اپنے نیکو کار بندوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور نوح بلا شبہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھا ایمان کی برکت سے قہر الٰہی سے محفوظ رہا اور اہل ایمان کے سوا اوروں کو ہم نے غرق کر دیا سوائے اہل ایمان کے کوئی پلک مارنے والی آنکھ باقی نہ رہی سب کو ڈبو دیا کافروں میں سے کوئی نہ بچا صرف انکی وہ ذریت باقی رہی جو ان پر ایمان لے آئی تھی معلوم ہوا کہ طوفان عام تھا اور کل بلاد اور جمیع بلاد کو شامل تھا جمہور علماء کا یہی قول ہے اور آیات اور احادیث سب اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ طوفان تمام آبادی اور نوع انسانی کو عام اور شامل تھا اور جن بعض مصنفین نے طوفان کا انکار کیا یا اس میں تاویل کی یا بعض امکنہ کے ساتھ اسکو خاص کیا وہ قول قابل التفات نہیں تفصیل سورۂ ہود کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ

اور اسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم — جب آیا اپنے رب پاس لے کر دل

سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾

زندہ گا — جب کہا اپنے باپ کو اور اسکی قوم کو تم کیا پوجتے ہو؟

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ

کیوں جھوٹ بناتے حاکموں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو — پھر کیا خیال کیا ہے تم نے

بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ

جہان کے صاحب کو پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں پھر کہا

اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى

میں بیمار ہوں پھر اُلٹے گئے اس سے پیٹھ دے کر پھر جا گھسا

اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

انکے بتوں میں پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے تم کو کیا ہے جو نہیں بولتے

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾

پھر گھسا اُن پر مارتا داہنے ہاتھ سے پھر لوگ آئے اس پر دوڑ کر گھبراتے

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا

بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

بناتے ہو بولے، چنو اسکے واسطے ایک چنائی پھر ڈالو اسکو آگ کے ڈھیر میں

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَقَالَ اِنِّيْ

پھر چاہنے لگے اس پر بُرا داؤ پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے اور بولا میں

ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ

جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا اے رب! بخش مجھ کو کوئی

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ

نیک بیٹا پھر خوشخبری دی ہم نے اسکو ایک لڑکے کی جو ہوگا تحمل والا پھر جب پہنچا اسکے ساتھ

السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ

دوڑنے کو کہا اے بیٹے! میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ

پھر دیکھ تو، تو کیا دیکھتا ہے؟ بولا اے باپ کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۰۲ فَلَمَّآ

تو مجھ کو پاوے گا اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا پھر جب

اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝۱۰۳ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝۱۰۴

دونوں نے حکم مانا اور پچھاڑا اسکو ماتھے کے بل اور ہم نے اسکو پکارا یوں کہ اے ابراہیم

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۰۵

تو نے سچ کر دکھایا خواب ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ۝۱۰۶ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ

بے شک یہی ہے صریح جانچنا اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور

عَظِيْمٍ ۝۱۰۷ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۰۸ ښ سَلٰمٌ عَلٰٓي

ذبح کو بڑا اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلی خلق میں کہ سلام ہے

اِبْرٰهِيْمَ ۝۱۰۹ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۱۰ اِنَّهٗ مِنْ

ابراہیم پر ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو وہ ہے ہمارے

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۱ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ

بندوں ایمان دار میں اور خوشخبری دی ہم نے اسکو اسحق کی جو نبی ہوگا

الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۱۲ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓي اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ

نیک بختوں میں اور برکت دی ہم نے اس پر اور اسحق پر اور دونوں کی

ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝۱۱۳ۧ

اولاد میں نیکی والے ہیں اور بدکار بھی ہیں اپنے حق میں صریح

قصۂ دوم ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ... الیٰ ... وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ

نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا یہ انہی لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام کی مشایعت اور موافقت کی اور اللہ کی توحید پر ایمان لانے والے ہوتے اور قوم کی ایذاؤں پر صبر کیا اور جس طرح تمام عالم حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے ہے اسی طرح تمام انبیاء حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں حضرت ابراہیمؑ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کے بعد میں ہوتے کہا جاتا ہے کہ نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان دو ہزار ایک سو بیالیس سال کا فاصلہ تھا اور حضرت ابراہیمؑ کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بہت ملتا جلتا ہے آپکی ملت انکی ملت کے مطابق اور موافق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی نوحؑ کے گروہ میں سے ابراہیم ہیں کہ توحید اور اخلاص میں اور دین پر پختگی میں اور مکذبین کی ایذاؤں پر صبر کرنے میں انکے طریقہ اور نقش قدم پر تھے نوح علیہ السلام کو اللہ نے غرق سے نجات دی اور ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حرق یعنی آگ میں جلنے سے نجات دی۔

لفظ شیعہ کی اصل

شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ شیعہ اس آیت سے ماخوذ ہے اور اپنی تفسیروں میں لکھتے ہیں کہ انبیاء اولوا العزمؑ ہمیشہ اس بات کی آرزو کرتے تھے کہ کاش شیعۂ علیؓ کے ساتھ ہمارا حشر ہو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کو شب معراج میں شیعہ علی دکھلاتے گئے چودھویں رات کے چاند کی طرح انکے چہرے نورانی تھے انکو دیکھ کر بڑی آرزو کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے درخواست اور دعا کی اے اللہ مجھ کو شیعۂ علی میں داخل کر چنانچہ انکی یہ دعا مستجاب ہوئی اور وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے یعنی بے شک انکے شیعوں میں سے ابراہیم علیہ السلام ہیں سبحان اللہ العظیم خدا تعالیٰ نے جسکو ادنیٰ عقل بھی دی ہے اس پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ یہ سراسر افتراء اور بہتان عظیم ہے گویا کہ شیعوں کے نزدیک وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ کی ضمیر حضرت نوحؑ کی طرف راجع نہیں بلکہ حضرت علیؓ کی طرف راجع ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تحقیق ابراہیم خلیل اللہؑ بلاشبہ شیعان علیؓ سے تھے یہ سراسر نظم قرآنی کی تحریف ہے اور قطع نظم ہے اور اضمار قبل الذکر ہے اور ان قباحتوں اور شناعتوں کے علاوہ ایک عظیم قباحت و شناعت یہ ہے کہ حضرت علی معاذ اللہ حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء اولوالعزم سے بھی افضل تھے اور حضرت علیؓ تمام انبیاء پر فضیلت رکھتے تھے جس کا کوئی مسلمان قائل

نہیں دیکھو کید شصت ۶۲ و دوم از مکائد شیعہ تحفہ اثنا عشریہ

شیعہ کس کو کہتے ہیں اور سُنّی کس کو کہتے ہیں

شیعہ اسکو کہتے ہیں جو اہل بیت کی محبت کا مدعی ہو اور حضرت علیؓ کو سب سے افضل سمجھتا ہو اور خلافت نبوی کا آپ کو اور آپ کی اولاد کو مستحق سمجھتا ہو اور صحابہ کو خائن اور غاصب سمجھتا ہو کہ حضرت علیؓ سے حق خلافت غصب کیا اور ان سے نفرت اور کراہت رکھتا ہو اور ان سے تبرّا کرنے کو ذکر اللہ سے افضل سمجھتا ہو غرض یہ کہ شیعت کی بنیاد حضرات صحابہؓ سے بغض اور عداوت پر ہے۔

سُنّی کس کو کہتے ہیں

اور سُنّی اسکو کہتے ہیں جو سنت نبوی اور جماعت صحابہؓ کے طریقہ پر ہو اور تمام صحابہؓ اور تمام اہل بیت اور ازواج مطہرات کی محبت اور عظمت کو فرض اور لازم اور جزء ایمان سمجھتا ہو۔

اے نبی اپنی قوم کے سامنے اس وقت کا حال ذکر کیجئے کہ جب ابراہیم اپنے رب کی طرف قلب سلیم لے کر متوجہ ہوئے کہ جو دل عقائد اور اخلاق اور اعمال کی برائیوں سے اور عیبوں سے اور آلائشوں سے پاک تھا جب کہ انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے جو بت پرست تھے یہ کہا کہ وہ کیا چیز ہے جسکی تم عبادت کرتے ہو کیا جھوٹ موٹ ہی خدا ئے برحق کو چھوڑ کر ان جھوٹے معبودوں کی طلب اور تلاش میں پڑے ہوئے ہو اور انکی پرستش میں لگے ہوئے ہو پس تم نے تمام جہانوں کے حقیقی پروردگار کے ساتھ کیا خیال اور گمان رکھا ہے کہ وہ کیا چیز ہے اور اسکی کیا شان ہے ابراہیمؑ کی قوم کے لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ ستارہ پرست بھی تھے ایک بار کا واقعہ ہے کہ انکی قوم کے لوگ اپنے ایک میلہ میں جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام سے بھی کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔

قوم کے لوگ نجومی تھے پس ابراہیمؑ نے انکے دکھلانے کیلئے ستاروں کی طرف ایک نظر کی اور کہا کہ میں بیمار ہوں اس لیئے میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا اور چونکہ وہ لوگ نجوم کے معتقد تھے اور کواکب کو حوادث عالم میں متصرف سمجھتے تھے اور عام طور پر علم نجوم استعمال بھی کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ اس ستارہ کا طلوع قوم کے نزدیک علامت طاعون کی سمجھی جاتی تھی اس لیئے انہوں نے حضرت ابراہیمؑ پر کوئی اصرار نہ کیا اور ان لوگوں کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں اسکے ساتھ لے جانے سے اسکی بیماری ہم کو نہ لگ جائے اور حضرت ابراہیمؑ کا ستاروں کی طرف دیکھنا بطور ایہام اور توریہ تھا لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ ابراہیمؑ کو نجوم کا کوئی قاعدہ معلوم ہوگا اس لیے لوگوں نے ان پر نہ کوئی انکار کیا اور نہ ساتھ چلنے پر اصرار کیا اور حضرت ابراہیمؑ

کا اِنِّیْ سَقِیْمٌ کہنے سے مطلب یہ تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے ٹھیک نہیں بیمار ہوا چاہتا ہوں یعنی مجھ کو اپنے اضمحلال سے بیمار ہونے کا اندیشہ ہے نیز ہر شخص کو زمانہ آیندہ کے اعتبار سے مرض الموت کا اندیشہ تو لگا ہی رہتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ تم لوگ جو خدائے برحق کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اس سے میرا دل بیمار اور رنجیدہ اور خستہ ہے اور عجب نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اس وقت کچھ بیمار بھی ہوں اگرچہ ظاہرًا وہ محسوس نہ ہو لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول کذب اور خلافِ واقع ہو بلکہ ایک قسم کا توریہ تھا اور توریہ کے معنی کذب کے نہیں بلکہ توریہ کے معنی یہ ہیں کہ کلام متکلم کی مراد کے اعتبار سے تو صحیح لیکن مخاطب اپنی کم عقلی کی وجہ سے متکلم کی اصل مراد کو نہ پہنچ سکے اور اس توریہ اور ایہام سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ انکے جانے کے بعد انکے ساتھ کوئی کید اور تدبیر کریں تاکہ ان پر حجت لازم ہو جائے پس انہوں نے بیماری کا بہانہ کیا تاکہ انکے ساتھ عید میں نہ جائیں ستاروں کی طرف نظر کر کے کہا کہ میں بیمار ہوں یعنی اپنے اندر بیماری کے کچھ آثار محسوس کر رہا ہوں مجھے اپنے اضمحلال سے ایسا نظر آتا ہے کہ شاید میں بیمار پڑ جاؤں نیز موت ہر شخص کیلئے قطعی اور یقینی ہے اور جس پر موت لکھی ہوئی ہے وہ لامحالہ سقیم اور بیمار ہونا ہی ہے چنانچہ بزرگوں کا قول ہے کہ الحمی برید الموت بخار موت کا ڈاکیہ ہے۔

اور حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ایک قسم کا توریہ اور ایہام تھا جس سے مقصود احقاق حق اور ابطال باطل تھا اور ستاروں کی طرف نظر کرنا ایک قسم کا حیلہ تھا جو محض انکے دکھلانے کیلئے تھا کیونکہ وہ لوگ نجوم کی تاثیر کے قائل تھے اس لیے انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کی بات کا یقین کر لیا اور ان کو چھوڑ کر چلے گئے اور ساتھ چلنے پر اصرار نہ کیا اس توریہ اور ایہام سے حضرت ابراہیمؑ کی غرض غایت درجہ محمود تھی کہ انکے جانے کے بعد انکے بتوں کے ساتھ کوئی کید کریں جس سے ان کا عاجز اور ناقابلِ الوہیت ہونا ثابت ہو جائے پس وہ لوگ ان کا یہ عذر سن کر انکو چھوڑ کر چلے گئے کہ خواہ مخواہ بیمار کو کیوں ساتھ لے جائیں ایسا نہ ہو کہ اسکی بیماری ہم کو لگ جائے اسلئے ان سے کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

پس انکے چلے جانے کے بعد ابراہیمؑ انکے بت خانہ میں داخل ہوئے اور انکے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بطور تہکم اور استہزاء اور تمسخر انکی طرف منہ کر کے کہا کہ یہ کھانے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں انکو کھاتے کیوں نہیں آخر تمہیں کیا ہوا کہ تم بولتے بھی نہیں وہ خوب جانتے تھے کہ یہ سب جمادات اور پتھر ہیں یہ کیا بولیں گے عید میں جاتے وقت لوگ بتوں کے سامنے کھانا چھوڑ گئے تھے تاکہ وہ متبرک ہو جائے بعد ازاں ابراہیم پوشیدہ طور پر ان بتوں کے پاس آئے اور دائیں ہاتھ سے یا پوری قوت سے ان بتوں کو مارنے لگے اور تبر وغیرہ سے انکو توڑنے لگے یہاں تک کہ انکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور توڑ پھوڑ کر وہاں سے چل دیئے پس جب قوم کے لوگ عید سے واپس آئے اور بت خانہ میں داخل ہوئے اور بتوں کا یہ حال دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ کام ابراہیمؑ کا ہے اس لیئے وہ غصہ میں بھرے ہوئے دوڑے ہوئے ابراہیمؑ کے پاس آئے کہ ان سے بازپرس کریں اور ان پر ملامت اور زجر و توبیخ کریں چنانچہ ان سے بازپرس شروع کی اور پکڑ

کر ان کو نمرود کے پاس لائے اور گفتگو شروع ہوئی ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم اس چیز کو پوجتے ہو جسکو تم خود اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو وہ چیز کیسے معبود ہو سکتی ہے جو خود تمہارے ہاتھوں کی تراشیدہ ہو جو چیز کسی کے تراشنے سے تیار ہو لامحالہ وہ تراشیدہ چیز ذلیل اور خوار ہوگی پھر یہ کہ تراشنے سے اس چیز کی نئی شکل بن جاتی ہے جو پہلے نہ تھی پہلی ہیئت باقی نہیں رہتی دوسری ہیئت بن جاتی ہے گویا کہ یہ چیز محض تمہارے تراشنے اور اس نئی شکل بنانے سے معبود بن گئی پہلے سے معبود نہ تھی جس کا فاسد اور باطل ہونا واضح ہے کہ ایک چیز پہلے تو معبود نہ تھی اور اب وہ معبود بن گئی۔

اور حالانکہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور جو چیز تم بناتے ہو اور جو عمل تم کرتے ہو اسکو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا یعنی جس طرح تمہاری ذات اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح تمہارے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں اور تمہاری صنعت اور کاریگری بھی اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے جس طرح شجر اور حجر کی ذات کو اللہ نے پیدا کیا اسی طرح اس صنعت اور کاریگری کو جس سے تم نے یہ بت بنایا اور تراشا ہے وہ بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے پس جو چیز تمہاری صنعت اور کاریگری سے تیار ہوئی وہ خدا کیسے ہو سکتی ہے کیا خدا بھی کسی کی صنعت اور کاریگری سے تیار ہوا کرتا ہے خالق لائق عبادت ہے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز قابل عبادت نہیں ہو سکتی لائق عبادت وہ ذات ہے جو ذوات اور صفات اور اعراض اور افعال سب میں مؤثر ہو۔

قوم کا مقصود اس باز پرس سے حضرت ابراہیمؑ کی ملامت اور زجر و توبیخ تھی حضرت ابراہیمؑ نے اس دلیل اور برہان سے انکی ایسی حماقت ثابت کی جو زجر و توبیخ کی منتہا تھی اور یہ آیت اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ہر عمل اللہ کی مخلوق ہے حذیفہ بن الیمانؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور ہر صنعت کو پیدا کرتا ہے (رواہ البخاری فی خلق الافعال)

پس جب ان پر حجت قائم ہوگئی جس کے دفع پر وہ قادر نہ ہوئے اور نہ اسکا انکار کر سکے تو غیظ و غضب میں آکر ایک دہکتی ہوئی آگ تیار کی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے تو منجنیق کے ذریعہ ابراہیمؑ کو اس دہکتی ہوئی آگ میں ڈالا اللہ کی قدرت اور رحمت سے جب وہ آگ ابراہیمؑ پر بردو سلام ہوگئی تو اس سے حضرت ابراہیمؑ کی نبوت واضح اور روشن ہوگئی بتوں کے توڑنے سے شرک باطل ہو گیا اور آگ کے بردو سلام ہو جانے سے حضرت ابراہیمؑ کی نبوت و رسالت ثابت ہوگئی غرض یہ کہ اس طرح سے توحید اور رسالت دونوں کا اثبات ہو گیا۔

خلاصۂ کلام: یہ کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے دلیل اور برہان سے انکو قائل کر دیا کہ خود تراشیدہ چیز ہرگز ہرگز قابل عبادت نہیں ہو سکتی تو قوم کے لوگ اس جواب باصواب سے مبہوت اور حیران رہ گئے اور جھلا کر بولے کہ ابراہیم کے لئے ایک بڑا آتش خانہ بناؤ جو آگ سے لبریز ہو پھر دہکتی ہوئی آگ میں ابراہیمؑ کو ڈال دو پس ان لوگوں نے ابراہیمؑ کے ساتھ بڑے ہی مکر کا ارادہ کیا کہ اسکو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیں کہ جل کر راکھ ہو جائے اور یہ قصہ ہی ختم ہو پس ہم نے انکو زیر کر دیا اور سب کو نیچا دکھایا

کہ اس دہکتی ہوئی آگ کو ان پر باغ و بہار بنا دیا جس سے حضرت ابراہیمؑ کی حقانیت اور صداقت ثابت ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ اللہ اپنے عباد مخلصین کی اس طرح سے حفاظت کرتا ہے اور یہ معجزہ انکی نبوت و رسالت کی دلیل بنا جسکا مفصل قصہ سورۂ انبیاء میں گذر چکا ہے۔

اور ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکلنے کے بعد جب انکے ایمان لانے سے بالکل ناامید ہوگئے تو ان کے اندر رہنا شاق گذرا تو ارادہ ہجرت کا فرمایا کہ کافروں سے مفارقت اور علیحدگی ہی میں دین و دنیا کی خیر و برکت ہے تو یہ کہا کہ اب میں اپنے پروردگار کی طرف جاتا ہوں جہاں میرا پروردگار مجھ کو لے جائے امید ہے کہ وہ مجھے ایسی جگہ پہنچا دے گا جہاں میرے دین اور دنیا کی صلاح اور فلاح ہوگی چنانچہ بحکم خداوندی سرزمین شام کی طرف ہجرت فرمائی اور حضرت سارہؑ اور حضرت ہاجرہؑ ہمراہ تھیں اور جب شام پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ مجھ کو ایسا فرزند عطا فرما جو تیرے نزدیک نیکو کاروں میں سے ہو پس ہم نے انکی دعا قبول کی اور انکو ایک بردبار فرزند کی بشارت دی جس سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں حسب بشارت حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے غلام حلیم پیدا ہوا جس کا حلم ظاہر ہوتا تھا حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور التجاء کے بعد اسمٰعیل فرزند عطا کیا جس کی نسبت توریت میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے ابراہیمؑ! اسمعیلؑ کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ مند کرونگا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس سے بڑی قوم بناؤں گا (توریت سفر پیدائش باب ۱۷ درس ۲۰) بعد چندے حضرت ابراہیمؑ بحکم خداوندی حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ معظمہ لائے اور تربیت کے لیئے جبل فاران کے قریب انکو چھوڑ کر ملک شام واپس ہوگئے وقتاً فوقتاً براق پر سوار ہو کر حضرت اسمٰعیلؑ کو دیکھنے کے لیئے مکہ آتے۔

پس جب وہ غلام حلیم اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ چلنے اور دوڑنے لگے اور بقول بعض سات برس کے اور بقول بعض سترہ برس کے ہوگئے اتفاق سے اس زمانہ میں ابراہیم علیہ السلام شام سے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو دیکھنے کے لیئے آئے تھے تو تین رات مسلسل یہ خواب دیکھا کہ وہ اس فرزند کو ذبح کر رہے ہیں پہلی رات جب یہ خواب دیکھا تو محو حیرت ہوئے پھر جب تین دن تک یہی خواب دیکھا تو اشارۂ خداوندی کو سمجھ گئے اور اس غلام حلیم کے ذبح کا عزم کر لیا۔

پس جب ابراہیم علیہ السلام ذبح فرزند کا عزم کر چکے تو مناسب جانا کہ اس فرزند سے بھی اس خواب کا ذکر کر دیا جائے جس کے ذبح کے متعلق یہ خواب دیکھا ہے تاکہ اسکی رائے بھی معلوم ہو جائے اور اسکے حلم اور صبر کا اور کمسنی میں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہو جائے اس لیے اس فرزند سے بطور مشورہ کہا اے میرے چھوٹے برخوردار یہ تصغیر ترحم اور شفقت کے لیے ہے تحقیق میں برابر خواب میں تجھ کو ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں پس تو دیکھ لے اور سوچ لے کہ اس بارہ میں تیری کیا رائے ہے اور تیرا دل کیا کہتا ہے اب اپنی مرضی بتلا حضرت ابراہیمؑ کا اس ذکر سے مقصد یہ تھا کہ ان کے

حلم اور صبر کا امتحان کریں اور دیکھیں کہ خدا کی راہ میں قربان ہونے کیلئے کس درجہ تیار ہیں بیٹے نے باپ کی یہ بات سن کر کہا اے میرے باپ آپ کو جو خدا کی طرف سے حکم دیا جا رہا ہے آپ اسکو بلا تامل و تردد کر گذر یئے اور اس میں دیر نہ کیجئے اور میری تکلیف کا ذرہ برابر خیال نہ کیجئے اور انشاء اللہ آپ مجھ کو ضرور صابروں میں سے پائیں گے میں دل و جان سے بسر و چشم خدا کی راہ میں قربان ہونے کے لیئے تیار ہوں اے پدر بزرگوار اللہ کی طرف سے آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ فوراً بجا لایئے اسمٰعیل علیہ السّلام نے صبر کا وعدہ فرمایا مگر اسکو اللہ کی مشیت کے ساتھ معلق کیا یعنی اس کے ساتھ لفظ انشاء اللہ کہا جو انکی کمال معرفت اور تواضع کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنی قوت پر بھروسہ نہیں کیا کہ میں خود صبر کرسکوں بلکہ اللہ کی مشیت پر اسکو معلق کیا پس جب دونوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کے حکم کے سامنے گردن ڈال دی اور ابراہیمؑ تو بیٹے کو خدا پر فدا کرنے کے لیئے اور بیٹا خدا کے لیئے قربان ہونے کے لیئے آمادہ ہو گیا اور خود حضرت اسماعیلؑ نے کہا اے باپ مجھے اوندھا کر دیجیئے تاکہ میری صورت سامنے ہونے سے شفقت پدری حکم خداوندی کی تعمیل میں مانع نہ بنے اور میری ماں کو میرا سلام کہہ دینا۔

اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل زمین پر گرا دیا تاکہ انکو ذبح کریں اور منہ کے بل انکو اوندھا لٹا کر انکے گلے پر چھری چلانے لگے باتفاق روایات یہ ثابت ہے کہ چھری کُند ہو گئی اور گلا نہ کٹ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے فرزند کو سلامت رکھا اور اس کے فدیہ میں مینڈھے کے ذبح کا حکم دیا اور اس طرح ابراہیمؑ کو ذبح ولد کے طبعی رنج و غم سے بچا لیا اور جب ابراہیمؑ اس طرح سے ہمارا حکم بجا لایا تو ہم نے ابراہیمؑ کو آواز دی کہ اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا خواب میں تو نے جو کچھ دیکھا تھا اس کے موافق عملدرآمد کرنے میں تو نے کوئی قصور اور کوتاہی نہیں کی ابراہیم علیہ السلام نے اگرچہ بیٹے کو ذبح نہیں کیا مگر جتنا کام انکے امکان میں تھا وہ کر گزرے اگرچہ ذبح واقع نہیں ہوا لیکن تو نے تعمیل حکم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تو فرشتہ نے آواز دی کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا پس ابراہیمؑ نے فرشتہ کی آواز سن کر اس طرف توجہ کی تو دیکھا کہ ایک سفید مینڈھا بڑے سینگوں والا اور بڑی آنکھوں والا سامنے کھڑا ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے فدیہ کے لیئے بھیجا ہے۔

حضرت استاذ مولانا سید انور شاہؒ یہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ اِنِّیْ ذَبَحْتُكَ کہ میں نے اسمٰعیلؑ کو ذبح کر دیا بلکہ یہ دیکھا تھا کہ اِنِّیٓ اَذْبَحُكَ کہ میں ذبح کر رہا ہوں یعنی ذبح کا جو فعل ہے گردن پر چھری چلانا وہ کر رہا ہوں سو اتنا کرنے سے وہ خواب میں سچے ہو گئے جتنا خواب دیکھا تھا اتنا پورا ہو گیا چونکہ ابراہیم علیہ السّلام نے تعمیل حکم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اسلیئے اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو ذبح سے بچا لیا تحقیق ہم اسی طرح امتحان عظیم کے بعد نیکوکاروں کو ایسی ہی جزائے جمیل عطا کرتے ہیں کافروں کی عزت و وجاہت وقتی ہوتی ہے اصل عزت ایمان اور احسان کی ہے امتحان بے شک سخت تھا مگر تو پورا اترا ہم بھی خوش ہوئے اور تیرے فرزند کے عوض فدیہ کیلیئے

یہ مینڈھا بھیجتے ہیں جبریل علیہ السلام اسکو لے کر آتے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بجائے وہ ذبح ہوا تحقیق یہ بات جو ابراہیمؑ کو پیش آئی کھلی اور صریح آزمائش تھی جس سے مخلص اور غیر مخلص میں خوب تمیز ہو جاتی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ اس حکم سے ہمارا مقصود فقط ابتلاء اور امتحان یعنی آزمانا تھا حقیقۃً ذبح ولد مقصود نہ تھا سو امتحان میں تو پورا اترا اور کامیاب رہا اور ہم نے ابراہیمؑ کو فرزند کے فدیہ میں قربانی کا ایک عظیم جانور عطا کیا جو نہایت سفید اور بڑے سینگوں والا اور بڑی آنکھوں والا تھا اور بڑا فربہ تھا حسن بصریؒ حضرت علیؓ سے راوی ہیں کہ وہ مینڈھا ثبیر پہاڑ سے اترا تھا اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ وہ مینڈھا تھا جس کو ہابیلؑ نے قربان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسکو قبول کر لیا تھا اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک وہ جنت میں چرتا رہا یہاں تک کہ وہ جنت سے حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ کے لیے اتارا گیا دیکھو تفسیر قرطبی ص۱۰۸ ج ۱۵ اس طرح سے فدیہ نے اسمٰعیلؑ کی جان بچائی اور آیندہ کے لیئے قربانی کا قانون مقرر کر دیا کہ لوگوں کو چاہیئے کہ سنت ابراہیمی کے مطابق قربانی کیا کریں اور جو شخص حیوان کی قربانی کرے گا اس کو ذبح ولد کا ثواب ملے گا۔

اور ہم نے ابراہیمؑ کا ذکر خیر پچھلی امتوں میں باقی چھوڑا کہ بعد میں آنے والی امتیں انکو ذکر خیر کے ساتھ یاد کرتی رہیں خاص کر یہ آخری امت یعنی امت محمدیہ تشہد میں درود ابراہیمی پڑھتی ہے سلام ہو ابراہیمؑ پر بعد میں آنے والے بھی ان پر صلاۃ وسلام پڑھیں گے ہم اپنے نیکو کاروں کو ایسی جزا دیا کرتے ہیں بے شک ابراہیمؑ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا جنہوں نے ایمان اور اخلاص اور عبودیت کا حق ادا کر دیا۔

دوسری بشارت کا ذکر

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ . . . اِلیٰ . . . وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۔

گذشتہ آیات میں پہلے فرزند یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کا ذکر تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے پہلے اور اکلوتے بیٹے تھے اور انکے ذبح اور فدیہ کا حال ذکر کیا اب اسکے بعد انکے دوسرے فرزند یعنی اسحاقؑ کی بشارت کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسماعیلؑ کے بعد ہم نے ابراہیمؑ کو ایک دوسرے فرزند کی بشارت دی کہ تمہارے ایک اور فرزند ہوگا جس کا نام اسحٰقؑ ہوگا اور وہ نبی ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا اور باتفاق علماء حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ سے تیرہ سال بڑے تھے۔ تفسیر[1] قرطبی ص۱۱۳ ج ۱۵

---

[1] قال القرطبی ولیس تختلف الرواۃ ان اسمٰعیل کان اکبر من اسحاق بثلاث عشرۃ سنۃ (تفسیر قرطبی ص۱۱۳ ج۱۵)

جو حضرت سارہؑ کے بطن سے پیدا ہوئے اور انکی نسل میں ہزاروں نبی اور بادشاہ ہوتے اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق پر یعنی ہم نے ابراہیمؑ پر برکتیں نازل کیں اور انکے بیٹے اسحاقؑ پر کہ ان کی نسل میں کثرت سے انبیاء ہوئے۔

حق جل شانہ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو دو بشارتیں ملیں اول غلام حلیم کی بشارت ملی جو انکی دعا اور التجا اور سوال کے بعد ملی یعنی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ کے بعد غلام حلیم یعنی اسمٰعیلؑ کی بشارت ملی اور دوسری بشارت یعنی اسحٰق علیہ السلام کی بشارت ہے وہ بلا سوال اور دعا کے ملی جس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی ۸۶ سال کی تھی اور جب اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ننانوے ۹۹ سال کی تھی۔

اور پھر آگے چل کر ان دونوں کی نسل سے نیکو کار بھی ہوں گے اور بدکار بھی جو اپنی جان پر صریح ظلم کرنیوالے ہوں گے یعنی آئندہ چل کر ان دونوں کی نسل میں سے نیکوکار اور بدکار دونوں قسم کے لوگ ہوں گے معلوم ہوا کہ بدون ایمان اور عمل صالح کے محض نسب پر فخر بیکار ہے عام طور پر مفسرین نے بَارَكْنَا عَلَيْهِ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی اور علیٰ ہذا وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا کی ضمیر تثنیہ بھی ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کی طرف راجع کی ہے مگر حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کی طرف راجع کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں یہ کہا دونوں بیٹوں کو (اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کو) دونوں سے بہت اولاد پھیلی اسحٰقؑ کی اولاد میں نبی گذرے بنی اسرائیل کے اور اسماعیلؑ کی اولاد ہیں عرب جن میں ہمارے پیغمبر ہوئے (انتہیٰ) اور سیاق و سباق کے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ علیہ کی ضمیر پہلے بیٹے یعنی اسمٰعیلؑ کی طرف راجع کی جائے وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ کا اس پر عطف ہو کہ ایک ہی جملہ میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں پر برکتیں نازل کرنے کی ——— خبر دی کہ ہم نے ابراہیمؑ کے دونوں بیٹوں کو دینی اور دنیاوی برکتوں سے نوازا اور آئندہ آیت وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا میں دونوں بیٹوں کی نسل اور اولاد کے متعلق خبر دی پس ضمیر تثنیہ لانے سے کوئی خاص اثنینیت اور مغایرت نہیں معلوم ہوتی اس لیئے کہ ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کی ذریت اور اولاد علیٰحدہ علیٰحدہ نہیں دو بیٹوں اور دو بھائیوں کی اولاد کو علیٰحدہ علیٰحدہ نسل اور خاندان کہا جا سکتا ہے بیٹے کی اولاد بعینہ باپ کی اولاد ہے امام قرطبیؒ نے بَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ کی تفسیر میں اول مشہور قول کی بنا پر علیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی اور پھر دوسرا قول یہ نقل کیا کہ علیہ کی ضمیر اسماعیل علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور کہا کہ صحیح اور راجح قول اور ظاہر قرآن کے مطابق یہی معلوم ہوتا ہے کہ علیہ کی ضمیر اسمٰعیلؑ ذبیح کی طرف راجع کی جائے کیونکہ ماقبل میں تمام قصہ اسمٰعیلؑ ذبیح کا ذکر فرمایا اور پھر حضرت اسحاقؑ کی بشارت کا ذکر فرمایا وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ اور پھر دونوں یعنی اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے ذکر کے بعد فرمایا - وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ای بارکنا علیٰ اسماعیل واسحاق -

چونکہ ماقبل میں اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے اس لئے علیہ کی ضمیر اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ دو بیٹوں اور دو بھائیوں کو ملا کر عطف کے ساتھ ذکر کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہے اور علیٰ ہذا وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا کی ضمیر تثنیہ بھی اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کی طرف راجع ہے دیکھو تفسیر[۱] قرطبی ص۱۱۳ ج ۱۵

ذبیح اللہ کی بحث

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند صالح کی دعا کا ذکر ہے اور پھر اس دعا کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا خدا تعالیٰ کے لئے اسکو قربانی کے لئے پیش کرنے کا ذکر ہے اہل اسلام کے نزدیک وہ لڑکا جو اللہ کے نام پر ذبح ہوا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اہل کتاب یہود و نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ اسحاق علیہ السلام تھے اہل کتاب نے اہل اسلام پر حسد کی بنا پر حضرت اسحاقؑ کو ذبیح اللہ قرار دیا کہ یہ فضیلت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے ثابت نہ ہو لیکن آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ اسحٰق علیہ السلام اور یہی جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اور یہی صحیح قول ہے کہ ذبح کا تمام واقعہ اسماعیلؑ سے متعلق ہے کیونکہ یہ واقعہ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کے بعد کا ہے جو مکہ میں پیش آیا نہ کہ ملک شام میں اور بعض علماء اہل سنت سے جو یہ منقول ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ تھے سو ان کا یہ قول صحیح نہیں ان کا یہ قول علماء اہل کتاب سے ماخوذ ہے یا توریت سے ماخوذ ہے اور موجودہ توریت اول تو وہ توریت نہیں جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی صفحہ ہستی پر اس توریت کا کہیں نام و نشان نہیں دوم یہ کہ جو توریت موسیٰ علیہ السلام سے موسوم ہے۔ وہ درحقیقت ان مضامین کا مجموعہ ہے جو بعد میں تصنیف ہوئے پھر وہ بھی تحریف سے خالی نہیں بلکہ تغیر و تبدل سے مملو ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ہجرت کر کے ارض مقدسہ میں آئے تو زمانہ تنہائی میں انس

---

[۱] قال الامام القرطبی قوله تعالیٰ بَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ ای بارکنا علی ابراهیم واولاده وعلی اسحاق حین اخرج انبیاء بنی اسرائیل من صلبه وقد قیل ان الکنایة فی (علیه) تعود علی اسمٰعیل وانه هو الذبیح قال المفضل الصحیح الذی یدل علیه القرآن انه اسمٰعیل وذالک انه قص قصة الذبیح فلما قال فی آخر القصة وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ثم قال وبارکنا علیه علی اسمٰعیل وعلی اسحاق کنی عنه لانه قد تقدم ذکره ثم قال ومن ذریتهما فدل علی انها ذریة اسمٰعیل واسحاق - اھ ص۱۱۳ ج۱۵

اور محبت کے لیے ایک فرزند صالح کی دعا مانگی اور عرض کیا رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ اے اللہ مجھ کو ایک نیک فرزند عطا فرما جو تیرے نیک بندوں میں سے ہو اور تیری طاعت میں اور دین کی خدمت میں میری مدد کرے اور سفر و حضر میں میرے لیے باعث انس ہو اور میرے بعد میرا جانشین ہو اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول کی اور ایک غلام حلیم کی انکو بشارت دی فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ چنانچہ اس دعا اور بشارت کے بعد حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے پیدائش کے کچھ دنوں بعد حضرت ابراہیمؑ بحکم خداوندی حضرت اسمٰعیلؑ اور انکی والدہ ہاجرہؑ کو وادی غیر ذی زرع فاران کے جنگل اور بیابان میں یعنی مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے اور اس بارہ میں اہل اسلام اور اہل کتاب کا کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے پہلے فرزند اور اکلوتے بیٹے ہیں اور اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی سال کی تھی اور حضرت اسحاقؑ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے ابراہیم علیہ السلام کا اصل قیام ملک شام میں اپنی بی بی سارہؑ کے ساتھ تھا اور اس وقت حضرت سارہؑ کے کوئی اولاد نہ تھی مگر حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی خبرگیری کے لیے حضرت ابراہیمؑ شام سے بکثرت مکہ مکرمہ آتے رہتے تھے اور یہ آمد و رفت براق پر ہوتی تھی دیکھ کر واپس ہو جاتے صبح کو آتے اور شام کو واپس ہو جاتے دیکھو البدایۃ والنہایۃ[1] لابن کثیر ص ۱۵۹ ج ۱۔

کچھ عرصہ بعد اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے اور چلنے پھرنے لگے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ خواب حضرت ابراہیمؑ کو یہ اشارہ فرمایا کہ اپنے فرزند وحید اور اکلوتے بیٹے کو ہمارے نام پر ذبح کرو جس سے مقصود حضرت ابراہیمؑ کی محبت کا امتحان تھا چنانچہ حضرت ابراہیمؑ دل و جان سے اس حکم کی تعمیل کیلئے آمادہ ہو گئے اور یہ تمام واقعہ حضرت اسحاقؑ کی ولادت سے بہت پہلے کا ہے معلوم ہوا کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ سے اسمٰعیلؑ کی ولادت کی بشارت مراد ہے اور ذبیح اللہ بھی غلام حلیم ہے اور فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ سے اسی غلام حلیم کے ذبح کا فدیہ مراد ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غلام حلیم کی بشارت اور انکے ذبح اور انکے فدیہ کے بعد حضرت اسحاقؑ کی بشارت کا ذکر فرمایا اور وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ فرمایا اور یہ دوسری بشارت ہے جو پہلی بشارت کے عرصہ بعد دی گئی اور اس بشارت کو بحرف عطف ذکر سے جس کا پہلی بشارت فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ پر عطف ہے معلوم ہوا کہ یہ بشارت اور یہ قصہ پہلی بشارت اور قصہ سے مختلف ہے اور مغایر ہے اس لیے کہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے پہلی خوشخبری حضرت اسماعیلؑ کے متعلق تھی اور دوسری خوشخبری حضرت اسحاقؑ کے متعلق ہے جو واقعۂ ذبح کے بعد دی گئی۔

[1] فقد روی ان الخلیل کان یذهب فی کثیر من الاوقات راکبا علی البراق الی مکة یطلع علی الولد (ابنه) ثم یرجع کذا فی البدایة والنهایة

حضرت ابراہیمؑ جب پہلے لڑکے کے ذبح پر حسب حکم الٰہی مستعد ہو گئے اور امتحان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فدیہ بھیج کر انکو بچالیا اور کمال عنایت والطاف سے بعد چندے ایک اور فرزند کی بشارت دی یعنی اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی اور فرمایا وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ ان آیات میں دو بشارتوں کا ذکر ہے ایک فرزند کی بشارت تو حضرت ابراہیمؑ کے سوال اور التجا کے بعد ہوئی اور دوسرے فرزند کی بشارت بدون سوال اور التجا کے اور مختلف وقتوں میں ہوئی اول اللہ تعالیٰ نے بڑے بیٹے اور اکلوتے بیٹے کی بشارت کا ذکر کیا اور پھر انکے چھوٹے بھائی اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کیا اور اس دوسری بشارت کا پہلی بشارت پر عطف کیا معلوم ہوا کہ یہ دوسری بشارت پہلی بشارت سے مغایر اور مختلف ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحاقؑ سے تقریباً چودہ سال بڑے تھے۔

(۳) پھر دونوں فرزندوں کی بشارت کے بعد حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاقؑ پر۔ عموماً مفسرین نے عَلَيْهِ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے اور علیٰ ہذا اسکے بعد والی آیت وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ضمیر تثنیہ بھی ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کی طرف راجع کی ہے مگر سیاق وسباق کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ بٰرَكْنَا عَلَيْهِ کی ضمیر اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے جن کے ذبح کا مفصل قصہ قریب ہی ذکر ہو چکا ہے اور اب عَلَيْهِ پر وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ کا عطف نہایت مناسب ہے اس لئے کہ عَلَيْهِ کی ضمیر پہلے اور بڑے بیٹے کی طرف راجع ہے اور بٰرَكْنَا عَلَيْهِ میں اول پہلے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے اور وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ کا عَلَيْهِ پر عطف ہے جس میں دوسرے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے بیٹے کی طرح ہم نے ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے پر بھی برکت نازل کی اور علیٰ ھٰذا وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ کی ضمیر تثنیہ عام طور پر مفسرین نے ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کی طرف راجع کی ہے مگر شاہ عبدالقادرؒ نے اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کی طرف راجع کی ہے غرض یہ کہ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ میں علیہ کی ضمیر کا اسمٰعیلؑ کی طرف راجع ہونا اور پھر وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ کا اس پر عطف ہونا بر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ذبیح اسحاقؑ نہیں بلکہ اسمٰعیلؑ ہیں عطف مغایرت کو چاہتا ہے ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے اور ایک بیٹے کو دوسرے بیٹے کے مغایر کہا جا سکتا ہے مگر بیٹے کو باپ کے مغایر نہیں کہا جا سکتا۔

(۴) نیز حق تعالیٰ نے جب حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت دی تو اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا وَنَبِيًّا وہ نبی بھی ہوں گے معلوم ہوا کہ اسحاقؑ ذبیح نہ تھے اس لئے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو یہ بھی بتلادیا گیا کہ اسحاقؑ نبی بھی ہوں گے تو ایسی صورت میں امتحان میں انکے ذبح کا حکم دینا بے معنی ہے پھر اس بشارت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ کہ اسحاقؑ کا بیٹا بھی ہوگا جس کا نام یعقوبؑ ہوگا معلوم ہوا کہ اسحاقؑ اتنی عمر کو پہنچیں گے کہ انکے بیٹا بھی ہوگا تو ایسی حالت میں اگر ذبح کا حکم ہوتا تو نہ نبوت ملتی اور نہ نکاح ہوتا اور نہ بیٹا ہوتا نیز حضرت اسحاقؑ کی بشارت کو وَبَشَّرْنٰهُ

بِاِسْحٰاقَ سے مستقلاً ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قصہ مستقل ہے جسکا پہلے قصہ سے تعلق نہیں۔
(۵) نیز جس ولد کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ اسکے بلوغ سے پہلے دیا گیا اس لئے کہ نص قرآنی میں یہ قید مذکور ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ کہ جب وہ لڑکا چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تب اسکے ذبح کا حکم آیا اور یہ حالت بلوغ سے بہت پہلے ہوتی ہے اور حضرت اسحاقؑ کی بشارت میں وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ کے علاوہ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰاقَ يَعْقُوْبُ بھی فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسحاقؑ بلوغ کو پہنچیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے اگر انکے ذبح کا حکم ہوتا تو انکی موت یقینی ہوتی اور عقلاً یہ بات غیر معقول ہے کہ اولاد عطا کیئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں نیز نبوت عموماً چالیس سال کی عمر میں ملتی ہے۔
(۶) نیز ——— اہل اسلام اور اہل کتاب کے اتفاق سے اور توریت سفر پیدائش باب ۲۲ - ۱ - ۲ سے صراحۃً یہ بات ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا توریت کے قدیم نسخوں میں وحید اور بکر کا لفظ موجود ہے اور باتفاق یہود و نصاریٰ اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام تھے نہ کہ اسحاق علیہ السلام اس لیے کہ اسحاق علیہ السلام واقعہ ذبح کے بعد پیدا ہوئے ہیں وہ اکلوتے بیٹے نہ تھے امتحان کے لئے اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا حضرت اسماعیلؑ کی موجودگی میں حضرت اسحاقؑ کیسے اکلوتے بیٹے ہو سکتے ہیں جو حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد پیدا ہوئے اور توریت کے بعضوں نسخوں میں جو وحید اور اکلوتے بیٹے کے بعد لفظ اِسْحٰاقَ کا بڑھا دیا ہے وہ یہود کی دیدہ دانستہ تحریف ہے اکلوتا بیٹا وہ ہے کہ جسکی موجودگی میں کوئی دوسرا بیٹا نہ ہو اور یہ بات صرف اسمٰعیلؑ پر صادق آتی ہے کہ انکی موجودگی میں انکے سوا اور کوئی بیٹا نہ تھا۔
(۷) اس کے علاوہ یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا اور اسکے آثار اور یادگاروں کا مکہ اور منیٰ میں ہونا اور مدتوں تک فدیہ کے مینڈھے کے سینگوں کا خانہ کعبہ میں معلق رہنا یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام واقعہ مکہ میں پیش آیا نہ کہ ملک شام میں شعبیؒ کہتے ہیں کہ میں نے فدیہ کے دنبہ کے دونوں سینگوں کو خانہ کعبہ کے اندر دیکھا ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام بچپن سے مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور اسحاق علیہ السلام ملک شام کے شہر کنعان میں رہتے تھے اور کنعان نہ مقام حج ہے اور نہ قربان گاہ ہے بخلاف منیٰ کے کہ وہ قربان گاہ ہے اور مکہ مقام حج ہے اور بطور یادگار ابراہیمی و اسمٰعیلی حج اور قربانی اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمرات کی سنت آج تک بنی اسمٰعیلؑ میں جاری ہے اور حج اور قربانی ملت اسلام کا عظیم شعار ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے اب تک مکہ اور منیٰ میں چلی آ رہی ہے۔
(۸) اصمعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عمرو بن علاءؒ سے پوچھا کہ (دو بیٹوں میں سے) ذبیح کون تھا تو مجھ سے کہا اے اصمعیؒ تیری عقل کہاں جاتی رہی کہ تجھ کو پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ مکہ میں اسحٰقؑ کہاں تھے بلکہ وہاں تو اسمٰعیلؑ تھے اور ذبح اور قربانی کا مقام بھی مکہ کی سر زمین میں ہے اور اسمٰعیل ہی نے اپنے باپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر میں مدد دی تھی تفسیر قرطبی صن۱۰ ج ۱۵

(۹) اور حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا ابن الذبیحین اے دو ذبیح کے فرزند آپؐ کو اللہ نے جو عطا کیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی کچھ عطا کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرائے اور ہنسے حضرت معاویہؓ نے جب یہ روایت اپنی مجلس میں بیان کی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیر المؤمنین وہ دو ذبیح کون ہیں تو فرمایا ایک ذبیح تو حضرت اسماعیلؑ حضورؐ کے جدّ امجد ہیں اور دوسرے ذبیح آپؐ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ ہیں جس کا قصہ یہ ہے کہ عبد المطلب نے جب چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم دیا تو اللہ سے یہ نذر کی کہ اگر اللہ نے یہ کام آسان کر دیا تو ایک بیٹے کو خدا کے نام پر ذبح کروں گا۔

عبد المطلب کے دس بیٹے تھے قرعہ اندازی میں ذبح کا قرعہ عبد اللہ کے نام پر نکلا خاندان اور دیگر احباب نے بیٹے کے ذبح سے انکو روکا اور یہ مشورہ دیا کہ فدیہ میں سو اونٹ قربان کر ڈالو عبد المطلب نے اسکو منظور کیا اور عبد اللہ کی طرف سے فدیہ میں سو اونٹ دیئے اس طرح سے حضرت عبد اللہ حکماً ذبیح اللہ ہو گئے اس لیئے حاضر ہونے والے شخص نے حضورؐ کو یا ابن الذبیحین سے خطاب کیا اے دو ذبیح کے بیٹے پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں جو حضورؐ پر نور کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح اللہ آپؐ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ تھے رواہ الحاکم فی المستدرک و ابن جریر فی تفسیرہ وغیرھما روح المعانی ص۱۳۴ ج ۲۳ و تفسیر قرطبی ص۱۱۳ ج ۱۵۔

(۱۰) نیز اسی طرح ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا انا ابن الذبیحین میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں دیکھو البحر المحیط ص۳۶۹ ج ۷ اور روح المعانی ص۱۳۴ ج ۲۳۔ حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہیں ہوا واللہ اعلم۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں اور جمہور صحابہ اور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور بعض سلف اور خلف سے جو منقول ہوا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاقؑ تھے وہ درحقیقت کعب احبارؓ سے منقول ہے ان سے سن کر صحابہ و تابعین نے اس قول کو نقل کیا یا اہل کتاب کے صحیفوں سے ماخوذ ہے جس کی بنا پر قرآن کریم کے صریح اور ظاہر مدلول سے عدول ہرگز جائز نہیں دیکھو البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ص۱۵۹ حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہی ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے اور یہ کہنا کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں یہ قول بیس وجہ سے باطل ہے واللہ اعلم۔

سلہ قال ابن کثیر وقد قال بانہ اسحاق لطائفۃ کثیرۃ من السلف وغیرھم وانما اخذوہ واللہ اعلم من کعب الاحبار او صحف اھل الکتاب ولیس فی ذلک حدیث صحیح عن المعصوم حتی نترک لاجلہ ظاہر الکتاب العزیز ولا یفھم ھذا من القرآن بل المفھوم بل المنطوق بل النص عند التامل علی انہ اسمٰعیل علیہ السلام اھ ص۱۵۹ ج۱

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَ

اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر اور بچادیا انکو اور

قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ

اُن کی قوم کو اس بڑی گھبراہٹ سے اور اُن کی مدد کی

فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ

تو رہے وہی زبر اور دی ان کو کتاب

الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾

واضح اور سجھائی ان کو سیدھی راہ

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى

اور باقی رکھا ان پر پچھلی خلق میں کہ سلام ہے موسیٰ

وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ

اور ہارون پر ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو وہ دونوں ہیں

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہمارے بندوں ایمان دار ہیں

قصۂ سوم حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام

وقال تعالیٰ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ... اِلیٰ ... اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ

(ربط) اب یہ تیسرا قصہ ہے جس میں ان انعامات خداوندی کا ذکر کرتے ہیں جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر مبذول ہوتے اور پھران انعامات کا ذکر کرتے ہیں جو کلیم اللہ کی اتباع کی برکت سے بنی اسرائیل پر مبذول ہوتے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور قہر اور ظلم وستم سے نجات دی اور قوم نوح کی طرح قوم فرعون کو غرق کیا اور انکے اموال اور املاک کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا اور پھر انکو توریت جیسی

روشن کتاب عطا کی جو حدود اور احکام پر مشتمل تھی اور صراط مستقیم اور راہ ہدایت کو ان پر واضح کرنے والی تھی جو اس راہ پر چلا اس نے فلاح پائی چنانچہ فرماتے ہیں اور بے شک ہم نے احسان کیا موسٰی اور ہارون پر نبوت و رسالت کے علاوہ کمالات ظاہرہ اور باطنہ سے انکو سرفراز کیا اور ان دونوں کو اور ان دونوں کی قوموں کو سخت مصیبت سے نجات دی اور نہ صرف مصیبت اور تکلیف سے نجات دی بلکہ دشمن کے مقابلہ میں انکی مدد کی پس وہی دشمن پر غالب ہونے والے ہوتے اور انکی املاک کے وارث بنے اور ہم نے موسٰی اور ہارون کو ایک روشن اور نورانی کتاب دی جس سے مراد توریت ہے جس میں احکام کو واضح طور پر بیان کیا تھا اور ہم نے ان دونوں کو سیدھی راہ دکھائی جو سیدھی منزل مقصود تک پہنچانے والی تھی اور انکے بعد آنے والی قوموں میں ان کا ذکر خیر باقی چھوڑا کہ وہ کہیں سلام ہو موسٰیؑ اور ہارونؑ پر چنانچہ دونوں کے ساتھ "علیہ السلام" کا لفظ کہا جاتا ہے بے شک ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح نیک بدلہ دیا کرتے ہیں کہ انکو مستحق ثناء و تحسین بنا دیتے ہیں بے شک وہ دونوں ہمارے خاص الخاص ایماندار بندوں میں سے تھے اشارہ اس طرف ہے کہ ایمان ہی تمام کمالات اور انعامات کا منبع اور سرچشمہ ہے ۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ

اور تحقیق الیاس ہے رسولوں ہیں جب کہا

لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ

اپنی قوم کو کیا تم کو ڈر نہیں کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور

تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ

چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو جو اللہ ہے رب تمہارا اور

رَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا ❊ پھر اسکو جھٹلایا سو وہ پکڑے آتے ہیں

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾

مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے اور باقی رکھا اس پر پچھلی خلق میں

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

کہ سلام ہے الیاس پر ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو

اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۲﴾

وہ ہے ہمارے بندوں ایمان دار میں

قصۂ چہارم الیاس علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَاِنَّ اِلۡيَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ... الیٰ ... اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارونؑ کی اولاد میں سے ہیں اور انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں جو یوشع علیہ السلام کے بعد نبی بنائے گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے شہر بعلبک کی طرف مبعوث فرمایا جو دمشق کے غربی جانب میں واقع ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک حضرت الیاسؑ انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں حضرت موسیٰؑ کے بعد اور حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام سے پہلے گذرے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ الیاسؑ ہی ادریس علیہ السلام ہیں مگر یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ ادریس علیہ السلام تو نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں اور الیاس علیہ السلام نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اہل کتاب میں وہ ایلیاء کے نام سے مشہور ہیں۔

اور بے شک الیاس بھی ہمارے رسولوں میں سے تھا جنکو ہم نے بنی اسرائیل کے اس گروہ کی طرف مبعوث کیا تھا جو بعل بت کی پرستش کرتے تھے تاکہ انکو توحید کی دعوت دیں جبکہ انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے بھلا کیا تم لوگ بعل بت کی پرستش کرتے ہو اور ایک بے حس و حرکت چیز کو اپنا رب بنائے ہوئے ہو اور اس سے اپنی حاجتیں مانگتے ہو اور چھوڑے بیٹھے ہو اس ذات پاک کو کہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے یعنی اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے وہ تو چھوڑنے کے قابل نہیں۔

معاذ اللہ احسن الخالقین کے یہ معنی نہیں کہ خالق تو بہت ہیں مگر اللہ سب سے بہتر ہے مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ خَلق کے دو معنی ہیں ایک ایجاد اور اختراع کے معنی ہیں یعنی کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود میں لانا اس معنی کر خالق کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں عدم سے وجود میں لانا اور جان ڈالنا اور جان نکالنا سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کے اختیار میں نہیں اور آیت میں خالقین کے یہ معنی مراد نہیں۔

دوسرے معنی خلق کے تقدیر اور اندازہ کرنے اور صنعت اور کاریگری کے ہیں اس معنی کر احسن الخالقین کے معنی یہ ہوں گے کہ سب اندازہ کرنے والوں اور تمام صناعوں اور کاریگروں میں اللہ سب سے بہتر اور بڑھ کر ہے کیونکہ اللہ کا اندازہ ہمیشہ بالکل ٹھیک اور درست ہے اللہ کے سوا کسی اور کا اندازہ کبھی درست ہوتا ہے اور کبھی غلط اور دنیا میں اگرچہ صناع اور کاریگر بہت ہیں مگر خدا کی صنعت اور کاریگری کو کسی کی کاریگری نہیں پہنچتی صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِيۡۤ اَتۡقَنَ كُلَّ شَىۡءٍ

اس معنی کر خالق کا اطلاق بمعنی صناع اور کاریگر بندہ پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ بندہ بھی اپنے علم اور قدرت کے مطابق صنعت اور کاریگری پر قدرت رکھتا ہے اور اس آیت میں خالقین کے یہی دوسرے معنی مراد ہیں۔

پس ان لوگوں نے الیاس کو جھٹلایا پس قیامت کے دن یہ لوگ بلا شبہ عذاب دوزخ کیلئے پکڑ بلائے جائیں گے مگر خدا کے خالص بندے کہ وہ سواریوں پر سوار کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے اور ہم نے الیاس کا ذکر خیر آنے والی امتوں میں باقی چھوڑا سلام ہو ال یاسین پر یعنی الیاس پر الیاسین بھی ان کا نام ہے جیسے میکال اور میکائیل اور میکالین اور سینا و سینین تحقیق ہم ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں اپنے نیکو کار بندوں کو بے شک الیاس ہمارے خاص الخاص ایمان والے بندوں میں سے تھا ایمان ایک اسم جامع ہے جو تمام کمالات ظاہری و باطنی کو شامل ہے جو علی الاطلاق اہل اختصاص کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اگر بندۂ خویش خوانی مرا ∴ برازمملکت جاودانی مرا
شہانے کہ باتخت فرخندہ اند ∴ ہمہ بندگان ترا بندہ اند

وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٣﴾ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ
اور تحقیق لوط ہے رسولوں میں ∴ جب بچادیا ہم نے اسکو اور اسکے گھر
أَجْمَعِينَ ﴿١٣٤﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا
والوں کو سارے مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں پھر اکھاڑ مارا ہم نے
الْآخَرِينَ ﴿١٣٦﴾ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ﴿١٣٧﴾
دوسروں کو اور تم گذرتے ہو ان پر صبح کے وقت

وَبِاللَّيْلِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٨﴾
اور رات کو پھر کیا نہیں بوجھتے

قصۂ پنجم لوط علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ... الی ... أَفَلَا تَعْقِلُونَ

یہ پانچواں قصہ لوط علیہ السّلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے انکی قوم لواطت اور بدفعلی میں مبتلا تھی اور یقیناً لوط علیہ السلام بھی خدا کے پیغمبروں میں سے تھے اور حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے جنکو اللہ تعالیٰ نے سدوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا جہاں کے باشندے بت پرست اور لواطت اور قسم قسم کی بے حیائیوں اور بدکاریوں میں مبتلا تھے انکی ہدایت کے لیئے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جب قوم نے نہ مانا تو ان پر اللہ کا قہر اور عذاب آیا پس اے نبی آپؐ اس وقت کا حال لوگوں کے سامنے بیان کیجیئے جبکہ ہم نے لوط کو اور اسکے سب اہل خانہ کو اپنے عذاب سے نجات دی جو ان پر ایمان لے آئے تھے سوائے ایک کافرہ بڑھیا کے جو انکی زوجہ تھی اسکو عذاب سے نجات نہیں دی بلکہ وہ پیچھے رہنے والوں سے ہوگئی یعنی ان لوگوں سے ہوئی جو عذاب میں باقی اور پیچھے رہ گئے یا ان گزرنے والوں کے ساتھ رہی جو عذاب میں ہلاک ہوتے "غابر" بمعنی باقی بھی آتا ہے اور بمعنی ماضی بھی آتا ہے آیت میں دونوں صحیح ہیں لہذا دونوں معنی کے اعتبار سے ترجمہ کر دیا پھر سب باقی ماندوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو اہل مکہ کے لیے خاص طور پر مقام عبرت ہے اور اے اہل مکہ جب تجارت کے لیئے ملک شام جاتے ہو تو تحقیق تم صبح کے وقت اور رات کے وقت ان پر گذرتے ہو اور انکی تباہی اور بربادی کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کیا دیکھ کر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ بستیاں نبی کی مخالفت اور لواطت کی وجہ سے الٹی ہوئی ہیں۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٩﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ

اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں ۞ جب بھاگ کر پہنچا اس

الْمَشْحُونِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ

بھری کشتی پر پھر قرعہ ڈلوایا تو ہو گیا الزام کھایا پھر لقمہ کیا

الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿١٤٣﴾

اسکو مچھلی نے اور وہ الاہنا کھایا تھا پھر اگر نہ ہوتا کہ وہ تھا یاد کرتا پاک ذات کو

لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ

تو رہتا اسکے پیٹ میں جس دن تک مردے جیویں پھر ڈال دیا ہم نے اسکو چٹیل میدان میں

وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿١٤٥﴾ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِنْ يَقْطِينٍ ﴿١٤٦﴾

اور وہ بیمار تھا اور اُگایا ہم نے اس پر ایک درخت بیل کا

وَأَرْسَلْنٰهُ إِلٰى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰمَنُوْا

اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا زیادہ پھر وہ یقین لائے

فَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِيْنٍ ﴿١٤٨﴾

پھر ہم نے انکو برتنے دیا ایک وقت تک

قصہ ششم یونس علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَإِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ... إلى ... فَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِيْنٍ

یہ چھٹا قصہ یونس بن متیٰ علیہ السلام کا ہے جو اس سورت کا آخری قصہ ہے کہ جو اپنی قوم کی ایذاء پر صبر نہ کر سکے اور اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل گئے اور یہی یونسؑ ذوالنون نبی ہیں جنہوں نے بحکم خداوندی اپنی قوم سے ایمان نہ لانے پر عذاب آنے کا وعدہ کیا تھا جب وہ ایمان نہ لائے اور برابر کفر اور تکذیب پر ڈٹے رہے تو سمجھ گئے کہ انکا بھی وہی انجام ہوگا جو سرکشوں اور نافرمانوں کا ہوا کرتا ہے اسلئے سمجھ گئے کہ عنقریب عذاب آنے والا ہے تو بغیر انتظار وحی کے اور بغیر حکم خداوندی کے یونس علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان سے اول شب میں نکل گئے اور دریا کے کنارہ پہنچے وہاں ایک کشتی مل گئی اس پر سوار ہو گئے حضرت یونسؑ جب اس کشتی میں سوار ہو گئے تو وہ کشتی یکایک رک گئی جس کا ظاہر میں کوئی سبب نہ تھا ہوا وغیرہ بھی نہ تھی تو ملاح اپنے عقیدہ کے مطابق بولے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے اور یہ کشتی کا قاعدہ ہے کہ جب اس میں کوئی بھاگا ہوا ہوتا ہے تو وہ چلتی نہیں پھر انہوں نے قرعہ ڈالا کہ جس کا نام کا قرعہ نکلے گا اسکو کشتی سے نکال کر دریا میں ڈال دیں گے تاکہ کشتی غرق ہونے سے بچ جائے تین مرتبہ لوگوں کے ناموں پر قرعہ ڈالا ہر مرتبہ قرعہ یونس علیہ السلام کے نام کا نکلا یہ قصہ سورۂ یونس اور سورۂ انبیاء میں مفصل گذر چکا ہے اور یہاں اجمالاً ذکر فرماتے ہیں اور اے نبی آپ لوگوں سے اس وقت کا حال ذکر کریں جب یونس اپنی قوم سے بھاگ کر بھری ہوئی کشتی کی طرف پہنچے جو لوگوں سے اور مال و متاع سے بھری ہوئی تھی جب وہ کشتی چلی اور دھارے پر پہنچی تو یکایک ٹھہر گئی تو ملاح بولے کہ اس کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہے اس لیئے یہ کشتی نہیں چلتی اس لیئے اسکو کشتی سے علیحدہ کر کے دریا میں ڈال دیا جائے لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ قرعہ ڈالا جائے پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ میں انکے ساتھ شریک ہوئے تو وہ خود ہی الزام کھانے والوں میں سے ہو گیا یعنی قرعہ میں وہ خود ہی مغلوب ہو گیا اور ملزم ٹھہرا مطلب یہ ہے کہ قرعہ یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام نے خود ہی اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا کہ شاید

کنارہ قریب ہو اور میں تیر کر دریا کے کنارہ پہنچ جاؤں ورنہ اگر میری جان گئی بھی تو باقی لوگ تو بچ جائیں گے پس جب یونس علیہ السلام نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا تو ہمارے حکم سے فوراً ایک مچھلی نے انکو لقمہ بنا کر نگل لیا اور اپنے پیٹ میں انکو محفوظ کر لیا تا کہ انکو کوئی گزند نہ پہنچے اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے کہ تو بغیر حکم الٰہی کے انتظار کیئے ہوتے کیسے بستی سے نکل پڑا اور بغیر حکم خداوندی کیسے ہجرت کے لیئے نکل کھڑا ہوا اور یہ انکی خطاء اجتہادی تھی جس پر وہ مستحق ملامت ہوئے حضرات انبیاءؑ کا درجہ سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے اسلیئے انکی خطاء اجتہادی اور سہو ونسیان پر بھی مواخذہ اور ملامت ہوتی ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی ابرار کے مرتبہ میں جو امور حسنات ہیں وہ مقربین کے درجہ میں سیئات ہیں۔

پس یونس علیہ السلام اپنے آپ کو دریا میں ڈالنے کے لیئے اٹھے تو دیکھا کہ ایک مچھلی منہ کھولے حضرت یونسؑ کی طرف دیکھ رہی ہے یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام نے فوراً اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا مچھلی نے فوراً آپکو نگل لیا اور مچھلی کی طرف اللہ کی وحی آئی کہ میں نے یونسؑ کو تیرے لیئے رزق نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اسکی حفاظت کا ایک محل اور ظرف بنایا ہے دیکھو تفسیر قرطبی ص۱۲۵ ج ۱۵ مطلب یہ تھا کہ اے مچھلی یہ یونسؑ تیرا رزق نہیں بلکہ تیرے پاس ہماری امانت ہے جسکی حفاظت تجھ پر واجب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ عالم غیب سے مچھلی کو آواز آئی اے مچھلی ہم نے یونسؑ کو تیرے لیئے رزق نہیں بنایا بلکہ تجھ کو اسکے لیئے مکان حفاظت اور مسجد بنایا تفسیر قرطبی ص۱۲۷ ج ۱۵۔

چنانچہ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچنے کے کچھ بعد جب افاقہ ہوا اور سمجھے کہ میں زندہ ہوں تو کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھنے لگے تفسیر ابن کثیر ص۲۲ ج ۴ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے دریا میں بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں جس میں آدمی سہولت سے کھڑا ہو سکتا ہے (روح المعانی)

پس اگر یونسؑ خدا کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ ٹھہرے رہتے اور وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوتا لیکن تسبیح کی برکت سے انکو جلدی رہائی حاصل ہوئی شکم ماہی میں انکی تسبیح یہ تھی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ مگر تسبیح کی برکت سے جلدی رہائی پائی اور یہی تسبیح شکم ماہی میں انکی غذا تھی جیسا کہ فتنۂ دجال کے وقت جب قحط پڑے گا تو اس وقت مؤمن کی غذا تسبیح و ذکر الٰہی ہوگی بجائے رزق کے تسبیح اور ذکر الٰہی انکو غذا کا کام دیگی اور پیٹ میں زندہ رہنا کوئی امر محال نہیں آخر بہت سے آدمیوں اور جانوروں کے بچے پیٹ میں زندہ رہتے ہیں تو ایک آدمی کا ایک بہت بڑی مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنا کیا مشکل ہے

تو قبل از حکم خداوندی ہجرت کرنے پر تنبیہ تھی اب آگے اپنے الطاف و عنایات کا ذکر فرماتے ہیں کہ اسکے بعد ہم نے یونسؑ کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کس طرح گرمی اور سردی سے انکی حفاظت کا انتظام کیا پس۱ تین دن

---

۱ اختلاف اقوال کی طرف اشارہ ہے دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۲۱ ج ۴

کے بعد یا سات دن کے بعد یا چالیس دن کے بعد ہم نے انکو ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا اللہ کی طرف سے مچھلی کو حکم آیا کہ یونس ؑ کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک ریگستان اور چٹیل میدان میں ڈال دے پس مچھلی نے انکو بحکم خداوندی ایک بیابان اور ریگستان میں ڈال دیا اور در آنحالیکہ وہ بیمار اور مضمحل تھے اور لاغر اور کمزور تھے جیسے چوزہ بے بال و پر ہوتا ہے کافی غذا اور ہوا نہ پہنچنے کی وجہ سے اس قدر لاغر اور کمزور کہ دھوپ اور شعاع کی بھی برداشت نہ رہی تھی اور بدن پر مکھی کا بیٹھنا بھی ناگوار تھا اور اسی لیئے ہم نے انکے سر پر ایک بیلدار یعنی کدو کا درخت اُگا دیا یکایک خدا کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اُگ آئی جس نے انکے جسم پر سایہ بھی کر دیا اور مکھیوں کی تکلیف سے بھی محفوظ ہو گئے کدو کے پتوں کی خاصیت یہ ہے کہ اسکے گرد مکھی نہیں آتی تفسیر قرطبی صـ۱۲۹ ج ۱۵ پس یہ کدو کی بیل اور اسکے پتے ان کے لیئے بمنزلہ خیمہ کے ہو گئے اور انکی غذا کا یہ سامان کیا کہ ایک پہاڑی بکری کو یہ حکم ہوا کہ صبح و شام یونس ؑ کے پاس چلی جایا کر تاکہ وہ تیرا دودھ پی لیا کریں چنانچہ وہ بکری صبح و شام انکے پاس آتی اور وہ اسکا دودھ پیا کرتے تفسیر ابن کثیر صـ۲۱ ج ۴۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جب اس طرح سے یونس کا گوشت پوست درست ہو گیا تو ہم نے انکو ایک لاکھ آدمیوں کی طرف یا زیادہ کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیئے بھیجا مطلب یہ ہے کہ اگر صرف عاقل بالغ لوگوں کو شمار کیا جائے تو ایک لاکھ تھے اور اگر چھوٹوں بڑوں سب کو شامل کر لیا جائے تو ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہ ایک لاکھ وہی لوگ تھے جو انکی قوم تھی جن سے نکل کر آپؑ دریا کی طرف بھاگے تھے اور نکلنے سے پہلے آپؑ جن کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپؑ اپنی سابق رسالت پر مستمر تھے اور یہ ارسال جو اس آیت میں مذکور ہے وہ سابق قوم کی طرف ہے کسی دوسری قوم کی طرف ارسال مراد نہیں خوب سمجھ لو عنقریب اسکی تفصیل آنے والی ہے۔

نکتہ یونس علیہ السّلام جب مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو بمنزلہ جنین کے ہو گئے اور پھر چند روز بعد مچھلی کے پیٹ سے نکلنا بمنزلہ ولادت ثانیہ کے ہو گیا اور اس طرح مچھلی کے پیٹ میں رہنے سے اس سہو و نسیان اور لغزش کے اثر کا نام و نشان نہ رہا جو بغیر اذن خداوندی قوم کو چھوڑ کر چلے جانے سے ہوا تھا کیونکہ بچہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو وہ گناہوں کی آلائشوں سے پاک و صاف ہوتا ہے پس حضرت یونس ؑ جب اپنی قوم کی طرف واپس پہنچے تو یہ سب لوگ اور قوم کثیر ان پر ایمان لے آئے اجمالی طور پر تو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے اب اس واپسی کے بعد یونس علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان کی تجدید کی اور تفصیلاً ایمان لائے پس ایک مدت تک ہم نے انکو زندگی سے بہرہ مند کیا جب تک وہ زندہ رہے ان پر کوئی عذاب نہیں آیا۔

یونس علیہ السلام جب اپنی قوم کے لوگوں سے ناراض ہو کر اپنی بستی نینوا سے نکل گئے تو جب اہل نینوٰی کو یہ معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام انکی بستی کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں تو انکو یقین ہو گیا کہ یونس ؑ پیغمبر برحق تھے اور اب ہماری ہلاکت یقینی ہے سوائے ایمان کے اب عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں اہل بستی نے

جب آثار عذاب کے دیکھے کہ آسمان پر ایک نہایت ہولناک اور سیاہ بادل نمودار ہوا ہے تو سب بچوں اور عورتوں کو بلکہ مویشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل کو نکل گئے اور سچے دل سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ ہم یونسؑ پر ایمان لاتے اور تضرع و بکاء سے آوازیں بلند ہوئیں اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور جو آثار عذاب کے نمودار ہوتے تھے وہ سب اٹھا لیئے ادھر یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ سے نکل آنے کے بعد تندرست ہو گئے تو جس بستی سے یونس علیہ السلام بغیر اجازت خداوندی ہجرت کر گئے اور بلا اذن صریح وہاں سے نکل گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر اس بستی کی طرف واپسی کا حکم ہوا کہ وہ بستی والے ایمان لے آئے ہیں اور اب انکا حال درست ہو گیا ہے پس یونس علیہ السلام اسی پہلی بستی کی طرف واپس ہوتے جنکی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ میں ارسال سے کسی دوسری قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجنا مراد نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کو یہ وہم ہو گیا ہے بلکہ اس ارسال سے پہلی ہی بستی اور پہلی ہی امت کی طرف دوبارہ واپسی مراد ہے اور فَاٰمَنُوْا سے تفصیلی ایمان مراد ہے کیونکہ یونس علیہ السلام کے نکل جانے کے بعد انکی گریہ وزاری اور اجمالی ایمان کی وجہ سے ان سے عذاب ٹل گیا تھا اب یونس علیہ السلام دوبارہ ان میں تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے دوبارہ ایمان کی تجدید کی اور تفصیلاً ایمان لے آئے (تفصیل کے لیے دیکھو روح المعانی صفحہ ۱۲۳ ج ۲۳) مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اسی قوم کی طرف جانے کا حکم ہوا جنکی طرف پہلی مرتبہ بھیجے گئے تھے اور ان سے ناراض ہو کر انکے درمیان سے نکل گئے تھے تاکہ اسی قوم کو جو آپ کی غیبوبت میں اجمالی طور پر ایمان لا چکی ہے واپسی کے بعد اسکو ایمان اور شریعت سمجھائیں اس ارسال سے کسی جدید قوم کی طرف جدید بعثت مراد نہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

اب ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے ہاں بیٹیاں اور ان کے ہاں بیٹے

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ

یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت اور یہ

شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ

دیکھتے تھے سنتا ہے! یہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ اللہ

اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

کی اولاد اور یہ بے شک جھوٹے ہیں کیا پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے

مَا لَكُمْ قف كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ج ﴿۱۵۵﴾ اَمْ

کیا ہوا ہے تم کو کیا انصاف کرتے ہو کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو یا

لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ لا فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تم پاس کوئی سند ہے کھلی تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ط

سچے اور ٹھہرایا ہے اس بیں اور جنوں میں ناتا

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ لا سُبْحٰنَ

اور جنوں کو معلوم ہے کہ وہ پکڑے آتے ہیں اللہ نرالا ہے

اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ

ان باتوں سے جو بناتے ہیں مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے سو تم

وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ لا مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لا اِلَّا مَنْ

اور جن کو تم پوجتے ہو اس کے ہاتھ سے بہکا نہیں لے سکتے مگر اسی کو

هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ لا

جو پہنچنے والا ہے آگ میں اور ہم میں جو ہے اسکو ایک ٹھکانا ہے مقرر

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ج ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور ہم جو ہیں ہم ہی ہیں قطار باندھنے والے اور ہم جو ہیں ہم ہی ہیں پاکی بولنے والے

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لا لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ

اور یہ تو کہتے تھے اگر ہم پاس احوال ہوتا پہلے

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لا لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا

لوگوں کا تو ہم ہوتے بندے اللہ کے چنے سو اس سے منکر

بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا

ہو گئے اب آگے جان لیں گے اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا

جو رسول ہیں بے شک انہی کو مدد ہونی ہے اور ہمارا لشکر جو ہے

لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ

بیشک وہی زبر ہے سو تو ان سے پھر یا ایک وقت تک اور انکو دیکھتا رہ

فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا

کہ آگے دیکھ لیں گے کیا ہماری آفت شتاب مانگتے ہیں پھر جب

نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ

آ اترے گی انکے میدان میں تو بری صبح ہو گی ڈرائے گیوں کی اور پھر یا

عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ان سے ایک وقت تک اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے

مشرکین کی بعض جہالتوں اور حماقتوں کی تردید اور اس پر تہدید اور وعید

قال اللہ تعالیٰ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ .. الیٰ .. وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ

(ربط) شروع سورت میں دلائل توحید کا ذکر تھا بعد ازاں انبیاء کرام ؑ کے واقعات ذکر کیے جو اللہ کے عباد مخلصین تھے اور توحید کے داعی تھے اب پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بطور تفریع شرک اور کفر کا ابطال فرماتے ہیں اور مشرکین کے بعض عقائد باطلہ اور مہملہ کی اور ان کی بعض جہالتوں اور ضلالتوں کی تشریح اور تفصیل فرما کر انکی تردید کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ فقط شرک کی گمراہی میں مبتلا نہیں بلکہ اسکے علاوہ قسم قسم کی جہالتوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہیں مثلاً خدا تعالیٰ کے تجسیم کے قائل ہیں اور اسکو صاحب اولاد مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ولادت ان اجسام کا خاصہ ہے جن میں کون و فساد جاری ہوتا ہے اس لیے کہ توالد و تناسل بقاء نوع کے لیے ہوتا ہے کہ افراد اگرچہ فنا ہو جائیں مگر نوع باقی رہے اور اس تشریح سے مقصود

انکی تفضیح اور تقبیح ہے تاکہ علانیہ طور پر مشرکین کی جہالتیں اور حماقتیں ظاہر اور عیاں ہو جائیں مشرکین عرب کے چند قبائل کا یہ خیال تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کو خدا تعالیٰ کا سسرالی رشتہ دار سمجھتے تھے ان آیات میں مشرکین کی ان دونوں کی قباحت اور حماقت ظاہر فرمائی کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں خدا تعالیٰ کیلئے وہ چیز تجویز کرتے ہیں جو انکو ناپسند ہے اور بری لگتی ہے گویا کہ اپنے نفس کو خدا پر ترجیح دیتے ہیں کہ خدا کے لیے خسیس اور کمتر چیز تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے عمدہ اور بہتر نیز اپنی حماقت سے فرشتوں کو دختران خدا بتلاتے ہیں اور خدا کے لیئے اولاد ٹھہراتے ہیں اور بلا دلیل خدا کی اولاد کو مؤنث ٹھہراتے ہیں اور فرشتوں کی بھی توہین کرتے ہیں اور مشرکین کا فرشتوں کی بابت یہ کہنا کہ یہ عورتیں ہیں یہ بات تو مشاہدہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے ایسی بات محض عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی ایسی بات کے اثبات کے لیئے مشاہدہ چاہیئے اور ظاہر ہے کہ وہ بالبداہت مفقود ہے اسلیئے کہ یہ لوگ فرشتوں کی پیدائش کے وقت موجود اور حاضر نہ تھے تو پھر انکو کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے عورتیں ہیں ان کی یہ بات بالکل جھوٹ اور من گھڑت ہے جس پر کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں۔

پھر اخیر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی برات بیان فرمائی کہ فرشتے اس کذب و افترا سے بالکل بری ہیں جو مشرکین انکی طرف منسوب کرتے ہیں کما قال تعالیٰ حاکیا عنہم وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے حال کی حکایت فرمائی اور انکی عبادت اور بندگی کی خبر دی کہ وہ دن رات صف بستہ ہو کر تسبیح و تحمید کرتے ہیں اور اللہ کی تنزیہ و تقدیس کرتے ہیں اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتے ہیں تو پھر فرشتے خدا اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں فرشتے خود اپنی عبدیت کے مقر اور معترف ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہ تھے فرشتوں کی طرح خدا کے رسول بھی دن رات اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں پھر مکذبین رسالت کی تہدید کے لیئے یہ خبر دی کہ انبیاء و مرسلین کا انجام ہمیشہ نیک ہوتا ہے ان سے اللہ کا وعدہ فتح و نصرت کا ہوتا ہے کفار مکہ کو چاہیئے کہ جلدی نہ کریں وہ اپنی مخالفت اور تکذیب کا انجام عنقریب دیکھ لیں گے وَاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ حالات چاہے کتنا ہی پلٹا کھاتے رہیں بالآخر غلبہ حق کا ہوگا یہ کفار ہمارے نبی کی مخالفت کر کے کچھ نہیں کر سکتے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے کہ غلبہ ہمارے رسول ہی کا ہوگا پھر مشرکین کے اقوال کی تردید کے بعد سورت کو انبیاء کرام کے سلام اور اپنی تنزیہ و تقدیس پر ختم کیا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے جو مشرکین حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

شروع سورت میں فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا میں منکرین حشر سے سوال توبیخ کا ذکر تھا اب اخیر سورت فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ میں منکرین توحید سے سوال تبکیت کا ذکر ہے

چنانچہ فرماتے ہیں پس اے نبی آپ ان مشرکین سے جو قسم قسم کے باطل عقائد اور مہمل خیالات میں مبتلا ہیں بطور تقریع و توبیخ خود ان سے فتویٰ پوچھئے تاکہ خود انکی زبان سے شرک کی قباحت اور انکی جہالت اور حماقت ظاہر ہو کہ خدا تعالیٰ کے بارہ میں کیا بہتان باندھتے ہیں کیا انکے نزدیک تیرے رب کیلئے بیٹیاں ہیں اور انکے لیے بیٹے ہیں یعنی یہ لوگ اپنے لئے بیٹے پسند کرتے ہیں اور بیٹیاں ناپسند کرتے ہیں حتیٰ کہ انکو زندہ درگور کر دیتے ہیں تو پھر خدا کیلئے کیوں بیٹیاں پسند کرتے ہیں قال تعالیٰ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى۔ اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ایک قباحت تو یہ ہوئی **دوسری** قباحت سنو کہ ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے تو کیا یہ لوگ انکی پیدائش کے وقت حاضر تھے اور کھڑے دیکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے تو پھر کیسے جانا کہ فرشتے عورتیں ہیں یہ بات تو مشاہدہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے محض عقل سے اسکا ادراک نہیں ہو سکتا پس بلا مشاہدہ اور بلا دلیل تم نے فرشتوں کو کیسے مؤنث قرار دیا (تیسری قباحت) یہ ہے آگاہ ہو جاؤ تحقیق یہ لوگ اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر ایسا کہہ رہے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا کے اولاد ہوئی اور معاذ اللہ اللہ نے اولاد جنی اور تحقیق وہ بلا شبہ جھوٹے ہیں یہ تیسری قباحت ہوئی کہ خدا تعالیٰ کو صاحب اولاد قرار دیا جو خاصہ ان اجسام کا ہے کہ جن میں کون و فساد اور تغیر و تبدل جاری رہتا ہے اور اولاد باپ کے ہم جنس اور اسکے مثل ہوتی ہے اور خدا مثل سے پاک ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کیا خدا تعالیٰ نے بیٹوں کے مقابلہ میں اپنے لئے بیٹیوں کو پسند کیا ہے تمہیں کیا ہوا کہ کیسا مہمل حکم لگاتے ہو کیا تم ذرہ بھی خیال نہیں کرتے کہ کیسی بے ہودہ بات کہہ رہے ہو کیا تمہارے پاس اس بارہ میں کوئی واضح دلیل ہے اس بارہ میں تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل حسی ہے۔

(چوتھی قباحت یہ ہے) پس اگر اس بات پر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہو تو اپنے پاس سے کوئی آسمانی کتاب لا کر دکھاؤ جس میں فرشتوں کا بیٹیاں ہونا لکھا ہوا ہو اگر تم سچے ہو غرض یہ کہ تمہارے پاس نہ تو عقلی دلیل ہے جس سے ثابت ہو سکے کہ عقلاً فرشتوں کا مؤنث ہونا ضروری ہے اور عقلاً فرشتہ کا مذکر ہونا محال ہے کیا عقلاً فرشتہ کی ذات اور حقیقت کے لیے مؤنث ہونا لازم ذات اور لازم ماہیت ہے اور نہ تمہارے پاس یہ کہ اپنے مشاہدہ سے فرشتوں کا مؤنث ہونا ثابت کر سکو اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے کہ کسی آسمانی کتاب سے اسکی سند پیش کر سکو جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو عورت بنایا ہے اور فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

(پانچویں قباحت) مشرکین نے جب یہ بکنا شروع کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ ارے کمبختو! بتلاؤ کہ انکی مائیں کون ہیں تو بولے کہ سرداران جن کی بیٹیاں انکی مائیں ہیں تفسیر قرطبی ص۱۳۴ ج ۱۵ و تفسیر ابن کثیر ص۲۳ ج ۴ بعض قبائل عرب کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سرداران جن کی عورتوں کو اپنی جورو بنایا اور ان سے یہ فرشتے پیدا ہوئے جیسا کہ ہنود کے بھی دیوی اور دیوتاؤں کے متعلق ایسے ہی خیالات فاسدہ ہیں۔

پس مشرکین نے کیسی بے حیائی اور ڈھٹائی سے جنوں کا خدائے پاک سے رشتہ ملایا حالانکہ سب اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہیں اس لیئے فرماتے ہیں کہ بعض مشرکوں نے حد ہی کر دی کہ خدا تعالیٰ کے درمیان اور جنوں کے درمیان نسبی رشتہ اور ناتہ ٹھہرایا ہے حالانکہ جنوں کو خوب معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ سے ان کا کوئی رشتہ اور ناتہ نہیں سب اللہ کے بندے ہیں قیامت کے دن حساب وکتاب کیلئے ضرور حاضر کیئے جائیں گے یہ پانچویں قباحت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے جنوں کا رشتہ مصاہرت ثابت کیا اور مصاہرت فرع زوجیت کی ہے اور اللہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے اللہ تعالیٰ کا کسی سے سسرالی رشتہ نہیں لعنت ہو اللہ کی ان گستاخوں پر جو جنوں سے اللہ کی مصاہرت کے قائل ہوئے فرشتوں کو خدا کی اولاد قرار دیا اور جنوں کو خدا تعالیٰ کی سسرال قرار دیا۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دشمنانِ خدا (یعنی مجوس) یہ کہتے ہیں کہ یزدان اور اہرمن یعنی اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی بھائی ہیں تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا تفسیر ابن کثیر ص۲۳ ج ۴ معاذ اللہ ان نادانوں نے خدا تعالیٰ اور شیطان کو بھائی بھائی قرار دیا بعض قبائل عرب اس بات کے معتقد تھے کہ شیطان خدا تعالیٰ کا بھائی ہے اس لیئے کہ خدا تو نور اور خیر محض ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور شیطان ظلمت اور شر محض ہے جس کو اہرمن کہتے ہیں اور مجوس کا بھی یہی مذہب ہے اس اعتبار سے خدا تعالیٰ اور شیطان کے درمیان جو از قسم جن ہے رشتہ اور قرابت ثابت کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس عقیدہ فاسدہ کا رد فرمایا کہ یہ لوگ کیسے عقل کے دشمن ہیں کہ اس قسم کی بے ہودہ باتیں کرتے ہیں اور جنوں سے خدا تعالیٰ کا دامادی اور سسرالی رشتہ ثابت کرتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں مگر اللہ کے مخلص بندے کہ وہ ایسی باتیں نہیں بناتے اب آگے کفار کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں سو اے مشرکو! تم اور جنکو تم پوجتے ہو سب مل کر بھی کسی کو خدا کی عبادت سے برگشتہ اور گمراہ نہیں کر سکتے مگر جس کے لیے علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ میں جانے والا ہے ہدایت اور ضلالت تمہارے اختیار میں نہیں۔

اب آگے فرشتوں کی بندگی کا حال خود انکی زبان سے نقل کرتے ہیں تاکہ ان کا بندۂ محض ہونا ثابت ہو جائے اور مشرکین کے خیال کا رد ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور یہ فرشتے خود یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے ہم میں سے کوئی مگر اس کے لیئے ایک جگہ اور ایک حد مقرر ہے کہ ہم نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں جس کام کی بجا آوری کے لیے ہم کو مقرر کر دیا ہے اس میں ہم اپنی رائے سے ذرہ برابر تغیر و تبدل نہیں کر سکتے اور دوم یہ کہ ہم ہی ہیں بارگاہ خداوندی میں صف بستہ کھڑے رہنے والے کوئی اللہ کی بندگی کے لیئے کھڑا ہے اور کوئی اس کے حکم کے انتظار میں کھڑا ہے تو جب ہمارا یہ حال ہے تو ہم کیسے خدا کی بیٹیاں اور اسکا جزء ہو سکتے ہیں اور بغیر حکم الٰہی کے از خود کسی کو کیا نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں اور سوم یہ کہ تحقیق ہم ہی ہر وقت اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرنیوالے ہیں۔ پس جو لوگ ہماری الوہیت اور معبودیت اور خدا سے ہماری جزئیت

کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ کھلے گمراہ ہیں۔

مشرکین عرب کی ایک بدعہدی کا ذکر

قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

یہاں تک مشرکین کے خیالات باطلہ کا رد فرمایا اب آگے مشرکین عرب کی ایک بدعہدی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ نبی کریمؐ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہود و نصاریٰ کی سرکشی اور ہلاکت کا حال سن کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر پہلوں کی طرح ہمارے پاس بھی توریت و انجیل جیسی کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی اللہ کے خالص فرمانبردار بندے ہوتے اور خوب اس پر عمل کرتے لیکن جب توریت و انجیل سے بڑھ کر انکی ہدایت کے لیے قرآن نازل ہوا اور نبی کریم انکی طرف مبعوث ہوئے تو منکر ہوگئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور مخالفت پر تل گئے بڑی شرم کی بات ہے کہ اپنے قول و قرار اور اپنی تمنا سے یکلخت برگشتہ ہوگئے کما قال تعالیٰ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا۔

وقال تعالیٰ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ۔

مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی یہ لوگ پہلے سے تمنا کیا کرتے تھے جب وہ ان کے سامنے آئی تو اس سے متنفر اور بیزار ہوگئے ان آیات میں وعدہ سے انحراف پر وعید اکید اور تہدید شدید ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور تحقیق یہ کفار مکہ آپؐ کے مبعوث ہونے سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر پہلے لوگوں کی طرح ہمارے پاس بھی کوئی کتاب ہوتی جس سے ہم پند و نصیحت حاصل کرتے جیسے یہود و نصاریٰ کے پاس اللہ کی کتابیں آئیں تو ہم اللہ کے خالص بندے ہوتے۔

پس جب ہم نے انکی ہدایت کے لیے یہ قرآن بھیجا جو تمام آسمانی کتابوں سے بڑھ کر ہے تو اس سے منکر ہوگئے اور اپنے گذشتہ قول و قرار سے یکلخت منحرف ہوگئے پس قریب ہی میں اپنے کفر کے انجام کو جان لیں گے کہ اپنی مخالفت میں ناکام ہوں گے اور وقتی طور پر جو انکو قوت اور شوکت حاصل ہے وہ عنقریب ختم ہو جائے گی اور اللہ نے اپنے نبی سے جو اپنے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے ضرور اللہ اسکو پورا کرے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق پہلے ہی سے ہمارے برگزیدہ بندوں اور پیغمبروں کے لیے ہمارا یہ حکم جاری ہو چکا ہے کہ بلاشبہ بالآخر وہی مظفر و منصور ہوں گے اور خدا جس کی مدد کرے اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا کما قال تعالیٰ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ وقال تعالیٰ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ

يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ اور تحقیق ہمارا لشکر ہی دشمنوں پر غالب رہے گا خدا کے لشکر سے انبیاء و مرسلین کے متبعین اور اہل حق مراد ہیں کہ بلا اسباب ظاہری کے انکو کافروں پر غلبہ حاصل ہوگا پس اے نبی کریم آپ ان سے ایک وقت معین تک منہ پھیر لیجیے اور انکو دیکھتے رہیئے جو کہتے اور کرتے ہیں وہ کرنے دیجیے پس یہ لوگ بھی عنقریب دیکھ لیں گے کہ کس طرح اسلام کو کفر پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنی ذلت و خواری کو بھی دیکھ لیں گے پس کیا یہ لوگ بطور تمسخر ہمارے عذاب کو جلد ہی مانگتے ہیں اور اسکی جلدی مچا رہے ہیں اور بیباکی اور دلیری سے کہتے ہیں کہ وہ عذاب کب آئے گا پس خوب سمجھ لیں کہ جب وہ عذاب ان کے مکانوں کے صحنوں میں آکر اترے گا تو ان لوگوں کی صبح بہت بری ہو گی جن کو اس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا اور وہ اسکی پرواہ نہ کرتے تھے اور اے نبی آپ ان سے ایک خاص وقت تک اعراض کرتے رہیئے اور دیکھتے رہیئے کہ کس طرح اللہ کی مدد آتی ہے پس یہ لوگ بھی اپنا نتیجہ اور انجام دیکھ لیں گے ان آیات میں اسلامی فتوحات بدر وغیرہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ آیت فتح اسلام کی پیشین گوئی ہے اور کفار کی تہدید ہے کہ یہ دشمنان اسلام عنقریب اپنی خواری کو دیکھ لیں گے حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ ازالۃ الخفاء میں آیت ہذا یعنی وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی روز اول میں ہمارا وعدہ اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء و مرسلین سے متحقق ہو چکا ہے کہ تحقیق دشمن کے مقابلہ میں وہ ضرور مظفر و منصور ہوں گے اور بلاشبہ ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے اس آیت میں مرسلین سے وہ رُسُل مراد ہیں جو کفار سے جہاد و قتال کیلئے مبعوث اور مامور ہوئے اور لشکر سے ان کے اصحاب اور تابعین مراد ہیں جنکے دل میں داعیۂ نصرت رُسُل اور اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا خواہ مرسلین کی موجودگی میں ہو اور خواہ انکے وصال کے بعد جیسے صحابہ کرام کہ وہ اللہ کا لشکر تھے اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے متبعین سے مظفر و منصور ہوجانے کا فرمایا تھا وہ دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک خاص گروہ کے دل میں داعیۂ اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا اور وہ مظفر و منصور بھی ہوتے تو بالبداہت معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام جُندُ اللہ کا مصداق تھے جو اس وعدے سے مشرف اور ممتاز ہوتے اور آپکے وصال کے بعد خلفاء راشدین کے ہاتھ پر جو فتوحات ظاہر ہوئیں وہ اسی سابق وعدۂ نصرت و غلبہ کی تکمیل تھی (ازالۃ الخفاء)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ

پاک ذات ہے تیرے رب کی عزت کا صاحب پاک ہے ان باتوں سے جو کرتے ہیں اور سلام

عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

ہے رسولوں پر اور سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا

خاتمۂ سورت بر تنزیہ و تحمید رب العالمین و تنویہ شان حضرات مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

اب ان مضامین کے بعد اس سورت کو اللہ تعالےٰ اپنی تنزیہ و تحمید پر اور مرسلین کے سلام پر ختم فرماتے ہیں جو مضمون توحید اور مضمون رسالت کا خلاصہ اور لب لباب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اسے نبی تیرا پروردگار جو خداوند عزت و غلبہ ہے وہ ان تمام باتوں سے پاک ہے جو مشرکین اسکی بابت کرتے ہیں پس خدا تعالیٰ کو ان تمام قبیح باتوں سے منزہ جانو جو مشرکین اسکی شان میں کہتے ہیں وہ عزیز غالب ہے وہ جب چاہے ان جلد بازوں کو پکڑ سکتا ہے جو عذاب میں جلدی مچا رہے رہے ہیں اور وہ منزہ ہے اس سے کہ وہ اپنے وعدۂ نصرت کو پورا نہ کرے۔

اور سلام ہے اللہ کا دنیا اور آخرت میں اسکے رسولوں پر کہ سلامتی انکے اتباع میں ہے جن کے ذریعہ خدا تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا پس انکے اتباع کو فرض اور لازم جانو کیونکہ انبیاء کرام تمہارے اور خدا تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں بغیر ان کا دامن پکڑے خدا تک پہنچنا ناممکن ہے اور سب طرح کی تعریف ہے اللہ کیلئے جو رب ہے سارے جہانوں کا یعنی قابل ستائش اور بندگی صرف وہی ذات ہے جو سارے جہانوں کا مربی ہے بندوں کو چاہیئے کہ ہر نعمت کو اسی کی طرف سے جانیں اور اس کا شکر کریں خاص کر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے بندوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ اللہ کے احکام ان تک پہنچائیں اور حمد ہے اس خدا کی جس نے اپنے دوستوں کی مدد کی اور کافروں کو ہلاک اور برباد کیا سبحان اللہ کیا خاتمہ ہے کہ تین کلموں میں اجمالی طور پر تمام اصول دین کی طرف اشارہ فرما دیا پہلے کلمہ میں مشرکین اور کفار کے خیالات سے اللہ کی تنزیہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے پاک اور منزہ ہے جو شان الوہیت کے مناسب نہیں اور تحمید سے توحید کی طرف اشارہ فرمایا اور بتلایا کہ اللہ تعالیٰ تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے جو اسکی شان کے لائق ہیں پہلے جملہ میں صفات سلبیہ کو بیان کیا اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ میں صفات ثبوتیہ کو بیان کیا اور سَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ سے پیغمبروں کی عظمت شان کو بیان کیا تاکہ ان پر ایمان لائیں اور انکے اتباع کو ہدایت اور سعادت کا ذریعہ جانیں اور انکے اتباع کی برکت سے آخرت کے عذاب سے نجات پاویں۔

غرض یہ کہ ان تین آخری کلمات میں تمام اصول دین کی طرف اشارہ ہو گیا امام ابن ابی حاتمؒ نے اپنی سند سے امام شعبیؒ تابعی کبیر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو اور اچھی معلوم ہوتی ہو

کہ قیامت کے دن بھرپور پیمانہ سے ناپ کر اسکو ثواب دیا جائے اسکو چاہیئے کہ اپنی ہر مجلس[1] کے اخیر میں یہ کہہ لیا کرے سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ:

الحمد للہ آج بتاریخ ۲۷ صفر الخیر ۱۳۹۴ھ یوم پنجشنبہ بعد نماز فجر مسودہ والصافات کی تفسیر سے فراغت ہوئی فالحمد للہ اولاً واٰخراً - یا ارحم الراحمین یا ذالجلال والاکرام اسکو قبول فرما اور اپنی رحمت اور توفیق سے باقی تفسیر کی اس ضعیف و ناتواں کے ہاتھ سے تکمیل فرما آمین یا رب العالمین رب اشرح لی صدری ویسرلی امری ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا وسید المرسلین محمد وعلی اٰلہ الطیبین واصحابہ الطاہرین وعلینا معہم یا ارحم الراحمین اللّٰھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاٰخرۃ والحمد للہ اولاً واٰخراً وظاہراً وباطناً۔

اطلاع یہاں تک معارف القرآن مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلد ششم مکمل ہوتی باقی تفسیر بنام تکملۂ معارف القرآن حضرت موصوف کے صاحبزادہ مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے

"مرتب"

الحمد للہ معارف القرآن کی جلد ۶ مکمل ہوئی ساتویں، آٹھویں جلد اس کے بعد بنام تکملۂ معارف القرآن ہوگی۔

[1] اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھ لیا کرے سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک تاکہ مجلس میں جو اسکی زبان سے نکلا ہے اس کا کفارہ ہو جائے اس حدیث کا نام حدیث کفارہ مجلس ہے تفسیر ابن کثیر ص ۲۶ ج ۴۔

ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

تصدیق نامہ

مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور کی مطبوعہ تفسیر معارف القرآن مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلد ششم مشتمل بر پارہ ۲۰ - ۲۱ - ۲۲ - ۲۳ تا انتہائے سورۃ صافات، کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا۔
تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔

واللہ اعلم

مکتبہ المعارف شہداد پور

۲۱ محرم ۱۴۲۱ھ